قلب وجان

پلوشہ رحمن

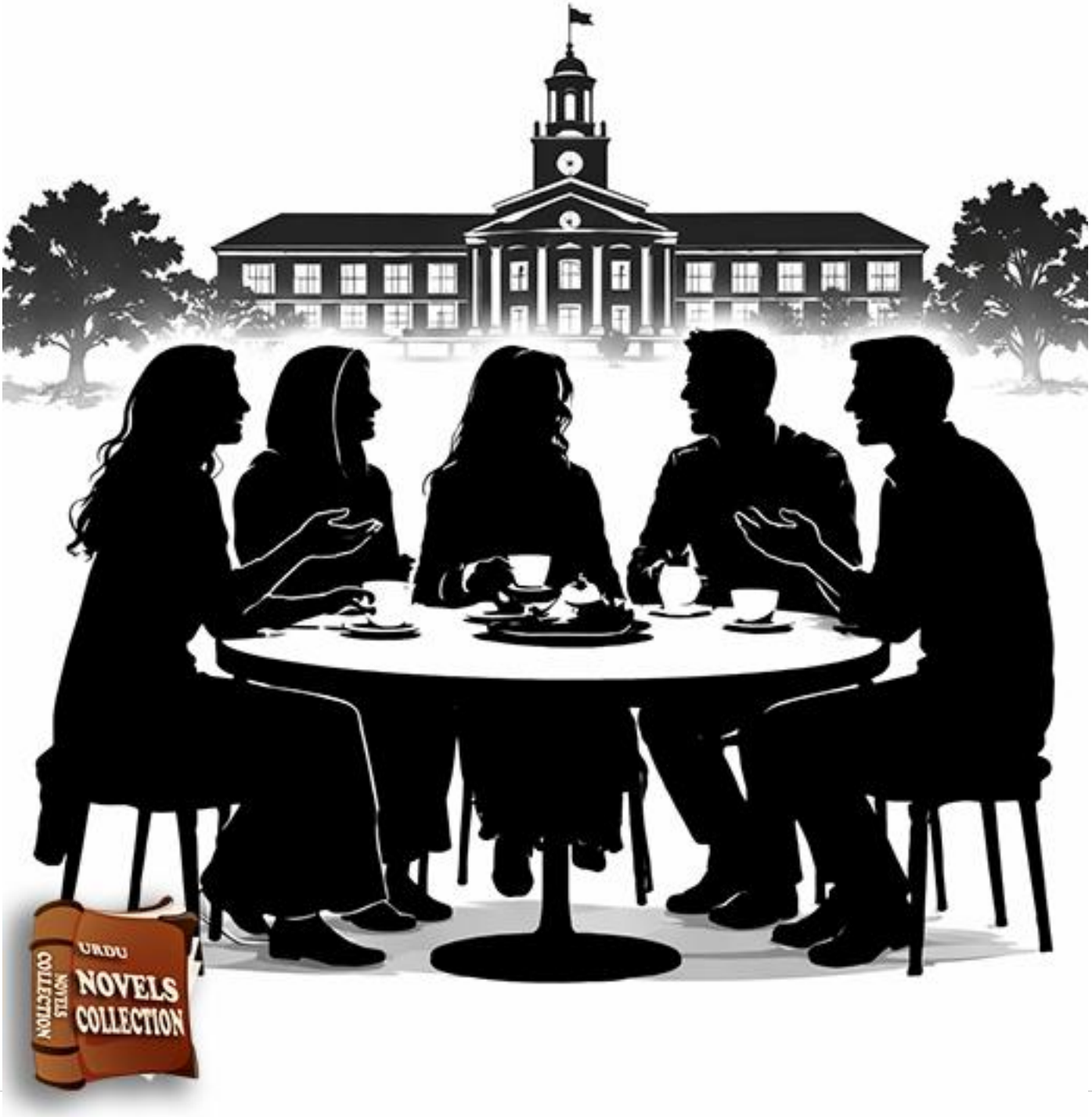

قلب و جاں

پلوشہ رحمٰن

ایک اہم بات

یہ میرا دوسرا ناول ہے اور اس ناول میں شامل تمام شاعری میری اپنی تخلیق ہے؛ اسے کہیں بھی شیئر کرتے وقت ناول اور مصنفہ کا نام بطور حوالہ لازمی درج کریں۔

پلوشہ رحمن

خودی کو جو پرویا ہے، تری تسبیح کے دانوں میں

تو اپنی ذات کی وسعت، مرے آگے کھلی اب ہے

عجب سودا ہے الفت کا، کہ جب میں تیرا ہو بیٹھا

کرم ایسا ہوا، تُو نے اسے بھی میرا کر ڈالا

☆☆☆☆☆☆☆

زیرِ زمین بنا ہوا وہ بیسمنٹ ہال، کسی خفیہ دنیا سا محسوس ہو رہا تھا۔ وسیع، روشن، اور بے قابو موسیقی سے گونجتا ہوا۔ دیواروں پر نیون لائٹس تیزی سے رنگ بدل رہی تھیں، اور ان کی چمک پالش شدہ فرش پر منعکس ہو کر اسے بھی اپنے رنگ میں رنگ رہی تھی۔ اسپیکرز کی گونج سینے میں دھڑکن بن کر اُتر رہی تھی۔

مشعل کا ہاتھ تھامے مہوش دو قدم آگے بڑھ گئی، اور اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر کے، تیزی سے اس کی جانب مڑی۔

"یہاں کسی کو نہیں بتانا کہ تم میرے ساتھ آئی ہو۔" اس نے ٹھہر کر بغور مشعل کے تاثرات جانچے۔ "میرا مقصد صرف تمہیں تمہارے کزن تک پہنچانا تھا۔ میں نہیں چاہتی کہ غلط لوگوں کی نظروں میں آؤں، یا کوئی اور بات بنے۔"

"یہاں تک پہنچانے کا شکریہ۔"

مہوش تیزی سے داخلی دروازے کی جانب مڑی اور اپنے پیچھے دروازہ بند کرتی باہر نکل گئی، جہاں اس کی دوست اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

مشعل نے چاروں اطراف نظر دوڑائی۔ یہ جگہ، شور اور بھاری فضا۔۔۔ یہ اس کی دنیا نہیں تھی۔

ہال میں ہر سمت نوجوان لڑکے لڑکیاں موجود تھے۔ کوئی ڈانس فلور پہ بے فکری سے جھوم رہا تھا تو کوئی گول چھوٹے میزوں کے گرد کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ کچھ نوجوان ہاتھوں میں مشروبات لیے تیز آواز میں باتیں کر رہے تھے اور کچھ نیم تاریک گوشوں میں بیٹھے سمارٹ فون کی روشنیوں میں غرق تھے۔ ہوا میں پرفیوم کی تیز خوشبو، سگریٹ کا دھواں اور سریلے قہقہوں کی گونج تھی۔

وہ لوگوں کے درمیان سے بمشکل راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ کسی لڑکے کی جینز پر جلی حروف میں ایک معروف برینڈ کا نام نظر آیا۔ لڑکیوں کے ہاتھوں، کانوں میں بیش قیمت جیولری جھلملاتی دکھائی دی۔

آخر کار وہ ہال کے عین وسط میں جا پہنچی اور یہیں اس کا ٹکراؤ ان دونوں سے ہوا۔

لڑکی ایک نہایت نفیس مغربی لباس میں ملبوس تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا مائیکل کورس کا چھوٹا سا سنہری ہینڈ بیگ روشنی میں چمک رہا تھا۔ لڑکے کا حلیہ بھی کم شوخ نہ تھا۔ چمڑے کے ٹمبر لینڈ کے جوتے، ہلکے آسمانی رنگ کا بلیزر اور ٹیگ ہویئر کی گھڑی۔ وہ دونوں گفتگو میں مگن تھے، جب مشعل ان سے بری طرح ٹکراتے بچی۔ اسے عقب سے کسی نے دھکا دیا تھا یا شاید کوئی اپنا راستہ بناتے ہوئے اسے ایک طرف کرنا چاہتا تھا۔ نتیجتاً وہ ان دونوں پر گرتے گرتے بچی۔ اگر وہ لڑکی بروقت اسے بازو سے پکڑ کر سہارا نہ دیتی تو وہ زمین پر گر چکی ہوتی۔

اب وہ دونوں لبوں پر شوخ مسکراہٹ سجائے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"سوری۔"خفت کے مارے مشعل کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔"میں حماس کو ڈھونڈ رہی ہوں، حماس سلطان۔"گھبراہٹ میں تیزی سے بولتے ہوئے اس نے مدد طلب نظروں سے اس لڑکی کو دیکھا۔

لڑکی نے معنی خیز انداز میں ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھا، جس نے جواباً سر اثبات میں ہلا دیا۔

"وہ تمہیں سیکرٹ روم میں ملے گا۔"اس نے آنکھوں سے ہال کے اختتامی حصے کی جانب اشارہ کیا۔ مشعل کو وہاں تاریکی کے علاوہ کچھ دکھائی نہ دیا۔"میرے خیال سے تمہارا وہاں جانا کچھ ایسا مناسب نہیں۔ وہاں ڈرگز اور ہارڈ ڈرنکس لینے والے جاتے ہیں اور بیک وقت چار سے زیادہ کو داخل ہونے کی اجازت بھی نہیں ملتی۔"

مشعل کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

لڑکے کے چہرے پر اب نسبتاً ایک نرم تاثر ابھرا تھا۔"میں لے جاتا ہوں۔ بغیر حوالے کے تمہیں وہاں کوئی جانے بھی نہیں دے گا۔"شاید وہ مشعل کی کیفیت سمجھ گیا تھا۔اس نے جیب سے موبائل نکال کر کوئی میسج ٹائپ کیا، چند سیکنڈ بعد موبائل نے نئے پیغام کی نوید سنائی۔اس نے پیغام پڑھتے ہی مشعل کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں اس تاریک کونے میں پہنچے تو وہ دروازہ عیاں ہوا جس کا رنگ گہرا بھورا تھا۔

اس لڑکے نے ہلکی سی دستک دے کر اپنا نام لیا۔"زین سلمان۔"یہ گویا کوئی جادو کا منتر تھا۔ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا۔

دروازے میں ایستادہ وجود اس کے لیے اجنبی تھا لیکن ان دونوں پر نظر ڈالتے ہی اس نے دروازہ کھول کر گویا انہیں اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اس کمرے میں داخل ہوئی۔

ہلکی روشنی، دھوئیں کے بادل اور سست سانسوں سے بھرا ہوا وہ کمرہ مشعل کے سامنے جیسے دھند بن کر کھڑا تھا۔ ایک کونے میں چار لڑکے بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک وہ تھا جسے وہ ڈھونڈتی یہاں تک آگئی تھی۔ اس دھند میں بھی حماس کچھ یوں نمایاں تھا، جیسے کوئی دلجمعی سے تراشا ہوا مجسمہ دھول کے اندر بھی اپنی شبیہ برقرار رکھتا ہے۔

اس کی سیاہ آنکھوں میں عجب سی سرخی گھل گئی تھی، جیسے کسی نے اندھیرے میں سرخ دھوپ بھر دی ہو۔ بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے اور گندمی چہرے پر خاموشی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں جلتی ہوئی چیز ایسے تھام رکھی تھی جیسے وہ دنیا کی آخری حد ہو، اور اسے وہیں پہنچنا مقصود ہو۔ اس کے ہر انداز میں بے نیازی تھی جیسے اس کا ذہن جسم سے نکل کر کہیں دور خلا میں تیر رہا ہو۔

وہ یوں بیٹھا تھا جیسے کوئی نظم ادھوری ہو،

کوئی سوال ہوا میں چھوڑ دیا گیا ہو،

جیسے اس کی نگاہوں کے پار کوئی ایسی دنیا ہو

جسے عام لوگ دیکھ ہی نہیں سکتے۔

مشعل کا دل لمحے بھر کے لیے رک سا گیا۔

"حماس!" وہ بولی تو آواز سرگوشی کی صورت نکلی لیکن حماس کے لیے یہ پکار جھنجوڑنے کو بہت تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر مشعل کی سمت دیکھا۔

نشے میں ڈوبی ہوئی سیاہ آنکھیں، جو چند لمحے قبل ارد گرد کی دنیا سے ماورا کسی اور جہان میں تیر رہی تھیں ۔۔۔اب جاگ گئی تھیں۔ وہ عجلت بھرے انداز میں اٹھا۔ کچھ یوں کہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔

زین سلمان ان دونوں پر ایک مطمئن نگاہ ڈالتا باہر نکل گیا۔

"مش۔۔۔ مشعل!" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ "تم یہاں؟" ارد گرد یوں نگاہ دوڑائی جیسے پہلی بار اس جگہ کو دیکھ رہا ہو۔ جیسے یہ مشعل کے شایانِ شان نہ ہو۔

وہ اسے بازو سے تھامے اس کمرے سے باہر لے آیا۔ "تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔"

"یہ تو میں بھی تمہیں کہہ سکتی ہوں۔"

آخر کار وہ دونوں اس عمارت سے باہر نکل آئے۔ جیسے ہی دروازہ بند ہوا موسیقی کی گونج پیچھے رہ گئی اور سامنے کھلا ہوا فارم ہاؤس رات کے سناٹے میں پوری شان سے ان کے سامنے پھیل گیا۔

آسمان تاریک تھا اور دور تک پھیلے کھیتوں پر رات کے سائے ایسے بچھے تھے جیسے کسی نے سیاہ مخمل زمین پر ڈال دی ہو۔ فارم ہاؤس کی اوپری منزل پر جلتی چند زرد بتیوں کی روشنی نرم سا ہالہ بنائے ہوئے تھی۔

فارم ہاؤس کے سامنے پتھروں کا راستہ بنا ہوا تھا جس پر ہلکی زرد لائٹس جڑی تھیں۔ وہ روشنیوں کی قطار ایسے لگ رہی تھی جیسے کوئی راستہ آسمان کی تاریکی میں سفر کا اعلان کر رہا ہو۔ دائیں طرف ایک بڑا سا اوپن شیڈ کھڑا تھا۔ جہاں روز نکلتے وقت شاید گھوڑے باندھے جاتے تھے، مگر اس وقت وہ خالی اور خاموش تھا۔ صرف اوپر لٹکی روشنی ہولے سے جھول رہی تھی۔

مشعل اور حماس چند لمحے خاموش کھڑے رہے۔

بیسمنٹ کی دم گھونٹتی فضا سے نکل کر یہ رات اُن پر نئے سرے سے کھل رہی تھی۔ خاموش، ٹھنڈی اور بے حد وسیع۔

حماس کی آنکھوں میں اب بھی دھند تھی۔

مشعل کے دل میں ڈر اور ذمہ داری دونوں یکساں پھڑک رہے تھے۔ "تمہیں ڈھونڈتی میں ایسی جگہ پہنچ گئی جو۔۔۔"

"تمہیں وہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس کی آواز میں غصہ کم، خوف زیادہ تھا۔ ایسا خوف جو صرف کسی اپنے کو کھو دینے کے خدشے سے جنم لیتا ہے۔

"میں تمہاری نگرانی کرنے نہیں آئی تھی، حماس۔" اس نے دھیمی مگر ٹھوس آواز میں کہا۔ "میں اس لیے آئی تھی کیونکہ تم غائب تھے۔

حماس نے سر اٹھایا۔ "تم نہیں سمجھ سکتیں۔"

"سمجھنے کا موقع تو دو۔" مشعل نے فوراً کہا۔

حماس نے نظریں چرا لیں۔

لان کی تاریکی میں اس کا سایہ لمبا ہو گیا۔

"میں تمہیں یہاں اس حالت میں دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھی۔" اس نے لمحے بھر کو آنکھیں بند کیں۔ "وہ جگہ، وہ لوگ، وہ کمرا۔۔۔ اور تم؟"

خاموشی پھیل گئی۔

اتنی گہری کہ دور کھیتوں سے آتی ہوا کی سرسراہٹ سنائی دینے لگی۔

حماس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے۔

پھر بند کر لیے۔

"چلو۔" وہ بولا۔ "یہ جگہ اس کے لیے مناسب نہیں۔"

وہ دونوں ایک ساتھ آگے بڑھے۔

نہ قریب، نہ بہت دور۔

لان کی زرد لائٹس کے نیچے چلتے ہوئے حماس نے موبائل نکالا اور رائیڈ بک کر لی۔

۔۔۔اور جو بات کہی نہیں گئی تھی،

وہ ان کے بیچ سب سے زیادہ موجود تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں فارم ہاؤس کے سنسان لان سے نکل کر ایک گھنٹے کی طویل ڈرائیو کے بعد آخر کار شہر کے اُس حصے میں پہنچے جہاں کئی جگہیں اب بھی جاگ رہی تھیں۔ ڈرائیور نے گاڑی ایک روشن گوشے میں روکی۔ شیشے کی بڑی دیواروں والا انگلش ٹی ہاؤس لاہور میں کھڑا تھا۔

وہ کئی بار فیملی کے ساتھ اس شہر آئی تھی لیکن یہاں آنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ کیفے کے باہر نفیس لکڑی کی ریکنگ اور گملوں میں رات کی رانی کی خوشبو تھی۔

حماس نے دروازہ کھولا، مشعل نے اندر قدم رکھا تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی انگریزی ناول کے صفحات میں قدم رکھ رہی ہو۔ سفید دیواریں، لمبی لکڑی کی کرسیاں، اور مدھم جاز موسیقی۔۔۔ دیواروں پر قدیم انگلش گھروں کی پینٹنگز۔

کاؤنٹر کے پیچھے چائے کے جار اور چمکتے شیلف تھے۔ چند میزیں بھری ہوئی تھیں۔ کچھ دوست ہنسی کے مدھم قہقہے بانٹ رہے تھے اور چند لوگ اپنے لیپ ٹاپ پر کام مکمل کر رہے تھے۔

وہ دونوں ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گئے۔

حماس نے اس کی طرف دیکھا، آنکھوں میں ابھی بھی تھکن کی لکیریں تھیں، مگر نشہ اب اتر چکا تھا۔

"میرے خیال سے چائے کے ساتھ یہاں کا مشہور فرنچ ٹوسٹ آرڈر کریں، یا کوئی خوبصورت وِنڈ سرہائی ٹی پلیٹر۔" وہ مینیو دیکھتے ہوئے بولا، جیسے یہی مقصد ہو۔ مشعل نے اس کے ہاتھ میں پکڑا مینیو کارڈ نرمی سے لیتے ہوئے میز پر رکھا اور چیلنج کرتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کام کی بات کریں؟" مشعل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

کام کی بات؟" اس کے لہجے میں تھوڑا سا غصہ اور فکر دونوں جھلک رہے تھے۔ "سب سے پہلے تم بتاؤ، یہاں" "کیا کر رہی ہو؟ اس وقت تمہیں کراچی میں ہونا چاہیے تھا۔

"تم یہاں کس مقصد کے تحت آئے ہو حماس؟ میں نے آج تمہیں وہاں۔۔ اس بیسمنٹ میں جس روپ میں دیکھا وہ بہت تشویشناک ہے۔"

"مجھے اپنی ایک انفرادی زندگی چاہیئے مشعل۔" اب اس کے انداز میں دبا دبا غصہ تھا۔ "قصرِ سلطان سے باہر کی۔"

"اگر یہی باہر کی دنیا ہے۔" مشعل کے لہجے میں طنز کے بجائے دکھ بول رہا تھا۔ "تو مجھے یہ بہت چھوٹی لگی۔"

"پہلے آرڈر کر لیں۔" شاید اسے بھی اندازہ ہو چلا تھا یہ بحث لمبی ہونے والی ہے۔ حماس نے ہی دونوں کے لیے آرڈر کیا، اکثر یونہی ہوتا، ان میں سے کوئی ایک ہی دونوں کے لیے انتخاب کیا کرتا۔

"میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔ میرا یہاں آنے کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ تمہارے معاملات میں مداخلت کروں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ میں بھی اب وہیں پڑھوں گی جہاں تم نے داخلہ لیا ہے۔"

حماس نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، جیسے کسی نے اس کا توازن بدل دیا ہو۔

"مگر۔۔۔ تم تو۔"

مشعل نے بات کاٹ دی۔

"میں آج صبح ہی ہاسٹل آئی ہوں۔ ماما اور بابا مجھے آج ہی ڈراپ کر کے گئے ہیں۔ تمہیں معلوم نہیں، مگر میں اپنا داخلہ مکمل کر چکی ہوں۔"

"اور یوں رات کو باہر نکلنا۔۔۔ بابا اور تائی سے کیا کہہ کر آئی تھی۔ ہاسٹل سے کیسے اجازت ملی؟"

"مہوش میری روم میٹ ہے، اسی کے ساتھ نکلی تھی۔"

"اسے رات کے وقت ہاسٹل سے نکلنے کی اجازت کیسے ملی؟"

"فائزہ اسے شام میں لینے آئی تھی۔ وہ اس کی کلاس فیلو اور دوست ہی نہیں رشتہ دار بھی ہے مہوش کو یہ رات فائزہ کے ہاں گزارنی تھی۔ اس کے گھر والوں نے یہ اجازت دلوار کھی ہے میں نے ماما بابا سے فون کروا کر اجازت لے لی۔"

"تم فائزہ کو جانتی بھی نہیں، اس کے ہاں ٹھہرو گی؟"

"مہوش کو تو جانتی ہوں نا۔"

"ایک دن کی جان پہچان؟"

"مہوش کے پاس دعوت نامہ تھا، وہی مجھے اس پارٹی میں لے جاسکتی تھی۔"

"اب واپس کیسے جاؤ گی؟"

"تم مجھے فائزہ کے ہاں ڈراپ کرو گے۔" موبائل اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ "ابھی اتنا وقت بھی نہیں گزرا۔"

حماس سر پکڑ کر رہ گیا۔

"ویسے، میں وہاں اکیلی نہیں آئی تھی۔ آ بھی نہیں سکتی تھی۔ مہوش۔ ویسے تو روم میٹ ہے پر دوست ہی سمجھو۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا نام سامنے آئے۔"

"ایسا کیوں؟" وہ اس کے دائیں ہاتھ کی پشت پر جلے کے نشان کو دیکھ رہا تھا، جو ترچھے دائرے کی مانند تھا۔ پہلی بار چائے بناتے ہوئے گرم چائے اس کے ہاتھ پر گر گئی، جو وہ حماس کے لیے بنا رہی تھی۔

"وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو پتہ چلے وہ مخبریاں کرتی پھرتی ہے۔"اس پر وہ ہلکا سا مسکرایا۔"حماس تمہیں کسی نے وہاں کچھ کہا تھا؟"حماس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں اس نے وضاحت کی۔"کراچی میں، قصر میں۔"حماس نے جواباً نظریں ایک بار پھر جھکا دیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"تو پھر تم نے اچانک یہاں آنے کا کیوں سوچا، جبکہ ہم کراچی میں یونیورسٹی کا انتخاب بھی کر چکے تھے۔"

"ہم ارادے تو بناتے ہیں لیکن راستے کوئی اور طے کرتا ہے۔"وہ اب چائے کی پیالی کے گرد لپٹی اس کی انگلیاں دیکھ رہا تھا۔وہاں پر کچھ خراشوں کے معدوم ہوتے نشانات تھے۔دو ماہ قبل جو زخمی بلی وہ سڑک کنارے سے اٹھا لائی تھی، اس نے اپنی بے اعتباری کا مظاہرہ خاصے جارحانہ انداز میں کیا تھا۔"تمہاری غیر موجودگی میں یہاں داخلے کا پراسیس شروع کیا تھا لیکن داخلہ ٹیسٹ، انٹرویو، ہر موقع پر تم موجود تھی۔لاہور صرف میرا آنا طے ہوا تھا، اب ایک ہفتے بعد ہی تم یہ کہہ رہی ہو کہ تم بھی یہاں داخلہ لے چکی ہو۔"

وہ مسلسل نظریں چرا رہی تھی جیسے کچھ چھپا رہی ہو۔حماس نے اسے غور سے دیکھا۔لیکن کیا؟ایک تناؤ تھا جو ان کے بیچ آ گیا تھا۔

مدھم موسیقی، چائے کی بھاپ اور شیشوں کے باہر سیاہ رات——سب کچھ لمحے کے لیے ٹھہر گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

مشعل کا کمرہ درمیانے سائز کا، مگر آرام دہ تھا۔اس میں دو بیڈ، دو اسٹڈی ٹیبل اور ایک کھڑکی تھی جس سے رات کو لاہور کے آسمان کے چند ستارے دکھائی دیتے، باقی روشنی شہر کی اپنی بھاگ دوڑ کی تھی۔ایک طرف

مشعل کا بیڈ تھا۔ گلابی اور سفید پیٹرن کی بیڈ شیٹ، تکیے کے غلاف پر باریک سا پھولدار ڈیزائن جیسے وہ اپنا سکون اپنے ساتھ کراچی سے لے آئی ہو۔ بیڈ کے ساتھ اسٹڈی ٹیبل پر کتابیں، ہائی لائٹرز، رنگین نوٹس اور ایک چھوٹا سا لیمپ تھا، جو راتوں میں اس کا ساتھ دیتا۔ دیوار پر اس کے پسندیدہ اقوال چسپاں تھے، کچھ انگریزی میں، کچھ اردو: "زندگی وہی ہے جو ہم اسے بنانے کی ہمت رکھتے ہیں۔"

انہیں دیواروں پر کیل ٹھونکنے کی اجازت نہیں تھی۔

اس کی روم میٹ مہوش تھی—پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے آئی ہوئی۔ لمبے قد کی، نرم دل اور حد درجہ باتونی۔ اس کے بیڈ کی پہچان ہمیشہ کھلا ہوا بیگ، چار دن سے پڑی کتابیں اور دوپٹے کا کہیں نہ کہیں سے لٹکے ہونا تھا۔ مگر عجیب بات یہ تھی کہ اس بے ترتیبی میں بھی ایک خاص قسم کی گھریلو گرمی محسوس ہوتی۔

مہوش کے اسٹڈی ٹیبل پر ہمیشہ میس سے اٹھایا ہوا چائے کا کپ، ادھ کھایا بسکٹ کا پیکٹ اور فون کی چارجنگ کیبل الجھی ہوئی ملتی۔

کمرے کا ماحول دو الگ زندگیوں کا امتزاج تھا۔
مشعل کی شائستگی، مہوش کی شوخی، دونوں کی ہنسی اور کبھی کبھار ہونے والی وہ چھوٹی موٹی نوک جھونک جو پھر ہنسی میں بدل جاتی۔

رات کے وقت جب باہر ہاسٹل کی عمارت پر خاموشی اترتی، مشعل اکثر کھڑکی کے پاس بیٹھ کر شہر کی روشنیوں کو دیکھتی۔ اسے لگتا جیسے لاہور اس کے سامنے اپنے راز کھولنے والا ہو۔ اسے یہاں آئے ایک ہفتہ بیت چکا تھا۔

"مشعل؟"

مہوش کی آواز پر وہ چونک اٹھی اسے لگا تھا کہ مہوش سو چکی ہے۔"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟

"تمہارا کزن حماس۔یہی نام ہے نا؟"

"ہاں؟"

"اس کی عمر کیا ہے؟"

"میرا ہم عمر ہے۔"

"تمہارا ہم عمر ہے؟"وہ چادر ہٹاتی اٹھ بیٹھی۔"یقین نہیں آتا۔"

"مجھے اس کی عمر زیادہ لگی۔"

"اور تمہیں ایسا کیوں لگا؟"وہ اور حماس دونوں اینتھروپولوجی کے سٹوڈنٹس تھے جبکہ مہوش سائیکولوجی کی۔

"بس۔"اس نے شانے اچکائے۔"دیکھنے میں ہمارا ہم عمر نہیں لگتا۔وہ سب چھوڑو،یہ بتاؤ۔۔۔کیا کھلاتے رہے ہو اسے؟جہاں جاتا ہے لڑکیاں آہیں بھرتی ہیں۔"دونوں کی کھی کھی شروع ہو گئی۔

"ورک آؤٹ کرتا ہے،شاید تبھی۔"مشعل نے منہ پر ہاتھ رکھے بمشکل ہنسی روکی اور مہوش کے بیڈ پر جا بیٹھی۔

"تمہیں پتہ ہے۔۔۔آج تمہارے کزن کی وجہ سے میرے گروپ میں پھر ہلچل مچی ہوئی تھی۔"

"اوہ نہیں۔۔۔اب کون سا کارنامہ؟"

"یار، یہ جو ہماری فائزہ ہے نا سائیکولوجی کی! آج وہ پورے لیکچر کے دوران نوٹ بک پر حماس کے نام کا ڈوڈل بناتی رہی۔ کہتی ہے، یہ لڑکا جذبات سے گریزاں فطرت کا مالک ہے، مجھے اس کی شخصیت کا نفسیاتی تجزیہ کرنا ہے۔ میں نے کہا بی بی، وہ یہ پرسنیلٹی ٹیسٹ نہیں کروانا چاہتا تم سے۔"

مشعل نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تو پھر۔۔۔ وہ چپ ہو گئی؟"

"ہاں ہاں، دو منٹ کے لیے۔ پھر کہنے لگی میں اس سے ایک دفعہ یونہی سرسری گفتگو کر کے دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ خلوت پسند ہے، خاموشیوں میں پناہ ڈھونڈنے والا، ہجوم میں بھی خود کے اندر گم رہنے والا۔۔۔ یا پھر زخم گزیدہ اُجالہ رُوح، ایک زخمی برونِ گراں۔ ایسا دل جو لوگوں میں رہتے ہوئے بھی اپنے ٹوٹنے کی آواز صرف خود سنتا ہے۔ میں نے کہا بہن وقت گزرنے دو، مشاہدے سے سیکھو سب گتھیاں سلجھ جائیں گی۔"

مہوش نے پھر جوش سے آگے جھک کر کہا۔

"اور سنو، ہماری سمیرہ نے تو حد کر دی۔ صرف اس خاطر کہ وہ اسے دو منٹ کے لیے راہداری میں دیکھ لے، اس نے اینتھروپولوجی کے سیمینار میں بھی شرکت کی، حالانکہ وہ ہمارا مضمون ہے ہی نہیں۔"

"واقعی؟" مشعل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں! اور جب لکچرار نے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔ تو وہ بولی، مجھے موازنہ ثقافت میں دلچسپی ہے۔ اور بعد میں بھی ہال کے باہر یوں چکر لگاتی رہی جیسے کسی نادر فن پارے کی کھوج میں ہو حالانکہ وہ نادر فن پارہ وہی تھا جسے وہ چند فٹ کے فاصلے سے دیکھنے آئی تھی۔"

مہوش نے چائے کا کپ اٹھایا، ایک گھونٹ لیا اور مزید راز کھولنے لگی۔

"اور آج کیفے میں لارا—— یاد ہے وہ؟ جس کی ہمیشہ میچنگ کیو ٹکس ہوتی ہے؟ وہ اتنا آگے پیچھے گھوم رہی تھی کہ سب سمجھ گئے کچھ گڑ بڑ ہے۔ پھر اچانک پوچھتی ہے

مہوش، ویسے حماس کافی پیتا ہے یا چائے؟ میں نے پوچھا کیوں، تو کہنے لگی۔ بس ایسے ہی، ویسے بھی میں نے آج ایسپریسو جانا ہے، بس اتفاق سے اگر وہ آجائے تو۔" مہوش نے آنکھیں گول کیں۔ "اتفاق سے؟ وہ تو اتنی دیر تک وہاں کھڑی رہی جیسے چاند گرہن دیکھنے آئی ہو۔"

"تم بھی وہاں تھی؟"

"اندازے لگانا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"مجھے یہ سب تمہارے تخیل کی پیداوار لگتا ہے۔ فکشن زیادہ، سچائی کم۔" مشعل نے گویا ساری معلومات مشکوک ٹھہرا دیں۔

"بس رہنے دو۔ تم بس یہ سمجھ لو کہ تم حماس کی کزن ہو اور اس کا مطلب ہے کہ اگلے چار سال تک تم سے کوئی نا کوئی 'حماس اپڈیٹ' ضرور پوچھے گا۔"

دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"بس تم ہمیں اُس کا شیڈول بتا دیا کرو۔"

مشعل نے اس کی کمر پر ہلکا سا ہاتھ دے مارا۔

سونے سے پہلے مسلسل ایک ہی خیال مشعل کے ذہن میں گردش کرتا رہا۔ "اتنی قیاس آرائیاں؟ کیا یہ سب اس کے ماضی سے واقف ہیں؟"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

ڈی ایچ اے، فیز 4 میں ایک ایسا مقام تھا جو اپنی عظمت اور پراسراریت سے ہر نگاہ کو اپنی جانب کھینچتا۔

یہ 'قصرِ سلطان' کہلاتا تھا۔

نام ہی نہیں، اس کی ہیئت بھی کسی قدیم قلعے یا شاہی محل جیسی تھی۔ فلک بوس دیواریں، جن کی اوپری سطح پر خاردار تاروں کے سائے رقصاں رہتے، اور ہر گوشے میں نصب حفاظتی کیمرے شب و روز کی ہر حرکت قید کرتے دکھائی دیتے۔ آہنی گیٹ کے پہلو میں، مسلح محافظوں کے سائے یوں موجود رہتے، جیسے کسی گہرے راز کے امین ہوں۔

قصر کے اندر وسیع دالانوں اور راہداریوں میں خادم خاموشی سے فرائض انجام دیتے دکھائی دیتے، جیسے وقت بھی ان کی موجودگی سے بے خبر ہو۔

ہر شے منظم اور چمکدار تھی، ایک خاموش نظم کی عکاس۔ پچھواڑے میں ایک باغ تھا۔

یہاں چار افرادِ خانہ مقیم تھے: معظم سلطان، ان کی بیوی شمسہ، بیٹی مشعل سلطان اور معظم صاحب کی والدہ عنیقہ بیگم۔

مشعل اپنے والدین اور دادی کے ساتھ بھرپور زندگی گزار رہی تھی، مگر کبھی کبھار اچانک اداس ہو جاتی۔ کوئی بھی اس کی اداسی سمجھ نہیں پاتا تھا۔

"آج میں اداس ہوں، دادو۔" یہ رات بہت اندھیری تھی، اماوس کی سیاہ رات۔

وہ اس وقت اپنے بیڈ پر دم سادھے سیدھی لیٹی ہوئی تھی، آنکھیں چھت کی جانب تھیں۔ کچھ دیر قبل ملازمہ نے اس کے پر زور اصرار پر دادو کو پیغام پہنچایا تھا کہ وہ چاہتی ہے دادو کچھ وقت اس کے کمرے میں گزاریں۔

عموماً سونے سے پہلے وہ کچھ دیر دادو کے سرہانے لیٹتی۔ اس گھر میں صرف دادو ہی اسے کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔

"آج مجھے یہاں کیوں بلایا، میری پری نے؟" عنیقہ بیگم نے اس کے پہلو میں لیٹ کر ماتھے کے بے ترتیب بال "ایک طرف کیے۔ "اڑ کر میرے پاس کیوں نہ آئی؟

اس نے آنکھیں موند لیں۔

"آج مجھے یہاں کہانی سننی ہے۔" اس نے کہا، لہجے میں ہلکی سی اداسی تھی۔ "لگتا ہے، آج مجھے نیند نہیں آئے "گی۔

"ایسے نہیں کہتے بیٹا، رات گزری نہیں اور تم پہلے سے فکر مند ہو۔"

"دادو، آج نیند نہیں آئے گی، نا!" اس نے عجیب ضدی انداز میں کہا۔

کچھ دن پہلے اس کی گیارہویں سالگرہ منائی گئی تھی۔ کہنے سننے کی عمر شروع ہونے پر دادو نے اسے اپنی کہانیوں سے مانوس کیا، روزانہ سونے سے پہلے وہ دادو کے کمرے میں کہانی سننے چلی جایا کرتی۔

یہ رات کچھ مختلف تھی۔

"آج موڈ خاص ہے تو کہانی بھی خاص ہو گی۔" دادی اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی مسکرائیں۔

"مجھے شہزادیوں والی کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔"اس نے کئی بار کا کہا جملہ دہرایا۔

"یہ شہزادی بھی کچھ خاص ہے۔"دادی معنی خیز انداز میں بولیں۔

"کہانی کا نام کیا ہے؟"وہ نام ضرور پوچھا کرتی اور جو کہانی دل کو بھاتی،اسے مستقبل میں دوبارہ سننے کی فرمائش کیا کرتی۔

"جڑواں دل۔"

یہ ایک شہزادی کی کہانی تھی جس کا نام نور تھا۔

اس کے پاس سب کچھ تھا،سوائے مسکراہٹ کے۔ایک ایسی سلطنت جو سونے کے پانیوں اور ہیروں کی چمک سے مزین تھی۔شہزادی نور بادشاہ جلال اور ملکہ تبسم کی اکلوتی بیٹی تھی۔اس کا محل پر شکوہ جوبن پر تھا؛اسے ریشم کے کپڑے،دنیا کے نایاب ترین کھلونے اور ایسے باغات میسر تھے جہاں بارش سے پہلے ہی ہر پھول کھل اٹھتا۔بادشاہ جلال اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتا تھا،اس کے ہاتھ کے اشارے پر دنیا کی ہر شے حاضر ہو جاتی ۔وہ اپنے سونے کے جھولوں پر بیٹھی رہتی۔بادشاہ نے اسے دنیا کا سب سے قیمتی موتی لا کر دیا،تو اس نے اسے دیکھا اور بنا کسی تاثر کے ایک طرف رکھ دیا۔بادشاہ پریشان تھا۔اس کی سلطنت میں ہر شے موجود تھی،سوائے اس کی بیٹی کی مسکراہٹ کے۔

ایک سرد شام،جب سورج کی آخری کرنیں محل کے میناروں کو چھو رہی تھیں،بادشاہ جلال ایک دور دراز گاؤں سے واپس آیا۔ان کے ساتھ ان کی فوج کا ہجوم نہیں تھا،بلکہ ایک چھوٹا،دبلا پتلا سا بچہ تھا جس کی عمر شاید نور کے آس پاس تھی۔بچے کا نام روحان تھا۔اس کی آنکھوں میں گہرا غم تھا،جیسے اس نے چھوٹی سی عمر میں ہی

دنیا کے سارے دکھ دیکھ لیے ہوں۔ وہ خاموش تھا، اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، اور اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا گھوڑا تھا۔

نور، "بادشاہ نے نرم لہجے میں کہا، "یہ روحان ہے، اس نے راستے میں سب کچھ کھو دیا ہے، اس کا قافلہ اس "کے اپنوں نے ہی لوٹ لیا۔ آج سے یہ ہمارے ساتھ رہے گا۔

نور نے پہلی بار کسی چیز میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس نے روحان کو دیکھا اور اسے لگا وہ دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ نور نے اپنی تمام عیش و عشرت بھول کر، روحان کو خوش کرنے کی مہم شروع کر دی۔ نور نے سب سے پہلے روحان کو اپنے کمرے میں بلایا، جہاں دنیا کے ہر کونے سے لائے گئے کھلونے موجود تھے۔

"دیکھو روحان۔" اس نے ایک چابی والا ہاتھی اس کے سامنے رکھ کر کہا، "یہ چلتا ہے۔" روحان نے ہاتھی کو ایک نظر دیکھا، اور پھر نظریں جھکا لیں۔

کوئی مسکراہٹ نہیں، کوئی دلچسپی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کے مرکزی گیٹ سے اندر قدم رکھتے ہی منظر یکدم زندہ ہو جاتا تھا۔

کشادہ داخلی راستے سے گزرتے ہی سامنے پھیلے راستوں پر طلبہ کی ٹولیاں حرکت میں دکھائی دیتیں—— کہیں دو لڑکے تیز لہجے میں کسی نکتے پر بحث کرتے آگے بڑھ رہے تھے، کہیں لڑکیاں قہقہے لگاتی تصویریں بنوا رہی تھیں۔ دونوں جانب قطار در قطار درخت، جن کے سائے میں بیٹھے کچھ طالب علم لیپ ٹاپ کھولے دنیا سے بے خبر تھے۔ جدید مگر باوقار عمارتیں اس ہجوم کو اپنے دامن میں سمیٹے کھڑی تھیں؛ اینٹ اور پتھر کا ایسا

امتزاج جو نہ ماضی میں اٹکا ہوا لگتا تھا، نہ حال سے بے ربط۔ ہر سمت زندگی رواں تھی، جیسے یہ جگہ صرف پڑھنے نہیں بلکہ جینے کے لیے بنی ہو۔

کیفے ٹیریا میں لگی کرسیاں کبھی مکمل طور پر خالی نہ ہوتیں۔ کوئی ہاتھ میں چائے لیے جلدی جلدی اسائنمنٹ پر بات کر رہا تھا، کوئی دوستوں کے ساتھ ہنستے ہوئے اگلی کلاس کا منصوبہ بنا رہا تھا۔

سبزہ زار پر کچھ لوگ کتابیں سینے سے لگائے بیٹھے تھے، کچھ گھاس پر لیٹے موبائل اسکرینوں میں گم۔ لمبے راستوں پر قدموں کی آوازیں، بیگوں کی جھول، اور ہلکی آوازوں کا شور—ہر چہرہ اپنی رفتار، اپنی فکر اور اپنی کہانی کے ساتھ آگے بڑھتا دکھائی دیتا تھا۔

مشعل اور حماس دونوں نے بیچلرز کے لیے اینتھروپولجی کا شعبہ چنا تھا، یہ ڈپارٹمنٹ یونیورسٹی کے نسبتاً پر سکون حصے میں واقع تھا۔ عمارت کا بیرونی حسن سادہ مگر پر کشش تھا—سفید لکڑی کے فریم والی کھڑکیاں، لمبی راہداری، اور اندر کی فضا ایسی کہ جیسے ہوا بھی سوچتی ہوئی گزر رہی ہو۔ یہاں آ کر محسوس ہوتا کہ گفتگو، سوالات، اور انسانی کہانیوں کی خوشبو ہر دروازے سے نکلتی ہے۔

اسی دنیا میں ان دونوں کی نئی کہانی شروع ہونے والی تھی۔ وہ کہانی جس میں سرگوشیاں بھی تھیں، نشانیاں بھی اور وہ نادیدہ رستے جو انہیں مستقبل کے کسی بڑے راز تک لے جانے والے تھے۔

اینتھروپولوجی کی کلاس معمول کے مطابق شور سے شروع ہوئی تھی، مگر پروفیسر معیز کی آمد نے پورے کمرے کو یکدم خاموش کر دیا۔

وہ پچاس کے پیٹے میں داخل ہو چکے تھے، قد چھوٹا مگر شخصیت بڑی تھی۔ بال سفید تھے مگر آنکھوں میں ایسی

شوخی تھی جیسے دنیا کا ہر راز انہی کی جیب میں چھپا ہو۔ ہلکی سی ٹیڑھی ٹائی، کندھے پر لٹکتا، بھرا ہوا بیگ اور ہاتھ میں ہمیشہ کی طرح وہی چابیوں کا بڑا گچھا جسے وہ لیکچر دیتے ہوئے بے خبری میں بجایا کرتے تھے۔

کلاس کا آغاز ہمیشہ ان کے مخصوص جملے سے ہوتا۔

"بیٹا! انسان صرف ہڈیاں نہیں، کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ہم ثقافت نہیں پڑھتے، ثقافت ہمیں پڑھتی ہے۔"

آج وہ "Myths and Material Culture" کا تعارف دے رہے تھے۔

انہوں نے بورڈ پر لکھا۔

"نوادرات صرف پتھر نہیں انسانوں کے خوابوں کے fossil ہوتے ہیں۔"

پھر ہنستے ہوئے بولے۔ "اب اگر کسی کو خوابوں سے الرجی ہے تو دروازہ وہ رہا۔۔۔ باہر۔"

مشعل اپنی نوٹ بک کھول ہی رہی تھی کہ شمع دروازہ دھکیل کر اندر آئی۔ وہی لڑکی جس نے اپنے دوست لڑکے کے ساتھ مل کر اسے حماس کو ڈھونڈنے میں مدد فراہم کی تھی۔

اس نے داخل ہوتے ہوئے سر معیز سے اجازت مانگی۔ وہ لاپرواہی سے ہاتھ ہلاتے ایک بار پھر سے لیکچر میں مشغول ہو گئے۔ اندر آتے ہوئے وہ بری طرح باہر جاتے پیپون سے ٹکرائی، ہکلاتے ہوئے معذرت کی۔ اب اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

اس نے شیشہ سا چمکتا ہوا سلور ہینڈ بیگ مشعل کے برابر والی کرسی پر رکھا اور بیٹھنے سے پہلے بالوں کو ایک جھٹکے سے پیچھے کیا۔ مشعل کئی دنوں سے اسے اپنی کلاسز میں دیکھ رہی تھی لیکن وہ ہر بار کلاس کے کسی دوسرے حصے میں پائی جاتی۔ آج پہلی بار وہ اسے اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی۔ شمع ملکوتی حسن کی مالک تھی، ایک شانِ

بے نیازی تھی جو اس کی ذات کا حصہ دکھائی دیتی۔اس کی شخصیت پر ایک ایسا ٹھہراؤ سایہ فگن رہتا جیسے وقت خود اس کے آس پاس آہستہ چلنے لگتا ہو۔

"ہائے، آج پھر ساتھ بیٹھ لیتے ہیں۔"

مشعل سر ہلا کر رہ گئی۔

شمع نے اپنا مونٹ بلانک کا سیاہ و سنہری قلم نکالا، رجسٹر کھولا، کمر سیدھی کی اور لکھنا شروع کر دیا۔ مگر انداز کچھ یوں تھا جیسے کسی لیکچر کے اہم پوائنٹس نہیں بلکہ اپنی سوانح حیات لکھ رہی ہو۔

اس نے شمع سے دھیان ہٹاتے سر معیز کے لیکچر کو نوٹ کرنا شروع کیا۔

"اور بعض اوقات نوادرات انسان بھی ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جن کی حقیقت دیر سے منکشف ہوتی ہے، حالانکہ ان کی کہانی تو ابتدا ہی میں کہیں خاموشی سے رقم ہو چکی ہوتی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

دادو کی کہانی جاری تھی۔۔۔جڑواں دل۔

نور نے اسے محل کے سب سے خفیہ باغات کی سیر کرائی، جہاں تتلیاں اس کے ہاتھ سے خوراک لیتی تھیں۔

"کتنے خوبصورت پھول ہیں،" نور نے کہا۔ روحان نے گردن موڑ کر خاموشی سے دیواروں کی طرف دیکھا، جیسے پھولوں کی خوبصورتی اس کے دکھ کو اور بڑھا رہی ہو۔ نور نے اسے میٹھے پکوان کھلائے، کہانیاں

سنائیں۔ یہاں تک کہ اپنی قیمتی موتیوں کی مالا بھی اسے دینے کی کوشش کی۔ لیکن روحان ایک پتھر کی مورتی جیسا تھا، نہ ہنستا تھا نہ روتا تھا۔

نور مایوس ہوئی۔ دل میں سوچا: اگر میں خود خوش نہیں، تو کسی اور کو کیسے خوش کر پاؤں گی؟ شاید، مجھ میں یہی کمی ہے۔

آخر کار، نور نے سب حربے ترک کر دیے۔ وہ روحان کے ساتھ پرانے تالاب کنارے بیٹھ گئی — کوئی کھلونا، کوئی تحفہ نہیں، صرف پانی کی سرسراہٹ اور خاموشی۔

اچانک، نور بولی۔ "تم اداس ہو، میں بھی تھی۔ شاید ہمارے پاس سب کچھ تھا، مگر کچھ نہیں تھا۔"

روحان نے پہلی بار سر اٹھایا اور نور کی آنکھوں میں جھانکا۔ پہلی بار اس نے نور کو شہزادی نہیں، بلکہ ہمدرد ساتھی کے طور پر دیکھا۔

نور نے ہلکی پھلکی کہانی سنائی، جو دادی نے بچپن میں سنائی تھی — محل کی شان سے بالکل غیر متعلق۔

کہانی ختم ہوئی تو نور کا دل ہلکا ہوا، چہرے پر مدھم مسکراہٹ آئی۔ "محل میں سب خوش ہیں، مگر میری اداسی کوئی نہیں سمجھتا۔ تم۔۔۔ صرف تم سمجھ سکتے ہو، کیونکہ تم خود اداس ہو۔ تم ہی میرے لیے وہ ہو، جو کوئی اور نہیں۔"

اس لمحے ایک معجزہ ہوا۔ روحان مسکرایا، پہلی بار دل سے۔

وہ مسکراہٹ ایک دروازہ کھول گئی۔ اس دن کے بعد نور اور روحان کی دوستی گہری ہو گئی، ایک جذباتی رشتہ جو انہیں غیر مرئی دھاگے سے باندھتا تھا۔

ان کی جذباتی وابستگی حیران کن اور غیر معمولی تھی۔ اگر نور کھیلتے ہوئے ٹھوکر کھاتی اور اس کے گھٹنے پر چوٹ آتی، تو نور کی آنکھوں میں آنسو آنے سے پہلے ہی، روحان کا چہرہ درد سے سفید پڑ جاتا۔ وہ اپنا ہاتھ سینے پر رکھتا، جیسے درد اسے ہی محسوس ہو رہا ہو۔

اور اگر روحان اپنے ٹوٹے ہوئے لکڑی کے گھوڑے کو تھام کر ایک لمحے کے لیے خوشی محسوس کرتا تو نور۔۔۔ چاہے وہ کتنی ہی دور اپنے باغ میں کھڑی ہوتی، اچانک ایک بے ساختہ خوشی محسوس کرتی اور کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔ ان دونوں کی حالت ایک سی ہوتی۔ ایک اداس ہوتا، تو دوسرے کو بھی گہرا کرب محسوس ہوتا۔ نور کو جب بھی تنہائی کا احساس ہوتا، روحان کھانا پینا چھوڑ دیتا، جب تک کہ نور اسے گلے نہ لگاتی۔ ایک خوش ہوتا، تو دوسرا بھی ہنستا کھیلتا۔ روحان کے معصوم قہقہوں نے محل کی فضا بدل دی تھی، جو براہ راست نور کے دل سے جڑے تھے۔ بادشاہ جلال اور ملکہ تبسم حیران تھے کہ جس بیٹی کی مسکراہٹ لانے کے لیے انہوں نے سلطنت خرچ کر دی، ایک معصوم اور اداس لڑکے نے واپس لوٹا دی۔

ان کے تعلق کی سب سے خاص بات ان کی ایک دوسرے کے لیے شدید غیرت اور حفاظت تھی۔ ان کے دلوں میں ایک خاموش معاہدہ تھا: کوئی بھی ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ایک دن دربار میں، ایک متکبر وزیر (جسے نور کی بے توجہی کی عادت تھی) نے روحان کی گفتگو اور عادات پر طنز کیا کہ وہ محل کے شایان شان نہیں ہیں۔

وزیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ معمولی گنوار بچہ شاہی محفل میں آ کر اس کی شان کم کر رہا ہے۔" روحان نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

اس سے پہلے کہ روحان کی آنکھ میں آنسو آتا، نور کے چہرے پر شدید غصے کی لالی چھا گئی۔ وہ پلک جھپکتے ہی شیرنی کی طرح چیخی۔

"وزیر!" اس کی آواز گرجدار تھی، جو کسی شہزادی کی نہیں، مستقبل کی ملکہ کی تھی۔ "خبردار! اگر تم نے دوبارہ روحان کو ایک لفظ بھی برا کہا، میں والد سے کہہ کر تمہاری زبان کٹوادوں گی۔ بادشاہ کے دربار میں عزت اچھے دل کی ہوتی ہے، جو تم میں قطعاً موجود نہیں۔"

وزیر خوفزدہ ہو گیا اور بادشاہ جلال نے فخر سے سر ہلایا۔

نور نے روحان کا ہاتھ تھاما۔ روحان کو نور کی ناراضگی میں اپنا درد محسوس ہوا، اس نے مزید جھکنے کی بجائے، پہلی بار اکڑ کر وزیر کی طرف دیکھا۔

اس نے تہیہ کر لیا، وہ ایسے لوگوں کا بھرپور مقابلہ کرے گا، جو اسے حقیر ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

مشعل نے 'جڑواں دل' کو اپنی پسندیدہ کہانی قرار دے دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ہاسٹل کی بتیاں گل ہو چکی تھیں، مہوش کی جانب سے آتی گہری سانسوں کی آواز سے اس کی گہری نیند کا پتہ چلتا تھا۔ مشعل نے ایک بار پھر کمبل کو اپنے گرد لپیٹتے ہوئے خود کو بہلانے کی کوشش کی، 'ابھی نیند آجائے گی، پھر سردی لگنا بھی بند ہو جاتی ہے' لیکن اس کت یخ ہوتے پیر قائل نہ ہوئے۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ اس سے کوتاہی یہ ہوئی کہ کراچی سے ضروری سامان لاتے ہوئے وہ اپنا کمبل نہیں لائی۔ یہاں ہاسٹل والوں کی

طرف سے جو کمبل ملتا وہ کافی پتلا تھا اسی لیے لڑکیوں نے اپنے کمبل رکھے ہوئے تھے۔اب وہ مہوش سے کیا کہتی وہ تو سو چکی تھی۔

سردی کے باعث کچھ دیر سے مائیگرین بھی جاگا ہوا تھا۔اس نے ابھی کچھ ہی دیر پہلے اپنا سامان ٹٹولا تھا، گولیاں ختم ہو چکی تھیں۔بلآخر ذہن بٹانے کی غرض سے اس نے موبائل اٹھایا۔سکرین آن کرتے ہی حماس کا خیال آیا۔

☆☆☆

عجب ہے خواب اس کا، کہ وہ سو کر بھی جاگتا ہے

کسی کی بے قراری، اس کی سانسوں میں اترتی ہے

برف کی سفید چمک آنکھوں کو چبھ رہی تھی۔وہ کھلے میدان میں تنہا کھڑا تھا، چاروں طرف بلند پہاڑ خاموشی سے اپنی برف پوش ٹوپی سنبھالے ہوئے تھے۔ہوا میں اتنی سخت سردی تھی کہ ہر سانس سینے میں سوئی کی طرح چبھ جاتی۔جوتے بھیگ چکے تھے، انگلیاں سن ہو رہی تھیں، اور ہر قدم پر برف دھنس رہی تھی۔

پیچھے سے پکارا گیا۔"واپس چلو۔"

مڑ کر دیکھا تو کوئی نہیں تھا۔بس ایک طرف دور کہیں کسی کا سایہ تھا۔ہوا اچانک اور تیز ہو گئی۔برف کے ذرے اس کے چہرے پر پڑے تو یخ جھٹکا لگا۔اس نے کوٹ کی سامنے والی زِپ کھینچنے کی کوشش کی تو ہاتھ ہی حرکت کرنے سے انکاری ہو گیا۔

اس کے لفظ خود اس کی سانس میں گم ہو گئے۔"اتنی سردی؟"

اگلے ہی لمحے ایک تیز جھونکے نے جیسے اس کے گرد ساری روشنی بجھادی۔ سب کچھ سیاہ سا ہونے لگا۔ وہ یکدم چونک کر اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی مدھم روشنی میں پہلے کچھ سمجھ نہیں آیا۔ چند لمحوں بعد اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے ہی بستر پر ہے، ہاسٹل کا کمرہ، وہی مانوس در و دیوار۔

اس نے خود کو کمبل میں لپٹا پایا، پھر بھی کندھے اور بازو ٹھنڈے تھے۔ پسینہ ماتھے پر ہلکی سی بوندوں کی شکل میں آیا ہوا تھا مگر جسم کانپ رہا تھا۔

وہ آدھا سوئے، آدھا جاگتے میں بولا۔ "کھڑکی۔۔۔"

اس کا روم میٹ اس وقت گہری نیند میں تھا، ہلکے سے خراٹے کمرے کی خاموشی کو توڑ رہے تھے۔

حماس بستر سے اترا، ننگے پاؤں ٹھنڈے فرش پر رکھے تو برف کی سی ٹھنڈ اس کے تلووں سے اوپر کی طرف دوڑی۔ اس نے دیوار کے ساتھ والی کھڑکی کا ہینڈل ٹٹولا؛ شیشہ بند تھا، کہیں سے ہوا نہیں آ رہی تھی۔ سر کے اندر بھاری سا بوجھ تھا۔ وہ اچھا بھلا سویا ہوا تھا۔۔۔ اچانک یہ سردی، بے چینی، یہ خواب۔ اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی یہ احساس جسم کا ہے یا کہیں اور سے آیا تھا۔ اسے ٹھنڈک محسوس ضرور ہو رہی تھی، لیکن سردی تھی نہیں۔

اسی الجھن کے دوران اس کا فون بیڈ کے پاس والی ٹیبل پر وائبریٹ ہوا۔ اس نے اٹھا کر دیکھا، ایک نئے پیغام کی نوٹیفیکیشن تھی۔

مشعل: سردی بڑھ گئی ہے، کافی دیر سے سونے کی کوشش کر رہی تھی پھر سوچا دیکھوں تم سو رہے ہو یا جاگ رہے۔

حماس: اپنا کمبل لانا بھول گئی؟

مشعل: تمہیں کیسے پتہ؟

حماس: سالوں سے ایک ہی کمبل ہے تمہارا، اور جتنا موٹا ہے اس میں لاہور کی سردی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

مشعل: ہاسٹل والے کمبل کا تو نہ ہی پوچھو، لگتا ہی نہیں کچھ لیا ہوا ہے۔

حماس: طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ سردی تم پر عموماً کچھ اچھا اثر نہیں ڈالتی۔

مشعل: ہلکا سا مائیگرین ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔ بس نیند آ جائے۔

حماس: گولیاں ختم؟

مشعل: دماغ زیادہ تیز نہیں چلتا تمہارا؟

وہ اپنی شرمندگی چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ کمبل اور گولیوں کی کمی، سب اس کی ذاتی لاپرواہی کا نتیجہ تھا۔

اس کے بعد مشعل کو حماس کی طرف سے کوئی پیغام نہیں ملا۔ کچھ دیر انتظار کیا پھر یہ سوچ کر موبائل رکھ دیا کہ 'آدھی رات ہے سو گیا ہو گا، اب میرے دکھڑے سننے کے لیے جاگنے سے رہا'۔

☆☆☆☆☆☆

ہاسٹل کے مین گیٹ پر دونوں گارڈز اپنی کرسیوں پر نیم غنودہ بیٹھے تھے کہ اچانک باہر سے موٹر سائیکل کی انجن کی گڑگڑاہٹ نے انہیں جھٹکے سے جگادیا۔

گیٹ پر اچانک دستک کی آواز گونجی۔

"فرید صاحب!" باہر سے کسی نے پکارا۔ صفدر نے فرید کو آنکھوں سے اشارہ کیا، جیسے کہہ رہا ہو: 'اپنے جاننے والے کو سنبھالو'۔

اسی وقت فرید کا موبائل بج اٹھا۔ سکرین پر ایک مانوس نام جگمگایا: "حماس؟"

فرید نے ٹارچ اٹھا کر باہر جھانکا۔ ہاتھ میں تہہ شدہ کمبل اور چھوٹا سا پیکٹ تھامے، حماس کھڑا تھا۔

"رات کے اس وقت؟" فرید نے آنکھیں پھیلا کر حیرت سے پوچھا۔

چند دنوں سے حماس نے ان گارڈز سے جان پہچان کچھ بڑھا رکھی تھی۔ جب بھی اپنی کزن مشعل کے حوالے سے کسی کام کے لیے آتا فرید کے لیے کوئی نا کوئی پسندیدہ کھانے کی چیز اٹھا لاتا۔ پہلے پہل تو فرید نے فاصلہ رکھنے کی کوشش کی کہ مناسب نہیں لگتا۔۔۔ پھر رفتہ رفتہ صفدر کو بھی اس دوستانہ تعلق میں شامل کر لیا گیا۔ وہ کچھ دیر ان کے پاس کھڑا ہوتا ادھر ادھر کی ہانکتا اور چلا جاتا۔ یہ رات والے گارڈز تھے سرِ شام آجاتے، صبح سویرے دو گارڈز دن کی ڈیوٹی سنبھالنے آجایا کرتے تھے۔

"بیٹا، لڑکیوں کا ہاسٹل ہے، کچھ قوائد و ضوابط ہیں۔" فرید نے سمجھایا۔

صفدر قریب کھڑا ہو کر سب کچھ نوٹ کر رہا تھا۔

"میرا نام لسٹ میں ہے۔" حماس نے پر سکون لہجے میں کہا۔ "صرف یہ چیزیں دینی ہیں، ملنے کی ضرورت" نہیں۔

حماس نے دونوں چیزیں فرید کو تھمائیں۔ "مشعل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ابھی وارڈن کو جگانا پڑے گا، بڑی ناراض ہوں گی۔" فرید نے چیزیں دیکھتے ہوئے ماتھے پر سلوٹیں ڈالیں۔ اُنہیں بتائیں، لڑکی سردی سے کانپ رہی تھی۔" حماس نے صاف اور سیدھے انداز میں کہا۔ "باقی ناراضگی" "میری طرف سہی۔

"یہ تمہیں کیسے پتا چلا؟" صفدر نے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔ "کہ اسے یہ سب چاہیے تھا؟"

حماس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان آئی۔ "یہ آپ نہ ہی پوچھیں۔"

وارڈن پوچھے گی، بیٹا۔" صفدر بتانے سے خود کو روک نہ پایا۔ "اگر وہ سمجھے کہ موبائل کے ذریعے یہ سب تم" "نے لایا، تو آئندہ موبائل پر پابندی لگ سکتی ہے۔

"اوہ۔" حماس پہلی بار ہچکچایا۔ "آپ کوئی بہانہ بنادیں، کہہ دیں کلاس فیلو دے کر گئی ہے۔ یہ چیزیں مشعل نے آج خریدی تھیں، لیکن کلاس میں بھول گئی۔ شمع فرحان دے کر گئی ہے۔"

فرید اور صفدر نے معنی خیز مسکراہٹ ایک دوسرے کی طرف اچھالی۔

"آدھی رات کو کلاس فیلو۔۔۔" صفدر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ حد سے زیادہ ناقابل یقین جھوٹ ہے۔"

"مانا، ہماری دوستی ہے، لیکن تمہارے لیے ہم جھوٹ نہیں بول سکتے۔" فرید نے صاف اور دوٹوک انداز میں کہا۔

صفدر نے اوپر والی منزل پر فون کیا۔ چند لمحے بعد وارڈن میڈم نیند سے بوجھل آنکھیں لیے سیڑھیاں اتریں، شال کندھوں پر لپٹی ہوئی، چہرے پر ناراضگی کی چھاپ واضح تھی۔

"اس وقت کون آیا ہوا ہے؟"

فرید کے بتانے پر وارڈن نے حماس کو اوپر سے نیچے تک تنقیدی نظر سے دیکھا، پھر کمبل اور پیکٹ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"یہ ٹائم ہاسٹل کے قواعد کے اندر نہیں آتا۔" وہ سخت لہجے میں بولیں۔ "کل اس پر بات ہو گی۔"

"جی۔" حماس نے صرف اتنا کہا۔ "آپ بس یہ چیزیں دے دیں، باقی جو سزا ہو منظور ہے۔"

اس نے آج رات کئی لوگوں کو غیر دانستہ ستایا تھا۔ آدھی رات کو اپنے روم میٹ کریم کو جگایا، جسے حماس کے اصرار پر اپنے کزن سے مدد کی درخواست کرنا پڑی۔ وارڈن کی نوکری کو خطرے میں ڈالتا۔۔۔ دیوار پھلانگ کر ہاسٹل سے نکلا۔ عقبی سڑک پر کریم کا کزن اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا، موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر کمبل پکڑے اڑتا ہوا وہ یہاں پہنچا تھا۔

اس لڑکے کو بھی باہر موٹر سائیکل پر بیٹھ کر انتظار کرنا منظور تھا لیکن گرلز ہاسٹل کے اندر قدم رکھنے کا رسک لینے سے وہ انکاری رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کمرے کا دروازہ ہلکے سے بجا۔

مشعل چونک کر اٹھ بیٹھی، مہوش سوتی رہی۔

وارڈن دروازے میں کھڑی تھیں، ہاتھ میں کمبل اور چھوٹی سی ڈبیہ۔

"یہ تمہارے لیے ہے۔" وارڈن نے سخت لہجے میں کہا۔ "اور تمہارے اس عزیز دوست کو بتا دینا کہ اگر آئندہ آدھی رات کو گرلز ہاسٹل کی دیوار کے پاس دیکھا گیا، تو سیدھا گھر فون جائے گا۔ اور ہاسٹل سے نکالنے کا امکان بھی رہے گا۔"

مشعل کے حلق میں سانس اٹک گئی۔

"حماس۔۔۔ واقعی آیا تھا؟"

"میں نے نام خود نہیں رکھا۔" وارڈن نے کمبل بیڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اب سو جاؤ۔"

دونوں نے ایک نظر ساتھ والے بیڈ پر سوتی مہوش کو دیکھا، جو اس سب کے دوران ٹس سے مس نا ہوئی۔

دروازہ بند ہوا، قدموں کی آواز دھیرے دھیرے مدھم پڑ گئی۔

مشعل نے دھڑکتے دل کے ساتھ کمبل اٹھایا۔

موٹا، گرم، گہرے نیلے رنگ کا۔ اس میں ہلکی سی خوشبو بسی ہوئی تھی۔

وہی جو اکثر حماس کے قریب آ کر محسوس ہوتی تھی، شاید کسی دیودار کی لکڑی یا اس کے مخصوص صابن کی۔

ڈبیہ کھولی، اندر مائیگرین کی گولیاں اور اوپر چھوٹی سی چٹ رکھی ہوئی تھی۔

"آدھی رات کو درد بھی ضدی ہو جاتا ہے۔ آئندہ، دوائی ختم ہونے سے پہلے لے آنا۔" H

اس نے کمبل اپنے اوپر اوڑھا تو جسم میں پہلی بار اُس رات۔۔۔ سکون کی گرم لہریں دوڑ گئیں۔
ناک کے قریب لاتے ہی کمبل سے وہی مہک آئی، جیسے ہر تہ میں کسی اور کی یاد چھپی ہوئی ہو۔

وہ کافی دیر جاگتی رہی، بند آنکھوں کے ساتھ ہلکی سی مسکان لیے۔
اور دل میں ایک عجیب سا یقین جاگا کہ اگر کبھی وہ خود اپنا خیال نہ رکھ پائی، تو کوئی ہے جو کم از کم اتنا ضرور کرے گا کہ سردی اُس کے دل تک نہ پہنچنے دے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اینتھروپولوجی ڈیپارٹمنٹ کی سب سے پرانی کلاس روم وہی پتھروں والا ہال تھا، اونچی چھتیں، دیواروں پر آدھی لکڑی کی پینلنگ، اور کھڑکیوں کے شیشے ذرا سے ہلتے تو بھنبھناہٹ کی آواز آتی۔ دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور مادام فرحانہ قیصر کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ ہمیشہ کی طرح منفرد اور باوقار لگ رہی تھیں۔

ان کا ڈھیلا لمبا کرتا بلوچی کڑھائی والا تھا، گلے میں چاندی کی دبیز مالا، اور بال اونچے جُوڑے میں بندھے ہوئے، جن میں دو تین پنسلیں بے فکری سے اٹکائی گئی تھیں۔

وہ ڈائس کے قریب کھڑی ہوئیں اور پر سکون آواز میں بولیں۔ "السلام علیکم، سب بیٹھیں اور دھیان سے سنیں۔"

ان کی آواز میں نرمی بھی تھی اور گہرائی بھی، جیسے ہر لفظ کو تول کر بولتی ہوں۔ چند لمحے بعد انہوں نے طلبہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "آپ میں سے کون واقعی انسانوں کو سمجھنا چاہتا ہے؟ اور کیوں؟"

یہ سوال عام نہیں تھا، بلکہ ایک عجیب بھاری پن لیے ہوئے تھا جس نے سب کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

سب سے پہلے شمع آہستہ سے کھڑی ہوئی اور بولی۔ "میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ معاشرتی رویّے کیسے بنتے ہیں، لوگ اپنی شناخت کو کیسے سمیٹتے اور چھوڑتے ہیں۔ مجھے یہ سب بہت دلچسپ لگتا ہے۔"

اگلے لمحے پچھلی قطار سے فضا نے ہاتھ اٹھایا۔ "میم، میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ انسان اپنے رویّوں کی عمارت کن بنیادوں پر کھڑی کرتا ہے؟ کیا چیز اسے وہ بناتی ہے جو وہ بنتا ہے؟"

مادام نے خاموشی سے اسے دیکھا، پھر سر جھکا کر جیسے اس جواب کو دل میں محفوظ کیا۔ پھر ان کی نگاہ حماس پر پڑی۔ "آپ بتائیں۔"

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ انسان اپنے فیصلوں کی جڑ کہاں سے لاتا ہے، وہ کن پوشیدہ بنیادوں سے بنتا ہے، اور کن قوتوں سے ٹوٹتا ہے۔"

مادام فرحانہ قیصر کے چہرے پر لمحے کے لیے مسکراہٹ آئی، وہی مسکراہٹ جو استاد کے چہرے پر آتی ہے جب کوئی شاگرد نقطۂ آغاز سے کہیں آگے سوچتا ہو۔

"بہت خوب۔۔۔ انسانوں کا مطالعہ سطح سے نہیں، تہہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہی اصل بات ہے۔"

"اب سنیں۔۔۔ اینتھروپولوجی کیا ہے؟ یہ شعبہ ہمیں سکھاتا ہے کہ انسان صرف وہ نہیں جو وہ نظر آتا ہے، بلکہ وہ اپنے عقائد، رسوم، خوف، زبان اور یادوں کا مجموعہ ہے۔ ہم اس کے ظاہر کو نہیں بلکہ محرکات کو پڑھتے ہیں۔"

ان کی آواز گونجدار تھی، مگر پرسکون بھی۔

کلاس میں بیٹھے طلبہ اتنی توجہ سے سن رہے تھے جیسے ابھی انسانیت کے رازان کے سامنے کھلنے والے ہوں۔

اسی دوران پیچھے بیٹھازین بولا۔"میم، کیاایک انسان اپنی ثقافت سے آزاد ہو سکتا ہے، یاہمیشہ اس کا پابند رہتا ہے؟"

مشعل نے دیکھا، یہ وہی لڑکا تھاجو بیسمنٹ میں شمع کے ساتھ نظر آیا تھا،اور جس نے اسے حماس کے پاس پہنچایا تھا۔

فرحانہ قیصر دھیرے سے پلٹیں، آنکھوں میں سوچ کی روشنی لیے ہوئے۔

"ثقافت پابند نہیں کرتی سمت دیتی ہے۔جواسے سمجھ لے وہ آزاد ہو جاتاہےاور جونہ سمجھے وہ پابند ہی رہتا ہے۔"

ایک لڑکی نے ہاتھ اٹھایا۔"میم، کیاہمیں پرانے قبیلوں کے لوگ بھی دیکھنے کو ملیں گے؟"

مادام کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔"اگر قسمت اچھی رہی تو تمہارااپناکلاس فیلو بھی کوئی قبیلہ نکل سکتا ہے۔"

کچھ سٹوڈنٹس ہنسے، کچھ سوچ میں گم ہو گئے۔

پیچھے بیٹھازین سرگوشی میں بولا۔"اور ہم سمجھے تھے اینتھروپولوجی میں بس پرانے مٹکے دیکھے جاتے ہیں۔"

"بیٹا، مٹکے صرف آرکیالوجی میں دیکھے جاتے ہیں۔اینتھروپولوجی میں انسانوں کے دماغ کے مٹکے کھولنے پڑتے ہیں—— سمجھے؟"

پیریڈ کے اختتام پر فرحانہ قیصر نے اعلان کیا۔"اب آپ سب کے لیے میرا پہلا اصل امتحان—— فیلڈ پراجیکٹ۔آپ کواپنے شہر کے کسی جیتی جاگتی انسانی منظر کا مطالعہ کرنا ہے۔بازار، درزیوں کی گلی، کسی مزار کا

احاطہ، بُک مارکیٹ، پارک یا کوئی ایسا مقام جہاں انسانی رویّے نمایاں ہوں۔ وہاں خاموشی سے بیٹھ کر مشاہدہ کریں، صرف دیکھیں، جانچیں، نوٹ کریں۔ مداخلت نہیں کریں۔ پھر اپنی فیلڈ نوٹس پر پہلی رپورٹ لکھیں گے۔ یہ کام گروپس میں کریں گے، ہر گروپ میں پانچ افراد۔ میں آپ کو دس منٹ دیتی ہوں، خود اپنے گروپس بنائیں، ورنہ میں بنادوں گی—اور میرے گروپس اکثر طلبہ کو پسند نہیں آتے۔"

کلاس میں حرکت شروع ہوئی، کرسیوں کی سرسراہٹ، دبے قدموں کی چاپ اور مختصر گفتگو سنائی دی۔

شمع، جو مشعل کے برابر والی کرسی پر بیٹھی تھی، اس کی طرف رخ کر کے بولی۔ "حماس گہری سوچ کا مالک ہے اور ہمارے مشاہدے کے تجزیے میں مددگار رہے گا، جبکہ زین لاہور کے چپے چپے سے واقف ہے۔ آنے جانے کا مسئلہ نہیں ہوگا، اور کبھی کبھار کوئی کارآمد سوال بھی کر لیتا ہے۔" آخری بات کرتے ہوئے وہ ہلکا سا مسکرائی جیسے اپنے تبصرے سے خود ہی محظوظ ہوئی ہو۔

شام ہاسٹل واپسی پر مشعل نے بابا سے فون پر بات کی، کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ اصل مدعے کی طرف آئی۔ "بابا آپ سے ایک اہم سوال کرنا تھا، کیا یہاں یونیورسٹی میں آپ نے کسی کو حماس کے ماضی کے بارے میں بتایا ہے؟"

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔" معظم سلطان کے لہجے میں تشویش دَر آئی۔ "کچھ ہوا ہے کیا؟"

"اوہ۔۔۔" وہ پر سوچ انداز میں گویا ہوئی۔ "ہم اسے یہاں ڈراپ کرنے آئے تھے۔ ہو سکتا ہے کسی نے آپ کو پہچان لیا ہو۔"

"راہبر لا جسٹکس کا نام ہی ہمارا تعارف ہے اور تم جانتی ہو کہ ہماری فیملی میں یہی ایک متنازعہ واقعہ ہوا تھا، جسے حریفوں نے ہماری گُڈوِل خراب کرنے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی۔"

"لیکن وہ بری طرح ناکام رہے۔" وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے پر جوش انداز میں بولی۔

"کیسے کامیاب ہوتے تمہارے دادا کی پہلی شپ کا نام جو مشعل تھا۔"

وہ مسکرا کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل۔

رات کا تیسرا پہر تھا کہ قصرِ سلطان کے آہنی گیٹ کے کھلنے کی آواز گونجی—مدھم مگر خوفناک، جیسے اندھیرے نے سرگوشی کی ہو۔

عنیقہ بیگم چونک کر جاگ اٹھیں۔آج کی رات ویسے ہی بے چینی میں گزری تھی، ورنہ اس پہر وہ گہری نیند میں ہوتیں۔

مگر آج۔۔۔

یہ آواز غیر معمولی تھی۔

انہوں نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا، دھڑکن تیز ہو چکی تھی۔

"معظم تو وقت پر آ گیا تھا۔" وہ زیرِ لب بولیں۔"پھر اس وقت کون ہو سکتا ہے؟"

چند لمحوں بعد باہر قدموں کی چاپ اور دبی سرگوشیاں سنائی دیں۔اب ٹھہرنا ممکن نہ رہا۔

وہ کمرے سے باہر نکلیں۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی منظر بدل چکا تھا۔

ایک صوفے پر شمسہ، دوسرے پر معظم—اور اس کے پہلو میں ایک بچہ۔

"معظم!" ان کی سرسراتی آواز سرگوشی سے ذرا اوپر اٹھی۔ "یہ بچہ کس کا ہے؟"

دل کی دھڑکن اس قدر تیز تھی کہ انہیں لگا کمرے میں موجود ہر شخص اسے سن رہا ہے۔ وہ تیز قدم اٹھا کر بچے کے قریب پہنچیں، پھر اسے بغور دیکھتے اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ وہ معظم کے پہلو میں دبکا، حیرت زدہ نظروں سے انہی کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ بچہ!" دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھامتے ہوئے انہوں نے آنسو ضبط کیے "ایسی مشابہت۔۔۔ یہ تو عاشر کا پرتو ہے۔" یہ نام نہیں تھا، ایک چابک کی ضرب تھی۔ بچہ چونک کر ان کی گرفت سے نکلا اور مضبوطی سے معظم کا بازو تھام لیا۔

اس کی سیاہ آنکھیں اور ہم رنگ بال—— نگاہ ہٹانا مشکل ہو گیا۔ سامنے بیٹھی شمسہ پر نظر پڑی تو وہ بری طرح ٹھٹکیں۔ وہی وحشت کا سایہ تھا جس کا عکس انہیں معظم کے چہرے پر بھی صاف دکھائی دیا۔

"کیا ہوا ہے۔ تم لوگ اتنے پریشان کیوں ہو؟" ان کی آواز بے اختیار بلند ہو گئی۔ کسی انہونی، کسی بری خبر کا خدشہ ایک ساتھ جاگا۔ سب منفی سوچوں نے ایک ساتھ یلغار کی۔

"شمسہ، پانی لاؤ۔ اماں کے لیے بھی، میرے لیے بھی۔"

تاثرات کے برعکس معظم کے لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔ "صد شکر، جو مجھ پر گزری وہ قیامت آپ پر نہیں ٹوٹی۔" انہوں نے رخ والدہ کی جانب موڑا، سرخ آنکھوں میں بے یقینی کا سا تاثر تھا۔ "بعض اوقات زندگی ایسے مقام پر لا کھڑا کرتی ہے کہ کچھ دیر کو ہم منجمد ہو جاتے ہیں۔ سمجھ نہیں آتا کبھی موجودہ لمحے کے طلسم سے نکل بھی پائیں گے یا نہیں۔"

مشعل کا کمرہ لاؤنج سے ذرا فاصلے پر تھا۔ آوازیں وہاں تک نہ پہنچیں، مگر اس کی آنکھ کھل گئی—ایک ڈراؤنے خواب سے۔

اس کا ننھا ذہن کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ پوری طرح آنکھیں کھول کر کمرے کو دیکھا تو لمحہ بھر کو خوفزدہ ہو گئی۔ آج اس کے کمرے کی ڈِم لائٹس کچھ زیادہ ہلکی ہو گئی تھیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ گردن پر ہاتھ پھیرا، اس کا گلا سوکھ رہا تھا جیسے پورا دن پانی نہ پیا ہو اور رات بھی پانی پیے بغیر سو گئی ہو۔

اسے دادو کے کمرے میں جانا تھا۔

وہ اٹھ کر آنکھیں ملتی ہوئی سلیپر پہننے لگی۔ دروازہ کھلتے ہی کئی ملی جلی آوازیں کانوں سے ٹکرائیں۔

تجسس نے سر ابھارا۔ وہ تیز قدم اٹھاتی لاؤنج کی طرف آئی۔

ماما، بابا اور دادو۔۔۔ لیکن دادو نے کسی لڑکے کو اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ وہ سسکیاں لے رہی تھیں۔

"دادو۔۔۔" وہ اب ان کا کندھا ہلا رہی تھی۔ وہ اس لڑکے کو دیکھ نہیں پا رہی تھی اس کا چہرہ دادو کے وجود نے ڈھانپ رکھا تھا۔

اسے جاننا تھا وہ کون ہے؟ اس وقت کہاں سے آیا ہے؟

"مشعل، اپنے کمرے میں جاؤ۔" بابا کی آواز میں تھکن صاف جھلک رہی تھی۔

"بابا آپ نے مجھے اس سے نہیں ملوایا!" اسے گلہ تھا۔ ان الفاظ پر وہ لڑکا دادو سے دور ہوا اور گردن موڑ کر اسے بغور دیکھا۔ اس کی نظروں میں استعجاب تھا، وہ کیوں اس سے ملنا چاہتی ہے؟

اماں، آج رات یہ آپ کے کمرے میں سوئے گا۔ یہ سہما ہوا ہے، اکیلا چھوڑنا" پھر رخ اس کی جانب کیا۔
اس بار معظم بولے تو لہجے میں حتمیت تھی۔ "مناسب نہیں۔

"مشعل، یہ تمہارا کزن ہے—حماس۔ باقی باتیں صبح ہوں گی۔"

وہ جو یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی، سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

شب بیداری نے سب کی معمول کی زندگی کو بُری طرح درہم برہم کر دیا تھا، جس کے اثرات اگلی صبح صاف دکھائی دینے لگے۔

عنیقہ بیگم نے ناشتہ اپنے کمرے میں ہی منگوالیا تھا۔ مشعل کی چھٹی کرادی گئی تھی، جبکہ معظم بیڈ روم ہی سے آفس والوں کو ہدایات دے رہے تھے۔

مشعل کو اپنی نگرانی میں تیار کروا کر ڈائننگ روم میں لاتی ملازمہ نے جب اس کے لیے میز کی کرسی گھسیٹی تو دروازے سے داخل ہوتے معظم ٹوکے بنا رہ نہ پائے۔

"اسے خود کرنے دو۔"

وہ اکثر شمسہ سے کہتے ملازمین صرف مشعل کو ڈسپلن کرنے کے لیے ہیں، اس کی خدمت کرنے کے لیے نہیں۔ "ہم نے بے جا سہولتیں دے کر اپنی اولاد کو معذور نہیں بنانا۔"

ماں باپ پہ پڑتی نظر جب دادو کی خالی کرسی کی جانب اٹھی تو شمسہ بول اٹھیں۔ "دادو اور حماس ناشتہ انہی کے کمرے میں کریں گے۔"

"مجھے بھی وہاں جانا ہے۔" اس نے منہ لٹکا لیا۔ معظم نے اس کی طرف دیکھا تو نگاہوں میں واضح تنبیہہ تھی۔ "ٹھیک ہے ناشتہ آپ دونوں کے ساتھ کروں گی لیکن حماس کو گھر میں دکھاؤں گی۔"

معظم نے معنی خیز نظروں سے بیوی کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے شمسہ نے انہیں لاجواب کر دیا۔

"آپ پر گئی ہے، موقع شناس۔"

کچھ دیر بعد حماس اور دادو بھی ڈائننگ روم میں تھے۔ بارہ بجے کا وقت تھا اور شمسہ کے خیال سے یہ وقت حماس کو نئے گھر سے متعارف کروانے کے لیے موزوں ترین تھا۔ انہوں نے اسے مشعل کے ساتھ روانہ کیا۔ وہ اسے سب سے پہلے باغ دکھانا چاہتی تھی لیکن اس کے لیے انہیں باورچی خانے سے ہو کر گزرنا تھا۔ اس کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کا ایک دروازہ پیچھے کے وسیع باغ کی طرف کھلتا تھا۔

ایک سرسبز و شاداب باغ—— ہرے بھرے درختوں کے جھنڈ، رنگ برنگے پھولوں کی کیاریاں اور نازک بیلیں اپنی پوری بہار کے ساتھ کھلی ہوئی تھیں۔

یہاں صبح کی سیر اور شام کی چائے کا اہتمام ہوتا۔ اس باغ کے آخری کونے میں، عمارت کی آنکھوں سے ذرا دور، ملازمین کے کوارٹرز خاموشی سے اپنی جگہ بنائے ہوئے تھے۔ جو قصرِ سلطان کے وسیع نظام کا ایک لازمی حصہ تھے۔

وہ آنکھیں پھیلائے ہر چیز کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا۔

لیکن یہ سب۔۔۔ اس نے مڑ کر ایک قدم پیچھے کھڑی لڑکی کو دیکھا جو غالباً اس کی ہم عمر تھی۔ وہ اب سرخ گلابوں کو چھو کر ان کی تاریخ بتا رہی تھی۔ کب مالی نے لا کر بیج بوئے تھے کیسے پہلا گلاب ایک صبح اسی نے

دریافت کیا، وہ بھی ناشتے سے پہلے۔ان گلابوں پر پہلا حق بھی اسی کا تھا، وہ یہاں کا کوئی بھی پھول کسی کو بھی توڑنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ کوئی سجاوٹ کرنی ہو یا خاص مہمانوں کی آمد متوقع ہو، ماں دادی سمیت کسی کو وہ ان پھولوں کے قریب بھی نہ آنے دیتی۔ ہر گلدستہ باہر سے آتا۔ صرف نیچے گری پتیاں اٹھائی جاتیں۔ شام کے وقت جب دونوں مالی آکر تراش خراش کر رہے ہوتے، وہ کئی بار آکر یہاں کا چکر لگاتی کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔

وہ لگاتار بول رہی تھی، اور وہ خاموشی سے صرف اسے سن رہا تھا۔

پرندوں کی چہچہاہٹ، سرونٹ کوارٹرز سے آتی ملی جلی آوازیں اور وقتاً فوقتاً سڑک سے گزرتی گاڑیاں۔ سبھی آوازیں پسِ منظر میں دھندلا چکی تھیں۔اب وہ اس کا ہاتھ پکڑے پھولوں سے پھلوں کی جانب لے آئی۔آم کے درخت کے نیچے کھڑی وہ اسے اپنے ٹوٹے ہوئے جھولے کا قصہ سنانے لگی۔مالی چاچا نے اس کے لیے گیراج سے ایک بیکار پڑی رسی لا کر جھولا ڈال دیا۔اس جھولے سے سبھی کو مسئلہ تھا۔ کبھی بابا کہتے درخت سوکھ جائے گا اسے اتار دیا جائے۔ کبھی ماں اور دادی کو شکایت رہتی کہ وہ پڑھائی میں وقت صرف کرنے کے بجائے گھنٹوں جھولا جھولتی رہتی ہے۔آخر کار ایک دن سب کا مسئلہ حل ہو گیا۔وہ جھولے پر بیٹھی آسمان پر گزرتے کبوتروں کا غول دیکھ رہی تھی۔زمین پر پیر مارتے (یہاں سے گھاس بھی غائب ہو چکی تھی کیونکہ یہاں وہ جھولا تیز کرنے کو پیر جو پٹختی تھی، مالی چاچا کا مسئلہ۔وہی مالی چاچا جنہوں نے یہ جھولا لٹکایا تھا) اس نے جھولے کی رفتار تیز کی، وہ اس لمحے کتنی خوش تھی۔

اچانک اس کی کمر پر دو زوردار دھکے محسوس ہوئے۔

خوفزدہ ہونے کا بھی وقت نہ ملا۔ وہ دھڑام سے نیچے گری۔ گرنے سے صرف چوٹیں آئی تھیں۔ گھٹنوں پر چند خراشیں اور کہنیوں کا چھلنا۔ یہ چوٹیں تو کچھ بھی نہ تھیں، اصل دکھ تب ہوا جب اس نے پیچھے مڑ کر جھولے کی حالت دیکھی۔ رسی ٹوٹ چکی تھی بیٹھنے کی جگہ جو گدی رسی پر لپیٹی گئی تھی وہ بھی اسی کی طرح نیچے زمین پر گری پڑی تھی۔ یہ حرکت ملازمہ کی چھوٹی بیٹی کی تھی جو نجانے کب سے اسے روز یہاں جھولا جھولتے دیکھا کرتی۔ انیسہ کو جھولا جھولنے کا موقع صرف مشعل کی غیر موجودگی میں ملتا تھا۔ یہ سب کہتے اس کا لہجہ ٹوٹنے لگا حماس نے دیکھا اس نے آنکھوں کو رگڑ کر آنسوؤں کا راستہ روکنے کی کوشش کی ہے۔

حماس نے اس کا ہاتھ ہلکے سے دبایا، جو وہ پہلے ہی تھامے کھڑی تھی۔

مشعل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ حماس کے تاثرات میں اسے وہ یقین دہانی نظر آئی جس کی اسے اس وقت ضرورت تھی۔ وہ دل سے مسکرائی۔

"آؤ تمہیں سارے کمرے دکھاؤں۔ مجھے ڈھونڈتے کہیں تم گم نہ ہو جاؤ۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

قصرِ سلطان کی اندرونی فضایوں تھی جیسے انیسویں صدی کی نوابی روایت نے اکیسویں صدی کی نئی دولت سے ہاتھ ملا لیا ہو۔

نچلی منزل پر موجود پانچ بیڈ رومز میں سے تین خاندان کے زیر استعمال تھے اور ہر ایک اپنے مکین کی شخصیت کا عکاس تھا۔

گیارہ سالہ مشعل کا کمرہ نفاست اور بچپن کی شرارت کا ملغوبہ تھا۔اس کے کمرے میں جدید فرنیچر ضرور تھا مگر دیواروں پر اس دور کے مقبول بینڈز کے پوسٹرز اور اس کے اپنے فن پارے بھی لگے تھے جو اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ اس قصر کی دولت اس کے اندر پلنے والے خوابوں کو قید نہیں کر سکتی۔

اب ان میں سے کوئی چوتھا کمرہ حماس کو دیا جانا تھا لیکن فی الحال کچھ طے نہیں ہوا تھا۔اس کا بسیرا عارضی طور پر اپنی دادی کے کمرے میں تھا۔

دوسری منزل ایک الگ ہی جہان تھی جو خاندان کی معاشرتی ذمہ داریوں اور بڑے پیمانے پر مہمان نوازی کے لیے مختص تھی۔

مشعل لنچ کے بعد حماس کو ایک بار پھر دوسری منزل لے جانا چاہتی تھی، جہاں ایک کمرے میں اس کے خالہ زاد کزن ایان کے کچھ کھلونے پڑے رہ گئے تھے۔وہ چاہتی تھی حماس انہیں اپنے کمرے میں لے جائے۔وہ اب ایان کے نہیں، اس کے ہوں۔ جیسے ہی وہ دونوں ڈائننگ روم سے باہر نکلے دادو کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔وہ دروازے کے باہر رک گئی۔اسے رکتا ہوا دیکھ کر حماس بھی ٹھہر گیا۔

"یہ رویا نہیں؟"

"ایک ہی بار رویا تھا۔" یہ معظم کی آواز تھی۔"ہچکیوں سے، سسکتے ہوئے۔" مشعل سراپا کان بن گئی۔"میں دوبارہ کبھی وہ منظر نہیں دیکھنا چاہتا، اماں۔"

"لیکن بیٹا، جب سے وہ آیا ہے رویا نہیں۔بہت فکر مند ہوں اس کے لیے۔" دادو کی آواز پر مشعل نے حماس کی جانب دیکھا۔وہ نظریں ٹکراتے ہی رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

"جان گیا ہوں اسے۔ وہ راتوں کو تنہائی میں روئے گا، کسی کے سامنے نہیں۔" معظم نے بمشکل یہ جملہ ادا کیا تھا کہ حماس آگے بڑھا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ "اماں وہ میرا بھتیجا ہے۔ پہلی بار اس سے ملا ہوں لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے۔۔۔ وہ میری اولاد ہے، وہی وہ بیٹا ہے جس کی شمسہ نے ہمیشہ خواہش کی تھی۔ آپ کو کتنی خواہش تھی پوتے کی۔" ان کی آواز جذبات سے رندھنے لگی تو وہ خاموش ہو گئے۔

جب سے حماس اس گھر میں آیا تھا عنیقہ بیگم نے معظم کی آنکھوں میں اس کے لیے محبت اور اپنائیت دیکھی تھی۔

"کچھ ہے ہم دونوں کے بیچ۔" معظم کا لہجہ جذبات سے لبریز تھا۔

"یوں لگتا ہے اس گھر میں اسی کی کمی تھی، ایک خلاء تھا جو پُر ہو گیا۔"

"میں اسے دنیا کی ہر سرد و گرم سے بچا کر رکھنا چاہتا ہوں، اور اس کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔ عجیب سی محبت ہے جس نے میرے دل کو گھیر رکھا ہے۔"

"وہ اپنوں میں آ چکا ہے، معظم۔"

شام میں سب تیار ہونے لگے۔ عجیب سی تیاری تھی ایک سناٹا تھا جو اس خاموشی میں گونجتا اسے اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔ وہ کچھ پوچھنے کو منہ کھولتی پھر بند کر لیتی۔ کچھ دیر ماں باپ کے کمرے میں کھڑی وہ ان دونوں کو تیار ہوتے دیکھتی رہی پھر قدرے اکتا کر دادی کے کمرے کا رخ کیا۔ دادو نے آج سفید رنگ زیب تن کر رکھا تھا، آنکھوں میں اداسی کے گہرے سائے تھے۔ حماس ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا اپنے سیاہ گھنے

بالوں میں برش پھیر رہا تھا اور دادو بیڈ پر بیٹھی اپنا دوپٹہ کندھوں پر اٹکاتی ان میں پِن لگا رہی تھیں، ساتھ میں ایک اداس نگاہ حماس پر بھی ڈال لیتیں۔

"دادو۔" مشعل کی آواز پر عنیقہ بیگم نے نظریں حماس سے ہٹاتے اسے دیکھا جو بیڈ کے ایک سرے پر آن ٹکی تھی۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"بیٹا، تم نہیں جاؤ گی۔ تمہاری سہیلی، گل کے ہاں تمہیں چھوڑتے ہوئے جائیں گے۔" گل ان کے پڑوس میں رہتی تھی، دونوں خاندانوں میں کافی میل ملاپ تھا۔ "صرف ہم۔۔"

"کیوں نہیں جاؤں گی!" وہ طیش سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ایسا کیا ہوا ہے جو آپ لوگ مجھ سے چھپا رہے ہیں؟"

حماس تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"واپس آ کر سب بتاؤں گی تمہیں۔" عنیقہ بیگم کے لہجے میں برسوں کی تھکاوٹ تھی۔ "اس وقت میری ذہنی حالت ایسی نہیں کہ کسی بحث کا حصہ بنوں۔ کل دوپہر تک ہم لوٹ آئیں گے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

جدا ہیں رنگ سب کے، پر دھنک بننے کو آئے ہیں

کئی انجان رستے، ایک رخ مڑنے کو آئے ہیں

خلوصِ دل کی خوشبو نے کیا ہے یوں ہمیں یکجا

کہ بکھرے پھول تھے، خوشبو کا گھر بننے کو آئے ہیں

اتوار کی صبح ہلکی سی ٹھنڈک لیے نیم غنودگی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مشعل کو مہوش کو باقاعدہ جھنجھوڑ کر جگانا پڑا—آج پراجیکٹ کا دن تھا۔

یہ تجویزرات خود مہوش کی تھی کہ اتوار کا ناشتہ باہر ہو۔

پراجیکٹ اینتھروپولوجی کا تھا، مگر مہوش اپنی نفسیات کی اسائنمنٹ بھی ساتھ لے کر چل رہی تھی۔

اسے امید تھی کہ اس گروپ کے ساتھ رہ کر وہ بھی کسی سے اپنے کام کے چند سوال پوچھ سکے گی۔ چونکہ ان دونوں کو اس سلسلے میں گروپ کے دوسرے تین افراد کے ساتھ درزیوں کی گلی جانا تھا، سو دن کا آغاز وہ ہاسٹل سے باہر ہی کرنا چاہتی تھیں۔

"میں چاہتی ہوں تمہیں لاہور کا روایتی ناشتہ کرواؤں۔" بلند بانگ دعوے کرنے والی کے اٹھتے، تیار ہوتے کئی قیمتی منٹ گزر گئے۔ مشعل کا موڈ خراب ہونے لگا۔

لبرٹی کے قریب واقع کیپری ناشتہ ہاؤس کے باہر خفیف رونق جاگ چکی تھی۔ درختوں سے چھن کر آتی دھوپ اور دیسی ناشتے کی مہک نے فضا کو مکمل لاہوری بنا دیا تھا۔

ہوا میں بھاپ اُڑاتے چنوں، خستہ پراٹھوں اور تازہ پُوریوں کی مہک تیر رہی تھی—وہی لاہوری خوشبو جس کے بغیر اتوار ادھورا لگتا ہے۔

کیپری کے باہر پرانی لکڑی کی میزیں اور اندر چولہوں کی سنسناہٹ—سب کچھ مانوس تھا۔

مہوش اور مشعل ایک میز پر بیٹھ چکی تھیں۔ ان کے سامنے گرم پُوریاں، چنوں کی بھاپ، اور تازہ بھنے ہوئے پراٹھے رکھے تھے۔ مہوش نے پراٹھے کا پہلا نوالہ لیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "یہ شہر صرف ناشتہ بناتا نہیں، پیش بھی کرتا ہے۔"

مشعل نے چنوں کی پلیٹ سامنے کھینچی اور گہری سانس لے کر گویا ہوا کی زبان سننے لگی۔
''اور ہم۔۔۔اس دعوت کو کبھی رد نہیں کرتے۔''

اسی لمحے مشعل کا فون بجا۔ شمع کی قدرے عجلت بھری آواز آئی۔
''تم دونوں کہاں ہو؟ ہمیں نکلنا ہے، وقت کم ہے۔''
مشعل نے ہلکے سے ہنستے ہوئے جواب دیا۔"کیپری میں ہیں، تم بھی آجاؤ۔ ہمارا ناشتہ بس ختم ہونے کو ہے۔"

کیپری کی ہلکی سی چہل پہل میں اچانک دروازے کے قریب جیسے فضا نے پل بھر کو سانس روک لی تھی۔
سب سے پہلے اندر آتی ہوئی شمع نظر آئی—ڈھیلے کرتے پر ہم رنگ دوپٹہ، کندھے پر بے حد سلیقے سے ٹنگا ہوا بیگ۔۔اس کا انداز بتاتا تھا کہ وہ ہر ماحول میں اپنی جگہ خود بناتی ہے۔اس کی چال میں ایک خفیف سا وقار تھا، ایسا جو تکبر میں نہیں بدلتا۔

اس کے ساتھ چلتا ہوا زین بالکل مختلف تھا—ہاتھ میں گھڑی گھماتا ہوا زین، جس کی مسکراہٹ ہر سنجیدگی کو مذاق میں بدل دیتی تھی۔ وہ چلتے ہوئے راستوں میں جھانکتا، لوگوں کا جائزہ لیتا اور ہر چیز کو کسی چھوٹے لطیفے میں بدل دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ تین بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہونے کی آزاد روبے پروائی اس کے ہر انداز سے جھلکتی تھی۔

ان دونوں کے پیچھے چلتا حماس، گہرے رنگ کی شرٹ، گرد و نواح کا گہرائی سے مشاہدہ کرتی سیاہ آنکھیں اور پر اعتماد چال— نظر جو اس پر پڑ جائے تو ٹھہر جاتی۔

یہ تینوں ایک ساتھ چلتے ہوئے میز کے قریب آئے تو ماحول میں جیسے تین الگ الگ رنگ یکجا ہو گئے۔
شمع کی بے ساختہ شان، زین کی ہلکی پھلکی شرارت، اور حماس کی گہری خاموشی۔
اتوار کی رونق ان پانچوں کے گرد ذرا اور بڑھ گئی، جیسے اب کسی چھوٹے سفر کا پہلا قدم رکھ دیا گیا ہو۔
جیسے صبح ان کی آمد سے مکمل ہوئی ہو۔

زین نے فوراً ویٹر کو بلایا اور تین چائے منگوالیں۔

شمع نے خاموشی سے ہاتھ میز پر ٹکائے اور بولی۔ "آج ہمیں آدھا شہر گھومنا ہے۔ درزیوں کی گلی کوئی آسان جگہ نہیں۔"

مہوش نے چائے کی بھاپ پر نظر رکھتے ہوئے کہا۔ "مشکل جگہیں ہی اصل کہانیاں سناتی ہیں۔ کتابیں جو نہیں دکھا پاتیں، وہ لوگ دکھاتے ہیں۔"

شمع نے سر ہلایا۔

زین نے مزاح میں کہا۔ "چائے سے پہلے فیصلے نہیں ہوتے، اور بعد میں ٹلتے نہیں۔"

سب کے چہروں پر ایک ساتھ مسکراہٹ بکھر گئی۔

چاروں طرف سے ہلکی چہل پہل، دیسی ناشتوں کی خوشبو، میزوں پر رکھے پراٹھوں کی کرچ کرچ، اور ان پانچوں کا اکٹھے بیٹھ کر باتیں کرنا—یہ اتوار کا ناشتہ صرف کھانا نہیں تھا، آنے والے سفر کا پہلا نرم قدم تھا۔ ایک ایسی صبح جو شاید ان کی پوری تحقیق کا رخ بدلنے والی تھی۔

اور یوں—چائے کے ختم ہوتے ہی—پانچوں اٹھ کھڑے ہوئے، شہر کی گلیوں، بازاروں اور داستانوں کی طرف چلنے کے لیے۔

سلائی مشینوں کی ٹک ٹک، کپڑوں کی مہک اور کاریگروں کی آوازیں—درزیوں کی گلی اپنی رفتار میں زندہ تھی۔

گلی کے بیچوں بیچ سے کبھی کوئی لڑکا ہاتھ میں سوٹ کے پیس لیے تیزی سے گزرتا، کبھی کوئی خاتون اپنے بچے کو ڈانٹتے ہوئے ماپ دیتی نظر آتی، اور کبھی کوئی درزی اپنے شاگرد کو اونچی آواز میں یوں سمجھاتا جیسے سلائی نہیں، فلسفہ پڑھا رہا ہو۔

چلتے چلتے پانچوں ایک چھوٹے سے دکانچے کے سامنے رکے جہاں اندر نیم تاریک کمرے میں ایک درزی بیٹھا تھا—سنہری فریم کی عینک، آنکھوں کے نیچے ہلکی سوجن، مٹھائی جیسے لہجے میں بات کرتا ہوا، اور پہلو میں رکھی سلائی مشین پر رنگ برنگے دھاگوں کا ڈھیر۔ اس نے پانچوں کو اندر آتے دیکھا تو عینک ناک سے ذرا اوپر کی اور بولا۔

"آیئے بھئی، آج کل تو یونیورسٹیوں والے بڑے فیشن فہمی ہو گئے ہیں۔ بتائیں کیا خدمت ہو؟"

زین آگے بڑھ کر ہنستے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "استاد جی، میرے لیے ایک سوٹ سی دیں۔۔۔ بس ایسا ہو کہ پہن کر لگوں بھی انسان، اور پہچانا نہ جاؤں۔"

درزی نے غور سے اسے دیکھا۔
پہلے اس کی گھڑی، پھر جوتے، پھر چہرے کے تاثرات، پھر واپس گھڑی۔ جیسے مکمل اسکیچ بنا رہا ہو۔ پھر اس نے قریب لٹکے تین چار رنگ کھینچ لیے—ہلکی بوتل سبز، مٹیالا سرمئی، خفیف نیلے کا ایک سوبر ساشیڈ، اور میرون رنگ جو شاید زیادہ بولڈ تھا۔

"دیکھیں صاحب۔ آپ کا مزاج تو بڑا بے فکر ہے۔ انداز میں شوخی ہے لیکن اندر کہیں ایک سنجیدگی بھی بیٹھ کر ٹانگ ہلا رہی ہے۔ تو ایسا کرتے ہیں۔۔" وہ بوتل سبز کپڑا ہاتھ میں لیے بولا۔ "یہ آپ پہن تو لیں گے، لیکن لگیں گے نہیں۔" پھر مٹیالا کپڑا اٹھا کر اسے زین کے کندھے کے ساتھ ملا کر کہنے لگا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے مگر آپ جیسے بندے کو تھوڑا جینا چاہیے، اتنا دھیرج اچھا نہیں لگتا۔" آخر میں اس نے خفیف نیلا کپڑا زین کے سامنے لہرایا۔ "بس، یہی ہے۔ یہ آپ کے چہرے کی شوخی کے ساتھ بیلنس بنائے گا اور جب آپ بات کریں گے نا۔۔۔ تو لوگ سمجھیں گے کہ بندے نے رنگ سوچ سمجھ کر پہنا ہے۔ آپ کی بات کو سنجیدگی سے لیا جائے گا۔"

شمع، مشعل، حماس اور مہوش پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔ان کے سامنے لکڑی کا ایک پرانا سا بنچ تھا، جس کے اوپر درزی نے کپڑوں کے چھوٹے نمونے، بٹنوں کے چھابے، اور دھاگوں کے رول رکھ چھوڑے تھے۔چاروں نوٹس لینے میں مصروف تھے۔گلی کی ساخت، لوگوں کا رویہ، درزی کی حسِ مزاح، مقامی کاریگری کے باہمی رشتے، اور بازار کے سماجی رویے۔ مشعل خاموشی سے سلائی مشین کی ٹک ٹک سنتی رہی، حماس اپنے نوٹس میں گلی کے رنگ اور آوازیں درج کرتا گیا، مہوش درزی کے جملے نقل کرتی ہوئی خود ہی دبے دبے قہقہے لگاتی رہی اور شمع ہر چیز کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے اسے ہر منظر میں کوئی چھپی ہوئی ترتیب دکھائی دے رہی ہو۔

"بس صاحب، یہ سوٹ تیار ہو گیا تو آپ کہیں بھی جائیں، لوگ سمجھیں گے یہاں کوئی بات کرنے والا آ گیا ہے۔"

درزیوں کی گلی سے نکلتے ہی سب کے وجود سے ایک اضطراب سا جھلکنے لگا—آگے کہاں جانا ہے؟ تبھی زین نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔"اتوار ہے، چلو ریس کورس چلتے ہیں۔پراجیکٹ کے لیے انسانی رویوں کا مشاہدہ بھی ہو گا اور درزیوں کی گلی کے ساتھ موازنہ کرنے کو ڈیٹا بھی ہاتھ لگ جائے گا۔"ابھی کچھ دیر قبل وہ یہی ڈسکس کر رہے تھے کہ تقابلی مطالعہ ہونا چاہیے۔

سب نے فوری منظوری دے دی۔

یہ سب گجرات کی اس حویلی سے کتنا مختلف تھا— مشعل نے لمحہ بھر کو سوچا۔وہاں بیتی وہ پہلی رات اس کے حافظے میں ساری تفصیلات کے ساتھ محفوظ تھی۔

حماس کے نانا کی حویلی، جہاں وہ پچھلے سال گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک سال قبل

صبح کا وقت تھا، مگر ڈائننگ روم کی کھڑکیوں سے آتی دھوپ میں ایک انجانی سی کسک تھی—جیسے کوئی پرانی یاد روشنی پر بھی سایہ ڈال گئی ہو۔ حماس کرسی کھینچ کر بیٹھا ہی تھا کہ معظم—جنہیں وہ اب بابا کہتا تھا—اخبار تہہ کرتے ہوئے بولے۔

حماس، تمہارے نانا کے وکیل نے کل رات فون کیا تھا۔ تمہارے نام ایک اہم دستاویز چھوڑی گئی ہے۔"
"ہمیں آج ان کے دفتر جانا ہوگا—وصیت کے حوالے سے۔

حماس کے ہاتھ میں پکڑا چمچ لمحہ بھر کو رُک گیا۔ چند ہفتے پہلے وہ گجرات ان کے جنازے میں گیا تھا، اس اداس سفر میں بابا بھی ساتھ تھے۔

لیکن بابا، وصیت تو سب کی موجودگی میں ہوتی" مشعل نے ایک نظر حماس پر ڈالتے ہوئے باپ سے پوچھا۔
"ہے نا؟

"یہ مرنے والے کی خواہش پر منحصر ہے۔ حماس کے نانا نے ایسی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ دونوں بیٹیاں اور اکلوتا بیٹا، سبھی بیرونِ ملک مقیم ہیں۔ سب کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں تھا۔ جاپان والی تو ابھی تک نہیں آ سکی۔" معظم قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے۔ "ہمیں کل وکیل کے دفتر جانا ہے۔"

اگلی شام وہ سب باغ میں رکھی کرسیوں پر بیٹھے چائے کی چسکیاں بھر رہے تھے، جب معظم نے داد و سمیت سبھی کو مطلع کیا، کچھ ہی دیر پہلے وہ اور حماس گھر لوٹے تھے۔ "سلیم صاحب نے اپنی حویلی حماس کے نام کر دی ہے۔ باقی جائیداد بیٹیوں کے حصے میں گئی، بیٹے نے ان کی زندگی میں ہی تاکید کر دی تھی کہ اسے کچھ نہ دیا جائے، وہ امریکہ سے لوٹنے کا نہیں۔"

اسی لیے رات حماس کے کمرے کی روشنی دیر تک جلتی رہی تھی، مشعل سوچ کر رہ گئی۔

"ہم اس ویک اینڈ پر گجرات جا رہے ہیں۔" معظم کے اگلے اعلان پر لمحے بھر کو عنیقہ بیگم کے اوسان خطا ہوئے۔ وہ کہاں سفر کرنے کی عادی تھیں وہ بھی یوں اچانک۔ "مشکل وقت سے گزر رہا ہے، ایسے موقع پر ہم سب کی موجودگی ضروری ہے۔"

اس کے بعد سب اپنی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔

"گاڑی آ رہی ہے۔۔۔ بس چند منٹوں میں۔" حماس نے اطلاع دی۔

ابھی کچھ دیر قبل وہ فلائٹ سے لاہور پہنچے تھے اور یہاں سے گجرات بائے روڈ جانا تھا۔

ایک سیاہ رنگ کی کار پوریٹ سروس کی گاڑی آ کر رکی۔ کھلی گاڑی اور اندر کی نشستوں کی خاموش نرمی نے پورے سفر کا لہجہ بدل دیا۔

جیسے ہی گاڑی گجرات شہر میں داخل ہوئی، فضا کا مزاج بدلنے لگا۔ گاڑی شادیوال روڈ کے قریب ایک قدیم علاقے میں داخل ہوئی۔ جہاں گہرے سایوں میں ڈوبی دیواروں والے گھر یوں قطار در قطار کھڑے تھے جیسے برسوں سے اسی وقار کے ساتھ شہر کے حافظے کا حصہ ہوں۔ وہیں ایک موڑ کے بعد حویلی دھیرے دھیرے ابھر کر سامنے آئی۔

حماس اور معظم یہاں دوسری بار آئے تھے۔

قدیم سرو قد آہنی گیٹ کے سامنے گاڑی رکی تو حماس نے اتر کر دیوار پر لگی بیل پر انگلی رکھ دی۔ اندر کہیں گھنٹی نے مکینوں کو مہمانوں کی آمد کی نوید دی۔ گیٹ اکرم نے کھولا۔ اکرم اور زینب دونوں میاں بیوی نانا کے پرانے ملازم تھے، جو ابھی بھی یہیں مقیم تھے۔

یہ ایک دو منزلہ، چوڑی پیشانی والی عمارت تھی۔ سامنے کا دیوان خانہ بلند محرابوں کے سائے میں ڈوبا تھا، محرابیں نصف گول اور پرانی طرز کی۔ کھڑکیاں لمبی، لکڑی کی تراشوں سے بنی ہوئی جو اوپر جھروکوں تک

جاتی تھیں۔ان پر لگے پرانے پیتل کے قبضے عجیب طرح کی خاموش روشنی میں چمک رہے تھے۔ جیسے وہ سالہا سال ہاتھوں کے لمس کو یاد رکھتے رہے ہوں۔

حویلی کے صحن تک آتے۔۔۔عمارت کا رعب،اور اس کا وراثتی وقار یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر کھڑکی کے پیچھے کوئی پرانی سانس، بند کہانی یا کوئی دبی ہوئی دعا کھڑی ہو۔

زینب نے سب کو اندر لا کر نشست گاہ میں بٹھایا۔یہ کمرہ واضح طور پر پرانے وقتوں کی شان سنبھالے ہوئے تھا۔گہرے رنگ کے بھاری صوفے، پیتل کے نقوش والا مرکز میں رکھا ہوا لمبا سا کافی ٹیبل اور دیوار پر لگی پرانی گھڑی—جس کی سوئیاں حماس کو غیر معمولی طور پر سست لگیں۔

زینب نے شال کا پلو سنبھالتے ہوئے کہا۔"میں چائے لے کر آتی ہوں۔"

"گجرات میں داخل ہوئے تو ہمیں کھانے کی فکر لگ گئی۔وہ ہم وارث شاہ کُھڈا سے آتے ہوئے پیک کروا لائے ہیں،اکرم نے کچن میں تمہیں دے دیا ہو گا؟"معظم نے جیسے یقین دہانی چاہی۔"تم دونوں کا بھی ہے، چائے سے فارغ ہو لیں تو وہ دیکھ لینا گرم ہی ہو گا۔بہت تھکاوٹ ہو گئی ہے، ہم سب آرام کریں گے۔آج رات جلدی سونے کا ارادہ ہے۔"

"جی۔یہاں سب آتے ہی وہاں سے کھاتے ہیں۔"وہ قدرے لجائی ہوئی بولی۔اس کی عمر چالیس بیالیس سے زیادہ نہیں تھی۔"ان کی دیسی مرغی اور ہانڈی آج بھی شہر میں سب سے مشہور ہے۔"زینب نے کمرے سے نکلتے ہوئے ایک بار پھر رخ ان لوگوں کی جانب کیا۔"میں نے چار کمرے تیار کر دیے ہیں۔"

اچانک سب روشنیاں گل ہو گئیں، کمرہ گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔

حماس نے فوراً موبائل نکالا،ایک ہلکی سی سفید روشنی اس کے ہاتھ سے نکل کر کافی ٹیبل پر پھیل گئی۔اس نے فون میز پر رکھ دیا تاکہ سب روشنی سے مستفید ہوں۔

چند لمحوں بعد دالان سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔
اکرم ہاتھ میں جلتی ہوئی موم بتی لیے اندر داخل ہوا۔

"وہ موم بتی میز کے وسط میں رکھتے ہوئے بولا۔" صاحب، الماری کی درازوں میں باقی موم بتیاں بھی رکھی ہیں۔ میں ابھی لاتا ہوں۔"

وہ کمرے کے ایک کونے تک گیا جہاں ایک پرانا لکڑی کا کاؤنٹر رکھا تھا۔ دراز کھولی گئی اور وہاں سے کئی بڑی، سرخ موم بتیاں برآمد ہوئیں۔ یوں جیسے کوئی برسوں سے ان لمحوں کی تیاری رکھتا ہو۔ جب بجلی جائے اور گھر اپنی اصل شکل میں لوٹ آئے۔

اکرم نے موم بتیاں کمرے میں رکھنا شروع کیں—— کھڑکی کے پاس، پرانی گھڑی کے نیچے، اور مرکزی ستون کے قریب۔ سرخ روشنی دیواروں پر لرزنے لگی، جیسے گھر اپنی اصل صورت میں لوٹ آیا ہو۔

پھر اس کے ہاتھ میں آخری موم بتی رہ گئی۔ جسے وہ اٹھائے وہاں آ گیا جہاں مشعل سنگل صوفہ پر براجمان تھی۔ اس کے دائیں جانب کونے میں ایک پرانی طرز کی نقش و نگار والی لکڑی کی میز تھی، اکرم کو یہی جگہ مناسب لگی، اس نے موم بتی میز پر رکھ دی۔

اس کونے کے دوسری جانب حماس بیٹھا تھا، جس کے دائیں جانب تھری سیٹر پر دادو اور تائی تھیں۔

مشعل نے غیر ارادی طور پر دائیں جانب دیکھا، حماس کی نگاہ بھی اسی پل اپنے بائیں رخ کو مڑی۔ سرخ روشنی کے اوپر سے گزرتی ان کی نظریں ایک لمحے کو ملیں—— نہ تاثر، نہ ارادہ۔ شعلہ لمحہ بھر کو دہرا ہوا، پھر ایک ہو گیا—— اور خاموشی میں بس جلتی موم بتی کی سرسراہٹ رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک گھنٹے بعد، دوپہر کی دھیمی دھوپ میں جیلانی پارک سامنے آ گیا۔ تازہ کٹی گھاس کی خوشبو، دور واکنگ ٹریک پر دوڑتے لوگ، بچوں کے قہقہے اور فوارے کی ہلکی چھپاک—سب ایک پُرسکون اتوار کی تصویر تھے۔

حماس نے جھیل کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ "یہاں ہر چیز میں ٹھہراؤ ہے—جیسے لاہور خود دوپہر میں آہستہ چلنے لگتا ہو۔"

زین آگے بڑھا، ایک ٹھنڈے سائے کی جگہ ڈھونڈی، اور سب کو آنے کا اشارہ دیا۔ "پہلے بیٹھو، تھوڑا سانس لو، پھر مشاہدہ شروع کریں گے۔"

پانچوں بیٹھ گئے۔ چند سیکنڈ بعد حماس نے کہا۔ "یہاں سب کو پھیل کر کام کرنا چاہیے۔ ہر خیال اپنی الگ رنگت کے ساتھ نمایاں ہو گا۔"

حماس اور زین دونوں اٹھ کر مخالف سمتوں میں چل دیے۔

"میں یہاں سے نہیں اٹھوں گی۔" مہوش نے پیر پھیلا کر کہا۔ "لنچ تک جو ہو سکے لکھ لوں گی۔"

قلم بیگ سے نکال کر وہ رجسٹر پر جھک گئی۔

شمع چپ رہی—جیسے کوئی فیصلہ ذہن میں تول رہی ہو۔
کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ "مشعل، تمہیں ایک بات بتاؤں؟"

مشعل نے چونک کر اسے دیکھا۔

شمع نے دور چلتے زین کی طرف نگاہ ڈالی۔ "ایک ماہ پہلے، ہمارے گھر والوں نے سوچا کہ میرا اور زین کا رشتہ طے کر دیں۔"

مشعل کی آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں۔ "تم دونوں؟ واقعی؟"

"ہاں، ہم نے ایک ہی سکول سے تعلیم حاصل کی، کالج الگ تھے۔ گھر قریب اور والد گہرے دوست۔ انہیں لگا کہ رشتہ طے ہوا تو دوستی اور مضبوط ہو جائے گی۔"

مشعل نے پوچھا۔ "پھر ہوا کیا؟ ابھی تو تم دونوں بہت کم عمر ہو، اس عمر میں شادی کی بات تھوڑی عجیب نہیں؟"

شمع نے گہری سانس لی۔ "صرف نسبت طے کرنا چاہتے تھے۔ میں کسی دوستی کی خاطر رشتہ نہیں جوڑ سکتی، سو انکار کر دیا۔ زین نے خاموشی اختیار کی، جیسے اسے یہ سب بے معنی لگتا ہو۔"

"شاید اس فیصلے کے لیے وقت صحیح نہیں تھا۔" مشعل نے کہا۔

مہوش سب سن رہی تھی۔ نوٹس لیتے ہوئے اس کا ہاتھ کئی بار تھما، لیکن اس نے کوئی رائے نہ دی۔

یہ مشعل اور شمع کا لمحہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ زخم جس سے مفر کی کوئی سبیل نہ تھی

وہ جس کی قید میں گزری ہے زندگی میری

تمہارے ہونٹوں پہ بن کر جو اک تماشہ سجا

وہ حرفِ تلخ ہے، برسوں کی بے بسی میری

یونیورسٹی کے مین بلاک میں آج معمول سے زیادہ رش تھا۔

کلاسیں ختم ہو رہی تھیں اور اگلا پیریڈ شروع ہونے والا تھا۔ دیوار کے ساتھ لگے نوٹس بورڈ پر لوگ چپکے ہوئے تھے، بیچ میں سے راستہ بناتا ہوا حماس آ رہا تھا۔ سر تھوڑا جھکا، ہاتھ جیبوں میں، قدم تیز۔

شمع، مشعل اور مہوش راہداری کے دوسرے سرے سے آ رہی تھیں۔

مہوش نے آہستگی سے کہا۔ "دیکھو، وہ آ گیا۔"

شمع نے ایک نظر ڈالی، مشعل کی نگاہ ایک لمحے کے لیے رکی اور پھر سر جھکا لیا۔ حماس ان کے پاس سے گزر گیا۔

پیچھے سے کسی لڑکے کی دبی ہوئی آواز آئی۔ "یہی ہے نا، جس کے خاندان کا کیس اخبار میں آیا تھا؟"

آواز آہستہ تھی، مگر اتنی نہیں کہ سنی نہ جا سکے۔ چند چہروں پر ہلکی جنبش اور چھپی ہوئی ہنسی دیکھی گئی۔

اگلے لمحے سب کچھ تیزی سے ہوا۔

حماس رکا، مڑا، دو تیز قدم پیچھے لیے اور اس لڑکے کے بالکل سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ لڑکا کچھ سمجھ پاتا، اس کا گریبان حماس کی مضبوط گرفت میں تھا، ایک جھٹکے سے حماس نے اسے دیوار سے جا لگایا۔ کتابیں اس کے ہاتھ سے گر کر نیچے بکھر گئیں۔

وہ بھی حماس کی طرح دراز قد اور مضبوط جسامت کا مالک تھا لیکن اس وقت بہت کمزور دکھائی دیا۔

حماس کی آواز نیچی تھی، مگر پوری راہداری تک پہنچی۔ "کیا کہا؟ میں صحیح سے سن نہیں پایا۔"

لڑکے نے گھبرا کر کہا۔ "میں نے۔۔۔ لوگوں سے سنا تھا۔"

حماس نے گرفت سخت کی اور چہرہ قریب کر لیا، دونوں کے سائے مل گئے۔ "وہی الفاظ دہراؤ۔۔۔ لیکن ذرا اونچی آواز میں۔ میرے ساتھ سب ذرا صحیح سے سن لیں۔"

اس لڑکے نے حماس کی سرخ ہوتی آنکھوں سے نظریں چرائیں۔ اسے دیکھتے یوں لگتا تھا جیسے بمشکل غصہ ضبط کیے کھڑا ہو۔

راہداری میں خاموشی چھا گئی۔ چند لڑکے دیوار کے ساتھ ہو گئے، کسی لڑکی کے ہاتھ میں پکڑا ہوا موبائل ہوا میں ہی رک گیا۔ مشعل کے قدم تھم چکے تھے۔ اس نے پہلی بار یونیورسٹی میں حماس کو یوں غصے میں دیکھا تھا۔

اس لڑکے کے دو دوست آگے بڑھے۔ ایک نے حماس کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کی، مگر حماس نے جھٹکے سے خود کو چھڑا لیا۔

"دیکھو، تماشہ نہ بناؤ۔ بات ایڈمنسٹریشن تک پہنچ گئی تو مسئلہ بنے گا۔"

"یہ ہمارا معاملہ ہے ہمارے بیچ رہنے دو۔" حماس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"تمہیں یہ سب مہنگا پڑ سکتا ہے۔" دوسرا دوست دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

اپنے دوستوں کو بتاؤ، دھمکی دینا بیکار ہے۔" حماس نے لڑکے کی جانب جھک کر کہا۔ "جو کرنا ہے، کر" "دکھائیں۔

زین سیڑھیوں سے نیچے آ رہا تھا، منظر دیکھ کر رفتار تیز کی۔ حماس کے قریب آ کر کہا۔ "چھوڑو اسے۔"

حماس نے ایک پل کو زین کی طرف دیکھا، پھر ہاتھ اچانک ڈھیلے چھوڑ دیے۔ لڑکا دیوار سے الگ ہوا، سانس سنبھالتا ہوا گریبان سیدھا کرنے لگا، گردن جھکی ہوئی تھی۔

وہ آگے بڑھ گیا، زین قدم ملا کر چلنے لگا۔ راہداری میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

مشعل نے مہوش اور شمع کی طرف دیکھا۔ "سکول میں بھی ایک بار ایسا ہوا تھا، تب بابا پرنسپل سے شکایت" کرنے گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے ہاسٹل کے کمرے میں تنہا تھا۔ شام کے وقت کلاسیں ختم ہو چکی تھیں، لان خاموش اور آسمان کا نیلا رنگ سیاہ میں بدل رہا تھا۔ چھت کے پنکھے کی گھوں گھوں اور دور موٹر سائیکل کی آواز کے سوا سب خاموش تھا۔

حماس نے الماری کا پٹ کھولا اور اوپر رکھا بیگ نیچے کھینچا۔ آج وہ جم کے لیے اپنا تیسرا ٹریک سوٹ تلاش کر رہا تھا، دو پہلے ہی لانڈری میں دے چکا تھا۔

بیگ میں کپڑوں کا چھوٹا سا پہاڑ تھا—ٹی شرٹس، پینٹس، سویٹر، کچھ پرانی جرابیں اور نوٹس۔ وہ چیزیں نکالتا جا رہا تھا، مگر ٹریک سوٹ نہیں ملا۔ کپڑوں کی تہوں میں اس کی انگلی کسی سخت، گول چیز سے ٹکرائی۔ وہ چونک گیا اور احتیاط سے اسے باہر نکالا۔

اس کی ہتھیلی میں سودانوں کی تسبیح تھی، لکڑی کے ملائم گہرے رنگ کے دانے، جن پر وقت کی ہلکی خراشیں تھیں۔ ہر دانہ کسی خاموش ذکر کی گواہی دے رہا تھا، دھاگا مضبوط مگر نرم ہو چکا تھا۔ سرا ایک چھوٹے گانٹھ دار گولے پر ختم ہوتا، اوپر ریشمی دھاگوں کی جھالر تھی، رنگ مدھم ہونے کے باوجود نزاکت برقرار تھی۔ حماس کے ہاتھ میں وقت تھم گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک لمحے کو بیگ نہیں، قصر سلطان میں موجود اپنا کمرہ

ابھرا۔ صبح وہ ہاسٹل کے لیے تیار ہو رہا تھا، مشعل کارپٹ پر بیٹھی بیگ میں چیزیں رکھ رہی تھی۔ وہ واش روم میں دانت برش کر رہا تھا، دروازہ آدھا کھلا تھا۔

"کیا رکھوں؟" مشعل نے پوچھا تھا۔

اس نے جھاگ سے بھرا منہ سنک پر جھکاتے ہوئے بس اتنا کہا تھا۔ "ہر وہ چیز۔۔۔ جس کے بغیر میرا گزارہ نہیں۔"

اتنا ہی یاد آیا، باقی صبح دھند میں گم تھی۔ اس نے تسبیح کی طرف دیکھا اور پل بھر میں آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔

اچانک اس کے سامنے ایک اور رات کا منظر روشن ہو گیا، جب وہ چودہ سال کا تھا اور نیند اس کی آنکھوں سے روٹھ گئی تھی۔ گھر اس وقت نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ راہداری کی واحد بتی فرش پر زرد دائرہ ڈال رہی تھی، وہ پانی پینے کچن آیا۔

پانی پینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اسے دادو کے کمرے سے ہلکی سی آواز آئی۔ تجسس جاگا، وہ دروازے تک گیا، دستک دی، "آؤ" کی نرم صدا پر اندر جھانک کر دیکھا۔ کمرے میں ایک لیمپ جل رہا تھا، مدھم روشنی نے سب کچھ نیم سائے میں لپیٹ رکھا تھا۔ عنیقہ بیگم جائے نماز پر بیٹھی تھیں، سامنے کھلا قرآن مجید، ہونٹ خاموش تلاوت میں مصروف تھے اور آنکھوں میں ایک عجیب سا سکون تھا۔

وہ دروازے کے پاس سے آ کر کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ راہداری کی ہوا پردے کو ہلکی سی جنبش دے گئی، کمرے میں صرف ورق پلٹنے کی سرسراہٹ اور دور گھڑی کی ٹک ٹِک سنائی دے رہی تھی۔ اس کی نظر دادو کی تسبیح پر ٹھہر گئی۔

اس نے جھجکتے ہوئے ہاتھ بڑھایا، تسبیح کو آہستگی سے اٹھایا اور اپنی ہتھیلی پر پھیلا لی۔ دانوں پر انگلی پھیرتے ہوئے اسے محسوس ہوا جیسے ہر دانہ کسی دعا، کسی بے نام آنسو کا گواہ ہو۔ عنیقہ بیگم نے تلاوت مکمل کر کے "آمین" کہا اور خاموش ہو گئیں۔ حماس نے آہستگی سے پوچھا۔ "دادو، آپ اتنی عبادت کیوں کرتی ہیں؟"

انہوں نے کچھ چونکنے کے سے انداز میں اسے دیکھا۔

"جو پسند ہو اس کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے نا؟"

حماس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اور جو بہت زیادہ پسند ہو؟" ان کے ہونٹ ایک خاص ادا سے مسکرائے تھے جیسے کسی راز سے پردہ اٹھنے والا ہو۔

"دل چاہتا ہے زیادہ سے زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزرے۔" وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ "لیکن" آپ یہ سب روز کیسے کر لیتی ہیں، دادو؟

"میں وہ دعا پڑھتی ہوں جو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم اٹھتے بیٹھتے پڑھا کرتے تھے۔" وہ رکیں۔ "یا مقلب القلوب ثبت قلبی علیٰ دینک۔ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو دین پر قائم کر دے۔"

"آپ یہ دعا پڑھتی ہیں؟" وہ حیرت سے دوبارہ بیٹھ گیا۔

"ہاں۔ کیونکہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہمارا دل اللہ کی دو انگلیوں کے بیچ ہے۔"

دادو یہ تسبیح اسے دے گئی تھیں۔

حماس نے اسے بے ساختہ چوم لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کالان ہلکی سی شام میں ڈوبا ہوا تھا۔

آسمان پر ہلکی سی سرخی پھیلی تھی اور گھاس پر بیٹھے طلبہ کے دائرے آہستہ آہستہ چھوٹے ہونے لگے تھے۔ایک بنچ پر حماس اور زین ساتھ بیٹھے تھے۔ان کے سامنے نوٹس کی

کاپیاں، فیلڈ ورک کے فارم اور چند موٹے موٹے کتابچے بکھرے تھے۔

تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو کہ یہ سب تم کل جمع کروادو گے ؟"زین نے کاغذوں کی طرف دیکھتے ہوئے "

"پوچھا۔"فیلڈ جرنل، سوالنامے، اور یہ سارا تجزیہ ؟

حماس کمر کی پشت بنچ سے لگاتے ہوئے مسکرایا۔"نہیں، میں اتنا بہادر نہیں ہوں۔بس یہ سوچ رہا تھا کہ شاید کوئی معجزہ ہو جائے۔"

زین نے ہنستے ہوئے کہا۔"دیکھو، تم نے فیلڈ میں جو مشاہدہ کیا ہے نا، اسے لکھنا تمہارے لیے مشکل نہیں ہونا چاہیے۔تم لوگوں کو ایسے دیکھتے ہو، جیسے ایکس رے کر رہے ہو۔"

"دیکھنا اور مانگے گئے فارمیٹ میں لکھنا دو الگ باتیں ہیں۔"حماس نے فائل بند کرتے ہوئے کہا۔"اور ویسے بھی۔۔۔ہاسٹل واپس جا کر آدمی کے پاس یا تو نیند بچتی ہے یا اگلے دن کی پیشگی تیاری۔کام کے لیے جگہ کم رہ جاتی ہے۔"

زین نے اس کی بات غور سے سنی۔"ہاسٹل مشکل ہے ؟"

حماس نے کندھے ہلائے۔"مشکل نہیں، بس۔۔۔شور بہت ہے۔نیا ماحول، نئی جگہ۔ایڈجسٹ ہونے میں وقت لگتا ہے۔"

زین نے چند لمحے خاموش رہ کر کہا۔ "کل تم کلاس سے غائب تھے۔ میں سمجھا ہاسٹل میں ہو گے، فون کیا تو بند تھا۔"

"ہاسٹل میں لائٹ گئی ہوئی تھی۔" حماس ہلکا سا ہنسا۔ "رات موبائل چارج نہیں کر پایا تھا۔" پھر آہستہ سے بولا۔ "سچ پوچھو تو کلاس میں جانے کو دل نہیں چاہا۔ کبھی کبھی انسان خود سے ہی ملنے نہیں آتا۔"

زین نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ "اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"تم کیا کرتے؟"

"کم از کم تمہیں ہاسٹل سے اٹھا کر کہیں باہر کھانا کھلا دیتا۔" زین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کبھی کبھار صرف یہ کافی ہوتا ہے کہ کوئی تمہیں ایک رات کے لیے ہاسٹل کی دیواروں سے باہر نکال لے۔"

حماس نے پہلی بار اس کی طرف پوری طرح دیکھا۔ "تمہیں کیسے پتا کہ باہر نکلنے سے فرق پڑتا ہے۔"

"کیونکہ میں نے خود کو کئی بار اپنے کمرے کی چار دیواری میں قید پایا ہے۔" زین نے ہلکی سانس کے ساتھ کہا۔ "فرق یہ ہے کہ میرا کمرہ گھر میں ہے اور تمہارا ہاسٹل میں۔ مگر تنگی کا احساس دونوں جگہ ایک سا ہوتا ہے۔"

چند لمحوں کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔ سامنے لان میں چند لڑکے فٹ بال کو ادھر ادھر مار رہے تھے، کبھی اونچی جاتی تو قریب بیٹھی لڑکیاں ہنستے ہوئے سر جھکا لیتیں۔

"سن۔" زین نے اچانک کہا۔ "آج رات تم ہاسٹل واپس نہیں جا رہے۔"

حماس نے حیرت سے ابرو اٹھائے۔ "پھر کہاں جا رہا ہوں؟"

"ہمارے گھر۔" زین نے گویا فطری سی بات کہی۔ "میں تمہیں کب سے کھانے پر بلانا چاہ رہا تھا۔ ہر بار لگا تم مصروف ہو، لیکن میرا خیال ہے زیادہ مصروف تمہارا دماغ ہے، شیڈول نہیں۔"

"تمہارا گھر۔۔۔ فیملی کے ساتھ؟"

"ہاں۔" زین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہاسٹل کے کھانے سے بہتر ہے، کم از کم دعا پڑھ کر بنتا ہے۔ اور تمہارا

پروفیسر معیز کا فیلڈ پراجیکٹ بھی میرے گھر بیٹھ کر لکھا جا سکتا ہے۔ وہاں شور صرف لاؤنج میں لگے ٹی وی کا ہوتا ہے، باقی سکون ہے۔"

حماس نے تذبذب سے کہا۔ "زین، ایسے ہی اچانک۔۔۔"

"ایسے ہی اچانک!" زین نے بات کاٹی۔ "دوستی ہمیں شیڈول بنا کر نہیں چلتی۔ تم کراچی سے یہاں تک آئے ہو، کسی نے تم سے پوچھا کہ تم تیار ہو یا نہیں؟ اب ایک دعوت کے لیے اتنا رسمی کیوں ہو رہے ہو؟"

حماس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جو اس کے چہرے کے خدوخال کو نرم کر گئی۔

"تم صرف دل بہلانے کے لیے بیسمنٹ پارٹی میں جانا چاہتے تھے۔ ہاسٹل سے فرار کے لیے میرا گھر تمہارے لیے موزوں ٹھہرا، چلو، اچھا رہا کہ میں بھی پارٹی میں شامل ہو گیا۔ ہاسٹل سے تو کوئی بھی تمہیں آدھی رات کو وہاں جانے نہیں دیتا۔ لیکن اب۔۔۔ یہ صرف پارٹی کے لیے نہیں ہے۔"

حماس نے نوٹس سمیٹ کر بیگ میں رکھے اور بنچ سے اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ لان کے کنارے سے گزرتے ہوئے اس نے ایک بار پیچھے مڑ کر ڈپارٹمنٹ کی عمارت کو دیکھا، پھر آہستگی سے آگے بڑھتا گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ آج پہلی بار لاہور میں اس کے پاس ہاسٹل کے کمرے اور کلاس روم کے علاوہ ایک تیسری جگہ بھی ہے: کسی کا گھر، کسی کا دسترخوان، کسی کا دل۔

☆☆☆☆☆☆☆

عجب ہے فیضِ سفر، راستوں کے کھونے میں

کہ وہ بھی دیکھ لیا، جو کبھی گماں میں نہ تھا

اینتھروپولوجی (بشریات) کے شعبے کا یہ 'فن ٹرپ' جوں جوں نمک کے پہاڑی سلسلے میں داخل ہو رہا تھا، لڑکوں کی بس میں ہیجان بڑھتا جا رہا تھا۔ ایم ٹو موٹر وے پر دو بڑی بسیں دوڑ رہی تھیں۔

زین، جو پڑھائی میں جتنا زبردست تھا، تفریح میں اتنا ہی بے لگام۔ اس نے اچانک بس کے اسپیکرز پر ایک تیز 'ہپ ہاپ' بیٹ لگائی اور بس کے تنگ درمیانی راستے میں آ کھڑا ہوا۔ زین نے پکارا۔ "اوئے، سب دیکھو! یہ ہے اینتھروپولوجی کا لائیو رقص۔" اور کمال مہارت سے اپنے جسم کو لہرانے لگا۔ وہ ہپ ہاپ کے 'پاپنگ اور لاکنگ' اسٹیپس اتنی صفائی سے کر رہا تھا کہ سب دنگ رہ گئے، مگر اس میں شرارت کا عنصر شامل تھا۔

ڈانس کرتے ہوئے وہ ایک دم لڑکھڑا کر ایک لڑکے کی گود میں گرا، پھر بجلی کی تیزی سے اٹھ کر دوسرے لڑکے کے ہاتھ میں تھاما آدھا بسکٹ منہ سے ہی اچک لیا۔ وہ ٹکڑا جو اس لڑکے کے منہ میں جانا تھا۔۔۔ اب زین چبا رہا تھا۔ "زین! تم کبھی سیدھے نہیں ہو سکتے؟" حماس نے اسے گھورا، مگر اس کی آنکھوں میں بھی مسکراہٹ تھی۔

کٹاس راج سامنے تھا۔ سات مندروں کی بوسیدہ دیواریں اور محراب ماضی کی گواہی دے رہی تھیں۔ گہرے سبز پانی کا تالاب سامنے تھا، جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ شیو جی کے آنسوؤں سے بنا۔

پروفیسر فرحانہ قیصر نے ایک پرانے ستون کے پاس رک کر سب کو اکٹھا کیا۔ "بچو! یہ جگہ بدھ مت، ہندو مت اور سکھ مذہب کے سنگم کی علامت ہے۔ ان دیواروں کی تراش خراش دیکھو، یہ اس دور کے انسانی ہنر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔"

"میڈم! آج تو یہ فن ٹرپ تھا، آپ نے یہاں بھی کلاس شروع کر دی؟" شمع نے اپنی مخصوص صاف گوئی سے احتجاج کیا۔ اس نے دھوپ کا چشمہ ماتھے پر سجا رکھا تھا اور وہ اس قدیم پس منظر میں بہت نمایاں لگ رہی

تھی۔ مشعل، جو اپنی ڈائری میں کچھ نوٹ کر رہی تھی، فوراً بولی، "شمع! یہ کتنا دلچسپ ہے، دیکھو تو سہی ان محرابوں کی بناوٹ۔ یہ سب دیکھنا بھی تو ایک فن ہی ہے نا۔" حماس نے تالاب کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر اس کے ساکت پانی میں اپنا عکس دیکھا۔ "انسان چلا جاتا ہے، مگر اس کی نیت اور اس کے عقیدے ان پتھروں میں قید ہو جاتے ہیں۔" زین ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر سیلفیاں لے رہا تھا۔

واپسی کے سفر پر بسیں ایک بڑے شاہراہ کے کنارے واقع ڈھابے پر رکیں۔ بھوک سب کو ستا رہی تھی، مگر وہ دونوں ابھی کھانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ "ہم ابھی نہیں کھائیں گے، بس میں کچھ پھل اور بسکٹ لے لیے تھے۔" مشعل اور شمع نے ان دونوں سے کہا اور بس میں جا بیٹھیں۔ دوسری طرف زین اور حماس پہلے تو ارد گرد کے علاقے میں گھومے پھر فریش ہونے جینٹس واش روم کا رخ کیا۔ ہاتھ منہ دھو کر وہ ایک میز پر آ بیٹھے۔ "یار حماس، یہ دیسی مرغ کی کڑاہی کھائے بغیر میں یہاں سے نہیں ہلنے والا۔" زین نے ضد کی۔ حماس کے موبائل پر کلاس فیلو کی کال آئی، مگر اس نے فون ایک طرف رکھ دیا۔ "پہلے کھانا، پھر بات۔ یہ تو ویسے بھی یہی کہے گا کہ جلدی آ جاؤ۔" زین کا فون بھی وائبریٹ کر رہا تھا مگر وہ کھانے میں مگن تھے۔

اچانک بسوں کے ہارن بجے۔ پروفیسر نے پوچھا، "لڑکے پورے ہیں؟" ایک لڑکے نے مذاق میں کہا۔ "میڈم، زین اور حماس شاید لڑکیوں والی بس میں چلے گئے ہیں، ان کی دوستیں جو وہاں ہیں۔" یہ سن کر پوری بس ہنسی میں ڈوب گئی اور ڈرائیور نے یہ سمجھ کر کہ سب سوار ہیں، گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

دھندلکا اور پراسرار دیہات

زین اور حماس خوب سیر ہو کر کھا چکے تو ایک بار پھر واش روم کا رخ کیا۔ جب باہر نکلے، تو سڑک پر صرف دھول اڑ رہی تھی۔ گاڑیوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ "زین! بسیں چلی گئیں!" حماس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کیا؟اوئے! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"زین نے موبائل دیکھا،ان گنت کالز تھیں۔اس نے واپس ملانے کی کوشش کی مگر اس وقت کلاس فیلوز میں سے کوئی بھی کال نہیں اٹھا رہا تھا۔ سڑک سنسان تھی۔وہ پیدل ہی کسی سواری کی تلاش میں قریبی دیہاتی راستے پر نکل پڑے۔

کچھ دور چلے تھے کہ ایک بوسیدہ جھونپڑی کے سامنے ایک عجیب الخلقت بابا بیٹھا نظر آیا۔اس نے سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہن رکھا تھا،آنکھوں میں موٹا کالا سرمہ اور گلے میں رنگ برنگی مالائیں تھیں۔"آجاؤ پتر۔۔۔آجاؤ۔۔۔منزل تمہارے قدموں میں ہے۔"بابا کی آواز میں ایک عجیب سی کھنک تھی جو دلوں میں خوف پیدا کر رہی تھی۔"باباجی،لاہور کے لیے کوئی کوچ ملے گی؟"زین نے ہمت کر کے پوچھا۔"کوچ؟کوچ تو روحوں کا سفر ہے۔میرے ڈیرے پر آؤ، تمہیں ایسی دنیا دکھاؤں گا کہ تم سب بھول جاؤ گے۔"بابا نے ہاتھ بڑھا کر ان کا بازو پکڑنے کی کوشش کی تو دونوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"نہیں باباجی! ہمیں روح نہیں،اپنا جسم لاہور پہنچانا ہے!"زین نے حماس کا ہاتھ کھینچا اور وہ دونوں وہاں سے سرپٹ بھاگ کھڑے ہوئے۔

راستے میں انہیں ایک لڑکی ملی،جو مکمل دلہن کے لباس میں تھی،اس کا زیور بکھرا ہوا تھا اور وہ دیوانہ وار جھاڑیوں میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔"تم نے میرے گلبرگ کو دیکھا؟وہ مجھے یہاں اکیلا چھوڑ گیا ہے۔"وہ بڑبڑائی۔حماس نے خوفزدہ ہو کر زین کو دیکھا۔"زین،یہ جگہ بہت عجیب ہے۔ہمیں جلد یہاں سے نکلنا ہو گا۔"

دیہاتی شادی

بھاگتے بھاگتے وہ ایک گاؤں کی حدود میں داخل ہوئے جہاں سے ڈھول کی تیز آواز آرہی تھی۔ وہاں ایک شادی کی تقریب جاری تھی۔ پورا گاؤں وہاں جمع تھا، رنگ برنگی جھنڈیاں لگی تھیں اور نوجوان لڈی ڈال رہے تھے۔ زین کی طبیعت میں جوش ایک دم جاگ اٹھا۔ "حماس! اب آ ہی گئے ہیں تو کھانا بھی کھالیں اور ہاتھ بھی صاف کرلیں!" وہ دونوں شادی میں شامل ہوگئے۔ وہاں کی ایک عجیب رسم تھی کہ دولہے کو ایک بڑے پیالے میں دودھ پلایا جارہا تھا اور گاؤں کے بزرگ اسے چھڑیوں سے ہلکا ہلکا تھپک رہے تھے۔ زین یہ دیکھ کر خود کو نہ روک سکا اور ہپ ہاپ اور دیہاتی رقص کا ایسا امتزاج پیش کیا کہ گاؤں کے لوگ دنگ رہ گئے۔ اس نے دولہے کے ساتھ مل کر ایسی دھوم مچائی کہ سب اپنی پریشانیاں بھول گئے۔

آخر کار، دولہے کا باپ، جو ایک رعب دار کسان تھا، زین کے رقص اور ان کی صورتِ حال سے بہت متاثر ہوا۔ "اوئے شہزادو! تم تو بڑے کمال کے لوگ ہو۔ لاہور جانا ہے؟" "جی چوہدری صاحب، اگر مہربانی ہو جائے۔" زین نے ہانپتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنے بیٹے کو آواز دی۔ "اوئے شیرا! گنے والا ٹرک نکالو، ویسے بھی وہ اسی طرف جانا ہے۔ ان مہمانوں کو چھوڑ آؤ۔" پھر ان کی جانب مڑا۔ "لیکن پہلے کھانا۔ بس کھلنے ہی والا ہے۔"

رات کے پچھلے پہر، گنوں سے لدے ٹرک میں یہ دونوں لاہور پہنچے۔ زین نے فون نکال کر اپنے گھر کال کی۔ "ہیلو، ڈیڈ! جی ریاض صاحب۔۔۔ آپ کا سپوت لاہور فتح کر کے واپس آرہا ہے۔ ہم ایک 'شاہی سواری' یعنی گنے کے ٹرک پر سوار ہیں۔ فکر نہ کریں، ہم خیریت سے ہیں۔ حماس بھی میرے ساتھ ہے، یہ اپنے ہاسٹل جائے گا اور میں گھر پہنچ جاؤں گا۔" ٹرک کے اندر لیٹے، گنے کی میٹھی خوشبو اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں حماس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ "زین، یہ کٹاس راج کے سفر سے زیادہ بڑا سبق تھا۔" زین نے گنے کا ایک

ٹکڑا چھیلتے ہوئے شرارت سے کہا۔" بالکل یار! اور اس سفر کا گریڈ ہمیں چوہدری صاحب نے پہلے ہی دے دیا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

وہ شمع اور زین کے علاوہ چند دوسرے سٹوڈنٹس سے بھی حماس کے بارے میں پوچھ چکی تھی، کوئی نہیں جانتا تھا وہ اس وقت کہاں ہے۔ کچھ کلاس فیلوز نے اسے حیرت سے دیکھا کہ مشعل کو ایک پیریڈ چھوٹنے پر اتنی تشویش کیوں ہو رہی ہے، حالانکہ پچھلے پیریڈ وہ اسے دیکھ چکی تھی۔

وہ جانتی تھی یہ حماس کی پسندیدہ کلاس ہے پھر آج اس نے کیوں اٹینڈ نہیں کی؟ ہر طرف دیکھنے کے بعد اسے اینتھروپولوجی ڈپارٹمنٹ کا وہ پرانا حصہ یاد آیا، جہاں عام طور پر کوئی نہیں جاتا تھا۔ یہ حصہ پہلے یونیورسٹی کا فعال حصہ تھا، لیکن اب استعمال سے باہر تھا۔

"اگر میں کہیں نہ ملوں تو وہاں دیکھنا جہاں ویرانی ہو، سکوت ایسا کہ صرف پرندوں کی مدھم سرگوشیاں سنائی دیں۔

یہ جملہ اس کے کانوں میں پھر سے گونج رہا تھا، جیسے ہوا کے ساتھ آیا ہو۔

یہ جگہ یونیورسٹی کا بھولا ہوا کنارہ تھی۔
گھاس بے ترتیب بڑھ رہی تھی، کہیں پیلی، کہیں سبز۔
کچھ پرانے سوکھے درخت یوں کھڑے تھے، جیسے بدلتے موسموں نے ان کی ہڈیاں تھکا ڈالی ہوں۔ ان کے ساتھ جھاڑیاں تھیں جو ہوا کے ساتھ سسکیوں جیسی آواز پیدا کرتیں۔

چند قدم آگے وہ ایک سنسان گوشے تک پہنچی۔
یہاں دو پرانے، گھنے سناٹوں میں ڈوبے کمروں کے ماند پڑے ڈھانچے اب بھی خاموشی سے کھڑے تھے۔ ان

کے دروازوں پر بھاری، گردزدہ تالے پڑے تھے۔

ان کمروں کی چھتوں سے بیلیں جھول رہی تھیں۔ مدن بیل (ہنی سکل) جن کے لمبے، ریشمی پھول ہوا کے ساتھ ہلتے تو مدھم سی مہک پھیلا دیتے۔ اس بیل کے بارے میں وہ اتنا جانتی تھی کہ اسے صدیوں سے گھروں، قدیم عمارتوں، راہداریوں اور باغات میں لگایا جاتا رہا ہے۔ اس کی مہک رات کے وقت شدت سے بڑھتی ہے اور یہ تتلیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، خوشبو کے پیچھے چلنے والے ننھے پرندوں کو لبھاتی ہے اور کئی قدیم تہذیبوں میں اسے روحانی تطہیر کی علامت بھی سمجھا جاتا رہا ہے۔

مشعل چند لمحے ان کمروں کے سناٹے کو سنتی رہی، پھر آہستہ چلتی آگے بڑھی۔

زمین پر پتے بکھرے تھے اور ایک عجیب ٹھہراؤ تھا۔ اچانک اس کی نظر دائیں جانب پڑی، ایک پرانے درخت کا گرا ہوا تنا زمین پر پھیلا تھا۔

تنا شاید کسی طوفان میں گرا تھا، مگر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس پر بھی ایک بیل چڑھی ہوئی تھی۔

اس بیل پر ڈاٹورا کے سفیدی مائل بنفشی پھول کھلے تھے۔

ڈاٹورا۔

یہ زہریلا پودا تھا، جسے قدیم قبائل خواب آور رسومات میں استعمال کرتے تھے۔ جس کے بارے میں یونانی تحریروں میں ذکر ہے کہ یہ ذہن کو دھندلا دیتا ہے اور انسان کو حقیقت اور فریب کے درمیان معلق کر دیتا ہے۔ جسے دیہات میں اب تک اکثر "سفوفِ جنون" کے لقب سے پکارتے ہیں۔

ان پھولوں کی نزاکت اور زہر کی شدت کا عجیب امتزاج پورے منظر کو ایک خفیف سی ہیبت دے رہا تھا۔

مشعل چند قدم آگے بڑھی، پھر اچانک رک گئی۔

درخت کے گرے ہوئے تنے پر کوئی بیٹھا ہوا تھا، اس کی پشت مشعل کی طرف تھی۔

سیاہ کوٹ کے کالر ہوا میں ہولے سے لرز رہے تھے۔

ایک ہاتھ میں فلاسک تھا، جسے وہ ہر دو گھونٹ بعد ہلاتا، پھر کچھ حلق سے اتارتا، جیسے ذائقہ چھپانا چاہتا ہو۔

مشعل کے قدموں کی آہٹ پر اس نے ذرا سا سر موڑا۔

فلاسک فوراً بند کر کے کوٹ کی جیب میں رکھ دیا، اور کھڑا ہو کر اس کی طرف مڑا۔

وہ چار قدم آگے بڑھی اور پنجوں کے بل کھڑے ہو کر اس کے قریب ہوتے سونگھنے کی کوشش کی۔"منہ کھولو!"

"مشعل میں۔۔"اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ مشعل نے ناک سے گہری سانس کھینچی اور کوٹ کے اندر ہاتھ ڈالنے ہی والی تھی کہ حماس نے تیزی سے اس کی کلائی پکڑ لی۔"میں مہ کا اسیر نہیں، بس کبھی کبھار۔۔۔"لمحہ بھر کو اس نے آنکھیں موند لیں۔"یاد ہے آج دن کیا ہے؟"

مشعل نے یاد کرنے کی کوشش کی اور سر چکرا کر رہ گیا۔اس رات بابا حماس کو پہلی بار گھر لائے تھے، اور یہ دن حماس کا اپنی فیملی کے ساتھ آخری دن تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک سال قبل۔

ناشتے کی میز پر زینب ناشتہ رکھ رہی تھی۔اس کی حرکات میں وہی سنجیدگی تھی جو برسوں کی عادت سے جنم لیتی ہے۔سب بیٹھ گئے تو معظم نے حماس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔"آج تم پوری حویلی دیکھ لو۔ہر کمرہ، ہر راہداری۔اگلے چوبیس گھنٹوں میں تمہیں اس حویلی سے متعلق فیصلہ لینا ہے"۔

"ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، اتنے بڑے بڑے فیصلے۔۔"شمسہ اداسی سے سر ہلا کر رہ گئیں۔

"حماس کی زندگی میں بہت سی چیزیں عمر کی مناسبت سے نہیں ہوئیں۔" پھر وہ ایک تسلی آمیز مسکراہٹ حماس کی طرف اچھالتے ہوئے بولے۔ "ہر مشکل فیصلہ تمہیں اپنے ہم عمر لوگوں سے تجربے میں بہت آگے لے جائے گا۔"

"بیٹا ہر فیصلہ کرنے سے پہلے اللہ سے مدد مانگنا ضروری ہے۔" دادو نے برابر میں بیٹھے حماس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ پھیرا۔ "میں تمہارے لیے دعا کروں گی، تم بھی کرنا۔"

"اکرم اور زینب کی یہاں موجودگی ناگزیر ہے، وہ حویلی کی دیکھ بھال کریں گے۔ اور ہم۔۔۔ یعنی میں اور حماس۔ مہینے میں ایک بار چکر لگا لیا کریں گے۔" معظم نے کافی آگے کا سوچ رکھا تھا۔

ناشتے کے بعد اکرم انہیں نیچے کی راہداری دکھاتا ہوا پہلے کمرے کی طرف لے گیا۔ دروازہ کھلا۔ اس کمرے کی اصل روح وہ قدیم ہارمونیم تھا جو میز کے قریب کپڑے سے ڈھکا رکھا تھا۔

اکرم نے کپڑا ذرا سا سرکایا تو پیلی پڑی چابیاں اور دھندلے پیتل کے کنارے نظر آئے۔
کمرہ جدید تھا، مگر ہارمونیم نے اسے فوراً گزرے زمانے سے جوڑ دیا تھا۔

"یہ آپ کے نانا نانی کا کمرہ تھا۔" اس نے حماس کو بتایا۔

دوسرا کمرہ حماس کی نانی کا سلائی کا کمرہ تھا۔ یہ ان کا شوق اور پسندیدہ مشغلہ تھا، جسے وہ کبھی کبھار وقت دیا کرتیں۔

اس کے بعد اکرم نے باقی کمروں کی طرف اشارہ کیا۔ یہ سب بہنوں کے کمرے تھے، کہیں سلائی کے خاموش نشان، کہیں سادہ کتابیں، کہیں بے حد ترتیب؛ شادیاں ہو چکی تھیں، زندگیاں آگے بڑھ چکی تھیں، کمروں میں خوش باشی کی ایک دبی ہوئی جھلک باقی تھی۔

یہ کمرے آباد رہنے کی کہانی سناتے تھے، کسی زخم یا ادھوری بات کے بغیر۔

ایک کمرہ ایسا بھی تھا جو باقی سب سے مختلف تھا۔ صاف، سادہ، جیسے کبھی استعمال ہی نہ ہوا ہو—اکرم نے بس اتنا کہا۔ "یہ مبشر صاحب کا کمرہ ہے۔"

حماس اپنے ماموں سے کبھی نہیں مل پایا تھا۔

اب وہ تینوں دوسری منزل تک آ چکے تھے، جہاں کمروں کی ہوا بدلنے لگی تھی۔

سٹڈی روم، یہ کمرہ سب سے گمبھیر فضا لیے ہوئے تھا۔ سامنے ایک سیدھی لکڑی کی بھاری میز، جس کے پیچھے ریوالونگ آفس چیئر دکھائی دیتی اور ایک دیوار پر کتابوں کے چند پرانے نسخے ترتیب سے رکھے ہوئے۔

یہاں کی سب سے اہم شے وہ قدیم دستاویزات کی فائل تھی، جو خاندانی وراثت اور نسل در نسل چلتی جائیدادوں کا احوال سنبھالے ہوئے تھی۔

اکرم نے بتایا۔ "صاحب آخری برسوں میں زیادہ وقت یہیں گزارتے تھے۔ انہیں پرانی تحریریں بہت عزیز تھیں۔"

دوسری منزل کا آخری سرا۔۔۔ جہاں نسبتاً تاریکی تھی، یہاں ایک کمرہ تھا۔ پوری عمارت میں موجود واحد ایسا کمرہ جس کے مضبوط دروازے پر بھاری قفل پڑا ہوا تھا۔ تالہ بھاری، سیاہ اور پرانی ساخت کا تھا۔ اس کی اصل رنگت کیا تھی یہ بتانا مشکل تھا۔ جیسے برسوں کی تہیں اس میں جمی ہوں۔

اکرم نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "یہ۔۔۔ شاہانہ بی بی کا کمرہ تھا۔ ان کے جانے کے بعد صاحب نے بند کر دیا— کبھی نہ کھولنے کے لیے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس قفل کو چھونا چاہا پھر جیسے ہار مانتے ہوئے بازو نیچے گرا دیا۔ "حکم تھا کہ کوئی ہاتھ بھی نہ لگائے۔"

مشعل نے بے اختیار اکرم کو دیکھا، جس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، حماس نے دروازے کو دیر تک ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔

بیچ سے گزرتی ہوا نے حیرت سے ان تین بتوں کو دیکھا۔

"چابی کہاں ہے؟ مجھے اندر جا کر دیکھنا ہے۔" حماس بولا تو آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ تنفس تیز چل رہا تھا، جیسے ایک لمبی مسافت طے کر کے اس مقام تک پہنچا ہو لیکن یہاں سے آگے جانے کا خیال ہی زندہ رکھے ہوئے ہو۔

اکرم دو قدم پیچھے ہٹا۔ "چھوٹے صاحب اجازت نہیں۔۔۔ صاحب کی موت کے بعد بھی میں ان کی حکم عدولی نہیں کر سکتا"۔

"چابی کہاں ہے بتاؤ۔" اس کی مٹھیاں بھنچ چکی تھیں۔ "ورنہ، میں خود کھول لوں گا۔"

"یہی تو نہیں معلوم۔" وہ مشعل کی طرف مڑا۔ "بی بی میں نہیں جانتا اس کی چابی کہاں ہے۔" ایک بار پھر وہ حماس سے مخاطب ہوا۔ "یہ تالہ، یہ دروازہ، کچھ بھی توڑنے کی جسارت۔۔۔ کسی اور میں ہو گی۔ مجھ میں نہیں ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

نگاہیں تجھ پہ ٹھہریں تو مناظر بجھ گئے سارے

یکسوئی کا عالم ہے کہ ہر سوچ سے خالی ہوں میں

شام ڈھل رہی تھی اور یونیورسٹی گراؤنڈ خالی ہونے لگا تھا۔ حماس، زین، شمع، مشعل اور مہوش نیچے گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کتابیں ایسے بکھری تھیں جیسے نوٹس نے خود ہار مان لی ہو۔ کلاس کے بعد کی وہ آرام دہ تھکن تھی جو صرف اُس وقت آتی ہے جب دماغ نے پڑھ لیا ہو اور جسم نے احتجاجی دھرنا دے دیا ہو۔

مہوش نے گراؤنڈ کی سطح پر ایک خالی پانی کی بوتل ایسے گھمائی جیسے کوئی قومی فیصلہ ہونے والا ہو۔ بوتل گھومتی رہی، چمکتی رہی، اور آخر کار زین پر آ کر رک گئی۔

"چیلنج!" سب نے ایک ساتھ چلایا، جیسے طلبہ انجمن نے متفقہ قرارداد پاس کر دی ہو۔ زین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شمع کی آنکھیں چمکیں۔

"ٹھیک ہے زین، اُٹھو اور سب کے سامنے رقص کر کے دکھاؤ۔"

زین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی شرٹ کی آستین ٹھیک کی، جیسے منچ پر نہیں، عدالت میں بیان دینے جا رہا ہو۔

"یاد رکھنا، یہ آزاد انداز کا گلیوں والا رقص ہے۔ ناچنے والا میں نہیں، میرے اندر کی بے قراری ناچ رہی ہے۔ اور ہاں، اگر کسی نے ریکارڈنگ کی تو کم از کم زاویہ ایسا رکھنا کہ میں انسان لگوں۔"

پھر وہ اُٹھا۔ موسیقی کی تیز دھن صرف اُس کے دماغ میں تھی، مگر اُس کا جسم ایسے اشارے دے رہا تھا جیسے پورا لان اس کی ذاتی محفل ہو۔ پہلا قدم اتنا تیز تھا جیسے گھاس سے کہہ رہا ہو: "ایک طرف ہو جا، فن گزر رہا ہے"۔ پھر اس نے اچانک رک کر گردن ہلائی، جیسے اندر والا سازندہ کہہ رہا ہو: "ہاں، یہی لے۔"

اس کے پاؤں گھاس پر ایسے رگڑ کھا رہے تھے جیسے وہ آگ نہیں، تعلیمی فیس کی رسید جلا رہا ہو۔ چہرے پر ایسی سنجیدگی تھی جیسے ابھی منصف نمبر لگا دیں گے اور وہ نمبر بھی دل پر لے گا۔

پھر اچانک اس نے سنجیدگی والا بٹن بند کیا اور "زین والی حرکتیں" چالو کر دیں۔ کبھی گھومتا، کبھی تھپتھپاتا، کبھی کندھے ایسے ہلاتا جیسے اس پر امتحان کا بوجھ نہیں، دنیا کی رونق ہو۔ پھر ایک دم جھک کر اپنے جوتے کو انگلی سے چھوتا، ایسے جیسے جوتا نہیں، زندگی کے مسائل گن رہا ہو۔ اور اگلے ہی لمحے دھماکے سے کھڑا ہو جاتا، جیسے کسی نے اندر سے "چل بھئی، شروع ہو" والی گھنٹی بجا دی ہو۔

پورا لان اُس کی حرکتوں کے ساتھ بہنے لگا۔ دو لڑکیاں تالیاں بجا رہی تھیں اور ایک لڑکا فون اٹھائے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی نایاب مظہر سامنے آ گیا ہو۔

مہوش نے سرگوشی کی۔

"یہ رقص ہے یا نظام کی تازہ کاری؟ اور یہ تازہ کاری رُکتی کیوں نہیں؟"

زین جب واپس بیٹھا تو مشعل نے اپنی مخصوص، دھیمی آواز میں کہا۔

"تمہارے پاؤں اب بھی رقصاں ہیں۔"

زین نے فوراً نیچے دیکھا، پاؤں کو دو بار ساکت کیا اور بولا۔

"یہ پاؤں نہیں، محفوظ شدہ یادداشت ہے۔"

بوتل دوبارہ گھومی۔ اس بار شمع پر آ کر رکی۔

شمع نے آنکھوں میں شوخی بھر کر کہا۔

"چیلنج۔"

زین نے ایسے سوچا جیسے مشکل سوال آ گیا ہو، پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ تمہیں لائبریری کے انچارج کے پاس جا کر کہنا ہے: مجھے ایک ایسی کتاب چاہیے جو اس لائبریری کی سب سے پرانی کتاب ہو۔"

شمع کا چہرہ پہلے سرخ ہوا، پھر اُس کی ہنسی نکل گئی۔ "کیا معلوم اس کے پاس ریکارڈ ہی موجود ہو۔" پھر تھوڑی کھجائی۔ "ایسا نہ ہو وہ مجھ سے کوئی ایسا سوال پوچھ لے کہ میرا کام مشکل ہو جائے۔۔۔ جیسا کہ۔۔۔" ساتھ ہی لہجہ اور انداز بدلا۔ اب وہ واقعی لائبریری انچارج لگ رہی تھی۔ "یہاں آئی پہلی کتاب ہو یا پبلشنگ ڈیٹ کے حساب سے پرانی ہو؟"

وہ لائبریری کی طرف روانہ ہوئی۔ حماس نے فوراً کہا۔

"اگر انچارج نے ہم پر چڑھائی کی تو ہم سب کہیں گے: یہ تحقیقی سوال ہے۔"

شمع نے جا کر پوری دلیری سے کہا۔ لائبریری کے انچارج نے پہلے عینک کے اوپر سے دیکھا، پھر ایسے مسکرائے جیسے ابھی ابھی اُنہیں پرانے وقتوں کا کوئی لطیفہ یاد آ گیا ہو۔

"بیٹا، وہ کتاب ایک سٹوڈنٹ تھوڑی دیر پہلے لے جا چکا ہے۔"

اور ساتھ ایک چھوٹا سا پرچا بھی تھما دیا: "خاموشی اختیار کریں"۔

شمع واپس آئی تو وہ پرچا یوں اٹھا کر دکھایا جیسے کوئی خزانہ ہاتھ آ گیا ہو۔

اب مشعل کی باری آئی، بوتل اُس پر رکی تھی۔

"سچ۔" اُس نے آہستہ سے کہا، جیسے جھوٹ پر پہلے ہی پابندی لگوا چکی ہو۔

شمع نے پوچھا۔ "اپنی زندگی میں کون سی ایک بات ہے جو تم اکثر کسی کو بتانا چاہتی ہو، مگر پھر روک لیتی ہو؟"

مشعل نے چند لمحے سوچا، پھر بولی۔ "میں اکثر سب کو مضبوط دکھائی دیتی ہوں، مگر سچ یہ ہے کہ کبھی کبھار میں بھی تھک جاتی ہوں۔ بس فرق یہ ہے کہ میں اپنی تھکن کو بھی پڑھائی کی طرح نوٹس بنا کر سمیٹ لیتی ہوں، تاکہ اگلے دن پھر چل سکوں۔"

جواب میں خاموشی سی چھا گئی۔

زین نے دھیرے سے کہا۔ "یہی تو ہے تمہاری طاقت۔"

اب کی بار بوتل حماس پر آ رکی۔

"سچ۔" وہ بنا سوچے بے ساختہ بولا۔

شمع نے بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔ "اس پوری۔۔۔ دنیا میں تمہارا فیورٹ انسان کون ہے؟"

حماس کی نظریں مشعل کی جانب اٹھیں، صرف ایک لمحے کو۔ پھر وہ زین کی طرف مڑا۔
زین نے فوراً ہاتھ اس کی آنکھوں پر رکھا اور بولا۔ "مجھے نہ دیکھ، جھوٹے! وہ میں نہیں ہوں۔"

سب ہنس پڑے، حماس نے ہاتھ ہٹا کر کہا۔ "میں دیکھ بھی نہیں رہا، میں تو سوچ رہا تھا کیفے ٹیریا کے بسکٹ کس کے پاس ہیں۔"

مشعل کے ہونٹوں پر ایک خاموش سی مسکراہٹ آ گئی، جیسے کسی نے دل پر ہلکی سی دستک دی ہو۔

"مہوش ہی ہے جو رہ گئی۔" شمع نے ساتھ بیٹھی مہوش کو ٹہوکا دیا۔ "بوتل گھمانے کی بھلا کیا ضرورت، ویسے ہی پوچھ لیتے ہیں۔ سچ یا چیلنج؟"

"سچ۔" مہوش تیار تھی۔

زین نے ذرا سنبھل کر پوچھا۔ "تمہیں سب سے زیادہ کس بات کا ڈر لگتا ہے؟"

ایک دم خاموشی چھا گئی۔ جیسے سب کی ہنسی نے یکدم امتحان یاد کر لیا ہو۔

"""مجھے لوگوں سے نہیں، اُن جملوں سے ڈر لگتا ہے جو کسی کے ہاتھ میں ہتھیار بن جائیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

مغرب کی اذان کہیں دور سے سنائی دی تو کھڑکی کے سامنے کھڑا حماس ایک لمحے میں قصر سلطان کی پرانی شام میں لوٹ گیا۔ جہاں دادو تھیں اور ان کی باتیں۔

مغرب کا وقت گزر چکا تھا۔

عنیقہ بیگم کے کمرے میں ہمیشہ کی طرح وہی مانوس سا سکون تھا۔

آج مشعل اور حماس دونوں وہاں موجود تھے۔ عنیقہ بیگم نے عشاء کی نماز سے پہلے انہیں بلا بھیجا تھا۔ وہ دونوں نیچے قالین پر بیٹھے ہوئے تھے، درمیان میں ایک چھوٹی سی میز رکھی تھی جس پر قرآن مجید اور تسبیح تھی۔

"دادو آپ ہمارے لیے بھی دعا کرتی ہیں؟" حماس نے سوال کیا تھا۔ اس سال ان دونوں کی عمر پندرہ ہوئی تھی۔

"سب سے زیادہ تم دونوں کے لیے ہی تو کرتی ہوں۔" انہوں نے دائیں بائیں ان دونوں کو اپنے پہلوؤں میں دبوچ لیا۔

"وہ جو ہم آپ سے کہتے ہیں یا کچھ اور؟" مشعل نے اشتیاق سے پوچھا۔ ان دونوں کو لگتا تھا دادو کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اس لیے ان کی جو بھی چھوٹی موٹی خواہش ہوتی وہ ان سے دعا کرنے کو کہتے۔ دادو انہیں خود اپنے لیے دعا کرنے کا کہتیں: "دعا اللہ کی قربت کا ذریعہ بنتی ہے۔"

"میں تم دونوں کے لیے ہدایت مانگتی ہوں۔" دادو کے ان الفاظ پر مشعل اور حماس نے اچنبھے سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ "ایک دعا۔۔۔ میں تم دونوں کو سکھانا چاہتی ہوں۔ زندگی میں کم از کم ایک بار بہت دل سے مانگنا، میں تو روز مانگتی ہوں۔"

"وہ کیا دادو؟" حماس اب انہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"یا اللہ مجھے ویسا بنا دے جیسا تُو مجھے پسند کرے، میں تجھے اچھا لگوں۔" مسکرا کو باری باری دونوں کو دیکھا۔ "میں یہ دعا تم دونوں کے لیے بھی کرتی ہوں لیکن ابھی میرے سامنے بھی تم دونوں یہی دعا کرو۔"

"اونچی آواز میں؟" مشعل نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے کوئی بے اعتباری نہیں۔" وہ ہنس دیں۔ "بس مجھے تسلی ہو جائے گی۔"

اور اس رات ان دونوں نے اس کمرے میں بیٹھ کر قبلہ رخ یہ دعا کی تھی۔

اس رات دیر تک وہ تینوں اسی کمرے میں بیٹھے رہے۔ ایک خاموش سا اطمینان تھا جو انہیں ایک دوسرے کے قریب رکھے ہوئے تھا، جیسے سب کسی ایک ہی مرکز کی طرف جھکے ہوئے ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆

شمع نے قائدِ اعظم لائبریری جانا تھا۔ چونکہ مشعل اور مہوش کے ساتھ شام میں باہر کافی پینا طے تھا، سو انہیں بھی یہیں آنے کا کہہ دیا۔

لاہور کی قائدِ اعظم لائبریری باغِ جناح کے وسط میں یوں قائم ہے جیسے شہر کی تیز رفتار سانسوں کے بیچ کوئی سنجیدہ وقفہ رکھ دیا گیا ہو۔

سفید اور سرخی مائل پتھر کی دیواریں دن کی روشنی میں وقار رکھتی ہیں۔ صبح یہ عمارت دھوپ کو اپنے اندر جذب کر کے نرم دکھائی دیتی ہے، دوپہر میں خاموش اور ٹھہری ہوئی، اور شام کے وقت اس کے سائے

درختوں کے ساتھ گھل مل کر یوں لگتے ہیں جیسے وقت آہستہ بولنے لگا ہو۔ لائبریری کے باہر پھیلا ہوا سبزہ زار شام کے سائے میں ہلکی سی چمک رکھتا تھا۔

شمع نے اپنے لیے ایک تاریخی کتاب لی اور زین کے لیے ایک مشہور کامیڈین کی سوانح حیات۔

تینوں لڑکیاں ابھی لائبریری کی سیڑھیاں اتر رہی تھیں کہ سامنے کھڑا وہ نوجوان دکھائی دیا جو اپنی موجودگی سے منظر میں ایک الگ طرح کی قطعیت لے آیا تھا۔ اسجد کامران۔ سرو قد، چہرے کے خدوخال قدرے تیکھے، تراشیدہ جبڑا، اور لباس ایسا کہ پہلی نظر میں انسان کو اس کی پسند کا معیار سمجھ آ جائے۔

اسجد ہلکے کوئلے کے رنگ کا نفیس ٹریک سوٹ پہنے ہوئے تھا، نرم مگر مضبوط، حرکت میں خاموش، عام اسپورٹس ویئر سے بہتر۔ کلائی پر باریک مگر مضبوط گھڑی تھی، ڈائل روشنی میں مدھم چمک رہا تھا۔

اس کے دائیں جانب اس کی بہن کھڑی تھی، دو کتابیں سینے سے لگائے—جیسے یہ خاص اہمیت رکھتی ہوں۔

جب تینوں لڑکیاں قریب آئیں، اسجد نے دھیمے لہجے میں اپنی بہن کی طرف اشارہ کیا۔ "ایکسکیوزمی، یہ کہہ رہی تھی، اگر آپ چاہیں تو ہم ڈراپ کر دیتے ہیں۔"

تینوں رکیں اور ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ شمع نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ "مجھے سنبھالنے دو۔"

"نہیں، شکریہ۔ ہمارے پاس گاڑی ہے۔" اس نے بغور سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔ "ہماری غالباً یہ پہلی ملاقات ہے، آپ کو لفٹ دینے کا خیال کیسے آیا؟ یہاں سے تو روز کئی لڑکیوں کا گزر ہوتا ہوگا، کیا پہلے بھی کبھی آپ نے کسی کو گھر ڈراپ کرنے کی آفر کی؟"

اسجد نے نرمی سے جواب دیا۔ "ابھی میں نے ہی اسے بتایا کہ یہ تینوں میری یونیورسٹی فیلو ہیں۔ یہ اگلے سال یہی داخلہ لینے والی ہے۔۔۔ راستے میں یونیورسٹی کے بارے میں بھی کچھ پوچھ لے گی۔"

شمع نے مشعل اور مہوش کی طرف دیکھا، پھر قدرے نرمی سے گویا ہوئی۔

"میں تو گھر جا رہی ہوں۔ یہ دونوں اگر چاہیں تو آپ انہیں ہاسٹل ڈراپ کر سکتے ہیں۔"

مشعل اور مہوش نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور ماحول میں وہی نرمی اتر آئی جس میں فیصلے خاموشی سے ہو جاتے ہیں۔

قائدِ اعظم لائبریری کی پارکنگ کشادہ تھی۔ درختوں کے سائے، قطار میں کھڑی گاڑیاں، فرش پر شام کی نمی اور وہ وقار جو ایسی جگہوں کے ساتھ آ جاتا ہے۔

شمع نے ایک نظر وہاں ڈالی جہاں وہ گاڑی پارک کر کے گئے تھے۔ سامنے والے قطار میں اس کی گاڑی کھڑی تھی، مگر اس کے عقب میں کسی کی بی۔ایم۔ڈبلیو تھری سیریز تھی۔ اس کا رنگ گہرا چارکول گرے تھا، شام کی ہلکی روشنی میں اس پر مدھم نیلاہٹ ابھر رہی تھی، اور اندھیرے میں یہ دھندلے سائے کے ساتھ گھل جاتی تھی، جیسے یہ اپنے مالک کے ذوق کو خاموشی سے بیان کر رہی ہو۔

"وہ۔۔۔" شمع نے قدرے گھبرا کر اپنی کار کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ، وہ میری گاڑی ہے، ہمارے نکلتے ہی آپ کو راستہ مل جائے گا۔ ڈونٹ وری۔" وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔ مشعل اور مہوش بھی اس کی بہن شہناز کے ہم قدم تھیں جس سے کچھ منٹ قبل ہی ان کا تعارف ہوا تھا۔

گاڑی کے اندر بیٹھتے ہی مہوش نے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ گاڑی کی سیٹیں مخمل نما، ہلکی کھنچاہٹ والی تھیں، جو بیٹھتے ہی جسم کو سہارا دیتیں اور لمبے سفر کی تھکن کو کم کر دیتی تھیں۔

دروازہ بند ہوا تو گاڑی کے اندر ایک ہلکی سی مہک نے سانس لی۔ یہ وہ عطر تھا جسے کبھی وسط ایشیا کے درویش "گلِ خزاں" کہتے تھے۔ اردو میں اسے خزاں گل کہا جاتا ہے۔ ایک نایاب پھول سے نکالی جانے والی

خوشبو جس کا رنگ ہلکا سُرمئی اور مہک ایسی کہ نہ فوراً محسوس ہو، نہ مکمل غائب رہے۔ ڈیش پر اس کی چھوٹی سی شیشی رکھی تھی۔ لمبی گردن والی، مٹیالے شیشے کی۔ جس کا ڈھکن تانبے کا تھا، یوں بنا ہوا جیسے کسی قدیم صندوق کے تالے کی یاد ہو۔

خزاں گل کا ایک خاص فلسفہ مشہور ہے کہ یہ مہک جلدی ظاہر نہیں ہوتی۔ پہلے قریب رہتی ہے، پھر دل میں اُترتی ہے، اور پھر بھول نہیں پاتی۔

مہوش نے نادانستہ ایک گہری سانس لی۔ "یہ خوشبو۔۔۔ جیسے شام کا کوئی پرانا راز ہو۔" اسے لگا یہ سرگوشی صرف مشعل نے سنی ہے جبکہ بیک ویو مرر سے پل بھر کو عقبی حصے میں جھانکتی اسجد کی آنکھیں گواہ تھیں اس کارِ عمل چھپ نہیں سکا۔

☆☆☆☆☆☆☆

نفسیات کے شعبے کے سامنے پھیلا سبزہ زار عام دنوں میں بھی خاموشی لیے رکھتا، لیکن شام کے نرم سائے گھاس پر دھیرے دھیرے پھیلتے ہوئے ایک پر سکون فضا پیدا کر رہے تھے۔

مہوش ایک درخت کے نیچے بیٹھی نوٹس پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کی انگلیاں قلم تھامے رک رک کر لکیر کھینچ رہی تھیں، جیسے ذہن کے اندر کوئی گرہ ڈھیلی نہ ہو رہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں وہ بے چینی جھلک رہی تھی جو خاموش دماغ کو بھی شور سے بھر دے۔ تب اسے کہیں دور سے قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی۔

سامنے سے اسجد کامران آ رہا تھا۔

وہ ذرا فاصلے پر آ کر گھاس پر نیم دراز ہو گیا، جیسے اس کے لیے یہ جگہ پہلے سے مخصوص ہو۔ مہوش نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ ان کے بیچ کئی فٹ کا فاصلہ تھا، مگر پھر بھی اتنی بے تکلفی؟

"معاف کیجیے، میں اپنے ایک دوست کا انتظار کر رہا ہوں، وہ بھی اسی ڈپارٹمنٹ سے ہے۔" اس نے ایک نظر راہداری کی جانب اچھالی۔ "مجھے خبر ملی ہے کہ آپ لوگوں کو آج ایک دلچسپ اسائنمنٹ دی گئی ہے؟"

"دلچسپ بھی ہے اور۔۔۔ مشکل بھی۔"

"آسان کام عام طور پر دلچسپ نہیں ہوتے۔" وہ درخت پر بیٹھے پرندے کی طرف نگاہ ڈال کر بولا۔ پھر اس نے ذرا سا رخ بدل کر مہوش کو دیکھا۔ "یہ مشکل کام کس نوعیت کا ہے؟"

"ہمیں انسانی رویوں کا غیر معمولی حالات میں مشاہدہ کرنا ہے۔ ہر طالب علم نے کوئی ایک حالت چنی ہے جہاں لوگ صرف مخصوص وقت میں اپنی اصل کیفیت دکھاتے ہیں۔" وہ رکی۔ "میں نے 'رات کے وقت خوف کے ردِ عمل' پر تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

وہ بغور اس کی جانب دیکھتا۔۔۔ سیدھا ہو بیٹھا۔

"اب مجھے رات کے وقت ایسے لوگوں کو دیکھنا ہے جو خاموش راستوں سے گزرتے ہیں—— سڑکیں، پارک، سنسان کوریڈور۔ یہ دیکھنا ہے کہ رات کی تاریکی اور تنہائی ان کے رویے پر کس طرح اثر ڈالتی ہے۔"

"سلمیٰ نے بھی اچھا موضوع چنا ہے۔ وہ دن کے وقت 'پہلی ملاقات کے رویے' پر مشاہدہ کر رہی ہے۔ پہلی ملاقات میں لوگ کس طرح ردعمل دیتے ہیں—— ہاتھ ملاتے ہیں، آواز کا اتار چڑھاؤ کیسا ہوتا ہے، نگاہیں برقرار رہتی ہیں یا بھٹک جاتی ہیں۔۔۔ سب کچھ۔"

"اوہ، آپ سلمیٰ کی بات کر رہے ہیں۔" اس کی نگاہ میں اپنی کلاس فیلو کی صورت ابھری۔ اس کی براہ راست کبھی سلمیٰ سے بات چیت نہ ہوئی تھی مگر مکمل طور پر ناواقف بھی نہیں تھی۔

"آپ دونوں کے تحقیقی طریقے اور اوقات مختلف ہیں، لیکن مجھے لگتا ہے سلمیٰ آپ کی مدد کر سکتی ہے۔"

اس کی خاموشی پر وہ ایک بار پھر بول پڑا۔

کیا میں آپ کی بات اس سے کروادوں؟ وہ مجھ سے اس سلسلے میں مدد لینا چاہتی تھی۔ اگر چاہیں تو میں آپ" "دونوں کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔

مہوش نے پُر سوچ نظروں سے اسے دیکھا۔ "میں پہلے اپنی فرینڈز سے ڈسکس کر لوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ایک سال قبل۔

"اس کمرے میں جا کر کیا کرو گے؟" کھانے کے بعد وہ لوگ نشست گاہ میں بیٹھے قہوہ پی رہے تھے، جب معظم تایا تھکے ہوئے لہجے میں بولے۔

آپ سب مل کر مجھے وہاں جانے سے روک رہے ہیں، کیا یہ منصفانہ ہے؟" وہ دبے دبے غصے میں بولا۔ نظریں پیالے میں تیرتے ہرے قہوے پر تھیں۔

"بیٹا، کیوں اپنے زخم ہرے کرتے ہو۔ ایک مرے ہوئے باپ کی خواہش کا ہی احترام کر لو۔" دادو نے نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں اس حویلی کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دوں گا۔ جب تک چابی نہیں ملے گی، کمرہ نہیں کھلے گا، میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔" اس نے پیالی کافی ٹیبل پر پٹخنے کے سے انداز میں رکھی اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"تمہیں وہاں سے اپنے سوالوں کے جواب نہیں ملیں گے، حماس۔" تایا کے لہجے میں کچھ تھا جس نے اس کے قدم روک لیے۔

اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

تمہیں کیا لگتا ہے کسی دراز میں کوئی ایسی ڈائری پڑی ہو گی، جس میں تمہاری ماں نے سب کچھ لکھ چھوڑا ہو گا؟" "ایسی ڈائری پڑھنا۔۔۔ کیا یہ اخلاقی طور پر درست ہو گا؟

وہ آہستہ آہستہ چلتا اس سنگل صوفے کے پاس آیا جہاں وہ براجمان تھے۔ پھر ان کے سامنے نیچے قالین پر دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں شدتِ ضبط سے سرخ ہونے لگی تھیں۔ اسے یوں دیکھ کر معظم کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ "میں تمہیں بتاؤں گا، الف سے ے تک سب۔ آؤ، کہیں باہر چلیں۔"

اگلے بیس منٹ میں فضا بدلنے لگی۔ شہر کی شکستہ لکیر پیچھے رہ گئی۔۔۔ کھیتوں کے پر فضاء منظر آنکھوں میں سمانے لگے۔ سرسوں کے کھلے ہوئے پھول، گنے کی قطاریں، اور ندیوں کی پتلی لکیریں جو زمین پر چمک کی طرح پڑی تھیں۔ حماس نے محسوس کیا کہ اس کے سینے پر رکھا بوجھ ہلکا ہونے لگا ہے، جیسے یہ منظر اسے خود سے باہر نکال کر کسی وسیع سچ کے قریب لے جا رہا ہو۔

آخر کار گاڑی دریا کے کنارے ایک خاموش موڑ پر رکی۔ وہ ایک تنہا سے ٹیلے پر اترے، جہاں بھوٹ کا درخت پھیلا ہوا تھا۔ موٹی جڑیں زمین سے یوں لپٹی ہوئی تھیں جیسے وقت کو جکڑ رکھا ہو۔ اس درخت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صدیوں جیتا ہے۔ اس کی ہوائی جڑیں زمین کو چھو کر نئے ستون بناتی ہیں، گویا یادیں بڑھتی چلی جاتی ہوں۔ لوک کہانیوں میں اسے 'بھوت' سے جوڑا گیا، مگر حقیقت میں یہ پناہ دینے والا درخت ہے۔ مسافروں، چرواہوں، اور خاموش گفتگوؤں کا محافظ۔ اس کے سائے میں بیٹھ کر دریا کی سانس سنائی دیتی تھی۔ پانی کا بہاؤ، دور کہیں پرندوں کی آواز اور ہوا میں ہلکی سی سرگوشی۔

وہ دونوں ٹیلے پر بیٹھ گئے۔ سامنے چناب پھیلا تھا۔۔۔ خاموش، گہرا، اور فیصلہ کن۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کا وقت تھا۔

راہبر لاجسٹکس کے مرکزی دفتر کی عمارت میں دن کی پہلی روشنی شیشوں کے بڑے بڑے پینلوں سے اندر اتر رہی تھی۔ کھلے ہال میں کمپیوٹروں کی مدھم آواز، پرنٹر کی کبھی کبھار کھڑکھڑاہٹ، اور کہیں کہیں فون کی چھوٹی سی گھنٹی—سب مل کر ایک مصروف مگر منظم فضا بنا رہے تھے۔

اس منزل پر، جہاں میٹنگ رومز اور چند مخصوص کیبن تھے، عاشر سلطان اپنے نئے دفتر میں بیٹھا تھا۔ یہ وہ کمرہ تھا جو اس کے باپ اور بڑے بھائی کے زیرِ استعمال رہنے والے کمروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج پہلی بار دروازے کے باہر اس کے نام کی تختی لگ گئی تھی۔ اندر لکڑی کی بھاری میز، دیوار پر جہازوں اور زمینی راستوں کا نقشہ، اور شیشے کے پار دور بندرگاہ کے پیلے کرین دکھائی دے رہے تھے۔

وہ فائل کے چند صفحات پلٹ رہا تھا جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ "آ ئیے۔" اس نے نظریں کاغذ سے ہٹائے بغیر کہا۔

دروازہ کھلا اور کسی نے احترام سے سر اندر جھکایا۔ یہ ہیومن ریسورسز کا افسر تھا، ہاتھ میں فائلیں اور چہرے پر ہمیشہ کی رسمی مسکراہٹ۔

سر۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "جیسا آپ کو بتایا گیا تھا، آپ کی پرسنل اسسٹنٹ کا آج پہلا دن ہے۔ میں انہیں اندر بھیج رہا ہوں؟"

عاشر نے پہلی بار سر اٹھایا۔ چند ثانیے خاموشی میں گزرے، پھر اس نے مختصراً کہا۔ "جی، بھیج دیں۔"

ایچ آر افسر نے دروازہ ذرا اور کھولا اور ایک طرف ہو کر کمرے کے باہر کسی کو جگہ دی۔ وہ اندر آئی تو عاشر کی سانس لمحہ بھر کو ٹھہر گئی۔

دروازے میں شاہانہ کھڑی تھی۔

چند لمحوں کے لیے وقت جیسے خود کو روک کر انہیں دیکھنے لگا۔ عاشر کی نگاہ نے اسے پہچاننے میں ایک پل بھی نہیں لیا۔

یونیورسٹی کی لمبی راہداریاں، دیواروں پر لگے پوسٹر، کتابوں کا ڈھیر سینے سے لگائے تیز تیز چلتی ہوئی وہی لڑکی، جو کسی دوست کے ساتھ بحث میں الجھی ہوئی ہوتی، اور جاتے جاتے پل بھر کے لیے اس کی طرف دیکھ لیتی

تھی۔ وہی لمحہ جب اس نے پہلی بار دل کے اندر ایک نرم سی کھچاوٹ محسوس کی تھی—جسے اس نے ہمیشہ کسی اور نام کے پیچھے چھپا دیا تھا۔

اب وہی چہرہ، تھوڑا زیادہ سنجیدہ، زیادہ متوازن، اس کے دفتر کے دروازے پر پہلی بار بطور ملازم کے دہلیز پار کر رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" شاہانہ نے آہستگی سے کہا۔

اس کے لہجے میں ادارے کا احترام بھی تھا اور کہیں گہرائی میں ایک ہلکی سی خوشی بھی، جسے اس نے آنکھوں کی چمک کے پیچھے چھپا رکھا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" عاشر خود بخود کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تشریف لائیے۔"

ایچ آر افسر نے فائل میز پر رکھی۔ "سر، ان کا انتخاب مکمل ہو چکا ہے، کاغذی کارروائی ہو چکی ہے۔ یہ آج سے آپ کے ساتھ بطور پرسنل اسسٹنٹ کام کریں گی۔" پھر اس نے شاہانہ کی طرف دیکھا۔ "کسی بھی خاص ہدایت کے لیے سر سے براہِ راست رجوع کیجیے گا۔" یہ کہہ کر وہ خاموشی سے باہر چلا گیا۔

دروازہ بند ہونے کے بعد کمرے میں ایک نرم سی خاموشی چھا گئی۔

شاہانہ احتیاط سے آگے بڑھی اور سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی قمیض ہلکے خاکی رنگ کی تھی، جس پر باریک سفید نقش تھے۔ دوپٹہ سلیقے سے کندھوں پر رکھا تھا، بال سادہ سے جوڑے میں بندھے تھے۔ چہرے پر میک اپ برائے نام، مگر آنکھوں میں وہی گہرائی تھی جو عاشر نے یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں ایک لمحے کو دیکھی تھی۔

عاشر نے ذرا سا گلا صاف کیا۔ "تو۔۔۔ آپ کو سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے۔"

شاہانہ نے سر ہلایا۔ "جی سر۔ دفتر کے اوقات، میلز، میٹنگز کا شیڈول اور یہ کہ میں آپ کی کالز اور وقت کا انتظام کروں گی۔" پھر ذرا سا رکی۔ "میری ذمہ داری آپ کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے، یہ بات بھی بتا دی گئی

ہے۔"

عاشر کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ آئی، جو فوراً ہی سنجیدگی کے پردے کے پیچھے غائب ہو گئی۔ "یونیورسٹی میں۔۔۔" وہ بس اتنا کہہ کر رکا، پھر خود ہی جملہ بدل دیا۔ "آپ کو لا جسٹکس کے کام میں دلچسپی ہے؟"

شاہانہ نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "دلچسپی بھی ہے اور ضرورت بھی، سر۔ میں نے اپنے تھیسس میں بھی سپلائی چین پر کام کیا تھا، اور۔۔۔" وہ لمحہ بھر کو رکی، پھر آہستگی سے بولی۔ "کچھ لوگ صرف نوکری ڈھونڈتے ہیں، اور کچھ لوگ ایسا کام ڈھونڈتے ہیں جس سے انہیں لگتا ہے کہ ان کا پورا وقت ضائع نہیں ہو رہا۔ میں دوسری قسم میں آنا چاہتی ہوں۔" اس کی فیملی گجرات میں مقیم تھی، جبکہ وہ، پہلے تعلیم اور اب نوکری کی خاطر اپنے چچا کے ہاں کراچی میں ٹھہری ہوئی تھی۔

اس کے لفظ عام تھے، مگر آواز میں وہی بے نام سا بھروسہ تھا جسے عاشر نے برسوں پہلے چائے کے کپ کی خوشبو میں محسوس کیا تھا۔

کچھ ثانیے دونوں خاموش رہے۔ پھر شاہانہ نے بات کا رخ معمول کی طرف موڑ دیا۔ "سر، میں آپ کے لیے کافی لاؤں؟"

یہ جملہ عام تھا، مگر عاشر کے لیے یہ پرانی کیفے ٹیریا کی ایک سرد صبح کا دروازہ تھا۔ جب امتحان سے پہلے وہ نوٹس میں گم تھا اور اس کے سامنے بنا پوچھے چائے کا کپ رکھ دیا گیا تھا۔ اُس دن اس نے صرف اتنا کہا تھا،

"شکریہ"۔ دل میں بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی زبان نے بس ایک لفظ قبول کیا تھا۔

آج وہ چند لمحے کے لیے شاہانہ کو دیکھتا رہا۔ اسے لگا جیسے دونوں ہی اس خاموش حوالہ کو پہچانتے ہیں، مگر کوئی نام نہیں دیتے۔

"ہاں۔" عاشر نے آہستگی سے کہا۔ "کافی لے آیئے۔ لیکن۔۔۔" وہ رکا۔ "ایک بات یاد رکھیے گا، شاہانہ۔ یہاں آپ صرف میری اسسٹنٹ نہیں ہیں، یہ آپ کا دفتر بھی ہے۔ جو کام ہم مل کر کریں گے اس میں آپ کی محنت میرا سہارا ہو گی، صرف حکم کی تعمیل نہیں۔"

شاہانہ کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو خوشی کی لہریں ابھریں، پھر وہ فوراً سنبھل گئی۔ "جی سر۔" اس نے بس اتنا کہا۔ مگر "سر" کے لفظ میں اب ایک غیر محسوس سے احترام کے ساتھ اپنائیت کا بھی رنگ تھا، جو شاید صرف عاشر کی سماعت تک پہنچا۔

وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ جیسے ہی اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا، عاشر نے دل ہی دل میں تسلیم کر لیا کہ یونیورسٹی کی وہ خاموش محبت، جسے اس نے ذمہ داری اور تقدیر کے پیچھے دفن سمجھ لیا تھا، آج اسی دفتر کے دروازے سے دوبارہ اندر آ گئی ہے۔ پہلے کی طرح اب بھی دونوں کے پاس الفاظ کم تھے اور خاموشیاں زیادہ، مگر محبت کی شدت پہلے جیسی تھی۔

شاید اس سے بھی کچھ بڑھ کر۔

☆☆☆☆☆☆☆

لاہور کے اُس علاقے میں جہاں نئی عمارتیں ابھی جڑ پکڑ رہی تھیں، ویرانی اور کشادگی ایک ساتھ سانس لے رہی تھیں۔ جو عمارتیں مکمل ہو چکی تھیں ان میں سے بھی زیادہ تر غیر آباد تھیں۔ وہ تین منزلہ گھر، رات کے اندھیرے میں کسی چھوٹے محل کی طرح چمک رہا تھا۔

تین منزلیں طے کر کے اوپر پہنچو تو ایک کھلی چھت رنگوں میں نہائی ہوئی تھی۔ سفید بلبوں کی لڑیوں نے پورے اطراف میں ایک نرم دودھیا ہالہ بنا رکھا تھا۔ ہوا میں اسپیکروں کا بیس، عطر، دھواں، بھنے ہوئے اسنیکس اور نوجوانوں کے قہقہوں کا ملا جلا شور پھیلا ہوا تھا۔

چھت پر آنے والا ہر شخص کچھ دیر کو رک سا جاتا۔ کھلی فضا، روشنی، خوشبو، آزادی۔ سب ایک ساتھ یہاں موجود تھا۔

لڑکیاں رنگین دوپٹوں، جدید تراش خراش کے لباس، باریک چوڑیوں اور ہلکے سے چمکتے ہوئے میک اَپ میں جل پریوں سے کم نہ لگتیں۔ جنہوں نے مغربی لباس زیب تن کیے، انہوں نے بھی اپنی تیاری پر خاص توجہ دی تھی۔

لڑکے بھی کم نہیں تھے۔ استری شدہ قمیضیں، کھلے گلے کی ٹی شرٹس، یا ہلکے فیشن والے جیکٹس اور ہاتھوں میں بیش قیمت گھڑیاں۔

میزبان کون تھا؟

یہ کوئی خاص بات نہ تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ اُس کے والدین دو ہفتوں کے لیے ملک سے باہر تھے اور آجکل ۔۔۔گھر کی طرح یہ چھت بھی اسی سپوت کی ملکیت تھی، جسے وہ ملازمین کے سہارے چھوڑ گئے تھے۔

بیرے ان سبھی کے بیچ پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ، ہاتھوں پر ٹرے ٹکائے، یہاں سے وہاں گردش کر رہے تھے۔ باربی کیو کے بائٹس، منچورین چکن کے چھوٹے چمچ، فرائز، نگٹس، منی سموسے، چکن ملائی بوٹی کی چھوٹی سیخیں اور گرم کشمیری چائے کے چھوٹے کپ۔ کوئی اچٹتی نگاہ ڈالتا اور کوئی اپنے ساتھی کو ان اپیٹائزر کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا دکھائی دیتا۔

چھت کے مرکز میں ڈانس فلور تھا۔ عارضی طور پر بنا ہوا۔۔۔ یہ گول اسٹیج تھا جس کے کناروں پر چھوٹی چھوٹی، جھلملانے والی لائیٹس لگی تھیں جو اسے ستاروں کے چکر میں کھڑا ایک خلائی جہاز بناتی تھیں۔ یہاں زین کی موجودی سے پوری فضا میں ایک الگ ہی جوش تھا۔ موسیقی کی تیز دھن پر وہ اپنے ہی انداز میں ڈانس کر رہا تھا۔ یہ کوئی روایتی رقص نہیں تھا، بلکہ ایک طاقتور فری سٹائل ہپ ہاپ تھا۔ اس کے قدم فرش پر اتنی تیزی سے رگڑ کھا رہے تھے جیسے وہ آگ پیدا کر رہا ہو۔ اس کے بازو ہوا میں نازک لیکن مؤثر لہریں بناتے، پھر اچانک ایک مضبوط سپن کے ساتھ پورے گھوم جاتے۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی،

جس میں اس کے فن پر غرور اور خود اعتمادی جھلک رہی تھا۔ وہ صرف نہیں ناچ رہا تھا، وہ موسیقی کو اپنے جسم سے محسوس کر رہا تھا۔

پھر سنجیدگی کو پیچھے چھوڑتے وہ اپنی جون میں لوٹ آیا۔

وہ گھومتا، تھپتھپاتا، کبھی ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک عجیب سا پوز دیتا، جس پر لڑکیاں بے ساختہ ہنس پڑتیں۔ کبھی ایک دم جھک کر اپنے جوتے کو انگلی سے چھوتا اور پھر دھماکے سے کھڑا ہو جاتا جیسے کسی نے روشنی آن کر دی ہو۔ پوری چھت اس کی حرکتوں میں بہہ رہی تھی۔ لڑکیاں تالیاں بجا رہی تھیں اور لڑکے ویڈیو بنا رہے تھے۔

اسی لمحے مشعل، شمع اور مہوش کی اینٹری ہوئی۔

تینوں کے حصے میں آخری کونے کی گول میز آئی۔ آج مہوش اور مشعل والدین کی اجازت اور ہاسٹل وارڈن سے معاملہ طے پانے کے بعد شمع کے ہاں ویک اینڈ گزارنے جا رہی تھیں۔ اسی طرح وہ شمع کی سنگت میں اس پارٹی میں شامل ہونے آ گئیں۔ یہاں نہ ڈر گزتھے، نہ الکوہل۔ پھر بھی لمحے بھر کو مشعل اور مہوش کو ماحول اجنبی سا لگا۔

"ریلیکس۔" شمع نے ایک لٹ کان کے پیچھے اڑستے چاروں اور نظر دوڑ آئی۔ "میں بھی ہر پارٹی میں نہیں آتی، اور اکیلے تو بالکل بھی نہیں۔ شنز تو ہمارا دور کا رشتہ دار بھی ہے۔" اس نے برتھ ڈے بوائے کا نام لیا۔

"شنز، نام بہت فنزی ہے۔" مہوش نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہنسی کا راستہ روکنے کی ناکام کوشش کی۔ "مجھے بھی دکھاؤ نا۔۔۔ شنززززز۔"

"شمع ڈیئر۔۔" مشعل نے اس کے بندھے بالوں میں لگے پھول کو نرمی سے چھوا۔ "یہ کس نے دیا؟"

شمع کے بالوں میں لگا 'گلِ شب چراغ' اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا تھا۔

'گلِ شب چراغ'۔ شمع نے پھول کو چھوتے ہوئے اس کا تعارف کرایا تو مشعل اور مہوش ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئیں۔

وہ سفید، نرم اور تقریباً چمکدار تھا۔ جیسے رات کا چاند اس کے بالوں میں قید ہو گیا ہو۔

"'گلِ شب چراغ' اندھیرے میں چمکنے والا پھول ہے، ایک ایسے لمحے کی علامت جو بس ایک رات کے لیے ہوتا ہے۔ انگریزی میں اسے 'کوئین آف دا نائٹ' یا 'نائٹ بلومِنگ سیریس' کہا جاتا ہے۔ یہ کوئی عام پھول نہیں، جو لاہور کے ہر فلور شاپ میں مل جائے۔ یہ پھول اتنا نایاب ہے کہ خریدنا ممکن نہیں۔ یہ صرف کسی خصوصی باغ یا کسی پودوں کے شوقین کے ہاں سے تحفے میں ہی مل سکتا ہے۔ اس کی قیمت نا صرف اس کی نایابی میں ہے بلکہ اس کی طبیعت میں بھی۔ یہ پھول ایک کیکٹس پر اگتا ہے، جس کے کانٹے اس کی نرم اور نازک خوبی کو چھپاتے ہیں۔" شمع نے ایک نگاہِ بے نیاز ان دونوں کی ہونق شکلوں پر ڈالی۔ "اس کی سب سے دلچسپ اور حیران کن بات یہ ہے کہ یہ صرف ایک رات کے لیے کھلتا ہے۔ سورج ڈوبنے کے بعد جب رات تاریک ہو جاتی ہے، یہ پھول اپنی تمام خوبی سے کھلتا ہے اور صبح ہوتے ہوتے مرجھا جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا ہدف صرف ایک ہی ہے: اپنے وجود کی ایک بے مثال رات پیدا کرنا۔ اس کی خوشبو نہایت نفیس اور دلکش ہوتی ہے، جو رات کی ٹھنڈی ہوا میں پھیلتی رہتی ہے اور اس کے آس پاس کے ماحول کو جادوئی بنا دیتی ہے۔"

شمع کے بالوں میں یہ تازہ پھول اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ یہ آج ہی رات کھلا ہو گا۔

چند لمحے دبے پیر گزر گئے۔ ارد گرد پارٹی اپنے سارے ہنگاموں کے ساتھ جاری تھی اور وہ دونوں ابھی بھی شمع کے الفاظ کو جذب کر رہی تھیں۔

"یہ تمہیں کس نے دیا، شمع؟" مشعل نے اس کا بازو نرمی سے چھوتے کچھ اس انداز میں پوچھا کہ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ایسا بھی کیا ہو گیا، اتنی حیران پریشان کیوں ہو؟"

"شمع یہ کوئی عام پھول تو نہیں نا۔" مہوش نے جیسے کچھ باور کرانے کی کوشش کی۔

"زین نے دیا ہے۔" وہ بے تاثر لہجے میں گویا ہوئی۔ "وہ ایسے ہی انوکھے گفٹس دیتا ہے، عادت ہے اس کی۔"

مشعل اور مہوش کے بیچ نظروں کا تبادلہ ہوا۔

"صرف تمہیں دیتا ہے یا دوسروں کو بھی؟" مہوش کے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔

"ہم بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں، بہت اچھے دوست ہیں۔" یہ سوال کا جواب نہیں تھا، پھر بھی مہوش کو لگا جواب اس کے سامنے ہے۔

"دوست نے ابھی تک ہائے ہیلو نہیں کی۔" مشعل نے آس پاس نظریں دوڑاتے ہوئے جیسے زین کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ "ہم شام میں ہاسٹل سے تمہارے گھر گئے تھے پھر وہاں سے تیار ہو کر تمہارے ساتھ ہی یہاں آئے۔۔۔ تمہیں زین نے پھول کب دیا؟"

"یہاں کے لیے نکلا تو راستے میں مجھے گیٹ پر پکڑا گیا۔"

"اُف۔۔۔ تم نے چاندنی رات میں گیٹ پر جا کر اس سے پھول لیا۔" مہوش آنکھیں پھیلائے پوچھ رہی تھی۔ مہوش، ہر بات کو رومانوی رنگ دینے والی، رومانویت کو انجوائے کرنے والی۔ "میں سٹوپڈ لڑکی یہ منظر دیکھنے سے محروم رہ گئی۔" اس نے ڈرامائی انداز میں دونوں مٹھیاں میز پر ماریں۔

"یہ کشمیری چائے اگر کشمیری پی لیں تو گرما گرم ان کے سر پر اُلٹ دیں۔" زین شمع کے برابر رکھی کرسی پر دھپ سے بیٹھ گیا۔ "باربی کیو بائٹس صرف تمہیں بائٹ کریں گے، مینچورین میں کھٹاس کے علاوہ کچھ نہیں اور۔۔۔"

"یہ معلومات صرف شمع کو فراہم کی جا رہی ہیں؟" مشعل اس کے تبصرے میں بے جا مخل ہوئی۔

"دراصل، ہم کہیں بھی جائیں ہمارے بیچ طے ہے، پہلے پہنچنے والا مینیو ٹیسٹر کی ذمہ داری نبھاتا ہے۔" شمع نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔ "تاکہ بعد میں آنے والے کے وقت کی بچت ہو، وہ وہی کھائے جو ذائقہ دار ہے۔"

"آج تک یہ ذمہ داری صرف مجھ ناچیز نے نبھائی ہے۔" زین نے اپنی لمبی ٹانگیں پھیلاتے ہوئے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور سر کچھ ترچھا کرتے ڈانس فلور کی سمت دیکھنے لگا جہاں اب دو بھائی ڈانس کر رہے ہیں۔ لڑکیوں کی ہُوٹنگ جاری تھی۔

"آئی ہوپ تم جیلس نہیں ہو رہے؟" شمع نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان دونوں کو اشارہ کیا۔

زین کی نگاہیں بدستور ڈانس فلور پر تھیں۔

"یقین کرو زین۔۔۔ جتنی اچھی تم کمر لچکاتے ہو اس کے آدھے برابر بھی یہ دونوں بھائی پرفارم نہیں کر سکتے۔" مہوش نے جیسے اسے تسلی دی۔

"انہوں نے میرے تین سٹیپس کاپی کیے ہیں۔" اس نے کافی گہرا تجزیہ کیا تھا۔

"کراؤڈ بہت بے وفا ہے، خاص طور پر یہ لڑکیاں۔" مشعل نے مسکراہٹ دباتے ہوئے مہوش کو کہنی ماری۔ "اتنی ہُوٹنگ؟"

"یہ گھر میں سب سے چھوٹا ہے۔ اٹینشن سیکر۔ توجہ حاصل کرنے کے سارے گر آتے ہیں اسے۔ جانتی ہو اس کی ماما اسے کیا کہتی ہیں؟" شمع اب اسے باقاعدہ چھیڑ رہی تھی۔

"Our happy child."

"تم نے کچھ چکھا نہیں؟" شمع سے سوال کرتے ہوئے زین کی نگاہیں اس کے بالوں میں لگے پھول پر جا اٹکیں۔ مشعل نے ایک بار پھر مہوش کو کہنی چبھوئی۔

"ان دونوں کو ہاسٹل سے سیدھا اپنے گھر لے گئی تھی، شام میں چائے کے ساتھ کافی کچھ کھالیا۔"

"گھر کا لاسٹ بورن چائلڈ اور ہمہ وقت خوش رہنے والا۔۔۔" مہوش نے اپنی پر سوچ نگاہیں زین کے چہرے پر جمادیں۔ "چونکہ یہ سب سے چھوٹا ہے اس نے بچپن سے ہی یہ دیکھا ہے کہ اس کی ہنسی اور چنچل مزاجی سے گھر کا ماحول خوشگوار رہتا ہے۔ اسے محبت اور تحفظ دونوں ملتے ہیں، شاید اس لیے کہ یہ "گھر کا بیبی" ہے۔ اس کی "ہمیشہ خوش رہنے" کی عادت دراصل ایک سیکھی ہوئی حکمت عملی ہے۔ یہ جانتا ہے کہ جب یہ خوش اور باتونی رہے گا تو اسے توجہ ملے گی، جس کی اسے عادت ہے۔ ایک خوش مزاج شخصیت کے طور پر یہ اکثر خانہ جنگی یا تنازعے کا باعث نہیں بنتا۔ اس کی ہنسی مشکلات کو دور رکھنے کا ایک آسان طریقہ ہے۔ ہلکے پھلکے معاملات پر بات کرنا پسند کرے گا، اگر کوئی بات گہری یا جذباتی ہو گی، تو یہ اسے ہنسی مذاق میں بدل دے گا تاکہ اپنے حقیقی جذبات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اسے ڈر ہے کہ اگر یہ اپنی کمزوری دکھائے گا تو لوگ اسے ناپسند کر دیں گے یا اسے "بچہ" سمجھیں گے۔" قریب سے گزرتے ہوئے بیرے کی ٹرے سے اس نے کولڈ ڈرنک کا گلاس اٹھایا اور ایک بڑا سا گھونٹ لیا۔ "جب اسے کبھی حقیقی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا (جیسے شکست، محبت کا ٹوٹنا، یا کسی اہم فیصلے کا دباؤ) تو یہ کھڑک جائے گا کیونکہ اس کے پاس اپنے منفی جذبات سے نمٹنے کا کوئی تجربہ نہیں ہو گا۔ یہ سب۔۔۔ سائیکولوجی کہتی ہے، میں نہیں۔"

زین نے ڈرامائی انداز میں اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دہائی دی۔ "حماس ویک اینڈ گزارنے گھر چلا گیا ۔اب میں ان 'تین عورتوں تین کہانیوں' سے تن تنہا کیسے نبٹوں گا بھلا؟"

☆☆☆☆☆☆☆

حماس کا کمرہ اس وقت تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

سائیڈ لیمپ کی روشنی نے اس کے گرد ایک کمزور سا ہالہ بنا رکھا تھا۔ وہ بیڈ کے ہیڈ بورڈ سے ٹیک لگائے، نیم وا

آنکھوں سے سامنے دیوار پر چلتا ہوا اپنا ماضی دیکھ رہا تھا۔
گیارہ سالہ حماس، جس نے سونے کی کامیاب اداکاری کی تھی۔

"پری پلینڈ مرڈر نہیں تھا۔"

جنازے سے واپسی پر وہ رات دادو کے کمرے میں آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا جب معظم تایا کمرے میں آئے تھے۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ حماس سو نہیں رہا، جاگ رہا ہے، تو شاید یہ گفتگو نہ کرتے۔
دادو جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں، اور تایا قریبی کرسی پر۔

"وقتی اشتعال تھا۔
بے ارادہ جان لی گئی تھی۔
ایک گھریلو جھگڑا۔۔۔ جو لمحوں میں شدت اختیار کر گیا تھا۔"

دادو اور تایا ان حقائق پر متفق تھے۔

وہ چپ چاپ سنتا رہا۔

تایا نے دادو کو بتایا کہ حماس کی منجھلی خالہ، جو جاپان میں تھیں، اور مبشر ماموں—— جو امریکہ میں مقیم تھے—— اس موقع پر آ نہیں سکے۔

حماس صرف ایک خالہ اور نانا سے ہی مل پایا تھا۔

پہلی بار۔

تایا ادھوری خواہشات کا ذکر کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ماموں اور دوسری خالہ سے بھی ملاقات ہو جاتی تو اس کا حماس کے ذہن پر مثبت اثر پڑتا۔

کیسے ؟

وہ بس یہی سوچ رہا تھا۔

اس وقت بھی حماس یہی سوچ رہا تھا۔

وہ اٹھا اور سست قدموں سے چلتا ہوا کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ چند لمحے سیاہ رات کی چادر پر ٹنگے ستاروں کو دیکھتا رہا۔

پھر الٹے قدموں پلٹا۔

کمرے کے مرکز میں رکھی میز سے آدھی بھری بوتل اٹھائی اور اسے گلاس میں انڈیلنے لگا—— وہی سیال جو کچھ دیر کو ہی سہی، اسے بے نیاز کر دیتا تھا۔

کھڑے کھڑے اس نے گلاس منہ سے لگایا اور مائع آگ کی طرح حلق سے اتارنے لگا۔

"حماس!"

مشعل کی آواز کہیں باہر سے نہیں، بہت اندر سے آئی تھی۔

وہ بری طرح ٹھٹکا۔

گلاس کو جھٹکے سے ہونٹوں سے الگ کیا اور اس میں باقی ماندہ چند قطروں کو گھورنے لگا۔

پھر طیش کے عالم میں گلاس سامنے دیوار پر دے مارا۔

باریک کرچیاں فضا میں بکھر گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

انہوں نے بغاوت کی تھی۔

دونوں نے۔

ایک نے خالہ زاد کو، دوسری نے چچازاد کو انکار کیا تھا۔ دونوں خاندان کوشش کرتے رہے کہ کہانی اپنی مرضی کے مطابق لکھی جائے، لیکن آخر کار تھکے ہارے بڑوں نے ان کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور رشتہ طے کر دیا۔ نکاح گھر والوں کی موجودگی میں ہوا، مگر رخصتی کے الفاظ کے ساتھ دلوں پر سرد مہریں لگ گئیں۔

اس کے بعد عاشر کو عاق کر دیا گیا۔ باپ کے گھر کے بڑے دروازے اس کے لیے تنگ ہو گئے۔ شاہانہ کے گھر میں بھی دروازے تھے، مگر پہرے نے اسے اندر سے بے گانا کر دیا۔ دونوں خاندان رسماً شادی کرا کر پیچھے ہٹ گئے، جیسے ضدی بچے کو اس کے حال پر چھوڑ دیا ہو۔

اب وہ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہ رہے تھے۔ شہر کی خاموش گلی میں، تیسری منزل پر دو کمروں کا یہ گھر جہاں کھڑکی سے سمندر براہِ راست نظر نہ آتا، مگر نم ہوا کبھی بالکونی تک آ جاتی تھی۔ کمرے کی چھت تھوڑی نیچی تھی، فرش پر ہلکے نقوش والے بھورے ٹائل، دیواریں خالی، صرف ایک کیل جس پر شاہانہ نے اپنا دوپٹہ ٹانگ رکھا تھا۔

اس شام چھوٹے سے ڈائننگ ٹیبل پر دو پلیٹیں رکھی تھیں۔ ایک میں سبزی، دوسری میں تھوڑی دال۔ درمیان میں خالی پیالہ پڑا تھا، شاید کبھی میٹھے کے لیے سوچا گیا، فی الحال خالی تھا۔

شاہانہ نے چولہے کا بٹن گھمایا، آخری روٹی توے سے اتاری اور عاشر کے سامنے رکھی۔ دوپٹہ کندھے پر اوپر کیا اور میز کے دوسری طرف آ کر بیٹھ گئی۔

"آج بھی مالک نے تمہارا چیک روکے رکھا؟" اس نے احتیاط سے پوچھا۔

عاشر نے نوالہ توڑا، دال میں ڈبویا اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "چیک رک سکتا ہے، مگر بھوک نہیں رکتی۔" نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔ "کل تک آ جائے گا، تم فکر نہ کرو۔"

شاہانہ نے جواب دینے کے بجائے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔ تھکن تھی، مگر اس کے پیچھے ایک ضدی روشنی بھی چھپی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ صرف ملازمت کے لیے نہیں، اپنے فیصلے کے لیے بھی ہے۔

میں اپنی فکر نہیں کرتی۔" اس نے نرمی سے کہا۔ "بس کبھی سوچتی ہوں کہ ہم نے جو ضد کی تھی، کہیں وہ" "ہمیں مہنگی نہ پڑ جائے۔

عاشر نے گہری سانس لی، پھر کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"دیکھو۔" وہ دھیرے سے بولا۔ "وہ لوگ چاہتے تھے میں وہ زندگی جیوں، جو انہوں نے میرے لیے مناسب سمجھی۔ میں نے وہ زندگی نہیں مانگی۔ تمہاری فیملی چاہتی تھی، تم وہ راستہ چنو جس سے خاندان خوش ہو۔ تم نے وہ راستہ نہیں چنا۔ اب یہ چھوٹا سا فلیٹ، دو پلیٹیں، اور تھکی ہوئی روٹی۔۔۔ سب ہماری مرضی کے ہیں۔" عاشر نے شاہانہ کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔ "جبر سے ملی ہوئی چیز اتنی قیمتی نہ لگتی۔"

شاہانہ کے چہرے پر رونق آ گئی۔ "تمہیں واقعی لگتا ہے کہ یہ سب۔۔۔" اس نے کمرے میں نظر دوڑائی، سستی کرسی، چھوٹا فریج، جھولتا بلب۔ "تمہارے لیے کافی ہے؟"

"نہیں۔" عاشر نے صاف کہا۔ "یہ سب کافی نہیں۔ مجھے تمہاری ہنسی، تمہاری موجودگی اور یہ احساس کافی ہے کہ رات کو تھکا لوٹوں تو کوئی دروازہ کھول کر کہے، 'آ گئے؟' باقی چیزیں آہستہ آہستہ آئیں گی۔"

شاہانہ نے ہلکی ہنسی کے ساتھ سر جھکا لیا۔ "اور اگر کبھی نہ آئیں؟"

"پھر بھی آسمان یہی رہے گا۔" عاشر نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ "اور سمندر بھی، اور تم۔" پھر اپنی پلیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہم دونوں نے بغاوت کر کے اپنی مرضی کی زندگی شروع کی ہے، شاہانہ۔ اب اگر ہم خود ہی خوف کھائیں تو ہمارا فیصلہ کس کام کا؟"

یہ الفاظ کوئی بڑی تقریر نہیں تھے، مگر کمرے کی خاموشی میں سب سے مضبوط آہنی سلاخوں کی طرح محسوس ہوئے، جن پر چھوٹے سے گھر کی بنیاد کھڑی تھی۔

کھانے کے بعد شاہانہ نے برتن سمیٹے، عاشر نے کچن میں آ کر پلیٹ لے لی۔ "رہنے دو، آج میں دھو لیتا ہوں۔"

"تم سارا دن دفتر میں رہتے ہو۔" شاہانہ نے احتجاج کیا۔

اور تم سارا دن اس گھر میں۔" عاشر نے ہلکے محبت بھرے طنز سے جواب دیا۔ "زندگی تبھی برابر چلتی ہے"
"، جب دونوں ہاتھ وزن اٹھائیں۔

وہ دونوں کچھ دیر سنک کے پاس کھڑے رہے۔ پانی کی دھار برتنوں پر گرتی رہی، صابن کے جھاگ میں روشنی ٹمٹماتی رہی۔

رات گئے جب وہ دونوں چھوٹے بیڈ پر ساتھ لیٹے، پنکھا چلتے چلتے رُک گیا، بجلی جا چکی تھی۔ اندھیرے میں صرف کھڑکی سے آتی ہوا تھی اور کہیں دور بجلی گھر کی گونج۔

"ہم ٹھیک کر رہے ہیں نا؟" شاہانہ نے ہاتھ بڑھا کر عاشر کی انگلی پکڑی۔

عاشر نے مضبوطی سے اسے تھام لیا۔ "کسی اور سے شادی کرتے تو منافقت ہوتی۔ خود سے جھوٹ بولا نہ دوسروں سے۔"

اس لمحے انہیں لگا کہ دنیا سے لڑ کر انہوں نے اپنا ایک چھوٹا سا جزیرہ بنا لیا ہے، جہاں اپنی مرضی کی روشنی اور ہوا تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

لاہور کینٹ کی ایک کشادہ اور مہذب سڑک پر شمع فرحان کا گھر نمایاں تھا۔ اونچا سیاہ گیٹ، خودکار نظام کے ساتھ، بغیر کسی تاخیر کے کھلتا اور بند ہوتا۔ اندر داخل ہوتے ہی صاف ستھرا ڈرائیووے، ترتیب سے تراشی ہوئی گھاس اور پھولوں کی قطاریں پورچ تک لے جاتی تھیں۔ ہر چیز اپنی جگہ موجود تھی—نہ زیادہ، نہ کم۔

گھر کے اندر بھی یہی نظم جھلکتا تھا۔ ملازمین اپنی ذمہ داریوں میں مصروف تھے، جیسے سب کو معلوم ہو کہ کہاں رکنا ہے اور کہاں آگے بڑھنا ہے۔

اوپر والے کمرے میں رات کے جاگنے کے آثار اب بھی موجود تھے۔ بیڈ کے پاس پڑی اونچی ایڑیاں، جن پر پارٹی کی چمک ابھی تک ٹھہری ہوئی تھی، سب کچھ کہہ رہی تھیں۔

مشعل تکیے میں منہ چھپائے پڑی تھی، جبکہ مہوش کھڑکی کے پاس بیٹھے بال سمیٹنے میں الجھی ہوئی تھی۔

دروازہ کھلا اور شمع اندر آئی—بال بکھرے ہوئے، چہرے پر نیند کی ہلکی سی چھاپ، اور ہونٹوں پر وہی مانوس مسکراہٹ۔

"تم دونوں زندہ ہو یا نہیں؟" اس نے بیڈ کے کنارے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ایک بات کرنی تھی، ناشتے سے پہلے۔"

مشعل نے کراہ کر آنکھ آدھی کھولی۔ "اگر یہ بات زندہ رہنے سے متعلق نہیں ہے تو بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔"

"نہیں۔" شمع فوراً بولی۔ "بدھ کو زین کی سالگرہ ہے، میں چاہتی ہوں اس بار ہم سب اکٹھے ہوں۔"

مہوش نے بال چھوڑے اور پلٹ کر بیڈ پر آ بیٹھی۔ "اوکے، تو پلان؟"

"پلان یہ ہے کہ ہم تین جگہیں تجویز کریں گے۔" شمع نے کہا۔ "اور فیصلہ پرچیوں سے ہوگا۔ کوئی بحث نہ دباؤ۔"

"اور انعام؟" مشعل فوراً سیدھی ہو گئی۔

جواب میں تکیہ اس کی سمت اچھلا۔

"لالچی لڑکی!"

مہوش ہنستے ہوئے بولی۔ "میں پہلے۔" وہ ذرا سنبھل کر بولی۔ "ریلوے اسٹیشن کے قریب کا تھیٹر۔ پرانی عمارت، رنگین پردے، ہاتھ سے بنی سجاوٹ۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ جگہ آج کے وقت سے کٹی ہوئی ہو۔ دن میں جانا، تصویریں لینا، آس پاس گھومنا—کافی الگ تجربہ ہو سکتا ہے۔"

مشعل نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے، خاص تو ہے۔" پھر فوراً بولی۔ "میری تجویز چوبرجی۔ کم لوگ اصل میں جا کر دیکھتے ہیں۔ چار ستون، پرانی نقش کاری، اور وہ احساس کہ یہ جگہ اب بھی اپنی کہانیاں سنبھالے کھڑی ہے۔"

"اب میری باری۔" شمع نے کہا۔ "لاہوری قلعہ—مگر وہ حصے جنہیں عام سیاح نہیں دیکھ پاتے۔ اندرونی راستے، بند کمروں کی قطاریں، وہ سیڑھیاں جو کہیں نیچے اترتی ہیں اور کہیں اوپر جا کر ختم ہو جاتی ہیں۔ کالا برج، اکبری گیٹ کے پیچھے پھیلا سنّاٹا، شیش محل کے بالائی کمرے جہاں دیواریں بھی راز رکھتی ہیں۔"

وہ لمحہ بھر کو رکی۔

"ہر پتھر وہاں صرف کھڑا نہیں ہے—وہ کسی نہ کسی کہانی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ شاہی کچن کے پاس کے وہ کمرے جن کے بارے میں گائیڈ کم بولتے ہیں، اور تہہ خانے جہاں وقت جیسے ٹھہر کر سانس لیتا ہے۔ زین کو ایسی جگہیں پسند ہیں، اور سالگرہ اگر یادگار بنانی ہے تو قلعہ اس کے لیے سب کچھ رکھتا ہے۔"

کمرے میں لمحہ بھر کو توقف ہوا۔

"چلو، قسمت کا فیصلہ۔" مشعل نے کہا۔

شمع نے تین پرچیاں بنائیں، سب کے نام لکھے، آنکھیں بند کر کے ایک نکالی۔

پرچی کھلی۔

شمع۔

"زین کی قسمت کا فیصلہ۔۔۔" مشعل نے ڈرامائی انداز میں دونوں ہاتھوں سے شمع کی طرف اشارہ کیا۔ "شمع کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے۔"

"شمع کی تجویز مجھے واقعی بہت پسند آئی۔" مہوش اس نتیجے سے خوش تھی۔

مشعل نے بھی ہاں میں سر ہلایا۔

"شمع! آج سے میں تمہاری فین!" مہوش خاصے ڈرامائی انداز میں اپنی جگہ سے اٹھی، شمع کے برابر بیٹھتے، اس کے دونوں کندھے تھام کر رخ اپنی جانب موڑا۔ "تم صرف خوبصورت نہیں ہو، تمہارے پاس ایک عدد دماغ بھی ہے۔"

مشعل کے منہ سے ہنسی کا فوارہ چھوٹا۔

شمع پل بھر کو سرخ ہوئی پھر ارد گرد ہتھیار ڈھونڈنے کے لیے نظریں دوڑائیں۔

"بھئی۔۔۔ ورکنگ کنڈیشن میں ہے!" مہوش ہنستی ہوئی اچھلی اور دوڑ کر واش روم میں گھس گئی۔ دروازہ بند ہوا، لاک کی آواز آئی۔

کمرے میں صرف ہنسی رہ گئی۔

اور ایک فیصلہ —— جواب زین کی سالگرہ کو یادگار بنانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل۔

"کب بولنا شروع کرو گے ؟ مجھے تمہاری آواز سننی ہے۔" اس کا کندھا جھنجوڑا گیا تھا۔

اتوار کی صبح تھی اور ناشتہ ختم ہوتے ہی وہ دونوں باغ کی کرسیوں پر آ بیٹھے تھے۔ حماس اب شاذ ہی بولتا تھا، زیادہ تر اثبات یا نفی میں سر ہلا دینا ہی اس کا جواب ہوتا۔

ناشتے کے بعد جب وہ دادو کے ساتھ یہاں آئی تھی تو مسلسل بولتی جا رہی تھی، مگر دادو کی ہاں میں ہاں کے سوا کوئی جواب نہ ملا تو وہ حماس کی کرسی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

"یہ کیا حرکت ہے، مشعل ؟" دادو کو اس کا حماس کو اس طرح جھنجوڑنا ناگوار گزرا۔

"دادو یہ بولتا کیوں نہیں ؟" وہ منہ بسورتی دوبارہ اپنی کرسی پر آ بیٹھی۔

"سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہی ہونا چاہیے ؟" دادو نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ "سکول میں کم سہیلیاں ہیں، جو گھر میں بھی چوبیس گھنٹے کا دوست چاہیے ؟"

کچھ دیر بعد دادو کسی ضروری کام سے اندر چلی گئیں۔

"یاد ہے میں نے باغ والا واقعہ سنایا تھا؟" گول میز پر ہاتھ ٹکا کر وہ اس کی طرف یوں جھکی جیسے اسے نظر انداز کیے جانے کا ڈر ہو۔ "گرنے کا ایک فائدہ بھی تو ہوا تھا، آؤ تمہیں دکھاؤں۔"

وہ اب اس کا ہاتھ تھامے اسے اپنے کمرے کی جانب لیے جا رہی تھی، ساتھ اس کا 'فائدہ نامہ' بھی جاری تھا۔

"میں ابھی اپنی چوٹوں کو دیکھتی رو رہی تھی کہ میری نظر باغ کی اس دیوار کی طرف گئی جہاں کچھ بھورے رنگ کا ڈھیر سا پڑا ہوا تھا۔" کمرے کا دروازہ کھول کر وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ "قریب جا کر دیکھا تو وہ ایک زخمی خرگوش تھا۔"

حماس کی آنکھوں میں ایک ساتھ حیرت اور تجسس ابھرا۔ وہ اس کے پہلو سے نکلتا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"پھر کیا ہوا؟"

مشعل کے ہونٹوں پر ایک فخریہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "سوال غلط ہے، تمہیں یہ پوچھنا چاہیے کہ مشعل، پھر تم نے کیا کیا؟" اب وہ اپنے بیڈ کے بائیں جانب بڑھ رہی تھی۔ یہ کونہ اس کمرے کا قدرے پوشیدہ حصہ تھا۔ "یہاں آؤ۔"

حماس کو محسوس ہوا جیسے جوش اس کے پورے وجود میں سرایت کر گیا ہو۔

وہ اس کونے میں، ایک درمیانے سائز کے خاکی ڈبے کے سامنے نیچے کارپٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس میں چھوٹے سائز کے چند سوراخ کیے گئے تھے، ایک چوکور خلاء بھی بنایا گیا تھا جس سے جھانک کر اندر دیکھا جا سکے۔ وہ سامنے سے ہٹی، اسے ہاتھ سے اشارہ کیا، جیسے کہہ رہی ہو 'آؤ دیکھو'۔

حماس نے وہاں بیٹھ کر جو اندر جھانک کر دیکھا تو اسے وہاں ایک بھورا درمیانے سائز کا خرگوش دکھائی دیا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں اسے انکل احمد کے پاس لے گئی تھی۔ بابا اس دن گھر پر تھے، وہی ہمیں لے گئے تھے۔"

"انکل احمد کے پاس کیوں؟" وہ ابھی بھی اس خرگوش کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ جانوروں کے ڈاکٹر ہیں نا۔ میں اکثر ان کے ہاں جاتی ہوں۔"

"اکثر؟" وہ اب پیچھے ہو بیٹھا تھا۔

"مجھے جب بھی کوئی زخمی بلی، کتا یا کوئی اور ایسا جانور ملے، میں اسے گھر لے آتی ہوں۔"

اب وہ خرگوش سے زیادہ اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"انکل احمد علاج کرتے ہیں اور جب وہ تندرست ہو جائے تو کوئی ایڈاپٹ کر لیتا ہے۔"

"پالتو جانور کے طور پر؟"

"ہاں۔"

"لیکن یہ سب کیسے ہوتا ہے؟"

"ہمارے ہاں کوئی مہمان آئے تو میں جانور کو ان کے سامنے ایسے پیش کرتی ہوں جیسے کوئی ماڈل واک ہو۔"

یہ سن کر وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ مشعل اسے دیکھتی رہ گئی——وہ جب سے آیا تھا، پہلی بار یوں ہنسا تھا۔

وہ خوش تھی، خواہ وہ اسی پر ہنسے، پر ہنسے تو سہی۔

"فائدہ؟" اس نے بمشکل ہنسی روکتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی، صاف دکھائی دیتا ہے کہ جانور تندرست ہے۔ رہا اپنی خوبصورتی سے متاثر کرنا۔۔۔ تو وہ جانور کی اپنی ذمہ داری ہے۔"

"تم اسے باغ میں آزاد کیوں نہیں چھوڑ دیتیں؟"

"دادو نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے، یہ وہاں کھدائی کرے گا سرنگیں بنائے گا۔ باغ کی خوبصورتی خراب کر کے رکھ دے گا۔"

"اب یہ تندرست ہے؟"

"ہاں۔ میری دو سہیلیاں اسے ایڈاپٹ کرنا چاہتی ہیں، لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی کسے دوں۔"

"ایک طریقہ ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں بولا۔ وہ ہمہ تن گوش تھی۔ "ہم دونوں ان کے گھر کسی بہانے سے جائیں گے، ماحول دیکھیں گے فیملی ممبرز سے ملیں گے۔ یوں ہم درست چناؤ کرنے کے قابل ہو سکیں گے کہ ان میں سے کس کا گھر اس کے لیے بہتر رہے گا۔"

وہ دونوں اس مشن پر نکلے تو بہت ایکسائٹڈ تھے۔

سب سے پہلے وہ دونوں فروہ کے گھر پہنچے، جو ڈی ایچ اے فیز 4 کی ایک کشادہ سائیڈ اسٹریٹ میں رہتی تھی۔ جیسے ہی دروازہ کھلا اندر سے فرنچ فرائیز اور سینڈوچ کی خوشبو آتی باہر پھیل گئی۔ فروہ کی والدہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ پکاتی رہتی تھیں۔ گھر کا ڈرائنگ روم روشن تھا، فرش پر سفید ماربل چمک رہا تھا، اور ایک کونہ رنگ برنگے کھلونوں، اسٹیکرز اور نرم کھلونے سے بھرا ہوا تھا۔ فروہ خوشی سے دوڑتی ہوئی آئی اور بولی۔ "خرگوش یہاں بہت خوش رہے گا! میں نے اس کے لیے جگہ بھی بنالی ہے۔"

وہ دونوں کو اپنے کمرے میں لے گئی جہاں ایک میز کے نیچے نرم بستر، پانی کا پیالہ اور چند سبز پتّے رکھے ہوئے تھے۔ مشعل اس اہتمام سے متاثر ہوئی، مگر ساتھ ہی اس نے دیکھا کہ فروہ کی چھوٹی بہن بار بار چیزیں کھینچ کر گرا رہی تھی اور فروہ کی بلی جو تکیے پر بیٹھی ان دونوں کو گھور رہی تھی، کسی بھی خرگوش کے لیے خطرہ بن سکتی تھی۔ حماس نے آہستہ آواز میں کہا۔ "جگہ تو اچھی ہے۔ ہاں، شور زیادہ ہے اور بلی بھی ہے۔ دیکھتے ہیں دوسرا گھر کیسا ہے۔"

مشعل نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

دوسرا وزٹ نائلہ کے گھر کا تھا جو نسبتاً خاموش گلی میں رہتی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا۔ اندر ایئر کولر چل رہا تھا اور لیونڈر کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ نائلہ کی والدہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں اندر بلایا۔ گھر کی سجاوٹ سادہ تھی مگر صاف ستھری اور سب سے بڑھ کر یہ کہ گھر کی فضا پرسکون تھی۔ نائلہ انہیں اپنے کمرے میں لے گئی جہاں ایک کشادہ سا لکڑی کا پنجرہ رکھا تھا۔ مگر اندر محض برادہ نہیں بلکہ صاف ستھرے کپڑے، پانی کے لیے قطروں والی بوتل، اور سبزیوں کا ایک چھوٹا سا ڈبہ بھی رکھا تھا۔ "میں نے خرگوشوں کے بارے میں سب پڑھ لیا ہے۔ یہ پنجرہ میں نے خود بنوایا ہے۔"

نائلہ نے فخر سے بتایا۔ اس دوران اس کا چھوٹا بھائی آ کر دروازے میں کھڑا ہوا چپ چاپ ہاتھ ہلایا اور واپس چلا گیا۔ نہ شور، نہ ضد۔ گھر میں کوئی اور جانور نہیں تھا، نہ ہی کوئی ایسی چیز جو خرگوش کے لیے خطرہ بنتی۔

مشعل نے کمرے کی خاموشی، صفائی، اور نائلہ کی تیاری دیکھ کر آہستہ سے کہا: "یہ جگہ تو بہت مناسب لگ رہی ہے۔"

حماس نے بھی ارد گرد نظر ڈالتے ہوئے سر ہلایا۔ "ہاں۔ یہاں خرگوش آرام سے رہ سکے گا۔ شور نہیں، ماحول بھی مناسب ہے۔"

واپسی میں دونوں خاموش چلتے رہے۔ مشعل نے آخر کار کہا۔ "میں کسی کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی، مگر خرگوش کی بھلائی زیادہ اہم ہے۔"

حماس مسکرایا۔ "بالکل، اور تم نے دیکھا، فیصلہ مشکل تھا مگر ہم نے صحیح طریقہ اختیار کیا۔ جگہ اور ماحول دیکھ کر، اب جو بھی فیصلہ کرو گی درست ہو گا۔"

مشعل نے سکون کی سانس لی، جیسے کسی ذمہ داری کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

میں خود سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں مجھ میں چھپا کوئی

محبت بانٹتے ہاتھوں سے ہی نقصان نہ کر دے

قصرِ سلطان کی راہداریاں، رات میں کسی طویل اور بے چین خواب کی طرح پھیلتی جا رہی تھیں۔

چھت کے قریب لگی بتیوں کی کمزور روشنی، دیواروں کے خدوخال بس اتنے نمایاں کرتی تھی کہ باقی سب سایوں میں گم رہتا۔

حماس انہی راہداریوں سے گزر رہا تھا۔

اس کے دائیں ہاتھ میں ایک چھوٹی سی سیاہ چادر تھی، جس میں اس نے بھورے خرگوش کو لپیٹ رکھا تھا۔

صرف اس کے نرم کان جھانکتے تھے۔ بائیں ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا خنجر تھا جس کی دھار پر روشنی کی پتلی سی لکیر دوڑ رہی تھی۔ خنجر ہلکا تھا، مگر حماس کے ہاتھ بوجھل ہو رہے تھے۔

راہداری میں اس کے قدموں کی بازگشت دل کی دھڑکن کے ساتھ مل کر ایک بے ترتیب شور بن گئی تھی۔ ہر موڑ، ہر دروازہ اور بند کھڑکی اسے گھورتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے کے دروازے تک پہنچا۔

دروازہ جانے کب کھلا، کب اس نے قدم اندر رکھے، اسے خود بھی احساس نہ ہوا۔

اگلے ہی لمحے اس نے خود کو اپنے واش روم میں کھڑا پایا۔ سفید ٹائلوں کی دیواریں، سنگ مرمر کا سنک، اور اوپر لگا ہوا چھوٹا سا آئینہ جس میں اس کا چہرہ دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے سیاہ چادر کو آہستگی سے سنک میں رکھا۔ چادر کھل کر پھیلی تو بھورا خرگوش سامنے آ گیا۔ وہی جسے وہ کبھی چھپ کر دیکھنے آیا تھا، جسے مشعل نے محبت سے سہلایا تھا، جسے وہ دونوں مل کر ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے تھے۔ مگر آج اس کی آنکھوں میں کوئی معصومیت نہ تھی، وہ سنک میں بے جان سا پڑا تھا۔

حماس نے خنجر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما۔ دھار خرگوش کی نرم گردن کے قریب آئی تو اس کے اندر کہیں کوئی چیخ اٹھی۔ اس کے سینے میں دل بے قابو ہو کر دھڑک اٹھا۔

وہ خنجر ہٹانا چاہتا تھا، مگر بازو اس کی بات ماننے سے انکار کر رہے تھے۔

وہ خنجر گردن کے قریب لایا ہی تھا کہ اچانک پانی کا نل خود بخود چل پڑا۔ ٹھنڈے پانی کی تیز دھار سنک میں گرنے لگی، خرگوش کے بال گیلے ہونے لگے اور اس کے کان پانی کے وزن سے نیچے جھک گئے۔

اسی لمحے کسی نے بہت قریب سے، بہت آہستگی سے اس کا نام پکارا۔

"حماس۔"

وہ بری طرح چونکا۔

خنجر اس کے ہاتھ سے پھسلا، پانی کی دھار اور لوہے کی ٹھنڈی سطح کی آواز مل کر ایک کرخت گونج بنی اور۔۔۔

وہ اچانک آنکھیں کھول کر سیدھا بستر پر اٹھ بیٹھا۔
چند لمحے وہ ایسے ہی بیٹھا رہا، پھر ایک جھٹکے سے بستر سے نیچے اتر آیا۔

دروازے تک آیا، آہستگی سے اسے کھولا اور راہداری میں جھانکا۔ رات گہری تھی، بس دور کونے میں لگے بلب کی روشنی فرش پر ایک چھوٹی سی لکیر بنا رہی تھی۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا راہداری پار کرتا، مشعل کے کمرے کے دروازے تک پہنچا۔ چند ثانیے ہچکچایا، پھر ہاتھ اٹھا کر بہت ہلکی سی دستک دی۔
اندر سے ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی پھر دروازہ کھلا۔

نیم تاریکی میں مشعل کی ساکت سی صورت نمودار ہوئی، آنکھوں میں نیند اور حیرت ملی جلی دکھائی دی۔
"حماس؟" وہ حیران ہوئی۔ "اس وقت؟"

"وہ۔۔۔ خرگوش کہاں ہے؟"

مشعل نے الجھے ہوئے انداز میں آنکھیں جھپکائیں۔ "کون سا خرگوش؟" پھر خود ہی یاد آیا، چہرے پر پہچان کی لہر دوڑی۔ "اوہ، ہمارے باغ والا؟"

حماس نے بے تابی سے سر ہلایا۔
"وہ۔۔۔" مشعل نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں نے اسے نائلہ کو دے دیا تھا، یاد ہے؟ تم بھی" ساتھ گئے تھے اس کے گھر۔ وہ اب وہاں بہت اچھا ہے۔
حماس کی آنکھوں میں پھیلی وحشت مدھم ہونے لگی۔ اس نے گہری سانس لی، جیسے سینے پر رکھا کوئی بوجھ ہلکا ہو گیا ہو۔ ہونٹوں پر خود بخود ایک ہلکی، تھکی ہوئی سی مسکراہٹ آ گئی۔

مشعل کا شکریہ ادا کیا اور اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔

بستر پر لیٹتے ہی اسے محسوس ہوا کہ دل کی دھڑکن معمول پر آ رہی ہے۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو سنک، خنجر اور خون کے بجائے بس ایک چھوٹا سا سبز باغیچہ ابھرا، جس کے بیچوں بیچ ایک بھورا خرگوش سکون سے گھاس چر رہا تھا۔

چند لمحوں بعد نیند نے اسے دوبارہ اپنی گرفت میں لے لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ہاسٹل کی کھڑکی کچھ خاص کشادہ تو نہ تھی، مگر آج پردہ کچھ یوں ہٹا ہوا تھا کہ صبح کی روشن کرنیں سیدھا اس کی بند آنکھوں پر دستک دے رہی تھیں۔ کچھ سوچ کر اس کے ہونٹ مسکرانے لگے۔ وہ مکمل طور پر جاگنے سے پہلے ہی اس منظر میں پہنچ گیا—جہاں اس کی زندگی کی ایک نئی صبح طلوع ہوئی تھی۔

صبح کی ہلکی دھوپ اسکول کی عمارت پر پھیل رہی تھی—یہ اس کے پرانے سکول سے بالکل مختلف تھا۔ گھر، گلیاں، پرانے دوست سب پیچھے رہ گئے تھے۔ مشعل اس کے ساتھ چل رہی تھی—مضبوط، بے فکری سے مسکراتی ہوئی، اس کی آنکھوں میں حماس کے لیے ایک خاص نرمی تھی۔ رات کو دادو نے اسے حماس کی فیملی کے بارے میں بتایا تھا، شاید انہیں خدشہ تھا کہ انہوں نے خود نہ بتایا تو کسی اور کے ذریعے اس تک غلط انداز میں معلومات پہنچ جائیں گی۔

دادو جانتی تھیں، وہ اسے حماس کا خیال رکھنے کی تاکید نہ بھی کریں تو وہ ایسا ہی کرے گی۔

اس گھر کی سب سے حساس فرد وہی تھی۔

"گھبرانا نہیں، یہاں سب ٹھیک ہے۔" ہم عمر ہونے کے باوجود حماس کا قد ابھی سے اس سے تین انچ لمبا تھا۔ اس نے سختی سے حماس کا ہاتھ تھام رکھا تھا—— جسے حماس نے دو بار نرمی سے چھڑوانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا۔

وہ اسے ان کی مشترکہ کلاس کی طرف لے جا رہی تھی۔ "میں پراکٹر ہوں۔ سب میرے دوست ہیں—— کوئی "تمہاری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھے گا بھی نہیں۔"

کلاس 6-بی کے دروازے پر شور تھا—— بچے باتیں کر رہے تھے، ہنس رہے تھے، آپس میں مشغول تھے۔ ابھی پیریڈ شروع ہونے میں کچھ وقت باقی تھا۔ حماس نے قدم روک لیے۔ اسے لگا سب اس کو ہی دیکھ رہے ہیں۔ مشعل نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اندر گھسیٹ لیا۔

مشعل نے اس کا بیگ کھولا، اسے صحیح ڈیسک پر بٹھایا، پنسل باکس سیدھا کیا—— اور اسے شعوری طور پر یہ احساس دلایا کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ٹیچر آ گئیں۔ حاضری لگی، حماس کا تعارف کرایا گیا۔

انگلش کی کتاب کھلے صفحے پر رکھی تھی، مگر حماس کی نظریں بار بار کھڑکی پر جا رہی تھیں۔ وہ اپنے پرانے سکول کے دوستوں کو یاد کر رہا تھا—— ان کے ہنسنے کا انداز، لنچ شیئر کرنے کی عادت، اور سب سے بڑھ کر وہ اپنی جگہ۔ یہاں ہر چیز اجنبی تھی۔

یہاں اس کی ابھی تک کوئی جگہ نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

انہوں نے گاڑی حضوری باغ کی سمت قائم پارکنگ میں کھڑی کی، جہاں سے قلعے کی دیواریں قریب آ کر اور بھی بلند محسوس ہونے لگتی تھیں۔

گائیڈ پرویز، ایک عمر رسیدہ مگر متحرک آدمی، اپنی پر اثر آواز میں قلعہ کی ہر جگہ کی تاریخ بیان کر رہا تھا۔

وہ جس انداز سے چلتا، یوں لگتا تھا جیسے یہ راہداریاں اس کے قدموں سے مانوس ہوں۔ کالا برج قریب سے اور بھی بھاری محسوس ہوتا۔ اس کی دیواریں واقعی عام پتھر کی نہیں لگتی تھیں؛ ان پر نمی، وقت اور چھاؤں نے ایک مستقل رنگ جما دیا تھا۔ برج کے اندر جاتے ہوئے روشنی کم ہو جاتی اور قدموں کی آواز دیر تک گونجتی رہتی تھی، جیسے جگہ خود ہر آنے والے کو پرکھ رہی ہو۔

اس نے کالا برج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کالا برج قلعہ کی سب سے مضبوط اور سنسان چوکی ہے۔ پتھروں کی موٹی دیواریں، دشمنوں کی آنکھوں سے لاہور کی حفاظت کرتی تھیں۔ اس برج کے تہہ خانے میں خزانے چھپائے گئے تھے، ایسے راز جو صرف پتھر جانتے ہیں۔"

مشعل نے دیواروں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ "یوں لگتا ہے جیسے یہ دیواریں گہری سانسیں لے رہی ہوں، ہر ایک پتھر میں صدیوں کی گونج سنی جا سکتی ہے۔"

وہ آگے بڑھے تو راستہ آہستہ آہستہ ایک کشادہ دہانے کی طرف کھلنے لگا۔

اکبری گیٹ قلعے کے باقی حصوں سے الگ وقار رکھتا تھا—موٹے لکڑی کے پٹ، لوہے کے بڑے کیل، اور وہ نشان جو وقت نے خود تراشے تھے۔ دروازہ بند ہونے کے باوجود، اس کے آس پاس کی فضا میں ایک غیر مرئی آمد و رفت کا احساس موجود تھا، جیسے فوجی دستے ابھی ابھی یہاں سے گزرے ہوں۔

پرویز نے بتایا۔ "یہ دروازہ کبھی فوجیوں کی آمد و رفت کا مرکز تھا، اور آج بھی اس کا سناٹا ماضی کی گونج سناتا ہے۔"

راستہ اب قدرے نیچے کو مڑتا تھا۔

ہوا میں ہلکی سی نمی اور باسی پن گھلنے لگا تھا۔ یہاں قلعے کا وہ حصہ شروع ہوتا تھا جہاں شاہی کچن واقع تھا—ایک زمانے میں زندگی، خوراک اور سرگرمیوں کا مرکز۔

کچھ فاصلے پر اسی حصے کے ساتھ فضا اچانک اور بھاری ہو گئی۔ روشنی کم، راستے تنگ، اور دیواریں مزید بے رنگ۔ یہ وہ گوشہ تھا جہاں زندگی اور سزا ایک ہی احاطے میں موجود تھے۔

یہ جگہ کسی خوفناک آرائش کی محتاج نہیں تھی۔ ایک کے بعد ایک تنگ دہانہ، موٹی پتھریلی دیواریں، نچلی محرابی چھت اور محدود روشنی—سب کچھ اس قدر سادہ تھا کہ خاموشی خود بولنے لگتی تھی۔

ٹارچر سیل۔

ایک بار پھر نیم تاریک ماحول میں پرویز کی آواز گونجی۔ "یہ وہی جگہ ہے جہاں دشمنوں کو سزا دی جاتی تھی۔ آج بھی یہاں کی خاموشی میں سنسنی محسوس کی جا سکتی ہے، دیواریں بے زبان گواہ ہیں۔"

سب اس پراسرار ماحول میں گم تھے مہوش سب سے پیچھے قدرے تاریک گوشے میں کھڑی تھی کہ اچانک خوشبو کا ایک جھونکا آیا۔

یہ کوئی پرفیوم تھا جو زندگی میں پہلی بار اس کے نتھنوں سے ٹکرایا تھا۔

Nasomatto – Black Afgano!

نہ صرف ایک خوشبو ہے بلکہ ایک تجربہ ہے—یہ اس خیال سے وجود میں آئی کہ خوشبو گہرائی، راز، کشش اور پراسراریت کو ظاہر کر سکتی ہے۔ خاص طور پر مردوں میں، جو اپنے اندر ایک منفرد، پُراسرار اور کبھی کبھی خطرناک پہلو رکھتے ہیں۔

اسے بنانے والا عطار الیسّانڈرو گوالتیری ہے جو ناسوماتو برانڈ کے پیچھے کا ماسٹر مائنڈ بھی ہے۔

یہ پرفیوم طاقت، کشش اور 'ذہنی گرفت' کے تصور پر بنایا گیا ہے۔ بہت سے ممالک میں اسے 'دل کو قابو میں لینے والی خوشبو' کہا جاتا ہے۔

جو پہلے متاثر کرتی ہے۔

بلیک افغانو کا آغاز گہرا، تاریک اور فوراً گرفت میں لینے والا ہوتا ہے۔ یہ عام خوشبوؤں کی طرح 'خوبصورت' نہیں، طاقتور لگتی ہے۔ یہی پہلا تاثر اکثر لوگوں کو چونکا دیتا ہے۔

پھر سوال اٹھاتی ہے۔

کچھ دیر بعد دماغ سوال کرنے لگتا ہے۔ یہ خوشبو دلکش ہے یا خطرناک؟ یہ کشش ہے یا دھمکی؟ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں بلیک افغانو کی خوشبو عام پرفیوم سے الگ ہو جاتی ہے۔۔۔ یہ خوشبو خود کو سمجھانے پر مجبور کرتی ہے۔

اور آخر میں خوف بن جاتی ہے۔

یہ خوف کسی ڈراؤنی چیز کا نہیں، بلکہ عدمِ تحفظ کا ہے۔ یہ خوشبو دیر تک رہتی ہے، بدلتی نہیں، پیچھا نہیں چھوڑتی۔ کچھ لوگوں کو یہی مستقل موجودگی بے چینی دیتی ہے۔ اسی لیے کئی لوگ کہتے ہیں۔ "یہ خوشبو مجھے دیکھ رہی ہے، میں اسے نہیں پہن رہا۔۔۔ یہ مجھے پہن رہی ہے۔"

مہوش ان سب باتوں سے انجان بس یہ سوچ رہی تھی۔۔۔

یہاں ہمارے علاوہ کوئی نہیں، تو پھر یہ خوشبو کہاں سے آئی۔

مشعل کے مخاطب کرنے پر وہ اس کی جانب چل دی۔ کچھ دیر باتوں میں مشغول رہی اور جو ایک بے ارادہ نگاہ دروازے کی جانب اٹھی تو وہاں کسی کو ایستادہ پایا۔

"اسجد کامران؟"

آج وہ سرتاپا سیاہ رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔

ٹی شرٹ اور جینز۔

وہ اپنی مخصوص پر اعتماد چال چلتا ان کے قریب چلا آیا۔

"حسین اتفاق کہوں یا تقدیر کا لکھا انوکھا موڑ؟" دوستانہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے ان سب پر نظر ڈالتا وہ کچھ یوں مخاطب ہوا جیسے جواب کا منتظر ہو۔

"زین، تم جانتے ہو انہیں؟" حماس آنکھیں سکوڑتے ہوئے زین سے مخاطب تھا۔

"یونیورسٹی میں دیکھا ہے۔" اس محتاط جملے نے حماس کو ایک جامع جواب دے ڈالا۔

اس کا اندازہ صحیح تھا وہ اسے ذاتی طور پر نہیں جانتے تھے۔

"تم دونوں نہیں جانتے، لیکن ہمیں انہوں نے ایک بار ہاسٹل ڈراپ کیا تھا۔" مہوش کے ان الفاظ پر حماس کی نظریں ایک بار پھر اسجد کا ایکسرے کرنے لگیں۔

"مشعل؟" وہ جیسے کچھ کنفرم کروانا چاہتا تھا۔ اس سب کے دوران اسجد کی گہری ہوتی مسکراہٹ اسے ایک ایسے تماشائی سا ظاہر کر رہی تھی جو اس سارے کھیل سے قدرے محظوظ ہو رہا ہو۔

"قائداعظم لائبریری کے احاطے میں ہمارا ان سے سامنا ہوا تھا۔" وہ بغور حماس کے تاثرات نوٹ کر رہی تھی، وہ بمشکل اپنی ناگواری چھپائے کھڑا تھا۔ "ان کے ساتھ ان کی بہن بھی تھی، وہ یونیورسٹی سے متعلق کچھ معلومات اکٹھی کرنا چاہتی تھی، اس لیے انہوں نے ہمیں لفٹ آفر کی۔"

"اسجد کے ہوتے ہوئے ان کی بہن کو تم لوگوں سے معلوم کرنا تھا؟" وہ مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائے اسجد کو دیکھ رہا تھا۔ ہونٹوں پر ایک چیلنج کرتی مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

"اتنی بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی، مسٹر حماس۔" اسجد نے ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔ اب حماس ایسا بداخلاق بھی نہ تھا کہ مصحافے کی غرض سے بڑھا ہوا ہاتھ جھٹک دیتا۔ "دوستی کر لیں مجھے آپ نیک نیت پائیں گے۔"

"دوستی یوں نہیں کی جاتی، مسٹر اسجد۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔

"مجھے آپ وقت اور جگہ بتادیں، میں وہاں آجاتا ہوں۔" ایک مسکراہٹ اس نے دائیں جانب کھڑی مہوش کی جانب اچھالی۔ "بلکہ طریقہِ کار بھی بتادیں۔"

"حماس۔" مہوش ٹوکے بنا رہ نہ پائی۔ "انہوں نے میری اسائنمنٹ میں بھی بہت مدد کی تھی۔" اس کے لہجے میں ایک ان کہی گزارش چھپی ہوئی تھی۔

پلیز اسے ایک چانس دو۔

"ہم آج زین کی سالگرہ منانے یہاں آئے ہیں، آپ چاہیں تو اس شام کا حصہ بن سکتے ہیں۔" حماس کو مہوش کی بات رد کرنا مشکل لگا، کسی حد تک بے جواز بھی۔

"ہمارا دورہ تو مکمل ہو چکا، اب ڈنر کریں؟" شمع نے سوالیہ نظروں سے زین اور حماس کو دیکھا، پھر مشعل اور مہوش کو۔ "انہوں نے بھی وقت پر ہاسٹل واپس جانا ہے۔"

"اگر کوئی جگہ پہلے سے نہیں سوچ رکھی۔۔۔ تو میرے کہنے پر چلیں۔" اسجد اب کافی پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔ "میرا منتخب کردہ مقام آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔" اس کی نظریں سب پر سے ہوتی مہوش پر جا ٹھہریں۔

یہ سب حماس کی نظروں سے اوجھل نہ رہ پایا۔ ماتھے پر سلوٹیں آن ٹھہریں۔

سب نے فوری حامی بھری۔

"اسجد۔" گاڑیوں کی جانب بڑھتے ہوئے حماس ایک بار پھر اس سے مخاطب ہوا۔ "آپ کی رہائش کہاں کی ہے؟ آپ لاہور سے ہیں یا ہاسٹل میں رہتے ہیں؟"

"میں کراچی سے ہوں۔ یہاں میرے تایا کا گھر ہے، میں آجکل وہیں قیام پذیر ہوں۔ ہاسٹل میں رہنا چاہتا تھا ، لیکن تایا نہیں مانے۔ وہ بے اولاد ہیں، ہم بہن بھائی سے بہت محبت کرتے ہیں۔" وہ دونوں سب سے آگے چل رہے تھے۔

تینوں لڑکیاں اور زین آپس میں باتیں کرتے ہوئے، سست قدموں سے ان کے پیچھے چلے آرہے تھے۔

"میری گاڑی میں چلو، میں زین کو ہوٹل کا بتاتا ہوں، وہ لوگ بھی وہیں پہنچ جائیں گے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل۔

کراچی ڈی ایچ اے فیز 4 کی شامیں نرم اور پر کشش انداز میں گزرتی تھیں۔

گلیوں میں نیم کے درخت، مدھم لائٹس، اور سمندر کی نم ہوا نے محلے کو ایک خوشگوار چھاپ دی۔ اس شام مشعل نے کہا۔ "چلو باہر چلیں، ایک چیز دکھانی ہے۔" اس کے ہاتھوں میں کچھ سامان بھی تھا۔

حماس پہلے تو ہچکچایا، پھر اس کے ساتھ چل دیا۔

وہ دونوں کھیل کے میدان کی طرف بڑھے، جو دو اسٹریٹس کے درمیان چھپا ہوا تھا۔

یہ بچوں کا پسندیدہ میدان تھا: چند جھولے، ایک سلائیڈ، اور ایک خالی کونا جہاں وہ اپنے کھیل تخلیق کرتے۔

حماس نے دیکھا کہ چند بچے رنگین کاغذ، ربن اور بتیوں سے لالٹینیں تیار کر رہے ہیں۔ یہ کوئی تہوار نہیں، بس محلے کی پرانی روایت تھی۔ موسم بدلنے یا بارش کے بعد بچے لالٹینیں بنا کر درختوں پر لٹکا دیا کرتے۔ حماس رک گیا۔ منظر جاذب نظر تھا، مگر اجنبی بھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اس لمحے کا حصہ ہے یا نہیں۔

مشعل نے اسے قریب بلا کر رنگین کاغذ اور بانس کا ڈنڈا دیا۔ "آؤ، آج ہم دونوں لالٹین بنائیں گے، جیسی میں دادو کے ساتھ بناتی رہی ہوں۔"

مشعل نے کاغذ جوڑا، ربن لپیٹا اور موم بتی کے لیے جگہ بنائی۔ حماس نے ڈنڈے پر کاغذ باندھنے میں ہاتھ بٹایا۔ لمحوں میں دونوں کی لالٹین تیار ہو گئی، نیلی اور سنہری، جیسے سمندر اور روشنی مل کر بن گئے ہوں۔

مشعل ہنستی ہوئی بولی۔ "سمندر کے شہر کے طور پر، لالٹین میں سمندر کا رنگ ضروری ہے۔"

بچے اپنی لالٹینیں درخت کی شاخوں پر لگے پرانے ہُکس پر لٹکا رہے تھے۔

حماس اور مشعل ایک درمیانے سائز کا پتھر اٹھا لائے، حماس اس سے قد میں لمبا تھا لیکن انہیں اپنی لالٹین سب سے اونچی جگہ لٹکانی تھی۔

"ٹھہرو، میں اینٹ لاتی ہوں۔" مشعل کو کچھ فاصلے پر چند پرانی اینٹیں دکھائی دیں تو وہ اس سمت بھاگی۔ پتھر پر اینٹ رکھی گئی۔

"میں اسے پکڑ کر رکھتی ہوں، تم اوپر چڑھو۔" جب تک حماس نے اوپر چڑھ کر لالٹین نا لٹکائی، مشعل دونوں ہاتھوں سے اینٹ کو مضبوطی سے تھامے، نیچے بیٹھی رہی۔

ان کی لالٹین سب سے اونچے مقام پر تھی۔

لالٹین ہوا میں ہلکی لرزنے لگی، سنہری روشنی پارک میں پھیل گئی، اور حماس نے پہلی بار اندر سے خوشی محسوس کی۔ ایسی جیسے اس جگہ نے اسے قبول کر لیا ہو۔ مشعل مسکرا کر بولی۔ "یہاں کچھ خوفناک نہیں، بس۔۔ سب کچھ تمہارے لیے نیا ہے۔"

حماس جو کئی دنوں سے نئے ماحول میں خود کو اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ پہلی بار اعتماد سے مسکرا کر بولا۔

"ہاں۔ شاید یہ محلہ اب تھوڑا سا میرا بھی ہو گیا ہے۔"

☆☆☆

پرندوں کی زباں سمجھی، کبھی پانی پہ گھر لکھا

شجر پر روشنی ٹانگی، مرا رختِ سفر لکھا

اگلے جمعے کی شام، ڈی ایچ اے فیز 4 میں سمندر کی نم ہوا تیز رفتار میں گھوم رہی تھی، مشعل نے حماس کو پھر اسی چھوٹے کھیل کے میدان کی طرف لے جانے پر زور دیا۔ اس بار منظر بدل چکا تھا۔ بارش کے پانی نے نالیوں کو چھوٹی جھیل میں تبدیل کر دیا تھا، پانی کی سطح پر روشنی کے ہلکے عکس حرکت کر رہے تھے۔ بچے کاغذی کشتیاں پکڑے ریس کی تیاری میں مصروف تھے، ہر ایک کی آنکھوں میں مقابلے کی چمک واضح تھی۔

یہ رسمی مقابلہ نہیں، بلکہ محلے کی روایت تھی: بارش کے پانی میں کشتیاں بہا کر ہر بچہ جیت کی ضد پوری کرنا چاہتا تھا۔

حماس حیرت سے بولا۔ "یہ سب کب ہوتا ہے؟"

مشعل نے جواب دیا۔ "صرف بارش کے بعد۔ اور یہ کراچی میں ہر روز نہیں ہوتا۔"

مشعل نے اسے ایک پیلے بادبان والی کشتی دی۔ "یہ دادو کا پرانا طریقہ ہے، میرا نہیں۔ دیکھو یہ تیز چلتی ہے، آج تمہاری باری ہے۔"

حماس نے کشتی پانی میں رکھی تو وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگی، لیکن چند ہی لمحوں بعد ہوا کے زور سے ایک پتھر سے ٹکرا کر الٹ گئی۔

حماس آگے بڑھا ہی تھا کہ کیچڑ میں بیٹھا سات سالہ بچہ فوراً اپنا ہاتھ پانی میں ڈال کر کشتی سیدھی کر گیا۔

وہ مسکرا کر بولا۔ "بھائی، پکڑ لی! ایک دوسرے کی چیز بچانی چاہیے نا!"

حماس کی آنکھوں میں شکر گزاری کی چمک تھی، مشعل فخریہ بولی۔ "دیکھو، اب تم یہاں کے ہو، لوگ تمہیں پہچاننے لگے ہیں۔"

دوبارہ ریس شروع ہوئی، حماس کی کشتی تیسرے نمبر پر پہنچی، اور اس نے کھل کر ہنسی میں حصہ لیا۔

☆☆☆

حماس نے سیڑھیاں تیز قدموں سے چڑھیں اور دروازہ کھولتے ہی کھلی چھت پر قدم رکھا، جہاں رات کی گہری سیاہی اور ہلکی روشنی کا عجیب امتزاج تھا۔

رات گہری تھی مگر اس وقت بھی قصرِ سلطان کی تیسری منزل جو صرف ایک چار دیواری والی چھت تھی۔۔۔ نیم روشن دکھائی دی۔

چھت کے بائیں جانب ایک کونے میں۔۔ اسے دو سائے دکھائی دیے۔ ایک لڑکی چھوٹی چار دیواری کے قریب کھڑی تھی، جھکی ہوئی کسی چیز پر نظریں جمائے۔ اس کی پشت حماس کی طرف تھی۔ بال کھلے تھے، دوپٹہ آدھا سر سے پھسل کر کندھوں پر آ گرا تھا۔ اس کے پیچھے ایک لڑکا کھڑا تھا، ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے،

جیسے لڑکی کو دھکیلنے کاارادہ ہو۔

حماس کے قدم خود بخود تیز ہو گئے، دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

ہر لمحہ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے حرکت نہ کرنے پر کوئی چیخ دیر تک گونجتی رہ جائے گی۔

"رُک جاؤ۔"

لڑکے کے ہاتھ اچانک رک گئے، اور لمحے بھر کے لیے سب کچھ جیسے جم سا گیا۔

لڑکی نے گردن ذرا سی موڑی، مگر اس سے پہلے کہ اس کا چہرہ واضح ہوتا، وہ لڑکا آہستگی سے پلٹا۔

وہ حماس ہی تھا۔ وہی قامت، وہی چہرہ، وہی آنکھیں۔

بس ان آنکھوں میں روشنی نہیں تھی، ایک سرد خالی پن تھا، جیسے اندر کوئی رہتا ہی نہ ہو۔

ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی، جس میں مہربانی اور تمسخر دونوں کی جھلک تھی۔

حماس چند قدم دور رک گیا، جیسے زمین نے اس کے پیر جکڑ لیے ہوں، دل کی دھڑکن تیز اور سانس پھولا ہوا تھا۔

"کیا کر رہے ہو؟" اس نے زور سے کہا، مگر آواز اپنے ہی کانوں میں دور سے آتی سنائی دی۔

دوسرا ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جھکا، سر تھوڑا ٹیڑھا کیا، پھر دھیرے سے بولا۔ "بس۔۔۔ وہی جو تم سے بھی کروایا جا سکتا تھا۔"

لڑکی کا چہرہ چھپا ہوا تھا، وہ دیوار کے پار جھانک رہی تھی، کھیل میں مگن، حماس کی موجودگی سے بے خبر، جیسے

سب کچھ اس کے لیے نیااور اجنبی ہو۔

حماس نے ایک قدم آگے بڑھنا چاہا، مگر فرش نرم ہو کر اسے دھنسانے لگا۔

"رکو۔" اس نے اچانک زور سے آواز دی۔

دوسرے نے نرم، معصوم مسکان کے ساتھ کہا۔ "پہلے کسی کو بچا پائے؟ جواب بچالو گے؟"

یہ کہتے ہوئے اس کے ہاتھ لڑکی کی طرف بڑھے، اور حماس نے پوری طاقت سے قدم بڑھانے کی کوشش کی، مگر پیر زمین میں جکڑ گئے، سانس اٹکنے لگی۔

اگلے ہی لمحے لگا جیسے سب کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا۔

روشنی ایک دم بجھ گئی اور صرف نیچے۔۔۔ خالی ہال میں گرتی کسی چیز کی دھمک کی آواز سنائی دی۔

حماس ہڑبڑا کر جاگ گیا۔

اس کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا، ماتھا پسینے سے تر، ہاتھ سختی سے مٹھیوں میں بند۔

اپنی جاگتی آنکھوں سے، وہ خواب کی حقیقت جان گیا۔

لڑکی کی پشت سے بھی پہچان گیا—— وہ مشعل تھی، ہر لمحے کی حفاظت کرنے والی۔

مشعل سلطان۔

☆☆☆☆☆☆☆

لاہوری قلعے کی فصیل پیچھے چھوٹتی گئی۔

پرانے شہر کی گلیاں پیچھے رہ گئیں تو اسجد نے گاڑی اس سمت موڑی جہاں لاہور اپنی تہذیبی شان کو خاموش وقار کے ساتھ سنبھالے کھڑا رہتا ہے۔ کچھ ہی دیر میں وہ ایک ایسی عمارت کے سامنے رکے جو باہر سے سادہ دکھائی دیتی تھی، مگر اندر قدم رکھتے ہی لاہور کی صدیوں پرانی سانس آدمی کے کندھوں پر آ بیٹھتی تھی۔

یہ کوکو کاڈین تھا، وہ جگہ جہاں دیواریں بھی باتیں کرتی ہیں۔

اینٹ اور لکڑی سے بنی سیڑھیاں اوپر کو مڑتی تھیں، اور ہر قدم کے ساتھ وقت جیسے رفتار بدل کر پیچھے رہ جاتا تھا۔

اندر پیلے شیشوں والے لیمپ جھک کر جل رہے تھے، فانوس ہلکی جنبش میں تھے اور دیواروں پر آویزاں تصویریں خاموش تماشائی بنی کھڑی تھیں۔

کہیں رنجیت سنگھ کے لاہور کی جھلک اور کہیں تقسیم سے پہلے کے چہروں کی خاموش مسکراہٹیں۔ فضا میں مصالحوں کی ہلکی خوشبو تیر رہی تھی، ایسی خوشبو جو بھوک سے زیادہ یادوں کو جگاتی ہے۔

اسجد انہیں ایک نسبتاً الگ گوشے کی طرف لے گیا، جہاں لکڑی کی جالیوں اور اونچی پشت والی کرسیوں نے ایک قدرتی پردہ سا بنا رکھا تھا۔ نشست کھلی فضا میں ہونے کے باوجود یوں سمٹی ہوئی تھی کہ باتیں خود بخود آہستہ ہو جاتی تھیں۔

یہاں کا کھانا محض کھانا نہیں تھا بلکہ روایت تھی۔ دم پخت کی بھاپ اٹھ رہی تھی، کوئلوں پر بھنی بوٹیوں سے چمٹا ہوا رس پلیٹ میں ٹپک رہا تھا، اور تندور کی روٹی ہاتھ لگتے ہی انگلیوں کو گرم کر رہی تھی۔

کھانے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو جاری رہی۔ اسجد نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ وہ دو بہنوں کے بیچ اکلوتا بھائی ہے۔ کراچی میں فیملی کے ساتھ مستقل رہائش رکھتا ہے، جبکہ یہاں تعلیمی سلسلے میں تایا کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ اگلے سال بہن بھی اسی یونیورسٹی میں داخلہ لے گی لیکن وہ ہاسٹل میں ہی رہنے پر بضد ہے۔ اس کے بعد

وہ باری باری ان سبھی سے کچھ نا کچھ پوچھتا رہا۔ وہ انہیں جاننا چاہتا تھا۔۔۔ حماس نے واضح طور پر محسوس کیا۔ وہ قربت بڑھانا چاہتا تھا۔۔۔ لیکن کیوں؟

میز کے نیچے حماس کا دایاں پیر بے اختیار تھرکنے لگا، جیسے جسم اس سے پہلے ردِ عمل دے رہا ہو۔ مشعل جو اس کے برابر میں بیٹھی تھی۔۔۔ نے چونک کر اسے دیکھا۔ یہ اس کے اندرونی اضطراب کا مظہر تھا۔ اسے حیرت ہوئی، اس وقت ایسا کیا تھا جو اسے پریشان کر رہا تھا۔

وہ بے چین ہوئی۔

"اسجد، آپ نے اپنے والد کا پروفیشن نہیں بتایا۔" مشعل اسے اپنے بابا کے کاروبار کے بارے میں بتا رہی تھی ،جب حماس نے اس کی بات کاٹ کر اچانک اسجد سے استفسار کیا۔ اسجد سمیت سبھی کو اس کے لہجے میں شک کی جھلک دکھائی دی۔

مہوش نے حیرت سے پہلے شمع اور پھر زین کو دیکھا۔ ان چہروں پر بھی حیرت رقم تھی۔

اسجد چند سیکنڈ خاموش رہا، یوں لگا جیسے وہ حماس کے مزید کچھ کہنے کا انتظار کر رہا ہو۔

اتنے میں اسجد کا موبائل بول اٹھا۔ "گھر سے فون ہے۔" وہ سکرین پر نظر ڈالتا، معذرت کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

حماس پرسوچ نظروں سے اسے دور جاتا دیکھتا رہا۔

"اس کے فادر کا لا جسٹکس کا کاروبار ہے۔" مہوش بولی تو لہجے سے ہلکی سی ناراضگی جھلک رہی تھی۔ "وہ تم سے کچھ بھی کیوں چھپائے گا بھلا؟" وہ اب باقاعدہ حماس کی طرف رخ کیے بیٹھی تھی۔ "تم ہر نئے چہرے کو شک کی عینک سے کیوں دیکھنے لگتے ہو؟"

"مہوش۔" مشعل چڑ سی گئی۔ "حماس نے جتنی جلدی زین سے دوستی کی وہ میرے لیے بھی کافی حیران کن تھا۔ وہ تم پر اور شمع پر اندھا اعتماد کرتا ہے۔ اب ایک نیا شخص ہمارے فرینڈ شپ سرکل کا حصہ بننے کی کوشش کر رہا ہے تو ہر طرح سے تصدیق اور تسلی ضروری ہے۔" حماس اب بے تاثر چہرہ لیے کھانا کھا رہا تھا۔

"یہ جن نظروں سے اسجد کو دیکھتا ہے، وہ بہت عجیب ہے۔" مہوش کی نظریں اب سختی سے اپنی پلیٹ پر جمی ہوئی تھیں۔

"اسجد کی نظروں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" شمع نے معنی خیز انداز میں مہوش کو کہنی چبھوئی۔

حماس کے علاوہ سبھی کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل۔

رات دیر تک بارش ہوتی رہی تھی۔ چھت پر پڑتی بوندوں کی مدھم تھپ تھپ اب رک چکی تھی، مگر نمی کی بھینی سی بو اب بھی فضا میں رچی ہوئی تھی۔ چھوٹے سے فلیٹ کی دیواروں پر نمی کے دھبے شام سے ابھر آئے تھے، جیسے وقت سے پہلے ہی اپنی موجودگی جتا رہے ہوں۔ کچن کے اوپر والے کونے میں چھوٹا سا نشان تھا جو ہر بارش کے بعد کچھ اور گہرا ہو جاتا تھا، جیسے دیوار بھی اس زندگی کی تھکن اپنے اندر سمیٹتی جا رہی ہو۔

دیوار پر لگی گھڑی کی سوئیاں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھیں، وقت کو کھینچتی ہوئی۔

شاہانہ نے گھڑی کی طرف دیکھا، پھر دروازے کی طرف، پھر کھڑکی سے باہر سڑک کی طرف۔۔۔ یہی حرکت وہ جانے کتنی بار دہرا چکی تھی۔

آخر کار دروازہ کھلا اور حماس اندر آیا۔

یونیفارم زیادہ بھیگا ہوا نہیں تھا، مگر جوتوں پر کچی مٹی کے نشان صاف دکھائی دے رہے تھے۔اس کے ہاتھ میں اسکول کا چھوٹا سا لنچ باکس تھا، جس کا ڈھکن آدھا کھلا ہوا تھا۔

"تم خود آئے ہو؟" شاہانہ نے بے اختیار اس کے قریب جاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" حماس نے بستہ فرش پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آج ابو نہیں آئے، میں بس سے آ گیا۔"

یہ جملہ حماس نے اس سادگی سے کہا، جیسے واقعی یہ کوئی بڑی بات نہ ہو—— حالانکہ ماں کے لیے تھی۔

شاہانہ کا دل ذرا سا بیٹھ گیا۔ "کوئی ساتھ تھا؟" اس نے نرمی کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں۔" حماس نے بے فکری سے بتایا۔ "وقاص مل گیا تھا، وہ بھی اسی بس میں تھا۔"

اس نے جوتے اتار کر اپنے کمرے کے پاس رکھے۔

شاہانہ نے جھک کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "جاؤ، کپڑے بدل لو۔"

کچھ دیر بعد دروازہ دوبارہ کھلا اور عاشر اندر آیا۔

اس کی قمیض کے کالر پر ہلکی سی نمی کے چھینٹے تھے، پتلون کے پائنچے ذرا سے بھیگے ہوئے اور چہرے پر دن بھر کی جمع ہوتی تھکن کی واضح لکیریں۔ ہاتھ میں فائلوں کا چھوٹا سا بنڈل تھا اور دوسرے ہاتھ میں فون، جسے وہ مسلسل بے دھیانی سے دیکھ رہا تھا۔

"آ گئے آپ۔" شاہانہ نے سیدھا کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" عاشر نے فائل میز پر رکھی، کرسی کھینچی اور بھاری سا سانس لیتے ہوئے بیٹھ گیا۔ "آج بھی کلوزنگ کرتے دیر ہو گئی۔" وہ ہلکا سا ہنسا، مگر ہنسی میں تھکن زیادہ تھی، خوشی کم۔

"آج حماس خود آیا ہے سکول سے۔" شاہانہ نے سیدھے لفظوں میں کہا۔ "بس سے۔"

عاشر نے ایک لمحے کو سر اٹھا کر دیکھا، پھر نظریں اخبار پر گھما دیں جو اس کے سامنے پڑا تھا۔ "بس بھی تو اسی سڑک سے گزرتی ہے نا جو ہمارے فلیٹ کے نیچے ہے۔" اس نے معمولی سے لہجے میں کہا۔ "میں آج واقعی نہیں جا سکا، میٹنگ بھی تھی۔" وہ ایک پرائیویٹ فرم میں اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ کی جاب کر رہا تھا۔

"لیکن ایک گیارہ سال کا بچہ بارش کے دن بسوں میں بھیگتا ہوا گھر آئے، یہ بات مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

"میں کوشش کر رہا ہوں۔" عاشر نے آہستگی سے کہا۔ "قسطیں، قرضے، دفتر کا دباؤ۔۔۔ سب ایک ساتھ چل رہا ہے۔ میں سب کی توقعات پر پورا نہیں اتر پا رہا۔"

اسی لمحے کمرے کے دروازے کے پاس حماس کا چھوٹا سا قد دکھائی دیا۔ وہ شاید پانی لینے باہر آیا تھا، مگر ماں باپ کی آوازیں سن کر قدم وہیں رک گئے۔ چند ثانیے اس نے دونوں کو دیکھا، پھر خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔

شاہانہ نے سر ہلا دیا مگر آنکھوں کے پیچھے جو تشویش تھی وہ کم نہیں ہوئی۔ اسے معلوم تھا کہ دفتر، قرضے، میٹنگز اور تھکن یہ وعدہ کتنی بار توڑ سکتے ہیں۔ کمرے میں پھیلنے والی خاموشی اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ اس میں ایک نیا احساس شامل ہو چکا تھا۔

یہ احساس کہ محبت کے باوجود، کہیں نہ کہیں کوئی اہم حصہ چھوٹ رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کا نرم نور زین کے کمرے میں قدرے آہستگی سے پھیل رہا تھا، جیسے نیند کو جگانے میں جلدی نہ کرنا چاہتا ہو۔

بیڈ ہلکے خاکی رنگ کے نرم چمڑے سے مزین تھا، کناروں پر باریک سنہری دھاگوں کی نفیس سلائی اس کی خاموش شان بڑھا رہی تھی۔ اس کی ساخت جدید طرز کی تھی مگر اس میں کلاسیکی انداز کی ایک جھلک بھی نظر آتی تھی۔ اس کے اوپر سفید اور ہلکے نیلے رنگ کے تکیے پُر سکون انداز میں رکھے گئے تھے، جو آرام دہ نیند کی دعوت دیتے تھے۔

کمرے کے ایک جانب ایک خوبصورت ڈریسنگ ٹیبل تھا، جس پر ایک بڑا آئینہ لگا ہوا تھا۔ میز پر پرفیومز اور چند ذاتی اشیاء منظم انداز میں رکھی ہوئی تھیں۔

زین کی نیند بھی گہری اور پر سکون تھی۔ وہ دائیں کروٹ لیٹا ہوا تھا۔۔۔ اس کے گہرے بھورے بال اس کے ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ ہموار اور پر کشش تھا، جس پر نیند کی مٹھاس کے ساتھ ایک خاموش شان بھی جھلک رہی تھی۔

اچانک موبائل کی وائبریشن سے کمرے کے سکوت میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا۔

زین نے یونہی مندی آنکھوں سے سائیڈ ٹیبل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور موبائل اٹھا لیا۔

"ناشتے کی میز پر آؤ، سب تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں۔" خاور۔ اس گھر کا پہلا سپوٹ، فرسٹ بورن چائلڈ۔ بھائیوں میں بڑا، تحکم پسند، ذمہ دار اور ہر بات کو بہت سنجیدگی سے لینے والا۔

"واش روم جانے کی اجازت ہے؟ یا ایسے ہی منہ اٹھائے آجاؤں؟" اس نے جوابی ٹیکسٹ بھیجا۔

"سنا ہے رات آذر کے ڈانس فلور میں سوراخ کرنے میں مشغول تھے۔ بہتر ہے ساری تھکاوٹ اتار کر ہی آؤ۔"

"جیسا آپ کہیں۔۔۔ سیر یس فیس۔" یہ لقب اس نے اپنے بھائی کے لیے بہت غور وخوض کے بعد چنا تھا۔

"تمہارے پاس پندرہ منٹ ہیں۔"

"Are you serious?"

(تم سنجیدہ ہو؟)

"Always."

(ہمیشہ۔)

"Why am I surprised?"

(مجھے حیرت کیوں ہوئی؟)

ناشتے کے بعد زین کے قدم غیر ارادی طور پر اسی سمت اٹھ گئے جہاں گھر کا وہ کمرہ تھا، جسے وہ برسوں سے آرٹ سٹوڈیو کے نام سے جانتا آیا تھا۔

مگر آج دروازہ کھولتے ہی منظر بدل چکا تھا۔ وہ کمرہ جو کبھی رنگوں، کینوس اور ادھورے چہروں سے بھرا رہتا تھا، اب ایک عجیب خاموش وقار میں ڈوبا ہوا تھا۔ دیواروں پر لٹکی ہوئی تمام پینٹنگز الٹی کر دی گئی تھیں، جیسے چہروں نے جان بوجھ کر نظریں پھیر لی ہوں۔ کچھ کینوس فرش کے ساتھ ٹیک لگا کر رکھے تھے، اور کچھ ایسے کہ ان کی پشت پر پڑی لکیریں اب زیادہ نمایاں دکھائی دیتی تھیں۔ یہ صرف ترتیب کی تبدیلی نہ تھی، بلکہ کسی اندرونی فیصلے کا خاموش اعلان تھا۔

کمرے کے وسط میں ایک نیا منظر تھا۔

جہاں پہلے کھلی جگہ ہوا کرتی تھی، وہاں اب گہرے رنگ کی لکڑی کی میز رکھی تھی، اس کے ساتھ ایک آرام دہ مگر سنجیدہ کرسی۔ میز پر کوئی رنگ، برش، کوئی اسکیچ پیڈ نہیں تھا۔ صرف ایک موٹا، ہاتھ سے بندھا ہوا جرنل رکھا تھا، اور اس کے پاس قلم۔

ریاض سلمان کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، کندھے ذرا جھکے ہوئے، مگر وجود میں ایک ٹھہراؤ تھا۔

وہ کچھ لکھ رہے تھے—ایسا لکھنا جو جلدی میں نہیں ہوتا، جس میں ہر لفظ تول کر اتارا جاتا ہے۔

کمرے کی فضا اب بھی مہنگی تھی، مگر نمود سے خالی۔ بلند چھت، نرم روشنی، اور کھڑکی سے اندر آتی صبح کی دھوپ جو فرش پر سیدھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔ یہ وہی کمرہ تھا، مگر اب یہاں نمائش نہیں، صرف معنی رہ گئے تھے۔

زین دہلیز پر کھڑا یہ سب دیکھتا رہا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کے باپ نے فن کو دیواروں سے اتار کر میز پر رکھ دیا ہو—جہاں اب رنگ نہیں، الفاظ بولتے تھے۔

"وہ سب حسین عورتیں کہاں گئیں؟" ریاض جرنل لکھنے میں کچھ یوں مگن تھے کہ بیٹے کی آمد سے بے خبر رہے۔ اس کی آواز کی گونج پر سر اٹھا کر دیکھا اور بے ساختہ مسکرا دیے۔ "سب پورٹریٹ ہی اُلٹ دیے۔" زین ان کے آرٹ کو ہمیشہ سراہا کرتا تھا۔ اس نے باپ کو ہمیشہ فارغ وقت میں پینٹنگز اور سکیچز میں مشغول پایا تھا۔

وہ ہر بار پہلے سے زیادہ خوبصورت اور پرکشش چہرہ کاغذ پر اُتارتے۔۔۔ خواہ وہ چارکول سے کھینچا سکیچ ہو یا آئل پینٹس سے بھری پینٹنگ۔ ان کی سبھی کاوشیں لاجواب ہوا کرتیں۔ زین نے کئی بار ماں کو اکسانے کی کوشش کی۔ 'پوچھیں تو سہی یہ سب ہیں کون آخر؟ ہر چہرہ اتنا حسین؟ یہ کیسے ممکن ہے۔' کبھی وہ باپ کو چھیڑتا۔ 'راہ چلتے کوئی بھی حسین چہرہ دیکھ لیں تو گھر آکر کاپی پیسٹ کرنے لگ جاتے ہیں یا یہ آپ کی 'سہیلیاں' ہوا کرتی

تھیں؟'لیکن ان کا جواب ہر بار یہی ہوتا۔'یہ سب میرے تصور کی دنیا ہے، ساری خوبصورتی یہاں بستی ہے۔'ساتھ ہی اپنی کنپٹی پر انگلی رکھتے۔

"اب اس سب کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ اب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔"روح کی طلب ایک سی نہیں رہتی۔"

"ڈیڈ، آج پہلی بار آپ کی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔"

"تم نے پوچھا نہیں میں کیا لکھتا ہوں۔" انہوں نے جرنل کی طرف اشارہ کیا، جواب بند پڑا تھا۔"میں لکھتا نہیں ہوں، زین۔۔۔ میں ترتیب دیتا ہوں۔ قرآن اور حدیث کو نہیں، اپنے اندر کے انتشار کو۔ میں ایک موضوع چنتا ہوں—— جیسے صبر، خوف، اختیار، یا واپسی۔۔۔ پھر ان آیات اور احادیث کو الگ الگ نشان زد کرتا ہوں جن میں وہی مفہوم سانس لیتا ہو۔ میں انہیں کاغذ پر اتارتا ہوں، ان کے حوالے سے جو علماء یا کتب سے جانا ہو وہ درج کرتا ہوں اور نیچے وہ کیفیت لکھتا ہوں جس سے میں خود گزرا۔ یہ لکھنا نہیں، ایک عبادت جیسا عمل ہے۔ میں اسے دکھانے کے لیے نہیں کرتا، نہ کسی کتاب کے لیے۔ بس اس لیے کہ جب زندگی الجھ جائے تو ایک جگہ سب باتیں اکٹھی مل جائیں۔۔۔ اللہ کا کلام، اور نبی ﷺ کی رہنمائی۔ جس نے ہمیں تخلیق کیا اس کی، اور اس کے بھیجے ہوئے آخری نبی ﷺ کی باتیں۔۔۔ ان دونوں پر غور و خوض مجھے خود کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔"

اس نے وقت دیکھنے کی غرض سے موبائل جیب سے نکالا اور اگلے ہی لمحے شمع کا واٹس ایپ پر لگا نیا سٹیٹس دیکھنے لگ گیا۔ اس نے اپنی رات پارٹی والی تصویر لگائی تھی، وہ جانے کتنی دیر اسی تصویر کو دیکھتا رہا۔

ریاض کو بھی اس کی بے توجہی محسوس ہوئی۔

"شمع کی کوئی تصویر دیکھ رہے ہو گے۔" وہ پر یقین لہجے میں بولے تو اس نے ٹھٹک کر باپ کو دیکھا۔

"ڈیڈ!" اس کے کان سرخ ہونے لگے۔

"کہہ دو کہ میں غلط ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل۔

قصرِ سلطان کی تعمیر عظمت سلطان، یعنی معظم سلطان کے والد، مشعل اور حماس کے دادا نے کروائی تھی۔

اب حماس کا ٹھکانہ دادو کا کمرہ نہیں تھا۔ وہ اپنے الگ کمرے میں رہتا ضرور تھا، لیکن رات سونے سے پہلے مشعل کی طرح وہ بھی دادو کے پاس کچھ وقت گزارا کرتا۔ اب وہ دونوں سولہ سال کے ہو چکے تھے۔ کہانیاں سننے کا دور گزر چکا تھا، لیکن وہ اب بھی سننے پہنچ جایا کرتے۔ ایسی ہی ایک رات وہ دادو کے بستر میں دائیں بائیں انہیں گھیرے بیٹھے تھے کہ دادو نے ان دونوں کو دادا سے متعارف کرانے کا سوچا۔

"آج میں تم لوگوں کو ایک سچی کہانی سناتی ہوں۔" دادو کے اس اعلان پر انہوں نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا، آنکھوں کی چمک کچھ بڑھ گئی تھی۔ "دادا کی صرف تصویریں دیکھی ہیں، آج ملاقات کرواتی ہوں۔"

"عظمت سلطان کراچی کے نہیں تھے۔" دادو بولیں۔ "وہ سندھ کے ساحلی علاقے کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ سامنے عرب سمندر، اوپر ستاروں بھرا آسمان اور زندگی؟ بہت سادہ، بہت کڑی۔ ان کے پاس مہنگے کپڑے نہیں تھے، نہ پیٹ بھر کھانا۔ ان کے پاس بس ایک چیز تھی۔ کچھ بن جانے کی ضد۔"

سمندر کا بلایا ہوا لڑکا

دوست اور رشتے دار مذاق کرتے تھے۔ کہتے تھے، عظمت سمندر سے بات کرتا ہے، اور شاید واقعی کرتا تھا۔

وہ دن بھر ساحل پر بیٹھ کر دور کراچی بندرگاہ سے آنے والے بھاری بھرکم، شاندار جہاز دیکھتا رہتا۔ اس کے دل میں ایک خواہش جاگتی—ایسی خواہش جو اس کی غربت سے کہیں بڑی تھی۔ وہ انہیں صرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا، وہ انہیں چلانا چاہتا تھا۔

ایک دن، محض سولہ سال کی عمر میں، وہ گاؤں چھوڑ کر کراچی آ گیا۔ جیب میں پیسے نہیں تھے۔ بس ایک جھولی تھی—چند روپے اور بہت سے خواب۔

کراچی بندرگاہ نے اسے شور، دھوپ اور محنت سے خوش آمدید کہا، وہ مال بردار بن گیا۔

اس کا کام تھا وزن اٹھانا، کنٹینر زمیں سامان لادنا، اور رات کو بندرگاہ کے کھڑے پانی کے ساتھ سو جانا۔ ہاتھ چھل گئے، پٹھے کھنچ گئے، مگر آنکھوں کی چمک نہیں بجھی۔

دوسرے مزدور شام کو چائے کی دکانوں پر بیٹھ جاتے، مگر عظمت کا آٹھ بجے دفتر ہوتا تھا۔

وہ دیکھتا، سنتا، سیکھتا۔ اور اس نے وہاں ایک بات پکڑ لی۔ "یہاں سب سے بڑی کمی اعتماد کی ہے۔"

سامان گم ہو جاتا تھا۔ رکاوٹیں ختم نہیں ہوتیں تھیں۔ ہر کوئی ہر دوسرے پر شک کرتا تھا۔

ایک نوٹ بک اور سائیکل کی سلطنت

ایک دن عظمت نے اپنی محنت کی کمائی سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک اور قلم خریدا۔ اس نے لکھنا شروع کیا—ہر جہاز، ہر کارگو، ہر مالک۔

اس کی یادداشت اتنی تیز تھی کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ کوئی پوچھتا۔ "عظمت، فلاں جہاز کا سامان کہاں گیا؟" وہ فوراً جواب دیتا۔ "ویئرہاؤس نمبر سات، پیر کی دوپہر پہنچا تھا، دستاویزات کل تک مکمل ہو جائیں گی۔"

اس کی نوٹ بک بندرگاہ کی زبان بن گئی، سچائی نے اسے ایک غیر رسمی انفارمیشن ڈیسک بنا دیا۔

پھر اس نے ایک پرانی سائیکل خریدی، اب وہ صرف اطلاع نہیں دیتا تھا—حل بھی دیتا تھا۔ چھوٹے سامان خود پہنچا دیتا۔

اس کا دفتر بندرگاہ کے قریب ایک چائے کی دکان تھی، جہاں بیٹھ کر وہ اپنے "کاروان" کا حساب رکھتا تھا۔

وہ اب صرف مال بردار نہیں رہا تھا، وہ عظمت سلطان بن چکا تھا۔

پہلا جہاز اور نئی ابتدا

آہستہ آہستہ تاجروں نے اس پر بھروسا کرنا شروع کیا۔ ایک ٹرک دو بنے، دو چار۔ پھر راہبر لاجسٹکس کے نام سے ہر بڑی شاہراہ پر قافلے چلنے لگے۔

مگر اس نے صرف سڑکوں پر اکتفا نہیں کیا۔ اس نے سمندر کی طرف پھر دیکھا۔

کنٹینر جہازوں کے لیے جگہ بک ہونے لگی، اور پھر وہ دن آیا جب اس نے اپنا پہلا کنٹینر جہاز خریدا۔

جب وہ جہاز بندرگاہ پر لنگرانداز ہوا، اس پر سنہرے حروف میں لکھا تھا، مشعل۔

سلطنت کی تشکیل

جہاز رانی کی دنیا میں عظمت سلطان ایک علامت بن چکا تھا۔ وہ جو کبھی گودی کے فرش پر کھڑا تھا، اب دنیا کے بڑے شپنگ میگنیٹس کے ساتھ میز پر بیٹھتا تھا۔

راہبر لاجسٹکس اب صرف ایک کمپنی نہیں رہی تھی، یہ ایک عالمی سلطنت تھی۔

اس کے بیڑے میں وہ بحری جہاز شامل تھے جو بین الاقوامی سمندروں پر عظمت سلطان کے نام کا پرچم لہرا رہے تھے۔

عظمت سلطان نے ثابت کر دیا کہ سلطنتیں صرف تلوار سے نہیں بنتیں، بلکہ عزم، دیانت داری اور وقت پر سامان پہنچانے کی صلاحیت سے بنتی ہیں۔

ورثے کا چراغ

"عظمت نے دولت نہیں چھوڑی۔" اس نے ایک نام چھوڑا — اعتماد۔" دادو کی آواز نرم ہو گئی۔" اس نے اپنے بیٹے کو جائیداد سے بڑھ کر ایک اصولوں پر کھڑا کاروبار دیا۔"

مشعل نے بے اختیار کہا۔" لیکن دادو، کہانی تو ابھی آگے بھی ہے نا؟ بابا کی؟"

دادو مسکرائیں۔" جب عظمت بندرگاہ کی دھند میں گم تھا، تب معظم بیرونِ ملک پڑھ رہا تھا۔ وہ کاروبار کو نظام میں بدلنے کا خواب لے کر واپس آیا، وہ سمندر کو دیکھتا نہیں تھا، نقشے میں پڑھتا تھا۔ اس نے راہبر لاجسٹکس کو جدید کارپوریٹ کمپنی بنایا۔"

کہانی خلا میں اپنا تاثر چھوڑ گئی۔

حماس کچھ نہ بولا۔ وہ صرف ایک ہی بات سوچ رہا تھا۔

اس کا خواب کیا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کے سائیکولوجی بلاک میں اس وقت دوپہر اتری ہوئی تھی۔ کلاس ختم ہو چکی تھی اور طلبہ کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بے فکری سے مختلف سمتوں میں بکھر رہی تھیں۔

مہوش نے نوٹ بک بند کی، بنچ سے اٹھتے ہوئے بازو سیدھے کیے اور جیسے ہی بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا، ایک لمحے کو ٹھٹک گئی۔

بیگ وہی تھا۔۔۔ وہی فیبرک والا پرانا بیگ جس کی زِپ پر اس نے خود ہی چھوٹا سا نیلا ٹاسل باندھ رکھا تھا۔ مگر آج اس پر کچھ نیا لٹک رہا تھا۔۔۔ چمکتے میٹل کا ننھا سا سرخ دل، جس کے عین وسط میں نہایت باریکی سے ایک چھوٹا سا تالا کندہ تھا۔ دل کے کنارے ہلکے سے نوک دار تھے، جیسے معمولی خراشوں کو بھی جان بوجھ کر ڈیزائن کا حصہ بنایا گیا ہو۔

"یہ کب لگا؟" وہ خود سے سرگوشی میں بولی، جیسے جواب اسی دل سے نکل آئے گا۔

اس کے برابر کھڑی فائزہ نے چونک کر کہا۔ "کیا ہوا؟"

"یہ چارم پہلے نہیں تھا۔" مہوش نے متحمل لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے کبھی یہ لگایا ہو۔"

فائزہ جھک کر غور سے بیگ کو دیکھنے لگی۔ "اُف، کتنا پیارا ہے!"

"یہ میرا نہیں ہے۔" وہ قطعی انداز میں بولی۔

ہو سکتا ہے تم بھول گئی ہو۔" فائزہ نے بے فکری سے شانے اچکائے۔" تمہیں تو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ کون سا نوٹ کس پیج پر لکھا ہے۔"

مہوش نے ہلکا سا قہقہہ لگایا، مگر دل کے کسی کونے میں ایک مدھم سا سوال جاگ اٹھا۔

وہ ذہن میں پورا دن پلٹ کر دیکھنے لگی— صبح جب ہاسٹل سے نکلی، جب کلاس میں بیگ سائیڈ میں رکھا، جب بریک میں سب کے ساتھ کیفے ٹیریا گئی۔۔۔

"چلو۔" فائزہ نے کہا، "کیفے ٹیریا چلتے ہیں، شمع کو بھی میسج کرتی ہوں۔"

وہ دونوں آگے بڑھیں، اور مہوش نے بے خیالی میں بیگ کی زِپ پر لگا نیا دل والا چارم انگلیوں کے درمیان تھام لیا۔ ٹھنڈی دھات کا لمس عجیب سا نرم محسوس ہوا۔ اس نے چارم کو ہلکے سے گھمایا۔ پیچھے کی طرف چھوٹے حروف میں نہایت باریک سی نقش گری تھی، جو فوراً نظر میں نہیں آتی تھی۔ بس اتنا اندازہ ہوا کہ یہ کوئی عام سا ڈیزائن نہیں۔

"کیا دیکھ رہی ہو اتنی دیر سے؟" فائزہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے فوراً ہاتھ پیچھے کر لیا، جیسے خود کو پکڑے جانے سے بچا رہی ہو۔" بس ڈیزائن تھوڑا الگ سا لگا۔"

سائیکولوجی بلاک سے نکلتے ہی دائیں طرف، تھوڑے فاصلے پر سیڑھیوں کے پاس ایک لڑکا موبائل کان سے لگائے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ اس سمت نہیں تھا، مگر کبھی کبھار اس کی گردن ہلکی سی ادھر کو مڑتی، جیسے محض اتفاق ہو۔

کیفے ٹیریا کی میز پر بیٹھتے ہی اس نے کتاب نکالی، مگر ہاتھ جانے کیوں بار بار بیگ کی زِپ کی طرف کھنچتے رہے۔ وہ دل والے چارم کو دھیان سے دیکھتی، پھر خود ہی بے اختیار مسکرا دیتی۔

"ہو سکتا ہے ہاسٹل میں کسی نے لگایا ہو۔" اس نے سوچا۔ "یا شاید وہ لڑکی۔۔۔ اریبہ؟ جس سے کل بات ہوئی تھی؟

پھر بھی ذہن کے کسی کونے میں ایک سوال ابھرتا رہا۔

"اور اگر یہ کسی کا خفیہ اشارہ ہوا تو؟"

☆☆☆☆☆☆☆

اس رات ہاسٹل کے کمرے میں ایک عجیب سا سکون تھا۔ نیچے لان میں بھی شور کم ہو چکا تھا، بس کہیں دور سے ہنسی کی کوئی مدھم لہریں آتیں اور پھر دیوار سے لگ کر ختم ہو جاتی تھیں۔ حماس نے لائٹ بجھا دی، بستر پر لیٹ کر چھت کی طرف دیکھا اور بے اختیار سوچا۔

وہ ان ڈراؤنے خوابوں سے آگے نکل آیا تھا جن کا سایہ اس کے بچپن اور ابتدائی ٹین ایج کے برسوں پر چھایا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ماہرِ نفسیات سے ہونے والا اپنا آخری سیشن چلنے لگا۔

ڈاکٹر نے فائل بند کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "کافی دن ہو گئے ہیں، تم نے کسی نئے خواب کا ذکر نہیں کیا۔"

حماس نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے ہلکا سا شانہ جھٹک دیا۔ "شاید دماغ تھک گیا ہے۔۔۔ یا پھر میں ذرا سا سمجھ دار ہو گیا ہوں۔"

"خواب بند ہونا اتنا اہم نہیں، اہم یہ ہے کہ تم اب انہیں صرف خواب سمجھتے ہو، سزا نہیں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "پہلے لگتا تھا کہ سوؤں گا تو پکڑا جاؤں گا۔ اب لگتا ہے کہ جاگتے ہوئے بھی تھوڑا سا خود کو چھوڑ سکتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ "تمہیں پتا ہے، حماس، تم میرے اُن چند مریضوں میں سے ہو جو اپنے دکھ کو اس طرح بچا کر رکھتے ہیں جیسے کوئی راز ہو۔ تم نے برسوں میں بھی آدھی بات جملوں میں نہیں، خاموشی میں کہی۔"

حماس کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"تمہارے اندر جو 'الگ' ہے، وہی تمہیں عام لوگوں سے آگے لے جا سکتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ تم اسے اپنے حق میں استعمال کرو، اپنے خلاف نہیں۔"

'جس کے اندر اتنی آگ ہو، وہ یا تو خود جل جاتا ہے یا دوسروں کے لیے راستہ روشن کرتا ہے'۔ یہ ڈاکٹر کی وہ سوچ تھی جسے اس نے لبوں تک آنے سے روک لیا۔

کچھ لمحے خاموشی میں گزر گئے، پھر اس نے پوچھا۔ "اب تم کیا چاہتے ہو؟ خواب نہیں، میں زندگی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

حماس نے چہرہ ذرا سا ایک طرف موڑا، جیسے اپنے اندر جھانک رہا ہو۔ "میں چاہتا ہوں۔۔۔ جب میں کسی کو دیکھوں، تو میرا پہلا خیال یہ نہ ہو کہ میں اسے گرا دوں گا۔" وہ لمحہ بھر رکا، پھر نرم لہجے میں بولا۔ "میں چاہتا ہوں کہ جو بھی میرے قریب آئے، اسے یہ یقین ہو کہ میں اس کے لیے خطرہ نہیں ہوں۔" وہ خوابوں میں کئی بار خود کو اسی کچن کے دروازے پر منجمد کھڑا دیکھتا تھا، جہاں اس کی زندگی نے رخ بدلا تھا۔

"یہی سب سے بڑا فرق ہے۔" وہ بولی۔ "تم نے اب یہ مان لیا ہے کہ ہر سین میں تمہارا موجود ہونا بھی ضروری نہیں۔ مجرم کی جگہ نہ منصف کی۔ کبھی کبھی انسان صرف انسان ہو کر بھی جیتا ہے۔"

حماس دروازے تک گیا، رکا، اور بغیر مڑے بولا۔ "میں نے آپ کے پاس آ کر ایک بات سیکھی ہے۔"

"کیا؟"

"یہ کہ جو بات ہم خود سے کہنے کی ہمت نہیں کرتے وہ خواب بن کر ہم پر چیختی ہے۔ بہتر ہے کہ جاگتے میں تھوڑا سچ سن لیا جائے۔"

وہ ان خوابوں سے پیچھا چھڑا چکا تھا۔

یہ اس کی پہلی چھوٹی سی جیت تھی، جس کا کسی سرکاری ریکارڈ میں ذکر نہیں تھا، مگر وہ خود اسے گن رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

مرے ہر نقشِ پا پر، اک نیا اب نقش ملتا ہے

یہ کوئی مہرباں ہے یا، تعاقب میں کوئی وحشت ؟

یہ دستک ہے کسی دل کی، یا دھڑکن کا تعاقب ہے

کوئی شیدا ہے میرا، یا کوئی سایہ حصاری ہے ؟

کلاسیں ختم ہو چکی تھیں اور شہر کی فضا میں ہلکی سی تھکن گھلی ہوئی تھی جب شمع، مشعل اور مہوش نے طے کیا کہ آج وہ شاپنگ مال کا چکر لگائیں گی۔

مال کے اندر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے انہیں گھیر لیا۔ سامنے ایک لمبی راہداری تھی، دونوں طرف شیشے کی بڑی دکانیں۔ کپڑوں کی ریکوں پر رنگین نئے ڈیزائن بکھرے ہوئے تھے، کھلونوں کی دکان میں بچے شیشے کے پار ناک لگا کر کھڑے تھے۔

چلو پہلے جوتے دیکھ لیتے ہیں۔" شمع نے کہا۔ "کل تم دونوں نے کہا تھا کہ پارٹی کے لیے تمہارے پاس اچھے جوڑے نہیں ہیں۔"

تینوں جوتوں کی وسیع دکان میں داخل ہوئیں۔ دیواروں پر شیشے کی لمبی الماریاں تھیں، جن میں ہیل، سینڈل، پمپ اور کھلے جوتے خوبصورت انداز میں رکھے گئے تھے۔ درمیان میں لمبے لکڑی کے تختے تھے، جن پر نئے ڈیزائن والے جوتوں کی قطار سجائی گئی تھی۔

"میں دیکھتی ہوں کچھ مناسب ملتا ہے یا نہیں۔" شمع نے تیزی سے ریک کی طرف بڑھتے ہوئے کہا، مشعل بھی اس کے پیچھے چل دی۔

مہوش پیچھے رہ گئی۔ اس کی نظر ایک کونے میں رکھی ہوئی ہلکی گلابی رنگ کی ہیل پر جا ٹھہری، جس کے اگلے حصے پر باریک سا چمکتا ہوا پھول بنا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر جوتا ہاتھ میں اٹھایا۔ نرم چمڑا، ہلکی سی خوشبو، سول کی سطح پر چھوٹے چھوٹے ابھار جو چلنے میں آرام دیتے۔

"یہ تو بہت اچھا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "اگر فٹ آ گیا تو۔"

اس نے بیٹھ کر جوتا پہن کر دیکھا، عین اس کے سائز کا تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اس نے اپنے لباس کے ساتھ اس جوتے کو ملا کر دیکھا۔ رنگوں میں عجیب سی ہم آہنگی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کے قدموں کو اپنا لباس مل گیا ہو۔

وہ چند لمحوں کے لیے آئینے کے سامنے گھومتی رہی، پھر ہنستے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔ "میں یہ لے لیتی ہوں۔"

اس نے جوتا اتار کر دوبارہ اپنی جگہ پر رکھا اور اس سمت مڑی جہاں کچھ دیر پہلے شمع اور مشعل کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

دکان میں پس منظر کا ہلکا سا شور تھا۔ کہیں کوئی بچہ رو رہا تھا، کہیں دو عورتیں قیمتوں پر سرگوشی میں بحث کر رہی تھیں۔

مہوش نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ اسے لگا ابھی کچھ دیر پہلے شمع اور مشعل اسی دکان کے اندر تھیں، مگر اب وہ نظر نہیں آ رہیں تھیں۔

"شمع؟ مشعل؟" وہ آہستگی سے پکارتی دکان کے اندرونی حصے تک گئی مگر جواب میں صرف دکان کے ملازم کی سرسری سی نگاہ ملی۔

وہ کاؤنٹر تک پہنچی اور کہا۔ "بھائی، میں وہ والے جوتے لوں گی۔" اس نے اپنے انتخاب کی جانب اشارہ کیا اور پھر اچانک یاد آیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار پرس کی طرف بڑھا۔

اس کا دل ہلکا سا ڈوب گیا۔ "میرا پرس۔۔۔ اور موبائل۔۔۔ دونوں مشعل کے بیگ میں ہیں۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔ آج وہ صرف چھوٹا پرس لے کر نکلی تھی، جو دکان میں آتے ہی شمع کے حوالے کر دیا تھا۔

"مِس؟" کاؤنٹر پر کھڑے لڑکے نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ایک منٹ۔" مہوش نے جلدی سے کہا۔ "میں ابھی آتی ہوں۔"

دکان سے باہر قدم رکھتے ہی راہداری کا شور اچانک زیادہ محسوس ہونے لگا۔ دائیں جانب کپڑوں کی دکانیں تھیں اور بائیں طرف جیولری اور پرسوں کی قطار۔ وہ تیز قدموں سے ایک سمت چلی، پھر الجھن میں دوسری طرف مڑ گئی۔

لوگ ہر طرف تھے، مگر وہ دو مانوس چہرے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔

اس نے پھر آواز دی۔ "مشعل؟ شمع؟"

قریب سے گزرتی دو لڑکیاں چونک کر اسے دیکھنے لگیں، پھر آگے بڑھ گئیں۔ کہیں پاس ہی ایک بچہ غبارہ چھوٹنے پر رونے لگا۔ روشنی اور تیز محسوس ہونے لگی، مہوش کے دل میں ہلکی سی گھبراہٹ سر اٹھانے لگی تھی۔

"ہو سکتا ہے وہ اوپر والے فلور پر چلی گئی ہوں۔" اس نے خود کو تسلی دی۔

لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتی رہی۔ کاش کوئی ہاتھ ہلا دیتا، کوئی آواز دے دیتا، مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔

اوپر پہنچ کر اس نے بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ تقریباً ہر دکان کے سامنے سے گزری اور اندر جھانکا، مگر شمع اور مشعل کہیں نظر نہ آئیں۔

اب اس کے قدموں میں صاف اضطراب جھلک رہا تھا۔ "میرے پاس نہ فون ہے، نہ پیسے۔" وہ دل ہی دل میں خود پر خفا ہوتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"مجھے ہر چیز کسی اور پر چھوڑ دینے کی عادت ہے۔"

اچانک اس کے پیچھے سے ایک نرم سی آواز آئی۔ "آپ مہوش ہیں؟"

وہ چونک کر مڑی۔

سامنے ایک اجنبی لڑکی کھڑی تھی۔

درمیانے قد کی، سادہ قمیض شلوار میں، کندھے پر بیگ، اور چہرے پر مسکراہٹ۔

"جی؟" مہوش کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آپ کی سہیلیاں نیچے آپ کو ڈھونڈ رہی ہیں۔" اس لڑکی نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "انہوں نے بتایا کہ آپ جوتوں والی دکان کے پاس تھیں، میں اسی طرف جا رہی تھی۔ سوچا آپ کو بتا دوں کہ وہ نیچے والی راہداری میں، جوس کارنر کے پاس کھڑی آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

مہوش نے چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھا، پھر فوراً سر ہلایا۔ "شکریہ۔"

وہ تقریباً دوڑتی ہوئی لفٹ کی طرف پلٹ گئی۔

دل میں اب بس یہی خواہش تھی کہ وہ جلدی سے شمع اور مشعل کو دیکھ لے۔ نیچے پہنچ کر اس نے فوراً ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ واقعی جوس کارنر کے پاس، شمع اور مشعل کھڑی تھیں۔

"تم کہاں غائب ہو گئی تھیں؟" مشعل نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم تو سمجھ رہے تھے کہ تم ہمارے پیچھے ہی ہو۔

ایک لڑکی آئی تھی، اس نے" شمع نے بات کی وضاحت کی۔ "ہم نے سوچا یہیں رک جائیں، تم آ ہی جاؤ گی۔" "کہا کہ تم اوپر جوتوں والی دکان میں ہو۔

مہوش چونک گئی۔ "وہ لڑکی؟ اس نے تو مجھے بتایا تھا کہ تم نیچے جوس کارنر کے پاس میرا انتظار کر رہی ہو۔" تینوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔

"وہ لڑکی کیسی تھی؟" مشعل نے فوراً پوچھا۔

"درمیانے قد کی تھی، سادہ قمیض میں، کندھے پر بیگ تھا۔" مہوش نے آنکھیں سکیڑ کر یاد کرنے کی" کوشش کی۔ "چہرہ ٹھیک سے یاد نہیں، شاید جلدی میں دیکھا تھا۔

شمع نے نفی میں سر ہلایا۔ "جو لڑکی ہمارے پاس آئی تھی، وہ لمبی تھی۔ اس نے گہرے رنگ کی قمیض پہن رکھی تھی اور ہاتھ میں فائل تھی۔"

مہوش نے بے اختیار گردن گھما کر ارد گرد دیکھا۔ راہداری میں لوگ آ جا رہے تھے، شیشوں کے پار خریدار دکھائی دے رہے تھے، مگر وہ چہرہ کہیں دکھائی نہ دیا۔

"چھوڑو۔" مشعل نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "اتنا بڑا مال ہے، یہاں ہر وقت ہزاروں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، ممکن ہے کسی نے بس اچھا سمجھ کر راستہ بتا دیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے وہ ہماری ہی یونیورسٹی میں پڑھتی ہوں، ہمیں ناموں سے جانتی ہوں۔"

مہوش نے آہستگی سے سر ہلایا، مگر دل کے اندر ہلکی سی بے چینی اب بھی موجود تھی۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ بھیڑ میں کھو جانا تو آسان ہے، مگر بھیڑ میں کسی کا آپ کو ڈھونڈ لینا شاید اتنا معمولی نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

یہ محفلِ رنگ وبُو ہے یا تماشہ مری ذات کا؟

میں ڈھونڈتی ہوں خود کو، میرا نشاں کہاں ہے؟

یونیورسٹی کا تھیٹر ڈے تھا، اور اس دن کی گہما گہمی میں معمول سے ہٹ کر ایک سنجیدگی گھلی ہوئی تھی۔ سوسائٹی نائٹ کی روایتی موسیقی، قوالیوں اور مشاعروں کے بجائے اس بار ڈرامہ سوسائٹی نے ایک مکمل اسٹیج پلے رکھا تھا، جو محض تفریح نہیں بلکہ سوال بنا کر پیش کیا جا رہا تھا۔

پورے کیمپس میں اسی کی بات ہو رہی تھی۔ مین آڈیٹوریم کے باہر رنگین فلیکس لگے تھے، جن پر ڈرامے کا نام اور ایک لڑکی کا دھندلا سا چہرہ بنا ہوا تھا، جس کی آنکھوں کے سامنے مختلف نقابوں کی اوورلیپنگ تصویریں بنائی گئی تھیں۔

اندر جانے کے لیے لمبی قطار حرکت میں تھی۔

شمع، مشعل اور مہوش آڈیٹوریم کے نزدیک پہنچیں، تینوں نے آج خاص طور پر تیاری کی تھی مگر تیاری کا وزن تینوں کے دلوں پر یکساں نہیں بیٹھا تھا۔

شمع نے کاپر اور سنہری رنگ کا نہایت نفیس سوٹ پہنا ہوا تھا۔

مشعل نے گہرے نیلے رنگ کا لباس پہنا تھا جس پر باریک سنہری دھاگوں سے نقش بنے تھے۔

مہوش نے نارنجی رنگ کا فراک پہنا تھا، جس کے دامن پر پرانے طرز کا گوٹا لگا ہوا تھا۔ فراک کے گلے پر بھی ہلکی سی گوٹے کی پٹّی تھی اور آستینوں پر چھوٹے چھوٹے چمکتے پھول۔ اس کے لیے یہ لباس گھر والوں کی محبت کی نشانی تھا مگر آڈیٹوریم کے دروازے کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے جب اس نے آس پاس کی لڑکیوں کو دیکھا تو دل کے اندر کہیں ایک عجیب سی کھٹک جاگ اٹھی۔

کسی نے نرم پاسٹل رنگ کا جدید کٹ والا سوٹ پہنا ہوا تھا، کسی نے سیدھی سادی قمیض کے ساتھ بہت نفیس پتلون، کسی کے دوپٹے پر باریک جالی اور کڑھائی، کوئی تقریباً مغربی انداز کی شرٹ میں تھی۔ مقابلے کا احساس نہیں تھا مگر مہوش کو لگا جیسے وہ تصویر کے کسی اور حصے سے اٹھا کر یہاں رکھ دی گئی ہو۔ نارنجی فراک کا گوٹا اب اسے خود پر زیادہ نظر آنے لگا تھا۔

آڈیٹوریم کے اندر جانے سے پہلے وہ قریب موجود خواتین کے ریسٹ روم کی طرف مڑ گئیں۔ اندر نیم سفید ٹائلوں کی دیواریں، قطار میں بنے ٹوائلٹ، اور باہر ایک لمبی دیوار پر لگے آئینوں کے سامنے سنکوں کی لائن تھی۔ ہلکی فلورسنٹ روشنی میں ہر چہرہ تھوڑا نرم، تھوڑا دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔

مشعل آئینے کے سامنے جا کر دوپٹہ درست کرنے لگی۔ شمع نے ایک ضدی لٹ کو کان کے پیچھے کیا، لپ اسٹک کو ہلکا سا تازہ کیا اور آئینے میں مسکرا کر خود کو دیکھا۔

مہوش ان دونوں کے ساتھ کھڑی تھی مگر چند لمحوں بعد مہوش نے خود کو یوں دیکھا جیسے پہلی بار آئینہ اس سے سوال کر رہا ہو۔

وہی فراک، جسے اس نے گھر میں آئینے کے سامنے گھوم گھوم کر دیکھا تھا، آج اجنبی لگنے لگا تھا۔ گوٹے کی ہر لکیر اسے اپنی جڑوں کی یاد دلا رہی تھی—اور وہ یاد اس لمحے اسے کمزوری لگنے لگی۔ آستینوں کے پھول، دامن کی چمک، سب مل کر اس کے اندر ایک شور پیدا کر رہے تھے۔

اس نے نل کھولا، ٹھنڈا پانی ہاتھوں پر بہایا، پھر چہرے پر چھینٹے مارے۔ پانی کے قطرے جب نیچے گرے تو اس نے محسوس کیا کہ کچھ بوندیں آنکھوں کی نمی سے ملی ہوئی تھیں۔ دوپٹے کے کونے سے اس نے جلدی سے انہیں پونچھا، مگر گلے میں پھنسنے والی لکیر ابھی تک موجود تھی۔

مشعل نے آئینے میں اس کا عکس دیکھا۔ "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" مہوش نے سر جھکا کر کہا۔ "مجھے لگتا ہے میں اس جگہ کے وسط میں کھڑی ہوں، مگر اس کا حصہ" نہیں ہوں۔

"یہاں کی نہیں؟" مشعل نے سوال دہرایا۔

مہوش نے آہستہ سے کہا۔ "دیکھو نا۔۔۔" اس نے نظریں نہ اٹھاتے ہوئے بس اتنا کہا۔ "تم دونوں اتنے سلیقے سے تیار ہوتی ہو۔ ارد گرد سب کو دیکھو، سب کتنے۔۔۔" اس نے لفظ ڈھونڈا، پھر آہستہ سے کہا۔ "پُراثر لگ رہے ہیں۔ اور میں۔۔۔ مجھے لگتا ہے میں اب بھی وہیں کھڑی ہوں جہاں اپنے چھوٹے سے گاؤں کے آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی تھی۔"

مشعل نے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ دیا۔ "تم جہاں بھی ہوتی ہو، وہاں اپنی موجودگی کا احساس چھوڑ جاتی ہو—چاہے تمہیں خود اس کا احساس نہ ہو۔"

اسی دوران ایک ٹوائلٹ کا دروازہ کھلا اور شمع باہر آئی۔ اس کی نظر پہلے تو سامنے لگے آئینے پر پڑی پھر۔۔۔ مہوش کے چہرے پر لکھی کیفیت دیکھ کر وہ اس کی جانب پلٹی۔ "سب ٹھیک ہے؟"

مشعل نے مختصراً کہا۔ "اسے آج اپنا آپ سب سے مختلف لگ رہا ہے۔"

شمع نے مہوش کے فراک کو دیکھا، پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تمہیں لگتا ہے تم نے اپنی کہانی غلط صفحے پر کھول لی ہے؟" اس نے سیدھا سوال کیا۔

مہوش نے ہلکی سی ہچکچاہٹ کے بعد سر ہلا دیا۔ "ہاں، تھوڑا سا۔" اس نے اعتراف کیا۔ "جیسے میں کسی اور ہی کہانی کے صفحے سے اٹھ کر یہاں آ گئی ہوں۔"

شمع نے سنک کے کنارے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "سنو، تم یہ بات خود سے کہہ رہی ہو، کسی نے تم سے آ کر نہیں کہی۔"

مہوش خاموش رہی۔

شمع نے اس کے دوپٹے کا کنارہ ذرا سا درست کیا، گوٹے کی ہلکی سی لکیر پر انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔ "تمہیں پتا ہے؟ اس فراک میں تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ کیوں؟ اس لیے نہیں کہ اس پر گوٹا لگا ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ تمہاری اپنی کہانی سے جڑا ہوا ہے۔ ہر لباس کے پیچھے ایک گھر، ایک دعا ہوتی ہے۔ تم اس سب کو چھوڑ کر

صرف یہ دیکھ رہی ہو کہ باقی سب نے کیا پہنا ہے۔ تم ایک گاؤں سے ہو—اور یہی تمہاری طاقت ہے، کمی نہیں۔"

مشعل نے بھی اضافہ کیا۔ "تمہیں بھیڑ کا حصہ نہیں بننا، نہ ہی اس دنیا میں اپنی جگہ بنانے کے لیے تمہیں شمع یا مشعل بننے کی ضرورت ہے۔"

شمع نے ہلکا سا مسکرا کر فضا کو ذرا نرم کیا۔ "اور ویسے بھی۔" وہ بولی۔ "تمہارا فراک تمہاری پہچان کا حصہ ہے، کسی اور کے معیار کا نہیں۔"

مہوش نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ نارنجی رنگ، گوٹے کی باریک چمک، آنکھوں کے کناروں پر ابھی بھی نمی کی ہلکی سی جھلک۔

اس نے گہری سانس لی پھر آہستہ سے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے، آج کے بعد۔۔۔ کم از کم یہ کوشش کروں گی کہ خود کو اپنی آنکھ سے دیکھوں۔"۔

"بس یہی کافی ہے۔" شمع نے کہا۔

تینوں آئینے کے سامنے سے ہٹ کر دروازے کی طرف بڑھیں۔ آڈیٹوریم کی راہداری میں طلبہ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اندر داخل ہوتے ہی ہال کی ٹھنڈی ہوا نے انہیں گھیر لیا۔ سامنے اسٹیج تھا، سیاہ پردوں کے پیچھے سے کہیں کہیں روشنی جھانک رہی تھی۔ نچلی قطاروں میں طلبہ بیٹھ چکے تھے، اوپر والی قطاریں بھر رہی تھیں۔

وہ تینوں درمیانی حصے میں ایک قطار میں بیٹھ گئیں۔ چند منٹ بعد ہال کی زیادہ تر روشنیاں مدھم ہو گئیں اور اسٹیج پر پہلی بار پردہ ہٹا۔

ڈرامے کی کہانی ایک لڑکی کے گرد گھومتی تھی جو ابتدا میں بہت سادہ، اپنے حال میں خوش اور مطمئن دکھائی دی۔ پھر اس کے ارد گرد کے لوگ اسے مشورے دینے لگے۔ کوئی کہتا۔ "یوں بولو، لوگ زیادہ پسند کریں گے۔"

کوئی مشورہ دیتا۔ "ایسے کپڑے پہنو، زیادہ قبولیت ملے گی۔ "اور کوئی۔۔ "یہ شوق چھوڑ دو، اس سے تم سنجیدہ نہیں لگتیں۔ "

ہر سین میں وہ لڑکی بدلتی گئی۔

ایک سین میں وہ ماں کی مرضی کے مطابق کپڑے پہنتی دکھائی دی، دوسرے میں دوستوں کے دباؤ پر اپنی بات کا انداز بدل لیا، تیسرے میں کسی استاد کے مشورے پر اپنا پسندیدہ مشغلہ چھوڑ دیا۔

اسٹیج پر ہر تبدیلی کے ساتھ اسے ایک نیا دوپٹہ، ایک نیا اسکارف، ایک نیا انداز ملا۔

وہ مرحلہ بھی آیا جہاں وہ خود ہی آئینے کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ "میں ہوں کون؟ "مگر جواب میں آئینے سے الگ الگ آوازیں آئیں: "تم وہ ہو جو ہم چاہتے ہیں۔ "

"تم وہ ہو جو ہمیں سوٹ کرتی ہے۔ "

"تم وہ ہو جو ہمیں دکھانے کے کام آتی ہو۔ "

آخری سین میں وہ لڑکی تھک کر اسٹیج کے وسط میں بیٹھ گئی۔

اس کے گرد وہ سارے دوپٹے، اسکارف، زیور اور ماسک بکھرے ہوئے پڑے تھے جو اسے مختلف لوگوں نے پہنائے تھے۔ وہ ایک ایک چیز کو ہاتھ میں اٹھاتی، دیکھتی اور پھر انہیں اپنے سامنے زمین پر رکھتی گئی۔

آخر میں وہ بس وہی رہ گئی، جیسی وہ ڈرامے کے شروع میں پہلی بار نظر آئی تھی۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر کہنے لگی۔ "اگر میں ہر کسی کے لیے بدلتی رہوں تو پھر میرا اپنا کون سا حصہ باقی بچے گا؟ "پھر خود ہی جواب دیا۔ "اگر میں خود کو واپس نہ لوں۔۔۔ تو کوئی اور بھی مجھے لوٹا نہیں سکتا۔ "

ہال میں وہ خاموشی چھا گئی جو تالیوں سے زیادہ بھاری ہوتی ہے۔

چند لمحوں بعد تالیوں کی مدھم لہر اٹھی جو آہستہ آہستہ زور پکڑتی گئی۔
اسٹیج پر جھک کر سلام کرتی ہوئی اداکارہ کے چہرے پر سکون تھا۔

اپنے اصل لباس، اصل چہرے اور اس سکون کے ساتھ جو صرف خود کو قبول کرنے کے بعد آتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

کراچی کی ہوا اس دن ذرا مختلف تھی۔ شاید سمندر کا اثر تھا یا لمبے امتحانی ہفتوں کے بعد آنے والی پہلی آزاد سانس کا۔ جناح انٹرنیشنل کے اندر موجود مسافروں کی معمول کی چہل پہل آج حماس، مشعل، شمع اور زین کے لیے کسی چھٹی کے دن کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

وہ چیک آؤٹ سے نکل کر شیشے کی بڑی دیوار کے پاس رکے۔ باہر رن وے کی طرف جاتی روشنیوں کی قطاریں دور تک پھیلی تھیں۔ کہیں جہاز کے پروں پر لگے بلب ہلکے ہلکے جھلملا رہے تھے، کہیں زمین پر کھڑے اسٹاف کی جیکٹوں پر لگی پٹیاں۔

"خوش آمدید ٹو کراچی۔" شمع نے گہری سانس لے کر کہا، پھر خود ہی ہنسی—جیسے شہر کو آواز دے رہی ہو۔ "یہ جملہ فلائٹ اٹینڈنٹ نے اتنی بار کہا کہ اب میں بھی کہنے لگی ہوں۔"

زین نے بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے، معمول سے زیادہ خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "اصل خوش آمدید تو تب ہو گا جب حماس ہمیں بتائے گا کہ سمندر کے سب سے اچھے پوائنٹ پر کیسے کھڑے ہو کر ہوا کھانی ہے، اور مشعل بتائے گی قصرِ سلطان میں کون سا کمرہ آسانی سے بند نہیں ہوتا۔"

مشعل نے آنکھیں گھمائیں۔ "تمہیں بس بھوتوں والی باتیں یاد رہتی ہیں، کراچی میں ساحل، اونٹ، بریانی، کچھ اور بھی تو ہے۔"

حماس خاموش تھا، مگر لبوں کے کونوں پر دبی سی مسکراہٹ تھی، ایسی جو زیادہ تر اپنے شہر کے لیے ہوتی ہے۔ اپنے قصر، اپنے ماضی میں ان دو نئے، لیکن دل سے قریب دوستوں کو لے کر جانا اس کے لیے ایک عجیب سا تجربہ تھا—خوشی اور بے چینی دونوں ساتھ ساتھ۔

وہ جانتا تھا، کراچی صرف جگہ نہیں، یادوں کی پوری تہہ ہے۔

ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہی کراچی نے ان کا استقبال اپنے مخصوص، بے ترتیب مگر مانوس انداز میں کیا۔ ہوا میں نمکین خنکی، سڑک پر گاڑیوں کی مسلسل قطار، اور دور کسی نامعلوم ہوٹل سے آتی ہوئی چائے اور تلوں والی روٹی کی ملی جلی خوشبو۔ گاڑی جب ڈیفنس کی طرف مڑی تو شمع نے شیشے سے چپکی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ شہر چلتا نہیں، دوڑتا ہے۔"

"یہاں بھی رات دن سے زیادہ جاگتی ہے۔" حماس نے بس اتنا کہا۔

قصرِ سلطان کے اندر قدم رکھتے ہی ماحول یک سر بدل گیا—جیسے شہر نے سانس روک لی ہو۔

باہر کا شور، گاڑیوں کی آوازیں، ایئرپورٹ کی جگمگاہٹ، سب دروازے کے اس پار رہ گئے۔

"اوہ، واؤ۔" زین نے پورچ سے اندر آتے ہی سر اوپر اٹھا کر دیکھا۔ "یہ گھر کم ہے، پورا سیٹ ہے، کسی فلم کا۔"

شمع نے آہستہ سے انگلی سے دیوار پر لگی جالی چھوئی۔ "یہاں کی خاموشی بھی آواز رکھتی ہے۔ جیسے کوئی سب سن رہا ہو۔"

حماس نے بیگ ایک ملازم کے حوالے کیے اور سب کو اشارہ کیا۔ "چلو، اوپر چلتے ہیں۔" اس کے لہجے میں آج تھوڑی نرمی زیادہ تھی۔

رات کا کچھ حصہ گزر چکا تھا۔

نیچے ہال میں بیٹھک، چائے، ہلکی پھلکی باتیں ہو چکی تھیں۔

اب قصر کے اوپر والے حصے میں وہ چاروں چھت پر آ نکلے تھے۔ تیسری منزل کی چھت، جہاں سے شہر کی بتیوں کا ہالہ دور تک دکھائی دیتا تھا اور سمندر کی اٹھتی ہوا یہاں تک آ کر نسبتاً ٹھنڈی ہو جاتی تھی۔

چھت کے ایک طرف میز پڑی تھی جس کے گرد چند کرسیاں تھیں۔ حماس انہی میں سے ایک پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ میں دبا ہوا سگریٹ، جو دھیرے دھیرے سلگ رہا تھا۔ اس کے ارد گرد دھواں بہت باریک دائروں کی شکل میں اوپر کو اٹھتا، پھر ہوا میں کھو جاتا۔

"یہ شروع کب کیا تھا؟" زین نے بے ارادہ پوچھا۔

حماس نے کندھے ہلائے۔ "پتہ نہیں۔ کچھ چیزوں کا آغاز تاریخ کے ساتھ یاد نہیں رہتا، بس عادت کے ساتھ رہتا ہے۔"

زین نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے سگریٹ لے لیا۔ "چلو، آج میں تمہاری کسی ایک عادت میں شریک ہو کر دیکھتا ہوں۔"

مشعل نے فوراً کہا۔ "زین، چھوڑو، تمہیں عادت ڈالنے کی ضرورت نہیں۔"

"بس ایک کش۔" زین نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دیکھتے ہیں اس میں ایسا کیا راز ہے جو ہر لڑکے کو پراسرار بنا کر دکھاتا ہے۔"

اس نے سگریٹ منہ تک لے جا کر ہلکا سا کش لیا۔ دھواں حلق سے نیچے گیا تو اس کے چہرے کے تاثرات یک دم بدل گئے۔ پہلے آنکھیں پھیلیں، پھر چہرہ سرخ پڑا۔ زین بری طرح کھانسنے لگا، جیسے جسم نے فوراً احتجاج کر دیا ہو۔ کھانسی اس زور کی تھی کہ آنکھوں میں پانی آ گیا، گلا جیسے جلنے لگا ہو۔

اسی وقت سیڑھیوں سے شمع کی چپلوں کی ہلکی آواز سنائی دی۔ وہ اوپر آئی تو نظریں اس منظر سے دوچار ہوئیں—حماس خاموش، زین کھانسی سے دوہرا۔

شمع نے بنا کچھ پوچھے سیدھا زین کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔ "تم ماچو مین نہیں ہو۔" اس نے بے لچک انداز میں کہا۔ "تو بننے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟"

زین نے کھانسی کے درمیان ہنستے ہوئے کہا۔ "تجربہ کم از کم ہو گیا۔۔۔اب سب کی نظروں میں مزید بے وقوف ضرور لگ رہا ہوں۔"

مشعل ہنسی روک نہ سکی۔ "تمہیں دیکھ کر لگتا ہے فلموں کے ہیرو اگر سچ میں سگریٹ پیتے تو پہلے سین کے آخر میں ہی مر جاتے۔"

حماس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ "یہ شوق کسی پر اچھا نہیں لگتا۔" اس نے نیم سنجیدگی سے کہا۔ "تم پر تو بالکل بھی نہیں۔"

شمع نے زین کے ہاتھ سے سگریٹ چھین کر ایک طرف پھینک دیا۔ "تمہارے پاس کافی اور بے شمار فضول باتیں ہیں، جن سے ہمیں تنگ رکھ سکتے ہو، دھوئیں کی ضرورت نہیں۔"

چاروں کی ہنسی چھت کی خاموشی میں گم ہو گئی، مگر فضا ہلکی ہو چکی تھی۔ دور کہیں شہر کی بتیوں کے پار سمندر کی طرف سے آتی ہوا نے لمحے بھر کو ان کے گرد ایک نرم سا حلقہ بنا دیا۔

اس لمحے میں نہ ماضی کا بوجھ تھا، نہ مستقبل کا خوف—صرف موجودگی تھی۔

چار دوست تھے، ایک چھت اور رات، جس نے چند منٹ کے لیے سب کو ایک ہی سطح پر کھڑا کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ ہوا کا شور کسی شکاری درندے کی طرح گرجتا، کھڑکیوں سے ٹکرا کر سسکیاں بھر رہا تھا، جیسے کوئی غضبناک روح رہائی چاہ رہی ہو۔

صبح کی نیوز میں بھی بتایا گیا تھا کہ آج ایک طاقتور سمندری طوفان ساحلی علاقوں سے ٹکرائے گا۔

اندر ٹھنڈی ہوا اور چمک دار فرش، باہر نمی بھری رات اور دور کہیں سمندر کی طرف ڈوبتے جہازوں کی مدھم گونج۔ لیکن ان تمام خوفناک بیرونی آوازوں کے درمیان ایک چھوٹے سے کمرے میں الگ ہی دنیا بستی تھی ——نادان، محفوظ اور بے خبر۔ حماس پڑھائی کی میز پر بیٹھا، ایک قدیم لیمپ کی مدھم روشنی میں، انہماک سے کام کر رہا تھا۔ اس کی نظریں اپنے سامنے بکھرے آئس کریم سٹکس کے ڈھیر اور ان سے بننے والے ایک ننھے سے گھر پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے چھوٹے ہاتھ مہارت سے ایک اسٹک اٹھاتے، گلو کی بوتل سے ایک ننھا سا قطرہ لگاتے اور پھر اسے پوری احتیاط سے اپنے زیر تعمیر شاہکار کے ساتھ جوڑ دیتے۔

اس کی پیشانی پر ارتکاز کی ہلکی سی شکن تھی، جیسے وہ صرف لکڑی کے ٹکڑوں کو نہیں بلکہ اپنی تمام تر تخلیقی قوت کو اس چھوٹے سے گھر میں سمو رہا ہو۔ یہ کوئی عام گھر نہیں تھا اس کی تصوراتی دنیا کا شاہکار تھا۔ اب تک اس کی دیواریں مکمل ہو چکی تھیں، چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں، ایک ننھا سا دروازہ اور اوپر مڑے ہوئے چھت کا پینل، سب اپنی جگہ پر مکمل تھے۔ وہ اب چھت کی آخری پٹیاں لگا رہا تھا ہر اسٹک کو ایک خاص زاویے پر جوڑتا تاکہ یہ ایک حقیقی چھت کا تاثر دے۔ گلو کی ہلکی سی خوشبو کمرے کی گرم اور محفوظ فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

باہر کا طوفان جتنا خوفناک تھا، حماس کا اندرونی سکون اتنا ہی گہرا تھا۔

ہر بار جب تیز ہوا کا جھونکا کھڑکیوں سے ٹکراتا اور شیشے کے پینل زور سے بجتے، حماس کا ننھا دل ایک لمحے کے لیے تیز دھڑکنے لگتا لیکن پھر اس کی انگلیاں اور تیزی سے کام کرنے لگتیں۔ گویا وہ اس چھوٹے سے گھر کو جتنی جلدی ممکن ہو، بیرونی طوفان کے مقابلے میں ایک مضبوط پناہ گاہ بنانا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی ایک عزم، کہ چاہے باہر دنیا تہس نہس ہو رہی ہو وہ اپنی اس چھوٹی سی دنیا کو مکمل کرے گا۔

کچھ دیر قبل اس نے اپنے والدین کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا—— معمول کی ایک آخری تصویر۔

کھانے کے دوران اس نے میز پر ایک گہری خاموشی محسوس کی۔ عموماً اس کے پاپا رات کا اندھیرا پھیلنے سے قبل گھر لوٹ آیا کرتے لیکن آج وہ کچھ دیر سے آئے تھے۔ اس نے خوب سیر ہو کر سبزی کھائی اور روٹی کا آخری نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے ایک نظر اپنی ماما کو دیکھا جن کے ماتھے پر شکنوں کا جال تھا۔ ابھی اس نے یہ نوالہ نگلا ہی تھا کہ پاپا نے اسے کمرے میں جانے کو کہا۔

"یاد ہے حماس، میں نے تمہیں اتوار والے دن کیسا گھر بنا کر دیا تھا؟ آج بھی تمہارے لیے سٹکس لایا ہوں ، تمہارے کمرے میں رکھی ہیں۔ جاؤ جا کر ویسا ہی ایک گھر بناؤ۔"

اچانک اسے کچن سے کچھ گرنے کی آواز آئی۔ اس کے کمرے کے ساتھ ٹوائلٹ تھا، جس سے ماما پاپا کا کمرہ منسلک تھا، بیچ میں لاؤنج۔ فلیٹ کے آخری سرے پر چھوٹا سا باورچی خانہ تھا۔ اس کا کمرہ فلیٹ کے ایک سرے پر تھا تو باورچی خانہ دوسرے پر۔ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ باورچی خانے کو جائے یا اپنے کام سے لگا رہے۔۔۔

اچانک فلیٹ میں گھٹی گھٹی سی پکار گونجی، جو دیواروں سے ٹکرا کر اس کے دل میں اتر گئی۔

"حماس۔۔۔"

وہ اس تیزی سے کرسی سے اٹھا کہ وہ پیچھے پلٹ کر گری۔ ہاتھ بے دھیانی میں اس گھر سے ٹکرایا—اور تحفظ بکھر گیا۔ کمرے سے نکلتے ہوئے اسے اتنی فرصت تھی نہ دھیان کہ وہ دیکھ پاتا۔۔ گھر ٹوٹ چکا تھا۔

باورچی خانے کے دروازے میں پہنچا تو اس کی آنکھوں نے وہ منظر دیکھا جو تاحیات یاد رہ جانا تھا۔ آنے والی کئی اندھیری راتوں میں اسے ایک ڈراؤنے خواب کی صورت خوفزدہ کر دینے والا منظر۔

اس کی دنیا بدل دینے والا منظر۔

شاہانہ سنک کی طرف پشت کیے کچھ یوں کھڑی تھی کہ اس کا رخ اپنے بیٹے کی جانب تھا۔

عاشر کی پشت تھی۔

شاہانہ کے پیٹ میں اتارا چھرا عاشر نے باہر کو نکالا۔ یہ آواز۔

عجیب سی آواز تھی جو حماس نے سنی۔

اسی لمحے عاشر کو کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ مڑا۔

لیکن حماس اسے نہیں اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا جس کے ہونٹ آخری بار کھلے تھے، شاید وہ ایک بار پھر اسے پکارنا چاہتی تھی لیکن اس کی خواہش ادھوری رہ گئی۔ حماس پہ ٹکی اس کی آنکھوں سے روشنی کم ہوتے ہوتے غائب ہو گئی—ہمیشہ کے لیے۔

عاشر یک ٹک اپنے بیٹے کو دیکھے گیا۔ جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی ماں کے وجود کو زمین بوس ہوتا دیکھ رہا تھا۔

"حماس۔۔"عاشر نے بیٹے کو پکارا تو آواز سرگوشی کی صورت نکلی۔اس نے گلا کھنکارتے ایک بار پھر اسے پکارا۔لیکن وہ جیسے بہرا ہو چکا تھا۔عاشر نے پلٹ کر شاہانہ کو دیکھا۔"کچھ نہیں ہوا حماس۔کچھ بھی تو نہیں۔" وہ اب پینٹ کی جیب سے موبائل نکال رہا تھا۔"میں ابھی ایمبولنس بلواتا ہوں،دیکھنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس کے باپ کا فون پر بات کرنا۔وہ انتظار جو اس نے باورچی خانے کے فرش پر ماں کے وجود کے قریب بیٹھ کر کیا۔وہ اسے چھونا نہیں چاہتا تھا،کہیں سب سچ نہ ہو جائے۔یہ سب۔۔۔ایک بھیانک خواب ہی تو تھا۔

ایسا تو کبھی اس کے کسی بدترین خواب میں بھی نہیں ہوا تھا۔

زندگی میں وہی تو ہوتا ہے جس کا ہم کبھی تصور بھی نہیں کر پاتے۔

پھر خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ سب ہو چکا ہے۔اور یہ کوشش۔۔۔زندگی میں کئی بار کرنی پڑتی ہے۔

آوازیں۔افراتفری۔ایمبولنس کا عملہ۔پولیس۔

وہ وہیں بیٹھا رہا۔

ہاں وہ رویا ضرور۔

جب اس کی ماں کو سٹریچر پر لے جانے لگے۔ہچکیاں،سسکیاں۔اسی لمحے دو مہربان بازوؤں نے اسے تھاما تھا۔ایک فولادی وجود،جس نے اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے سختی سے بھینچ ڈالا تھا۔

اس فلیٹ سے نکلتے ہوئے آخری منظر اپنے باپ کو ہتھکڑیاں لگے دیکھنا تھا۔

☆☆☆

ایک سال قبل۔

وہی دریا کا کنارہ تھا——اور تایا بھتیجا، دو نسلوں کے بیچ کھڑے۔

"میرے والدین کی کہانی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ماں باپ کی محبت بھی کہیں نا کہیں مشروط ہوتی ہے۔" حماس کے الفاظ پر معظم، جو سب سنا دینے کے بعد خاموشی اوڑھے دریا کی لہروں میں گم ہو چکے تھے، تیزی سے اس کی طرف پلٹے۔ "اگر ان کے طے کردہ، پسندیدہ کھونٹے سے بندھ جاؤ، تو تعلق بھی قائم رہے گا اور وہ محبت بھی جو بچپن سے ساتھ چلتی آئی تھی۔ ورنہ۔۔۔" اس نے دونوں بازو پھیلائے، جیسے اپنے والدین کی کہانی کے دردناک اختتام کی نشاندہی کر رہا ہو۔

"جس دادی سے اتنا پیار کرتے تھے، اب کیا۔۔۔ یہ سب جاننے کے بعد ان سے نفرت کرنے لگو گے؟" ان کی بات پر حماس کے چہرے پر شاک ابھرا جیسے ان کی یہ بات اس کی توقع کے خلاف ہو۔ "زندگی میں کئی بار یہ حقیقت ہمارے سامنے ایک بلا کی صورت آن کھڑی ہوتی ہے کہ۔۔۔ ہم سے محبت کرنے والوں نے کچھ دل دُکھائے ہیں۔ کچھ لوگوں کو ایذاء پہنچایا ہے۔ پھر کیا کیا جائے، حماس؟ ان کے لیے اپنے جذبات میں ردوبدل کر دیا جائے؟" وہ رکے۔ "اور یہ کس حد تک ممکن ہے؟"

"میں نے دادو کے بارے میں ایسا کچھ نہیں کہا، نہ سوچا۔" وہ سٹپٹائے ہوئے انداز میں بولا۔

"کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے، حماس، جن سے ہم بہت پیار کرتے ہیں ان سے متعلق کوئی ایسا انکشاف سامنے آتا ہے کہ ہم ان کی شخصیت کو ایک نئی روشنی میں دیکھنے لگتے ہیں۔ اماں نے ہی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی، ورنہ ابا شاید مان ہی جاتے۔"

حماس لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا، جیسے زمین نے اچانک وزن بدل لیا ہو۔

"لیکن سب سے زیادہ میں نے انہیں ہی تڑپتے دیکھا ہے۔" معظم کی آنکھوں میں گہری اداسی اُتر آئی۔ "اس رات عاشر نے فون کر کے مجھے ہی بلایا تھا۔ ایک نئے نمبر سے کال ریسیو کرتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کال کرنے والا عاشر ہو گا۔"

حماس نے دونوں بازو اپنے گرد لپیٹے، جیسے بدن میں اترتی سردی کو روکنا چاہتا ہو۔

"اس رات سے چند دن قبل ہی اماں آدھی رات کو میرے کمرے میں آئیں۔ رات دو بجے اتنی زوردار دستک پر میں گھبرا کر اٹھا تھا۔ کہنے لگیں۔۔۔" معظم کی آواز بھرا گئی۔ "عاشر بہت یاد آنے لگا ہے، اسے کہیں سے ڈھونڈ کر لاؤ۔"

حماس کی بصارت دھندلانے لگی، جیسے ماضی حال میں گھلنے لگا ہو۔

"میں ناکام ہو گیا۔ اپنے چھوٹے بھائی کو بروقت نہیں ڈھونڈ پایا۔" سرخ آنکھیں لیے انہوں نے حماس کو دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔ "نفرت کرنی ہے تو مجھ سے کرو، حماس، کوئی سزا میرا احساسِ جرم کم کر سکتی ہے، تو وہ مجھے دو۔"

ابھی ان کے جملے بمشکل ادا ہوئے تھے کہ حماس ان سے لپٹ گیا۔

دونوں کے خاموش آنسو بہنے لگے۔

"آپ کا کوئی قصور نہیں۔" وہ ان کا کندھا بھگوتا ہوا بولا۔ "کسی کا بھی کوئی قصور ہے تو میں معاف کرتا ہوں ، کیونکہ۔۔۔زخم مجھ اکیلے کا نہیں ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

سنہری ریت پر رقصاں، وہی ہیروں کی تابانی

مری لہروں کا حاصل ہے، تری مخلص رفاقت اب

ساحل پر چمکتی ہوئی ریت، دور تک پھیلا ہوا پانی اور لہروں کا بار بار آکر واپس چلے جانا۔۔۔ جیسے کوئی ضدی بچہ ایک ہی بات دہراتا جا رہا ہو۔ کلفٹن کے اس حصے میں لوگ زیادہ تھے، مگر شور اتنا نہیں تھا کہ سمندر کی آواز دَب جائے۔

"ویلکم ٹو اصلی کراچی۔" مشعل نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "یہاں کی ہوا میں تھوڑا نمک، ریت اور ذرا سی حماقت ہمیشہ شامل رہتی ہے۔"

زین نے سن گلاسز ناک پر سرکاتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا۔ "میں حلف اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ لاہور میں اتنا پانی ایک جگہ کبھی نہیں دیکھا۔ وہاں تو نالیوں میں بھی پلاننگ کے ساتھ آتا ہے۔"

شمع نے ہنستے ہوئے اسے کہنی ماری۔ "یہاں بھی پلاننگ کے بغیر آیا تو دیکھ لینا، سیدھا تمہیں لے جائے گا۔"

وہ چاروں ریت میں دھنستے قدموں کے ساتھ آگے بڑھے۔ قریب ہی اونٹوں کی ایک قطار کھڑی تھی۔ رنگ برنگے کپڑے، گلے میں جھومتے گھنٹے۔ ایک اونٹ والا زور سے آواز لگا رہا تھا۔ "آجاؤ جی، سمندر اوپر سے

دیکھو، نیچے سے تو سبھی دیکھتے ہیں۔"

"چلو بیٹھتے ہیں۔" زین نے جوش سے کہا۔ "شمال سے آئے ہیں، کچھ تو لوکل ایکٹیویٹی کریں۔"

"تم بیٹھو۔" شمع نے فوراً ہاتھ اوپر کر دیے۔ "میں اپنی جان کے لیے کافی حرکتیں پہلے ہی کر چکی ہوں، اسے اونٹ کے موڈ پر نہیں چھوڑ سکتی۔"

مشعل نے قہقہہ لگایا۔ "میں تو بچپن سے چلی آ رہی ہوں ان کے ساتھ، میری شناسائی پرانی ہے۔"

کچھ ہی دیر میں اونٹ کی پشت پر آگے شمع اور پیچھے مشعل بیٹھی تھیں۔ اونٹ جب اٹھا تو شمع نے بے اختیار چیخ ماری اور آنکھیں زور سے بند کر لیں۔ مشعل ہنستی رہی۔ نیچے حماس اور زین ریت میں چلتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ تھے۔

"یہ نیچے سے تم دونوں اتنی دور لگ رہی ہو۔" زین نے اونٹ والے سے کہا۔ "ایک فوٹو ایسی لو، جس میں یہ دونوں چھوٹی لگیں اور میرا منہ بہت بڑا نہ لگے۔"

اونٹ سے اترنے کے بعد وہ سمندر کے کنارے چلنے لگے۔ پانی کنارے تک آ کر ان کے پیروں کے گرد جھاگ چھوڑتا اور واپس چلا جاتا۔ مشعل آگے تھی، جھکتی، ریت میں دھنسی سیپیاں اٹھاتی، ایک ایک کا رنگ اور نقش غور سے دیکھتی۔

"یہ دیکھو۔" اس نے گہرے سبز کنارے والی ایک چھوٹی سی صدف اٹھا کر شمع کے ہاتھ میں رکھی۔ "جو جیب میں جاتا ہے، وزن نہیں بڑھاتا—بس یاد بڑھ جاتی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

رات کا ساحل دن کی دنیا سے کٹ کر کسی اور ہی جہان کا حصہ لگ رہا تھا۔ دن کی چکا چوند اور شور کے بعد اندھیرے نے سب کچھ نرم سا کر دیا تھا۔ دور تک بلبوں کی لڑی تھی، ٹھیلوں کی مدھم لائٹس، اور بیچ میں کالا چمکتا ہوا پانی۔۔۔ جس پر کبھی کسی کشتی کی روشنی ایک لکیر بنا کر گزر جاتی تھی۔ لہروں کی آواز مسلسل تھی، کبھی قریب، کبھی دُور—— جیسے سمندر خود سانس لے رہا ہو۔

چاروں ریت پر ننگے پاؤں چل رہے تھے۔ ہوا تیز تھی، بال بار بار چہرے پر آ رہے تھے، دوپٹے اُڑ رہے تھے۔

"رات والا سمندر زیادہ اصلی لگتا ہے۔" شمع نے کہا۔ "دن میں تو لگتا ہے کوئی سیر یلز کا اوپننگ شاٹ چل رہا ہے۔"

"سیر یلز میں اتنا نمک نہیں ہوتا۔" مشعل نے جواب دیا۔ "وہ تو یہاں کی ہوا نے ہی رکھا ہوا ہے۔"

ریت کہیں نرم تھی، کہیں سخت۔ وہ باتوں میں مگن آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک زین کا پاؤں کسی چھپے ہوئے چھوٹے سے گڑھے میں اٹکا اور وہ معمولی سا لڑکھڑایا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا موبائل اچھل کر آگے کی طرف جا گرا۔

"اوئے۔۔۔ میرا فون!" اس نے ایک دم جھک کر ریت کھرچنی شروع کر دی۔ اندھیری ریت میں، لہر کے قریب، موبائل فوراً نظر نہیں آیا۔

"میں نے کہا تھا، سامنے دیکھ کر چلو۔" شمع نے ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تم ہر وقت ڈائیلاگ دے رہے ہوتے ہو، انجام یہی ہونا تھا۔"

"طعنے بعد میں، پہلے فون ڈھونڈو۔" زین نے ریت میں گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر سمندر نے

اسے قبول کر لیا، تو میری سوشل لائف ختم ہو جائے گی۔"

مشعل نے فوری طور پر موبائل کی ٹارچ آن کی، حماس نے بھی اپنا فون نکال کر روشنی نیچے کی۔

چاروں جھک گئے، ٹارچوں کے دائرے ریت پر بنتے بگڑتے رہے، اور بے قراری ایک ساتھ سانس لینے لگی۔

"یہ رہا!" حماس نے چند سیکنڈ بعد خوشی سے کہا، موبائل آدھا ریت میں دبا ہوا تھا۔ اس نے اٹھا کر زین کی طرف بڑھایا۔ اسکرین پر ریت لگی تھی، مگر چل رہا تھا۔

"اللہ تیرا شکر ہے، اب میں واٹس ایپ گروپوں سے الگ نہیں زین نے سینے سے لگا کر ڈرامائی انداز میں کہا۔ ہوں گا۔"

"یہ تمہاری سب سے بڑی دعا ہے؟" شمع نے مصنوعی افسوس سے سر ہلایا۔ "میں سمجھتی تھی، تمہاری کوئی اور بھی آرزو ہو گی۔"

لہریں ان کے قدموں سے اٹھکیلیاں کرتی رہیں۔

پھر ایک لہر باقی سب سے ذرا مختلف اُٹھی۔

وہ دور سے اُٹھی، باقی لہروں سے ذرا اونچی، اور جب کنارے کے قریب آ کر ٹوٹی تو جھاگ کے ساتھ ایک موٹی، سرخ رنگ کی پلاسٹک کی بوتل ریت پر آ لگی۔ بوتل آدھی ریت میں دھنس گئی، آدھی باہر رہی، اور لہر واپس جاتے ہوئے اسے چھوڑ گئی۔

جیسے کسی نے جان بوجھ کر کوئی چیز ساحل کے سپرد کی ہو اور پھر خاموشی سے لوٹ گیا ہو۔

"دیکھو۔۔۔ یہ تو گویا سیدھی ہمارے پاس ہی آئی ہے۔" مشعل نے چونک کر بوتل کی طرف دیکھا۔ اس نے بوتل کو ریت سے نکالا، پانی کے چند قطرے اب بھی اس کی دیواروں سے بہہ رہے تھے۔ ڈھکن مضبوطی سے

بند تھا، اندر کچھ تھا جو روشنی میں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"کوئی مشروب نہیں لگ رہا۔" زین نے قریب آکر اندازہ لگایا۔ "وزن الگ سا ہے۔"

شمع نے بوتل کو غور سے دیکھا۔ "یہاں اندھیرے میں کھولنے کا دل نہیں کر رہا۔ اگر کچھ خاص ہوا تو ریت ہی کھا جائے گی، چلو کہیں اوپر روشنی میں دیکھتے ہیں۔"

حماس نے بوتل مشعل کے ہاتھ سے لے کر اسے الٹا سیدھا کیا۔ اندر سے ہلکی سی کھڑ کھڑاہٹ کی آواز آئی، جیسے کاغذ یا کوئی سخت چیز ہو۔ "چلو اوپر بنے ہوٹل کی طرف۔ اس نے مختصر کہا۔ "کم از کم وہاں میز ہو گی، روشنی ہو گی، ہاتھ بھی ٹھیک سے کام کریں گے۔"

ساحل کے ساتھ اوپر کی جانب سیڑھیاں تھیں، جو ایک ہوٹل کے کھلے برآمدے تک جاتی تھیں۔ اوپر پہنچ کر فضا بدل گئی۔ ریت کی خوشبو کے ساتھ اب چائے اور قہوے کی بھاپ ملی ہوئی تھی۔ لکڑی کا فرش، دیواروں پر پانی اور کشتیوں کی تصویریں، چھت سے لٹکتے لیمپ جن کی روشنی ہر میز کے گرد نرم سا دائرہ بنا رہی تھی۔ باہر کا شور یہاں آکر دھندلا سا ہو جاتا تھا۔ بس لہروں کی مدھم گونج اور برتنوں کی ہلکی کھنک باقی رہ جاتی تھی۔

انہوں نے کنارے کے قریب ایک میز سنبھال لی، جہاں سے شیشے کی ریلنگ کے پار نیچے سمندر اب بھی دکھائی دے رہا تھا۔ مشعل نے بوتل میز پر رکھی۔ چاروں اس کے گرد ذرا جھک گئے، جیسے بوتل نہیں، کوئی راز میز پر رکھا ہو۔

اس کا ڈھکن تو لگتا ہے برسوں سے نہیں کھلا۔" شمع نے آہستہ سے کہا۔ "یوں لگ رہا ہے جیسے خود بوتل بھی نہیں چاہتی ہم اسے کھولیں۔"

زین نے آستین اوپر کر کے بوتل پکڑی، دھیان سے گھمانے لگا۔ حماس نے اس سے بوتل لی۔ یہ قریباً ایک لیٹر

کی بوتل تھی جس پر کوئی لوگو یا نشان نہیں تھا۔ آخر کار حماس نے ایک ہاتھ سے بوتل کو نیچے سے تھاما، دوسرے ہاتھ سے ڈھکن کو مضبوط گرفت میں لیا۔ دو تین بار زور لگایا تو ڈھکن نے ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ ہار مان لی اور کھل گیا۔ نمک، نمی اور پرانے وقتوں کی ملی جلی بو ذرا سی باہر آئی۔

حماس نے بوتل کو آہستگی سے الٹا کیا۔ اندر سے لپٹا ہوا خاکی رنگ کا ایک پرانا کاغذ میز پر سرک کر آ گرا۔ کاغذ کے کنارے تھوڑے سے ٹوٹے ہوئے تھے۔ تہوں پر نمی کے نشان تھے اور اس کی سطح پر وہ مخصوص مٹیالا پن تھا جو صرف زمانہ چھوڑتا ہے۔

انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہ۔۔۔ خط لگتا ہے۔" مشعل نے سرگوشی میں کہا۔

میز پر لیمپ کی روشنی میں کاغذ کی ابھری ہوئی تہیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ حماس نے احتیاط سے تہ کے کونے کو پکڑا۔ کمرے کی فضا چند لمحوں کو اور بھی خاموش ہو گئی، جیسے ہوٹل کی سب آوازیں پیچھے ہٹ کر اس پرانے کاغذ کی سرگوشی سننے لگ گئی ہوں۔

سب سے اوپر ایک سطر لکھی ہوئی تھی۔

"یہ خط جس کے بھی ہاتھ لگے، اگر وہ بھی پانچ ہوں اور ان میں اتنی ہمت ہو کہ وہ ایک دوسرے کو گرانے کے بجائے تھامنے کا عہد کریں، تو وہ اس کاغذ کو دوبارہ پڑھ کر اپنے نام اس کے نیچے لکھ سکتے ہیں۔ دوست بدل سکتے ہیں، زمانہ بدل سکتا ہے مگر ساتھ دینے کا وعدہ نہیں بدلنا چاہیے۔"

یہ عام ملی، مشین کا نہیں، ہاتھ کا بنا ہوا پرانا کاغذ تھا—وہی جسے کبھی "کاغذِ ریزہ" کہا جاتا تھا، جو روئی اور دوسرے ریشوں کو پانی میں گھول کر، لکڑی کے سانچوں میں جما کر بنایا جاتا تھا۔ اس کی سطح ہلکی سی کھردری تھی، بالکل

ہموار نہیں، جیسے کسی نے باریک کپڑے کو خشک کر کے پھیلا دیا ہو۔ رنگ خالص سفید نہیں، ہلکا بھورا اور پیلاہٹ لیے ہوئے تھا، جیسا رنگ وقت اور نمی مل کر پرانے سرکاری رجسٹروں اور کھاتوں کے صفحوں کو دے دیتے ہیں۔

اس پر لکھی ہوئی روشنائی بھی عام سیاہی نہیں تھی۔ حروف کی رنگت سے صاف پہچانا جا سکتا تھا کہ یہ وہی "لوہے کی سیاہی" ہے جو برصغیر میں برسوں استعمال ہوتی رہی—جس میں لوہے کے زنگ آلود برادے، ہڑ، اور دیگر پھلیوں کے چھلکے، اور صمغِ عربی (گوند کیکر) ملائی جاتی تھی۔ ایسی سیاہی شروع میں نیلگوں سیاہ ہوتی ہے، پھر آہستہ آہستہ سبزی مائل سیاہ اور آخر میں مٹیالے بھورے رنگ میں بدل جاتی ہے، مگر حرف مٹتے نہیں، کاغذ کے اندر اتر جاتے ہیں۔ یہاں بھی ہر سطر میں یہی عمر رسیدہ سیاہی سانس لے رہی تھی۔

"میں، پہلا دستخط کرنے والا، اُس قسم کا دوست ہوں جو ہر گروپ میں کم از کم ایک ضرور ہوتا ہے—ہمیشہ دیر سے آتا ہے، مگر آتا ضرور ہے۔ میرا خاص کمال یہ ہے کہ جس دن سب کا موڈ خراب ہو، میں کوئی نہ کوئی ایسی بے موقع بات کر دیتا ہوں کہ ہنسی نکل ہی جاتی ہے، چاہے بعد میں سب کہیں، یہ کیا بول گیا۔"

"میں، دوسرا دستخط کرنے والا، وہ دوست ہوں جو سب کی تصویریں بناتا ہے مگر خود اکثر تصویر سے غائب رہتا ہے۔ میرے پاس ہر ایک کی اچھی، بری، عجیب سب شکلوں کا ریکارڈ ہو گا، مگر جب کبھی کوئی مشکل آئے گی تو سب سے پہلے میں ہی چہرے پڑھ لوں گا۔ میں نے اپنے ذمے یہ کام لیا ہے کہ جب کوئی دوست خود کو معمولی سمجھے، میں اسے وہ تصاویر یاد دلاؤں گا جن میں وہ سب سے زیادہ جیتا جاگتا لگ رہا تھا۔"

"میں، تیسرا دستخط کرنے والا، اُس قسم کا دوست ہوں جو ہر چیز کا پلان بناتا ہے اور پھر اکثر خود ہی اُسی پلان سے بھٹک جاتا ہے۔ میری ذمہ داری یہ ہے کہ اگر ہمارے ساتھ کبھی بوریت چلنے لگے تو میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر اسے

کسی اور گروپ کے پاس چھوڑ آؤں۔ میرے پاس آئیڈیاز کی بہتات ہے۔"

"میں، چوتھا دستخط کرنے والا، وہ دوست ہوں جو باہر سے بہت سنجیدہ، ناپ تول کر بولنے والا نظر آئے گا لیکن اندر سے سب سے زیادہ ہنسی اسی کو آتی ہے۔ میں کم بولوں گا، مگر جب بولوں گا تو یا تو سب کو سوچ میں ڈال دوں گا یا خود پر ہی چھک اٹھوں گا۔ میں نے اپنے لیے یہ فرض کر رکھا ہے کہ جب باقی سب ایک دوسرے کو غلط سمجھنے لگیں تو میں آہستہ سے دونوں طرف کا ترجمان بن کر لڑائی کے بیچ سے صلح کی کوئی راہ نکال لوں۔"

"میں، پانچواں دستخط کرنے والا، ہمارا آفیشل خاموش تماشائی ہوں—لیکن صرف اُس وقت تک، جب تک کوئی حد پار نہ کرے۔ میں کونے میں بیٹھ کر سب کچھ دیکھتا رہوں گا، جب کسی کو واقعی سہارا چاہیے ہو گا تو میں درمیان میں آجاؤں گا، چاہے بعد میں واپس کونے میں چلا جاؤں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کبھی سب لوگ ایک دوسرے کو چھوڑ بھی دیں تو میں اتنی دیر تک بیچ میں کھڑا رہوں گا کہ کسی ایک کو تو یاد آ ہی جائے کہ ہم نے ایک ساتھ ہنسنا شروع کیا تھا، اکیلے نہیں۔"

پہلے شمع اور مشعل نے پڑھا، پھر زین اور حماس نے۔ چاروں کے چہروں پر مسلسل مسکراہٹ تھی۔ مشعل بولی۔ "دستخط مہوش کی موجودگی میں ہی ہو سکتے ہیں۔"

"میرے پاس آئیڈیا ہے۔" شمع نے چٹکی بجائی۔ "ابھی ہم نہیں جانتے کس کا اس فرینڈشپ گروپ میں کیا کردار ہے۔ جب ہم میں سے کوئی تین افراد راضی ہو جائیں کہ ہاں ہم تیار ہیں تو ہم سب اس پر اپنا تعارف لکھ کر دستخط کریں گے۔ اور پھر سمندر میں بہا دیں گے شاید کچھ عرصے بعد کسی اور کو مل جائے۔"

"کاغذ نیا ہو گا، یہ نہیں۔" زین فیصلہ کن انداز میں بولا۔ "میں اس کے لیے کسی خاص کاغذ کا انتظام کروں گا۔"

"میں روشنائی کا۔" شمع نے ٹھوس لہجے میں اعلان کیا۔

"بوتل میری طرف سے۔" مشعل بولی۔

"یہ قدیم کاغذ اور بوتل حاصل کرنے کا اعزاز کس کو ملے گا۔"

"شمع کو۔" زین جلدی سے بولا۔

مشعل اور حماس نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

زین بھی نا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ جب تحفہ کوئی بخشے، تو اک تاریخ لاتا ہے

جو بس اک بار ملتا ہے، جوہر اک کا نہیں ہوتا

موہٹہ پیلس میں شام اتر رہی تھی۔ سورج کی آخری سنہری کرنیں گلابی پتھر کی دیواروں پر پھسلتی ہوئی یوں محسوس ہو رہی تھیں جیسے وقت خود ذرا سست پڑ گیا ہو۔ کراچی کی تیز رفتار، بے رحم سانسیں یہاں آ کر تھم سی جاتی تھیں۔ یہ جگہ شہر کی یادداشت تھی—ایک ایسا مقام جہاں تاریخ اب بھی سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

مشعل سیڑھیوں کے پاس کھڑی عمارت کی محرابوں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک خاموش سی سنجیدگی تھی۔

"کراچی مجھے ہمیشہ دو چہروں والا لگتا ہے۔" وہ ذرا رکی۔ "ایک شور، دوسرا سکوت۔"

حماس نے اس کے پہلو میں کھڑے ہلکا سا سر ہلایا۔

"اور دونوں ہی سچے۔"

لان کے دوسرے سرے سے زین اور شمع ان کی طرف بڑھے۔ شمع کے ہاتھ میں موہٹہ پیلس کی گیلری سے لیا گیا بروشر تھا، جس کے کونے وہ لاشعوری طور پر مروڑ رہی تھی، جیسے کسی خیال میں الجھ گئی ہو۔

یہ جگہ مجھے عجیب طرح سے بے چین کر دیتی ہے۔" وہ چاروں طرف دیکھنے لگی۔ "جیسے یہ ہم سے سوال کر" "رہی ہو کہ ہم نے اپنے شہروں کے ساتھ آخر کیا کیا۔

زین نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔" یا یہ پوچھ رہی ہو کہ ہم نے انہیں کتنا سمجھا ہے۔"

وہ چاروں لان کے ایک نسبتاً سنسان گوشے میں رُک گئے، جہاں سایہ دار درختوں کی چھاؤں گہری تھی۔

زین نے اپنے بیگ کی زپ کھولی اور ہموار، سخت کاغذ میں لپٹا ہوا پیکٹ نکالا۔

"شمع۔" زین نے پیکٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

شمع نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔" کیا مطلب؟"

"کھولو۔"

شمع نے احتیاط سے لپیٹے ہوئے کاغذ کی تہیں کھولیں۔ اندر ایک نفیس فریم میں بند قدیم کراچی کا ہاتھ سے بنایا ہوا نقشہ تھا—— برطانوی دور کا۔ جس میں بندرگاہ، ایمپریس مارکیٹ، پرانا صدر، اور مزارِ قائد سے پہلے کا کراچی دکھایا گیا تھا۔ نقشے کے کناروں پر ہلکے ہلکے اردو اور انگریزی نوٹس درج تھے۔

"یہ۔۔"چند لمحوں کو اسے سمجھ نہ آئی کیا کہے۔"یہ تو بہت پرانا ہے۔"

"بوہری بازار کی ایک چھوٹی سی دکان سے ملا۔"

"بوڑھا آدمی تھا۔ کہہ رہا تھا کہ شہر بدل جاتے ہیں، مگر ان کے نقشے سچ بولتے رہتے ہیں۔"

مشعل نے جھک کر نقشے کو دیکھا۔"یہ تحفہ نہیں ہے، یہ تو شناخت ہے۔"

اینتھروپولوجی یہی سکھاتی ہے۔"حماس کی نگاہ نقشے پر ٹھہری رہی۔"کہ جگہیں صرف زمین نہیں ہوتیں، وہ انسانوں کی یادوں سے بنتی ہیں۔"

میں نے کبھی کراچی کو یوں نہیں دیکھا تھا۔"شمع نے آہستہ سے فریم سینے سے لگالیا اور جذب سے آنکھیں موندلیں۔"جیسے یہ بھی کسی کا گھر ہو سکتا ہے۔۔۔میرا بھی۔"

""بس یہی دینا تھا۔"زین نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔"شہر کو ایک تحفے کی طرح۔"

لان میں کچھ لمحے خاموشی رہی۔ ہوا نے درختوں کے پتوں کو ہلایا، جیسے شہر خود اس لمحے کا گواہ ہو۔ وہ چاروں مختلف کہانیوں کے لوگ—لیکن اس شام، اس جگہ، ایک ہی نقشے میں بندھے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کا دوسرا پہر تھا۔ سورج نیچے کی طرف جھکنے لگا تھا، بندرگاہ کی طرف سے آتی روشنی اب سیدھی نہیں، ترچھی ہو کر کرینوں اور کنٹینروں کے کناروں پر پڑ رہی تھی۔

"راہبر ٹرمینل" کی تختی گیٹ پر جھلملا رہی تھی۔

گیٹ کے اندر قدم رکھتے ہی شور نہیں، ایک پر سکون ترتیب محسوس ہوئی— بڑے بڑے رنگین کنٹینر، لمبی قطاروں میں کھڑے ٹرک، کرینیں آہستہ اوپر نیچے ہو رہی تھیں، اور درمیان میں چھوٹے چھوٹے لوگ، تیز قدم، ہاتھوں میں واکی ٹاکی، ہر کسی کی آنکھوں میں جاگی ہوشیاری، جو یارڈ کو جیتی جاگتی مشین کی طرح منظم کر رہی تھی۔

حماس، مشعل، شمع اور زین اندر داخل ہوئے۔

سیکیورٹی گیٹ پر کارڈ اسکین ہوا، جیسے کسی خفیہ دروازے کو کھولا جا رہا ہو۔ فلورِانچارج تیزی سے ان کی جانب بڑھا، واکی ٹاکی ہاتھ میں، گردن میں کارڈ، آنکھوں میں ہوشیاری—وہ نظر، ہر حرکت پر نگاہ رکھ رہی تھی۔

"معظم صاحب نے بتایا تھا کہ آپ لوگ آ رہے ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "پہلے اوپر پلیٹ فارم سے دیکھتے ہیں، پھر نیچے چلیں گے۔"

وہ ایک اونچے پلیٹ فارم پر چڑھے، جہاں سے پورا یارڈ اوپر سے دکھائی دیتا تھا۔

دائیں جانب لمبی قطار میں ٹرک کھڑے تھے، ہر ٹرک کے پیچھے جڑا کنٹینر۔ کچھ پر بیرونِ ملک کمپنیوں کے نام، کچھ پر راہبر کے اپنے نشان۔ بائیں طرف ریل کی پٹڑیوں پر چلتے پلیٹ فارم، اوپر سے کنٹینر اٹھاتی کرینیں، جو سکون سے اوپر نیچے جا رہی تھیں مگر اُن کی رفتار کے پیچھے سیکنڈوں اور منٹوں کا حساب چھپا ہوا تھا۔

"یہ سب اندرونِ ملک کے لیے ہیں۔" فلورِانچارج نے دائیں طرف اشارہ کیا۔ "یہ لاہور، فیصل آباد، پشاور، کوئٹہ۔۔۔ جہاں جہاں راستہ ہو، وہاں تک جاتے ہیں۔"

پھر بائیں طرف دکھاتے ہوئے بولا۔ "اور یہ براہِ راست بحری جہازوں کی طرف۔ یہاں سے اُترنے والا مال کبھی گودام، کبھی اگلے جہاز، کبھی سیدھا سڑک پر جاتا ہے۔ ہر چیز کی اپنی منزل ہے، ہماری ذمے داری ہے

وقت پر پہنچے۔"

شمع نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گردن ہلائی۔"یہی اہم ہے۔"

زین نے آہستہ سے کہا۔"یہاں ہر چیز حرکت میں ہے۔بس کوئی چیخ نہیں رہا کہ میں اہم ہوں، شور مچائے بغیر اپنا کام۔"

سیفٹی اِنچارج اب آگے آیا۔"چلیں، جہاز بھی دیکھتے ہیں۔"اس نے کہا۔"لیکن پہلے ایک بات سمجھ لیں۔" پلیٹ فارم سے نیچے اترتے ہی اس نے فرش پر بنی پیلی لکیر کی طرف اشارہ کیا۔"یہ لکیر آپ کی حد ہے۔اس کے آگے صرف وہ عملہ جاتا ہے جس کے پاس ہیلمٹ، جیکٹ اور اجازت ہو۔جہاں بھی جائیں، اسی کے اندر رہیں۔منظر بھی دیکھنے کو ملے گا، حفاظت بھی رہے گی۔"

آگے پانی کے اوپر نکلا ہوا لوہے کا راستہ تھا۔مضبوط ڈھانچہ، دونوں طرف موٹی ریکنگ، فرش پر لوہے اور لکڑی کی چادریں جن پر ہر چند قدم پر پیلی نشانیاں بنی تھیں۔نیچے گہرا سبز پانی جس پر شام کی روشنی ٹوٹ کر تیر رہی تھی اور سامنے ایک بڑا کنٹینر جہاز، جس کے اوپر دھیرے دھیرے لادا اور اتارا جا رہا تھا۔

"یہ سب اگر نقشے پر بناؤں تو چند لکیریں بنیں گی۔"مشعل ریکنگ کے پاس آ کھڑی ہوئی، نیچے جہاز کو دیکھنے لگی۔اس نے آہستگی سے کہا۔"یہاں آ کر پتا چلتا ہے کہ ہر لکیر کے پیچھے کتنے لوگ ہیں، کتنے وزن ہیں۔"

وہ سب چلتے ہوئے درمیانی حصے تک آئے۔

اس نے موبائل نکالا اور تصاویر بنانے لگی۔پہلے وہ پیلی لکیر کے بالکل پیچھے ہی کھڑی رہی، پھر بہتر زاویہ ڈھونڈنے کے شوق میں ریکنگ کے ساتھ دو قدم آگے بڑھی۔اس کا دھیان منظر پر تھا، فرش پر بنی لکیر پر نہیں۔

اسی لمحے اوپر سے کرین کا بازو، خالی ہُک کے ساتھ، پل کی سطح کے چند فٹ اوپر سے گزرا۔ لوہے کی زنجیروں کی جھنکار اور ہلکی سی ہوا کے جھٹکے نے فضا میں ایک لمحے کے لیے سختی بھر دی۔ نیچے کھڑے کسی کا دل زور سے دھڑکا، ہُک کی دھات کی ٹھنڈی چھاپ زمین پر محسوس ہوئی، اور لمحے بھر کے لیے ہر شخص نے سانس روک لیا، بغیر چھوئے وزن کا احساس دل میں اتر گیا۔

"پیچھے آؤ۔" حماس نے صاف اور فوری لہجے میں کہا۔ وہ تیزی سے اس کے برابر آیا، حماس نے اسے جھٹکے سے کھینچا نہ شور کیا۔ بس اپنے قدم مضبوطی سے پیلی لکیر کے اندر رکھتے ہوئے جمائے۔۔۔ اپنا بازو اس کے اور ریکنگ کے بیچ لا کر ہلکے سے اسے ساتھ اندر کی طرف دھکیل دیا۔

اگلے ہی پل خالی ہُک ان کے سروں کے اوپر سے گزر کر جہاز کی سمت چلا گیا۔

مشعل نے اُوپر نگاہ ڈالی، پھر نیچے پانی کی گہرائی دیکھی اور پہلی بار محسوس کیا کہ وہ چند ثانیے پہلے کہاں کھڑی تھی۔

"یہاں سے بھی پوری تصویر آ جائے گی۔" حماس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "بس دو قدم پیچھے رہ کر لو، فریم کم نہیں ہو گا۔"

مشعل نے مختصر سا "اچھا" کہا اور پیچھے ہو کر دوبارہ موبائل سیدھا کر لیا۔ زین جو پیچھے سے آ رہا تھا۔۔۔ اُس نے اوپر کرین، نیچے پانی اور بیچ میں پیلی لکیر کو ایک نظر دیکھا، پھر پُرمزاح انداز میں بولا۔ "زیادہ قریب جا کر ہیرو بننے کی ضرورت نہیں، یہاں دور رہ کر بھی منظر صاف دکھائی دیتا ہے۔"

سیفٹی اِنچارج نے سر ہلایا۔ "لکیر کسی کمزوری کی نہیں، حکمت کی نشانی ہے۔" وہ بولا۔

وہ پل سے واپس یارڈ کی طرف لوٹنے لگے۔ٹرک اب بھی قطاروں میں آگے بڑھ رہے تھے، کرینیں اپنی مخصوص رفتار میں اوپر نیچے کی حرکت کر رہی تھیں اور اس ساری ترتیب کے بیچ حماس خاموش چل رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

یہ گھر شہر کے معمولی نقشوں سے ہٹ کر ایک گوشے میں کھڑا تھا۔دور سے دیکھو تو یہ بھورے پتھروں کا بنا ہوا، کھنڈر نما قلعہ لگتا، جسے دیکھ کر دل میں ایک بے نام سا تجسس جاگ اٹھتا۔

اس عمارت کے بارے میں باتیں کم اور کہانیاں زیادہ مشہور تھیں۔کوئی کہتا جب یہ پہلی بار بنا تو اس کے ایک گوشے میں کسی لاش کو خفیہ طور پر دفنایا گیا تھا؛ کسی کا ماننا تھا کہ جنگ کے زمانے میں اسے زخمیوں کے عارضی ہسپتال کے طور پر استعمال کیا گیا اور کئی زخمی یہاں سے زندہ نہیں نکل سکے۔کچھ برس پہلے تک یہاں مختلف کرائے دار آ کر رہے مگر ہر فیملی چند ماہ سے زیادہ نہ ٹھہر سکی۔ہارون کمال کے تایا نے بھی اسے کبھی مستقل گھر کے طور پر اختیار نہیں کیا، بس کاغذوں میں پتے کے طور پر رکھا اور پھر بیرونِ ملک جا بسے۔اب برسوں سے یہ حقیقتاً خالی پڑا تھا۔

سب کو صرف اتنا معلوم تھا کہ ہارون کے تایا کی فیملی بیرون ملک مقیم ہے اور یہ۔۔۔کہ یہ مکان کبھی کسی کو راس نہیں آیا۔

اب کی بار فرق یہ تھا کہ ہارون کمال جانے کس طرح اس کی چابی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اسے یہ خیال بہت اچھا لگا کہ ایک ایسی ویران، کہانیوں سے لدی جگہ پر دوستوں کی "ایکسکلوسِو پارٹی" رکھی جائے جہاں نہ بجلی ہو، نہ پڑوسی، نہ کوئی اور مزاحمت یا مداخلت۔

اندر قدم رکھتے ہی خاموشی نے سب کے کانوں اور دلوں پر قبضہ جما لیا۔بڑا دروازہ کھلتے ہی راہداری میں بوسیدہ

قالین، دیواروں پر نم زدہ دھبے، اور لٹکتے فانوس نظر آئے جن میں بلب نہیں تھے، اور ہر قدم پر فرش کا سکڑنا اور چیچپاہٹ سنائی دی۔

بجلی برسوں پہلے کاٹی جا چکی تھی اس لیے روشنی کے لیے الگ سے انتظام کیا گیا تھا۔ مختلف گوشوں میں لالٹینیں رکھی گئیں، کچھ جگہوں پر موٹی موم بتیاں جل رہی تھیں جن پر شیشے کے گلوب چڑھا دیے گئے تھے اور ستونوں کے گرد رنگین قمقموں کی لڑیاں لپیٹ دی گئی تھیں جو بیٹریوں یا چھوٹے جنریٹر سے جھجکتی ہوئی روشنی دے رہی تھیں۔ سننے میں آیا تھا کہ ہارون کمال اس گھر کو گاتھک فضا میں سانس لیتا دیکھنا چاہتا تھا۔

ڈرائنگ روم سب سے زیادہ روشن تھا۔ درمیان میں لمبا میز، جس پر چکن نگٹس، سینڈوچز، فرائز، سوڈا بوتلیں، ڈِپس اور میٹھے بسکٹ صف بندی کے ساتھ رکھے گئے تھے۔ سب کچھ باہر سے تیار حالت میں منگوایا گیا تھا، کچن میں کچھ پک نہیں رہا تھا، بس پلیٹیں بدل بدل کر میز پر رکھی جا رہی تھیں۔ تین ملازم، جو ہارون اپنے گھر سے ساتھ لایا تھا۔۔۔ چپ چاپ آ جا رہے تھے؛ ایک نئی ٹرے رکھتا، دوسرا خالی پلیٹیں سمیٹتا، تیسرا بس ہاتھوں کے اشاروں سے اگلے احکامات سمجھا رہا ہوتا۔

اس بڑے کمرے کے ایک طرف پردوں کے پیچھے سے پرانی کھڑکیوں کی لکڑی جھانکتی تھی، نیچے کہیں کہیں سے جالے ابھی تک نہیں ہٹے تھے۔ دیواروں پر کہیں تصویر کے خالی فریم ٹنگے تھے۔۔۔ اندر تصویریں نہیں تھیں، صرف خالی پیلاہٹ زدہ کاغذ کے نشان۔

ڈرائنگ روم سے ملحق تین بڑے کمرے تھے۔ پہلا کمرہ نسبتاً روشن تھا۔ دو پرانے صوفے اور بیچ میں چھوٹی میز تھی، اس پر کئی موم بتیاں جل رہی تھیں۔ فیری لائٹس کی ایک لڑّی کونے سے دوسری دیوار تک لگی ہوئی تھی۔ کچھ لڑکے لڑکیاں وہاں بیٹھے ہنس بول رہے تھے، مگر چھت سے لٹکتی ہوئی ایک مڑی تڑی پنکھے کی کیپ

ایسی تھی گویا کوئی بیکار پرزہ اپنی آخری سانسوں کا گواہ ہو۔

دوسرے کمرے کی فضا ذرا مختلف تھی۔ پانچ لالٹینیں جلی ہوئی تھی، جو کمرے کے وسط میں رکھی میز کے اوپر سے چھت تک روشنی کا ہالہ پھیلائے ہوئے تھیں۔ باقی دیواریں سایوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہاں کچھ لوگ کارڈ کھیل رہے تھے، کسی نے پرانی الماری کے شیشے پر اپنا چہرہ ادھورا سا دیکھا اور ہنس دیا، مگر شیشے کے اندر سے جھانکتی اپنی ہی پرچھائیں کچھ دیر تک کمرے کے بیچوں بیچ لٹکتی رہی۔

تیسرا کمرہ سب سے ویران اور سنسان لگا۔ دروازہ آدھا کھلا تھا، اندر پرانا پلنگ، دیوار کے ساتھ لگا ہوا ایک پرانا لکڑی کا صندوق اور کھڑکی کے سامنے ایک ادھ ٹوٹا آئینہ۔ اس میں جو بھی جھانک کر دیکھتا، اپنا چہرہ پورا نہیں دیکھ پاتا۔۔۔ اوپر کی روشنی کم تھی، نیچے سے سایہ زیادہ۔ کمرے میں کوئی خاص سرگرمی نہیں تھی، بس موسیقی کی دُور سے آتی دھیمی گونج یہاں آکر مدھم ہو جاتی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے جگہ سن رہی ہو، جواب دینے کی ابھی عادی نہ ہوئی ہو۔ یہاں کسی نے بہت سلیقے سے تین، تین موم بتیاں چاروں کونوں میں رکھ دی تھیں۔ یہاں بس کوئی تھوڑی دیر کو ستانے آجاتا۔۔۔ زیادہ سے زیادہ دو تین افراد۔ وہ بھی تھوڑی ہی دیر یہاں رکتے، پھر چل دیتے۔ یہ جگہ ٹھہرنے کی نہیں تھی۔

گھر کے اندرونی واش رومز کا حال مختلف تھا۔ بجلی تو پہلے ہی نہیں تھی، پانی بھی فی الحال نہیں آرہا تھا۔ جو لڑکیاں بیچ میں ہاتھ منہ دھونے کے لیے یا میک اپ ٹھیک کرنے کی نیت سے واش روم میں جاتیں، اندر جاتے ہی محسوس کرتیں کہ نلکے خشک ہیں، ٹونٹی گھمانے سے صرف خُشک سی کِرچوں کی آواز آتی۔ سنگِ مرمر کے سنک پر گرد جمی ہوئی تھی۔ آئینے پر نمی کے پرانے دھبے تھے، جیسے برسوں سے کسی نے اس میں اپنی شکل صاف دیکھنے کی کوشش ہی نہ کی ہو۔

پارٹی کے لیے آئے ہوئے اکثر لوگ ان کہانیوں پر زیادہ یقین نہیں رکھتے تھے، لیکن جگہ کی ہسٹری، باہر کی ویرانی، اندر کی انوکھی روشنی اور ہر کمرے کی اپنی الگ فضا۔۔۔ یہ سب مل کر ماحول کو کسی ہلکی خوفناک فلم کی پہلی ریل جیسا بنا رہے تھے۔ جس میں ابھی تک کچھ واضح نہیں ہوا تھا، مگر دل کے کسی حصے کو احساس تھا کہ اگلا موڑ محض موسیقی اور قہقہوں سے آگے بھی جا سکتا ہے۔ ڈرائنگ روم کے شور اور روشنی کے بیچ یہ تینوں لڑکیاں۔۔۔ شمع، مشعل اور مہوش، ابھی تک ذرا محتاط سی تھیں۔ باہر سے جگہ انہیں "اچھی لوکیشن" لگی تھی، مگر اندر آ کر خالی فریم، نمی کی بو اور لالٹینوں کی جھجکتی روشنی نے سب کچھ ہلکا سا بے چین کر دیا تھا۔

"چلو ذرا ادھر بھی دیکھتے ہیں۔" شمع نے مشعل اور مہوش کو اشارہ کیا۔ "اتنی بڑی جگہ ہے، سب لوگ بس اِسی ایک کمرے میں جمع ہیں، باقی حصے بھی دیکھنے چاہئیں۔"

وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر پچھلے حصے کی طرف چل پڑیں۔ راہداری نسبتاً خاموش تھی، قدموں کی آواز خود ہی سُنائی دے رہی تھی۔ ایک موڑ مڑتے ہی انہیں عقبی لان کی طرف کھلنے والا دروازہ نظر آیا، جو ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ باہر سے ہلکی سی سرگوشیوں کی آواز آ رہی تھی، ساتھ کہیں سگریٹ کے سلگنے کی مخصوص بو بھی۔

شمع نے دروازہ ذرا سا مزید کھولا تو منظر صاف ہوا۔ عقبی لان اتنا بڑا نہیں تھا، مگر اونچی دیواروں سے گھرا ہونے کی وجہ سے باہر سے بالکل الگ لگ رہا تھا۔ ایک کونے میں دو لڑکے اور ایک لڑکی کھڑے تھے۔ تینوں کے ہاتھوں میں سگریٹ تھے۔ دھواں اوپر کو اٹھ کر ٹھنڈی ہوا میں گھل رہا تھا۔ ان کے چہروں پر روشنی کم تھی، آوازیں بس اتنی کہ آپس میں سمجھ سکیں۔

جیسے ہی انہوں نے تینوں لڑکیوں کو دروازے میں دیکھا، سرگوشی فوراً بند ہو گئی۔ ایک لڑکے نے سگریٹ نیچے گھاس میں کچلا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ دوسرا لڑکا اور لڑکی جس انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے

تھے، وہ عام دوستانہ نہیں، کسی اور طرح کی "واقفیت" کا تاثر دے رہا تھا۔

"چلو، اندر چلتے ہیں۔" مہوش نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔ اسے ان تینوں کی مشترکہ خاموشی نے بے چین کر دیا تھا۔ شمع نے اثبات میں سر ہلایا اور تینوں واپس راہداری میں آ گئیں۔

وہ اندرونی حصے کی طرف بڑھیں، جہاں وہ تیسرا کمرہ تھا جو ابھی تک خالی پڑا دکھائی دیتا تھا۔

دروازہ آدھا کھلا تھا، اندر کوئی نہیں تھا۔

"یہاں ذرا سانس لے لیتے ہیں۔" مشعل نے کہا۔ "کم از کم شور نہیں ہے۔"

تینوں اندر آئیں، ایک دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ دوسری کھڑکی کے پاس آ گئی اور تیسری دروازے کے قریب ہی رکی رہی۔ وہ ابھی فضا کو سمجھ ہی رہی تھیں کہ پیچھے سے دھیمے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

وہی دو لڑکے اور لڑکی دروازے کی دہلیز پر کھڑے تھے۔ اب ان کے چہروں پر ہلکی مسکراہٹیں، تاثرات میں ایک خاموش نرمی، جس میں چھپی ہوئی چوکنّا احتیاط اور جان بوجھ کر فاصلہ کم کرنے کی کوشش نظر آ رہی تھی۔

"آپ لوگ اِدھر آ گئیں؟" پہلے لڑکے نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

وہ لڑکی جو اُن کے ساتھ تھی، اب آگے بڑھی۔ "ہم لوگ اِدھر بیٹھ رہے تھے، سوچا آپ لوگوں کو بھی بلا لیں۔ پہلی بار آئے ہیں، اکیلے اچھا نہیں لگتا۔"

ان تینوں اجنبیوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"آئیں نا۔" پہلے لڑکے نے کہا۔ "کہیں، کسی اچھی جگہ چل کر ساتھ میں ڈنر کرتے ہیں۔"

"ہم تینوں کی بھوک اچانک ختم ہو گئی ہے۔" مشعل کی آواز میں معمول سے زیادہ کھچاؤ تھا۔

مشعل نے محسوس کیا کہ مہوش کے ہاتھ کی گرفت اس کے دوپٹے پر ذرا سخت ہو گئی ہے۔اسی لمحے اس کے فون کی وائبریشن ہوئی۔اس نے جلدی سے فون نکالا،اسکرین پر حماس کا نام جگمگا رہا تھا۔

"میں ذرا فون سن لوں۔" مشعل نے مختصراً کہا اور ان سب سے ذرا دور جا کر فون کان سے لگا لیا۔

"کہاں ہو تم لوگ؟" حماس کی آواز میں ہلکی سی بے چینی تھی۔

مشعل نے بات چھپانے کی کوشش نہیں کی۔"ہارون کی پارٹی میں آئے ہوئے ہیں، شہر سے ذرا باہر۔۔۔ ایک پرانا سا گھر ہے، ویسا ہی جیسا کہانیوں میں ہوتا ہے۔"

حماس بولا تو لہجے میں واضح تناؤ تھا۔"فوراً وہ جگہ چھوڑ دو۔ایسے گھر صرف دیکھنے کے لیے ٹھیک ہوتے ہیں، دیر تک رہنے کے لیے نہیں۔ شمع گاڑی لے کر گئی ہو گی، تم سب وہاں سے نکلو۔ابھی۔"

"ٹھیک ہے۔" مشعل نے مختصر سا جواب دیا۔"میں بعد میں بات کرتی ہوں، ابھی نکلتے ہیں۔"

فون بند کر کے وہ اندر آئی۔

"اب ہمیں جانا ہے۔" اس نے پُرسکون مگر قطعی انداز میں کہا۔"دوست لینے آ رہا ہے، دیر ہو رہی ہے۔"

پھر مہوش اور شمع کی طرف دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔تینوں نے ایک ساتھ دروازے کی سمت قدم بڑھائے۔ کمرے کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا، مگر لمحہ بھر کو ایسا محسوس ہوا جیسے دیواریں ذرا اور قریب آ گئی ہوں۔

وہ راہداری میں نکلیں تو باہر کی فضا پہلے سے ہلکی لگی۔روشنی وہی تھی، موسیقی بھی، مگر اب انہیں دونوں میں چھپی ہوئی بے چینی زیادہ صاف محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کا کیفے ٹیریا اس دوپہر غیر معمولی طور پر خالی تھی۔ معمول کے برعکس آج چھٹی کے وقت شمع کو کسی سوسائٹی میٹنگ میں جانا تھا اور مشعل فیکلٹی بلاک میں پروفیسر سے ملنے گئی ہوئی تھی۔ مہوش ٹرے اٹھائے جائزہ لینے لگی۔

چند میزوں پر جونیئر طلبہ بیٹھے تھے، باقی سب کرسیاں خالی تھیں۔

اس نے کھڑکی کے قریب والی میز منتخب کی۔ وہاں سے لان کا سبزہ بھی دکھائی دیتا تھا اور سائیکولوجی بلاک کی عمارت کا ایک کونہ بھی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی، پانی کا گلاس ایک طرف کیا اور ابھی بیگ میں سے نوٹس نکالنے ہی والی تھی کہ اچانک سامنے والی کرسی کے پاس کوئی آہستگی سے کھنکارا۔

اس نے سر اٹھایا تو اسجد کامران میز کے دوسری طرف کھڑا تھا۔

آج وہ روایتی سیاہ کے برعکس ہلکے خاکی رنگ کی چنو قمیض اور گہری نیلی جینز میں تھا۔ آستینیں کہنی تک موڑی ہوئی تھیں، ہاتھ پر بندھی گھڑی کا ڈائل ہلکی روشنی میں مدھم سا چمک رہا تھا۔ بال معمول سے ذرا زیادہ ترتیب سے سیٹ تھے، جیسے اس نے خاص طور پر آئینے کے سامنے دو منٹ زیادہ ٹھہرنے کا فیصلہ کیا ہو۔

اس کے ہاتھ میں سفید چینی کی پلیٹ تھی جس کے بیچوں بیچ سنہری بسکٹ کا ایک گول چکر رکھا تھا۔ بسکٹ کے اوپر بڑے احتیاط سے پتلے پتلے شفاف سلائسز جڑے تھے، ہلکے سبز اور پیلے کے بیچ کا کوئی رنگ، جس کے کناروں پر پڑتی روشنی ایک محتاط سی چمک پیدا کر رہی تھی۔ درمیان میں ایک ننھا سا پودینے کا پتہ رکھا تھا، جیسے کسی نے سوچ سمجھ کر تصویر مکمل کی ہو۔

اسجد نے مسکراتے ہوئے پلیٹ اس کے سامنے میز پر رکھ دی۔ "امید ہے تم برا نہیں مناؤ گی، بغیر اجازت کچھ لے آیا ہوں۔"

آج وہ بلا اجازت آپ سے تم پر آ گیا تھا۔

مہوش نے حیرت سے پلیٹ کو دیکھا، پھر اسے۔ "یہ کیا ہے؟"

"یہ؟" اس نے کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھتے ہوئے پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ عام کیفے ٹیریا کا بسکٹ نہیں ہے، اگر تم یہی سوچ رہی ہو۔" اس کی آنکھوں میں شرارت کی ہلکی سی لہر ابھری۔ "یہ ایک اگزاٹک فروٹ ہے، فِجوآ۔"

مہوش نے نام دہرا کر دیکھا۔ "فِجوآ؟ میں نے کبھی نہیں سنا۔"

"سننا بھی مشکل ہے، ملنا تو اور بھی۔" اسجد نے مزے سے کہہ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ "نیوزی لینڈ اور ساؤتھ امریکہ کے کچھ حصوں میں اگتا ہے۔ یہاں تو شاذ و نادر ہی کسی امپورٹڈ اسٹور میں ملے تو ملے۔ کل شام ایک سپلائر سے بات ہو رہی تھی، ذکر نکلا تو میں نے ضد کر کے کچھ منگوالیا۔"

پھر جیسے کندھے اچکا کر بات ہلکی کرنا چاہی۔ "سوچا، جس چیز کا ذائقہ اتنا نایاب ہو، اسے اکیلے چکھنا کچھ ناانصافی سی ہو گی۔"

مہوش نے بے اختیار پلٹ کر ادھر ادھر دیکھا، جیسے یقین کر لینا چاہتی ہو کہ واقعی کیفے ٹیریا میں شمع اور مشعل کہیں نہیں ہیں۔ خالی کرسیاں، دور بیٹھے دو چند طلبہ، کاؤنٹر پر مصروف عمل کک۔۔۔ سب کچھ عام تھا۔ بس اس وقت اس میز کے گرد جو خاموش دائرہ بنا ہوا تھا، وہ غیر معمولی تھا۔

"یہ آپ نے۔۔۔ خاص میرے لیے منگوایا تھا؟" اس کے منہ سے بنا سوچے سمجھے نکل گیا۔ فوراً زبان دانتوں تلے دے ڈالی۔

اسجد ہلکا سا مسکرایا۔ "میں کسی اور کو فِجوآ کے مزاج کا قائل نہیں سمجھتا تھا۔" پھر جیسے اسے اپنا جملہ کچھ زیادہ ہی

شاعرانہ لگا، وہ خود ہی ہنس دیا۔ "میرا مطلب ہے کہ ہاں، تمہارے لیے۔ تم نے کہا تھا نا تم نے دنیا بہت کم دیکھی ہے؟ ذائقوں کی دنیا سے شروعات کر لیتے ہیں۔"

پلیٹ اس کی طرف ذرا اور سرکا دی۔ "ٹیسٹ کرو۔ پہلے صرف ایک بائٹ۔ اگر پسند نہ آیا تو وعدہ ہے، پوری پلیٹ واپس لے جاؤں گا اور تمہارا ریگولر سموسہ واپس لے آؤں گا۔"

مہوش نے جھجکتے ہوئے انگلیوں کے درمیان وہ شفاف سا ٹکڑا اٹھایا۔ قریب سے دیکھنے پر پھل کی سطح پر باریک باریک رگیں نظر آ رہی تھیں، جیسے کسی نے اس میں ہلکی سی سبز روشنی قید کر دی ہو۔ وہ ہلکا سا سانس بھر کر ٹکڑا لبوں تک لے گئی اور احتیاط سے چبا لیا۔

پہلا ذائقہ اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ زبان پر کسی حد تک اسٹرابیری جیسی مٹھاس آئی، لیکن فوراً ہی اس کے پیچھے ترش سی تروتازگی ابھری جو لیموں کی تھی بھی، اور نہیں بھی۔ پھر کہیں دور سے اناناس جیسی خوشبو محسوس ہوئی، مگر اس سے کم تیز، زیادہ گہری۔ تینوں احساسات ایک ساتھ مل کر اس کے حلق سے نیچے اترے تو وہ چند لمحوں کے لیے بس آنکھیں جھپک کر رہ گئی۔

"کیسا لگا؟" اسجد کی آواز جیسے دور سے آئی۔ وہ پوری توجہ سے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔

"عجیب ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔ "مگر اچھا عجیب۔ جیسے۔۔۔ دو تین پھلوں کو ملا کر کسی نے ایک نیا دل بنا دیا ہو۔"

اسجد نے ہنس کر کہا۔ "اچھا، تو فجو آنے مہوش کے دل میں جگہ بنالی؟ میں اسے اپنی کامیابی سمجھوں گا۔"

وہ شرمندہ سی ہنس دی۔ "میں نے تو صرف پھل کے بارے میں کہا تھا۔"

"پھلوں کے بارے میں فیصلے انسانوں کے بارے میں بہت کچھ بتا دیتے ہیں۔" اسجد نے سنجیدگی سے جواب

دیا۔ "زیادہ تر لوگ پہلی بائٹ پر فیصلہ سنا دیتے ہیں: 'اچھا نہیں لگا'، 'پتا نہیں کیا چیز ہے'۔ تم نے پہلے غور کیا، پھر ذائقے کو الفاظ دیے۔ تم چیزوں کو وقت دیتی ہو، یہ عادت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔"

مہوش نے نظریں جھکا کر پلیٹ کی طرف دیکھا۔ احساس ہوا کہ اس کی انگلیاں اب بھی بے خیالی میں بسکٹ کے کنارے کو چھو رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ پیچھے کر لیے۔ دل میں کہیں ایک نرم سی خوشی سر اٹھانے لگی تھی کہ کسی نے اس کے اس چھوٹے سے، غیر شعوری رویے میں بھی کوئی خوبصورتی ڈھونڈ لی ہے۔

"اور سنو۔" اسجد نے بات بدلنے کے انداز میں کہا۔ "یہ فجو آ، پورے کیمپس میں کسی اور نے نہیں کھایا ہو گا۔ میں نے سپلائر سے صاف کہہ دیا تھا، 'صرف اتنا ہی لانا جتنا ایک میز کے لیے کافی ہو'۔" اس نے ہلکی سی شرارت سے آنکھ دبائی، گویا کوئی راز شیئر کر رہا ہو۔ "سو اب تم یونیورسٹی کی پہلی اور واحد اسٹوڈنٹ ہو جس نے آج یہ ٹیسٹ کیا ہے۔"

مہوش بے ساختہ ہنس دی۔ "اتنی ایکسکلوسیو باتیں مت کرو، مجھے لگے گا میں کسی فینسی میگزین کے انٹرویو میں آ گئی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے ایک دن واقعی آ جاؤ۔" اسجد نے بے فکری سے کہا۔ "تب میں تمہیں یاد دلاؤں گا کہ تمہاری" پہلی 'ایگزاٹک اچیومنٹ' کیفے ٹیریا کی اس میز سے شروع ہوئی تھی۔

کچھ دیر وہ دونوں خاموشی سے بیٹھے رہے۔

کیفے ٹیریا میں برتنوں کی مدھم کھنک اور کہیں دور کسی کے ہنسنے کی آواز گونجی، پھر تھم گئی۔ اس خاموشی کے بیچ مہوش کو پہلی بار لگا کہ شاید بھیڑ کے بغیر بھی کسی کے ساتھ بیٹھنا اتنا مشکل نہیں جتنا وہ ہمیشہ سمجھتی آئی تھی۔

"تم نے کچھ نہیں لیا؟" اچانک اسے خیال آیا۔ "صرف میرے لیے منگوایا تھا، خود نہیں کھاؤ گے؟"

"میں کھا چکا ہوں۔" اسجد نے آرام سے جواب دیا۔ "اصل مزہ تو کسی اور کو پہلی بار چکھتے ہوئے دیکھنے میں" ہے۔ تم نے میرا فیورٹ پارٹ کور کر لیا ہے۔

وہ اٹھنے لگا تو مہوش کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ "تھینک یو۔" اس بار یہ صرف کسی اگزاٹک فروٹ کے لیے نہیں تھا۔

اسجد نے اٹھتے ہوئے مسکرا کر سر ہلایا۔ "مائی پلیشر۔ اگلی بار، اگر میں غائب ہو جاؤں نا، تو بس کیفے ٹیریا کے مینیو میں دیکھ لینا۔ جہاں بھی تمہیں کوئی نایاب چیز نظر آئے۔۔۔ سمجھ جانا میں نے تمہارے لیے بھیجی ہے۔"

مہوش نے اسے جاتے ہوئے دیکھا، پھر پلیٹ کی طرف نظریں جھکا دیں۔ اس نے احتیاط سے ایک اور ٹکڑا اٹھایا، زبان پر رکھتے ہی آنکھیں بند کر کے ذائقے کو محسوس کیا۔

اسے لگا، یہ صرف کوئی پھل نہیں بلکہ کسی نے دور کہیں سے اس کے لیے ایک ننھی سی، خوش ذائقہ دنیا منگوائی تھی۔۔۔ جو چند لمحوں کے لیے ہی سہی مگر اسے معمولی ہونے کے احساس سے تھوڑا سا اوپر اٹھا لے گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہر کا یہ علاقہ کچھ خاص تھا۔

ادھوری عمارتیں اور قدرے فاصلے پر موجود ویران بنگلے، جیسے مالکین کا کام گھر بنوانا تھا، بسانا نہیں۔ایسا نہیں تھا کہ یہاں لوگ نہیں بستے تھے۔۔۔بس گھروں کے بیچ فاصلہ ذرا زیادہ تھا اور مکینوں کی عدم موجودگی کا احساس بھی۔

یہ بھی اسی علاقے کا ایک بڑا گھر تھا، جس کا لاؤنج ہال نما اور وسیع تھا، چھت پر ٹنگی نیچی لائٹس اور کونے میں ڈِی جے کا سیٹ اپ تھا۔لوگوں کے لیے یہ بس ایک عام سی پارٹی تھی، مگر یہاں روشنی نسبتاً کم، موسیقی زیادہ تیز، اور دروازے کے باہر گاڑیاں تھوڑی زیادہ کھڑی تھیں، جو ہال کے اندرونی ماحول کے شور کو بڑھا رہی تھیں۔

شمع، مشعل اور مہوش ابتدا میں نیچے ہال میں ہی تھیں، مگر کچھ دیر بعد ہلکی تھکن اور شور سے بچنے کے لیے اوپر والی منزل کی طرف بڑھ گئیں۔اوپر والی منزل پر تین کمرے اور ایک لمبی راہداری تھی۔

یہاں کی فضا مختلف تھی۔

موسیقی کی دھمک بس فرش کے نیچے سے مدھم گونج کے طور پر آ رہی تھی۔دیواروں پر کوئی سجاوٹ نہیں تھی، بس ہلکے رنگ اور کہیں کہیں پرانی کیلوں کے نشان۔راہداری کے دونوں سروں پر تین دروازے تھے۔

پہلے کمرے میں داخل ہوتے ہی شمع فوری طور پر واش روم کی جانب لپکی۔

اچھا ہے۔"مہوش ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہوئی۔"کم از کم آئینہ تو ہے، بعد میں ہاتھ بھی دھو لیں"

"گے، ابھی بس دیکھنا کافی ہے۔

مشعل بیڈ پر نیم دراز کمرے کا جائزہ لے رہی تھی کہ اچانک راہداری میں کسی کے رکنے کی ہلکی سی چاپ نے اسے چونکا دیا۔

اگلے لمحے دروازے کی کنڈی کی کلک سنائی دی۔ وہی بھاری سی سنہری کنڈی جس پر اندر داخل ہونے سے پہلے انہوں نے ایک سرسری نگاہ ڈالی تھی۔

مشعل چونک کر دروازے کی طرف بڑھی، ہینڈل پکڑتے اسے اپنی جانب کھینچا، دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ مہوش فوراً دوسرے دروازے تک گئی، یہی کوشش کی، وہ بھی سختی سے بند تھا۔

اتنے میں شمع بھی واش روم سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

اندھیرا تھا اور ہلکی سی لوہے کی بو۔

حماس نے آنکھیں کھولیں تو خود کو چاروں طرف سے بند پایا۔ چھت بہت نیچی تھی، اتنی کہ ہاتھ اٹھاتا تو انگلیاں فوراً ٹھنڈی دھات سے لگ جاتیں۔ دیواریں بھی لوہے کی تھیں، نمی لگی ہوئی، کہیں کہیں زنگ کے نشان۔ ہوا میں بھاپ سی گھلی ہوئی تھی، سانس اندر جائے تو سینہ بھاری ہو جائے۔ اوپر ایک مدھم بتی جل رہی تھی جو پوری طرح روشنی نہیں دے رہی تھی، بس اتنی کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں کے خدوخال دیکھ سکے۔

"ہیلو؟" حماس کی آواز تنگ دیواروں سے ٹکرا کر واپس آئی۔

اس نے غور کیا۔

یہ لفٹ تھی۔

چاروں طرف سے بند، نیچے فرش ہلکا سا جھولتا ہوا، جیسے کہیں بہت گہرائی میں ہو۔

نیچے جانے کا راستہ تھا نہ اوپر کا۔

اچانک ایک جھٹکا لگا، یوں جیسے لفٹ کہیں بیچ میں رک گئی ہو اور اب لٹکی ہوئی ہو۔

سانس چھوٹی ہونے لگی، سینہ تنگ محسوس ہوا۔ گرمی بڑھنے لگی۔

اس نے شرٹ کے اوپر کا بٹن کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، انگلیاں کانپ رہی تھیں، بٹن کھل نہیں رہا تھا۔ اس نے جھنجھلاہٹ میں ایک ساتھ دو تین بٹن کھینچ کر کھول دیے، گریبان کھلا تو بھی سینے پر جمی ہوئی گھبراہٹ کم نہیں ہوئی۔

اسے لگا جیسے ہوا ختم ہو رہی ہو۔ گھٹن ایسی تھی کہ دیواریں رفتہ رفتہ اندر کی طرف سرکنے لگیں، لفٹ کا فرش تھوڑا سا نیچے کو ڈولنے لگا، اس نے بے اختیار اپنی شرٹ اتار پھینکی۔

پھر اس نے زور سے دیوار پر مکا مارا۔ "دروازہ بناؤ۔ یہاں کوئی دروازہ کیوں نہیں؟" وہ چلایا تھا۔

اسی گھٹن کے بیچ اچانک کسی غیر مرئی شے نے اسے اندر سے جھنجھوڑا—وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

کمرے کی چھت اپنی جگہ تھی، پنکھا چل رہا تھا، روشنی مدھم مگر موجود۔ تنفس تیز تھا، شرٹ واقعی کھلی ہوئی تھی، اوپر کے دو بٹن ٹوٹ کر لٹک رہے تھے، اور سینے پر پسینے کی باریک تہہ جمی ہوئی تھی۔

اس نے چند لمحے صرف سانس سیدھی کرنے میں لگائے۔ دل ابھی بھی یوں دھڑک رہا تھا جیسے واقعی کسی بند لفٹ میں پھنس کر نکلا ہو۔ وہ جانتا تھا کہ ساری قید بس خواب میں تھی—پھر بھی آزاد فضا میں بیٹھے ہوئے اس کے سینے کا بوجھ کم نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

دونوں کے ہونق زدہ چہرے دیکھ کر شمع نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"باہر سے کسی نے دونوں دروازے لاک کر دیے ہیں۔" مہوش نے بتایا۔

چند لمحے تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر دروازے تھپتھپانے شروع کر دیے۔

"کوئی ہے باہر؟" شمع نے زور سے کہا۔ راہداری میں جواب خاموشی تھی۔ نیچے سے موسیقی کی آواز آ رہی تھی مگر اوپر اس کمرے کے آس پاس کسی کے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دی۔

مہوش نے فوراً اپنے بیگ سے موبائل نکالا۔ "اوہ اس کی تو بیٹری ختم ہو چکی۔"

مشعل نے جلدی سے اپنا موبائل نکالا۔ "زین کو کال کرتی ہوں۔ وہ نیچے ہی ہو گا، کسی کو اوپر بھیج دے گا۔"

"معلوم نہیں پارٹی میں آیا بھی ہے یا نہیں۔" شمع پر سوچ انداز میں بولی۔

مشعل نے نمبر ملایا۔ گھنٹی بجتی رہی، کوئی جواب نہیں آیا۔ دوبارہ ملایا، اس بار بھی یہی ہوا۔

"شور میں سن نہیں رہا ہو گا۔" اس نے خود کو سمجھانے کے لیے کہا، مگر فون کان سے ہٹا کر سکرین کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی انگلیاں معمول سے زیادہ تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ حماس کو ہاسٹل سے دیر تک باہر رہنے کی اجازت نہیں تھی، وہ شاذ و نادر ہی کسی پارٹی میں شامل ہو پاتا، صرف ویک اینڈ پر زین کے ہاں ٹھہر کر۔ مشعل اور مہوش ہر دوسرے ویک اینڈ شمع کے ہاں رہتی تھیں، جس سے یہ سب پارٹیوں میں بآسانی شامل ہو جاتیں۔

"میں تو گھر میں تم لوگوں کے ساتھ آؤٹنگ کا ہی بتا کر نکلا کرتی ہوں۔" شمع الجھن زدہ انداز میں گویا ہوئی۔ "ڈیڈا گر سن لیں کہ کسی پارٹی والے گھر کے کمرے میں لاک ہو گئی ہوں تو پہلے مجھ سے حساب لیں گے، پھر باقی دنیا سے۔ مام جب سے ہماری فیملی کا حصہ بنی ہیں، میرا اڈیڈ سے رشتہ کمزور ہو گیا ہے میں اس پر کوئی اور ضرب لگتی نہیں دیکھ سکتی۔"

مشعل ہاتھ میں موبائل تھامے ہوئے بولی۔ "کیا حماس کو کہیں کہ کسی طرح ہاسٹل سے نکل کر آئے؟"

"ہاں، یہی ٹھیک ہے۔" مہوش بولی۔ "کچھ تو اسے ہی کرنا پڑے گا۔ اگر کسی نے ہمیں بُرے ارادے سے لاک کیا ہے تو۔۔۔" وہ ایک لمحے کے لیے کانپ گئی۔

اچانک باہر سے دوبارہ کنڈی ہلی، دھیمی آواز نے راہداری کی خاموشی توڑ دی۔

دروازہ آہستگی سے کھلا۔

چوکھٹ میں اسجد کھڑا تھا، چہرے پر حیرت اور فکر مندی کا ملغوبہ اظہار لیے۔

"تم لوگ یہاں ہو؟" اسجد نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔ "نیچے کسی نے کہا، تین لڑکیاں اوپر گئی ہیں، کافی دیر سے واپس نہیں آئیں۔۔۔ سنتے ہی فکر ہوئی، سوچا احتیاطاً دیکھ لوں کہ سب ٹھیک ہے۔"

"ہم یہاں واش روم جانے کی غرض سے آئے تھے اور باہر سے کوئی لاک کر گیا۔" مشعل نے ساری بات بتائی۔ "ہم آوازیں دے رہے تھے، نیچے پارٹی ہے موسیقی ہے، یہاں سے وہاں تک آواز نہیں پہنچتی۔"

وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھتیں خاموشی سے دروازے سے باہر نکل آئیں۔ سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے نیچے سے دوبارہ موسیقی اور لوگوں کی آوازیں ان کی سماعتوں سے ٹکرانے لگیں مگر ان کے قدم اس شور کی طرف نہیں، باہر کے راستے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اطاعت اور وفا کے، وہ قرینے سیکھ بیٹھا ہے

بشر کی ہم رکابی میں، ازل سے اک بصیرت ہے

زرِ بُلوط—— وارث فرحان کا فارم ہاؤس، لاہور سے تقریباً پینتالیس منٹ کی ڈرائیو پر، ایک پرانی، وسیع اور خاموش جگہ تھی۔ سورج آسمان کے عین درمیان ٹھہرا ہوا تھا، اور اس کی سونے جیسی دھوپ زرِ بُلوط کے کھلے گراؤنڈ پر یوں پھیلی ہوئی تھی جیسے زمین نے اسے خاموشی سے قبول کر لیا ہو۔

ہوا میں کسی قسم کا اُبال نہیں تھا، بلکہ وہ ٹھنڈی سی تازگی موجود تھی جو صرف دیہی علاقوں میں صبح اور دوپہر کے بیچ محسوس ہوتی ہے۔ گراؤنڈ کے ایک سرے پر ایک پرانے کنویں کا منہ زمین سے ابھرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اس کے لکڑی کے ڈھانچے پر وقت کی موٹی گرد جمی ہوئی تھی، اور اس کے پاس رکھا بوسیدہ پانی کا برتن یوں لگتا تھا جیسے کسی خاموش مراقبے میں ڈوبا ہو۔

مگر اس دوپہر زرِ بُلوط کی اصل روح گراؤنڈ کے عین وسط میں سانس لے رہی تھی۔

وہاں، جہاں ملازم اصطبل سے گھوڑوں کو آہستگی سے باہر لا رہے تھے۔ تین گھوڑے—— سیاہ، سفید اور گہرے بھورے رنگ کے—— محنت سے ہموار کی گئی مٹی پر کھڑے تھے۔

ان کے بال دھوپ میں چمک رہے تھے، جیسے ہر بال میں سورج کا ایک ذرّہ قید ہو۔

ایک ملازم نے سیاہ گھوڑے کی لگام تھامی—— اس کا نام "شَباب" تھا۔ وہ گھوڑا صرف سیاہ ہی نہیں تھا، بلکہ جیسے رات کی ایک سانس ہو—— پراسرار، مضبوط اور ہر بے اجازہ ہاتھ کو چبھنے والا۔ اسے صرف شمع ہی سنبھال سکتی تھی۔

دوسرا ملازم سفید گھوڑی کو آگے لایا—— اس کا نام "سَلوا" تھا۔ نرمی کی مجسم، اس کی آنکھوں میں بچپن کی معصومیت تھی اور چال میں ایک خاموش سی شاعری۔

نَسیم تیسرا، بھورا گھوڑا تھا—جوان، ہلکا پھلکا، اور فطرتاً کچھ حد تک شوخ۔

شمع نے اپنی ہلکی سی کھلی چمڑے کی جیکٹ کے بٹن درست کیے اور سیدھی کھڑکی سے نیچے نظر ڈالی۔ پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ وہی وقت ہے—وہ دوپہر، جب زمین اور آسمان ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں۔

"چلو۔" اور گھوڑے انسان کو اپنی دنیا میں لے جانے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔

"شَباب میرا ہے۔ تم دونوں میں سے کوئی سَلوا پر بیٹھے، اور کوئی نَسیم پر۔ دونوں آرام دہ ہیں—خاص طور پر" نئے لوگوں کے لیے۔

مشعل نے ایک لمحہ تامل کیا، پھر مسکراتے ہوئے سَلوا کی طرف قدم بڑھایا۔ گھوڑی نے جیسے فوراً اسے پہچان لیا۔ اس کی آنکھوں میں وہی نرمی تھی جو مشعل کے چہرے پر جھلک رہی تھی۔

"تم تو گھوڑوں سے واقف لگتی ہو؟" مہوش نے حیرت سے پوچھا۔ جبکہ وہ اب بھی کچھ فاصلے پر کھڑی تھی، ہاتھوں میں اپنا موبائل تھامے۔ شاید ویڈیو ریکارڈ کرنے کے لیے، شاید بس وقت گزارنے کے لیے۔

"ہماری دادو نے سکھایا تھا۔" مشعل نے کہا۔ "اور حماس ہر ہفتے مجھے اصطبل لے جاتا تھا۔"

شمع نے مہوش کی طرف دیکھا۔ "اور تم؟"

"میں صرف دیکھوں گی۔ میں گھوڑے نہیں چلاتی۔۔۔ یا شاید چلا نہیں سکتی۔"

شمع نے کچھ نہ کہا، بس مسکراتی رہی۔ اسے معلوم تھا کچھ لوگ دیکھ کر سیکھتے ہیں، کچھ چھونے سے اور کچھ بس وقت کے آنے تک انتظار کرتے ہیں۔

اور پھر — جیسے دوپہر کو کسی نے ایک نرم سا دھاگا باندھ دیا ہو — شمع نے شَباب پر سواری کی، مشعل نے سَلوا کی اور مہوش نے ایک درخت کے سائے میں جگہ بنائی۔ جہاں سے وہ نا صرف گھوڑوں کو دیکھ سکتی تھی بلکہ دوستوں کی وہ مسکراہٹ بھی، جو صرف زرِ بُلوط کی دھوپ میں کھلتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈائننگ روم کی لمبی میز پر ناشتہ ترتیب سے لگا ہوا تھا۔ ایک ملازم تازہ جوس کا جگ رکھ کر پیچھے ہٹا، دوسرے نے ڈبل روٹی کی ڈش درست کی اور دونوں خاموشی سے دیوار کے ساتھ جا کھڑے ہوئے۔ ریاض سلمان اپنی جگہ پر بیٹھے چائے کا کپ تھامے ہوئے تھے۔ "زین پھر لیٹ ہے؟" انہوں نے گھڑی پر نظر ڈال کر بس اتنا کہا۔

سامنے خاور بیٹھا تھا، صفائی سے استری کی ہوئی قمیص، اس پر سلیقے سے جمی ہوئی ہم رنگ ٹائی، کرسی کی پشت سے سیدھا لگا ہوا۔ اس کے دائیں جانب لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا، اور سکرین پر واٹس ایپ۔

آج احمر کی کال متوقع تھی۔

وہ ہمیشہ لیٹ ہی ہوتا ہے، ڈیڈ۔" خاور نے ہلکے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "سرپرائز تب ہوگا، جب وہ وقت پر آجائے۔"

اسی وقت لیپ ٹاپ کی اسکرین اچانک جل اٹھی، ویڈیو کال کی مخصوص ٹون کمرے میں گونجی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کال ریسیو کی اور لیپ ٹاپ کا رخ سب کی جانب کر دیا۔ اسکرین پر احمر کا چہرہ ابھرا، پیچھے اس کا بیڈ اور کھڑکی کے پار تاروں بھرا امریکی آسمان پھیلا ہوا تھا۔

"السلام علیکم۔" احمر نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ "یہاں رات ہے، تم لوگوں کے ہاں صبح۔ اُف یہ دس گھنٹوں کا فرق۔"

"وعلیکم السلام۔" خاور نے مسکرا کر جواب دیا۔ "کیسا چل رہا ہے وہاں؟"

"پڑھائی ٹھیک، نیند کم۔" احمر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "فنانس اور بزنس نے آدھا دماغ کھا لیا ہے، باقی تم لوگ لے لو گے۔"

زین نیم خشک، بے ترتیب بالوں، جینز اور ٹی شرٹ میں اندر آیا۔

"گڈ مارن۔۔۔ اوہ، سب آن لائن بھی ہیں اور آف لائن بھی۔" اس نے کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔

"آج کے حساب سے تم زیادہ لیٹ نہیں ہو، میں مطمئن ہوں۔" رئیسہ نے مختصراً کہا، مگر آنکھوں میں پیار تھا۔

خاور نے گھڑی دیکھی اور ایک معنی خیز نگاہ اس کے حلیے پر ڈالی۔ "ابھی یونیورسٹی کے لیے تیار ہونے میں بھی وقت لو گے۔"

زین نے پلیٹ اپنی طرف کھینچتے ہوئے کندھے اچکائے۔ "دس منٹ میرے حُسن کے حق میں جاتے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "بغیر منہ دھوئے اگر آ جاتا تو خاندان کی تصویر خراب ہو جاتی۔" "اب وہ آملیٹ لے رہا تھا۔ "رہی بات یونیورسٹی کی تو۔۔۔ ابھی اتنے بُرے دن نہیں آئے کہ فارمل پہننے لگوں۔" اب کی بار اس نے ایک جتاتی ہوئی نگاہ خاور کی ڈریس شرٹ اور میچنگ ٹائی پر ڈالی تھی۔

احمر کی ہنسی اسکرین سے باہر آئی۔ "کم از کم مانتا تو ہے کہ اس کے پاس صرف چہرہ ہی سرمایہ ہے۔"

تمہارا سرمایہ یونیورسٹی کا نام ہے۔"زین نے بھی دوبدو جواب دیا۔"خاور بھائی کا سفید سونا،اور ڈیڈ کا خاندانی نام۔میرے پاس حسِ مزاح اور نرم باتیں رہنے دو۔"

"احمر،اگلے سمسٹر ایگزام کے بعد گھر آرہے ہو نا؟"رئیسہ نے پوچھا۔

"گرمیوں میں،ان شاءاللہ۔"احمر نے سر ہلایا۔

"تم بھی کیریئر کے بارے میں کچھ سوچو۔"خاور نے ایک بار پھر زین کو مخاطب کیا۔

"ڈگری تو ہاتھ آجائے،سوچ بھی لیں گے۔"زین نے لاپرواہی سے ہوا میں ہاتھ ہلاتے۔۔۔فوکس ناشتے پر رکھا۔

"سوچنے سے زیادہ کرنے کا وقت بھی آتا ہے،زین۔"ریاض نے پہلی بار سیدھا زین کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ڈگری کے بعد تمہیں خود فیصلہ کرنا ہے۔میں بزنس تھوپنا نہیں چاہتا،مگر بھاگنے بھی نہیں دوں گا۔"

اسکرین پر احمر کا چہرہ ذرا سنجیدہ ہوا۔"زین واقعی،جتنا تم لوگوں اور چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہو وہی دھیان کسی کام میں لگادو،فائدہ تمہارا ہے۔"

"اچھا،پہلے یہ فائدہ ہو جائے کہ ناشتہ ختم کرلوں۔"وہ بولا۔"خالی پیٹ کوئی نصیحت ہضم نہیں ہوتی۔"

ماما نے مسکراتے ہوئے پراٹھا اس کی طرف سرکایا۔"کھاؤ۔"انہوں نے کہا۔"باتیں تمہارے ڈیڈ اور بھائیوں نے پوری کرنی ہیں،تمہیں کم از کم ناشتہ ختم کرنا ہے۔"اب انہوں نے رخ شوہر اور بڑے بیٹوں کی جانب کیا جو یونہی مل کر زین پر دھاوا بول دیا کرتے تھے۔"بڑا آپ کے بزنس میں ساتھ ہے،منجھلا امریکہ سے تعلیم حاصل کر رہا ہے۔چھوٹے کو تو کچھ وقت دیں۔ضروری نہیں ہر کوئی شروعات میں ہی سب فیصلے کرلے۔"

"اس نے دو سال قبل کہا تھا کہ ابھی اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ ہمارے ساتھ کام کرے گا یا کوئی جاب۔۔۔یا پھر اپنا کام۔" ریاض کے لہجے میں ہلکا سا گلہ تھا۔

"تو؟" رئیسہ کے تیور بگڑے۔

"ابھی تک اس کا جواب یہی ہے۔" خاور نے بھی لقمہ دیا۔

"ابھی میرا یونیورسٹی کا تیسرا سال چل رہا ہے۔" زین نے چائے کے کپ سے گھونٹ بھرا، گلا تر کیا۔ "سٹوڈنٹ لائف ختم ہونے میں تقریباً ڈیڑھ سال رہتا ہے۔"

"کہیں ایسا نہ ہو سٹوڈنٹ لائف طویل کرنے کی غرض سے یہ ایم ایس کرنے کا فیصلہ کر لے۔" احمر کیسے پیچھے رہتا۔

"ایک تو مجھے اس کی ڈگری کی سمجھ نہیں آتی۔" ریاض نے برا سا منہ بنایا۔ "اب بھلا اینتھروپولوجی رکھنے کی کیا تک بنتی ہے، اس سے تمہیں عملی زندگی میں کیا فائدہ ہو گا، بتاؤ؟"

"فائدہ تو واقعی کوئی خاص نہیں ہوا۔" اس نے مسکراہٹ دبائی۔ "آپ لوگوں کو ابھی تک نہیں سمجھ پایا۔"

"ویسے، زین۔" احمر کے ہونٹوں پر ایک شریر مسکراہٹ آن ٹھہری۔ "تمہارا ڈانس کیسا جا رہا ہے؟"

"تم سے بہت بہتر!"

خاور نے کرسی ذرا پیچھے کھسکائی۔ "ڈیڈ، میں دوپہر تک دفتر سے نکل جاؤں گا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "آج صرف ایک کلائنٹ نہیں، پوری خلیجی مارکیٹ کے لیے سفید گولڈ کی نئی لائن کا فریم ورک طے ہو گا، انہیں اگر اپنا معیار دکھا دیا تو باقی سب خود بخود جڑتے جائیں گے۔"

ریاض نے سر ہلایا۔ "ہاں، نام تو ہمارا وہاں پہلے سے چل رہا ہے۔ بات مختصر اور واضح رکھنا۔"

"اچھا، میں چلتا ہوں۔" احمر نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ "کیا معلوم میری اگلی کال تک زین ہم انسانوں والی" خصلتیں اپنا چکا ہو۔

"تم آج تک میری کسی توقع پر پورا نہیں اتر پائے، مجھ سے بھی کوئی الٹی سیدھی امید مت رکھنا۔" زین نے ایک ترچھی مسکراہٹ کے ساتھ الفاظ اس کی جانب اچھالے۔

ریاض نے چائے کا آخری "اچھا گھر وہی ہوتا ہے جہاں سب کو اپنی سمت مل جائے، مگر مرکز ایک ہی رہے۔" گھونٹ ل کپ میز پر رکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

زین نے اس جملے کو دل میں کہیں نوٹ کیا، پھر بولا۔ "مرکز فی الحال یہ آملیٹ ہے، ورنہ خالی پیٹ پر تو میں خود بھی اپنی سمت بدل دوں گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

رات کا دوسرا پہر تھا۔

گھر کے زیادہ تر کمروں کی بتیاں بجھ چکی تھیں، جیسے دن خود کو سمیٹ چکا ہو۔ اوپر والی منزل کے ایک کمرے میں روشنی ابھی تک جل رہی تھی، جسے سب "سٹوڈیو" کہتے تھے، چاہے وقت کے ساتھ اس کی شکل بدل چکی تھی۔

زین نے کچن میں خاموشی سے دو افراد کی کافی بنائی۔ ایک میں دودھ زیادہ اور چینی کم رکھی، بالکل ویسی جیسی ڈیڈ کو پسند تھی۔ دوسرے میں چینی کچھ زیادہ اور کڑواہٹ کم، جیسا اسے خود اچھا لگتا تھا۔ دونوں مگ ہاتھ میں تھامے وہ محتاط قدموں سے سٹوڈیو کی طرف بڑھا۔ دروازہ آدھا کھلا تھا۔ اندر وہی گہرا سکوت، لکڑی کی میز،

بند جرنل، اور ریاض سلمان، جو عینک ناک کے سرے پر رکھے کسی نوٹ پر جھکے ہوئے بیٹھے تھے۔

زین نے دروازہ ہلکا سا دھکیلا۔ "حملہ آور اندر آ رہا ہے۔" پھر بولا۔ "خالی ہاتھ نہیں آیا، صلح کی پیشکش بھی ہے۔"

"اگر یہ کافی ہے تو صلح قبول۔" انہوں نے مگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "بغیر اس کے تو میں خود پر بھی مہربان نہیں ہوتا۔"

"ڈیڈ، ایک بات پوچھوں؟" زین ان کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

"پوچھو۔" ریاض نے مگ لبوں سے لگایا۔ کافی کی خوشبو گہرائی تک اتری، نظر خود بخود نرم ہو گئی۔

ہماری کمپنی کی کہانی۔۔۔ آپ نے کبھی پوری نہیں سنائی۔" زین نے میز پر کہنی ٹکا کر کہا۔ "سلمان ایٹلیرز کی شروعات کیا تھی؟ ہمیشہ سے یہ وائٹ گولڈ، ڈائمنڈ، ڈیزائن، فارنر کلائنٹس یا کبھی آپ بھی اندرونِ لاہور کی کسی تنگ دکان میں بیٹھے تھے؟" تھوڑا بہت وہ ماں سے سن چکا تھا آج تفصیلاً باپ سے جاننا چاہتا تھا۔

ریاض ہلکا سا ہنسا، مگر اس ہنسی میں ماضی کی تھکن بھی شامل تھی۔

"اندرون شہر کی ایک گلی میں، چھوٹی سی دکان تھی۔" وہ بولے۔ "چھ فُٹ کا شوکیس اور لکڑی کی پرانی میز۔ نہ اے سی تھا، نہ گارڈ، نہ برینڈ کا نام۔ میرے ابّا جی کے ساتھ بیٹھتے بیٹھتے میں نے سونا تولنا سیکھا، پھر گاہک۔"

زین نے گردن ذرا سی ٹیڑھی کی۔ "صرف سونا؟ وہی پیلے رنگ کے بھاری سیٹ، چمکتی ہوئی چینیں، اور چوڑیاں؟"

"ہاں۔" ریاض نے ماضی کو آنکھوں میں اتارتے ہوئے کہا۔ "پہلے دنوں میں بس یہی ہوتا تھا۔ عورتیں آتیں، فروخت کے لیے پرانی چوڑیاں، اور خریداریاں بھی وہی نمونہ وار ڈیزائن کی ہوتیں۔ ہم تو بس تولتے، کاٹتے،

پگھلاتے اور نیا بنا دیتے۔ نہ ہمیں پتھروں کی پہچان تھی، نہ ڈیزائن کا کوئی خاص شوق۔ بس مزدوری اور معمولی سا منافع۔"

"پھر آپ نے اچانک سوچا کہ میں صرف سونا نہیں تولوں گا، 'خوبصورتی' بھی تولوں گا؟"

ریاض نے مسکرا کر مگ میز پر رکھا۔

"اچانک نہیں، آہستہ آہستہ۔" وہ بولے۔ "ایک دن ایک گاہک آیا، اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی۔ اس نے کہا، 'سیدھا سادہ سیٹ نہیں چاہیے، وائٹ گولڈ میں کچھ مختلف سا بنانا ہے، اس میں ہیرے بھی لگیں گے۔' میں نے زندگی میں پہلی بار قریب سے ڈائمنڈ دیکھا۔ چھوٹا سا پتھر تھا، مگر روشنی عجیب طرح سے اس کے اندر بند تھی۔ میں نے جب اس کے لیے پہلا سیٹ بنوایا، تو مجھے پہلی بار لگا کہ ہاتھ صرف وزن نہیں، تاثر بھی اٹھاتے ہیں۔"

"وہ ڈائمنڈ آپ نے کہاں سے لیا تھا؟ تب تو کوئی انٹرنیٹ ورک نہیں تھا، نہ باہر" زین نے فوراً سوال رکھ دیا۔ کے سورسز۔

ریاض نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ایک بڑا جیولر تھا، میں اس کے لیے کبھی کبھی تھوک میں کام کرتا تھا۔ اس نے ہی پہلی بار مجھے ڈائمنڈ ڈیلرز کا پتہ دیا۔ چھوٹے پتھر، جو بڑے والوں کے لیے شاید خاص نہ ہوں، میرے لیے خزانہ تھے۔ میں نے دو چیزیں ایک ساتھ سیکھیں۔ پہلی، پتھر کی پہچان—رنگ، چمک، کٹ اور خامی۔ دوسری، لوگوں کی آنکھوں کی بھوک—کس کو واقعی اچھا پتھر چاہیے اور کس کو صرف نام۔"

"اب؟ قیمتی پتھر کہاں سے آتے ہیں؟ اور وائٹ گولڈ کے ساتھ زیادہ کون سے پتھر چلتے" زین آگے کو جھکا۔ ہیں؟

"اب ہمارے پاس تین طرح کے ذرائع ہیں۔" ریاض نے انگلیوں سے ہلکی سی گنتی شروع کی۔ "پہلا، کراچی اور لاہور کے اندر بڑے امپورٹرز، جو باہر سے مال منگواتے ہیں—— بلجیئم، دبئ، تھائی لینڈ سے۔ وہاں سے ہم ڈائمنڈ لیتے ہیں، خاص طور پر وہ جن میں کٹ اور چمک اچھی ہو، رنگ تقریباً سفید ہو، اور اندر کے دھبے کم ہوں۔ دوسرا، رنگین پتھر—— زمرد، نیلم اور یاقوت۔ یہ زیادہ تر پنجاب کے پرانے ڈیلرز یا پشاور/سوات کے رابطوں سے آتے ہیں۔ وائٹ گولڈ میں چھوٹے ڈائمنڈ کے ساتھ ایک بڑا زمرد یا نیلم ہو تو صاحبِ حیثیت لوگ اسے اپنا "سگنیچر" پیس سمجھتے ہیں۔ تیسرا، خاص کلائنٹس کے لیے ہم براہِ راست دبئ سے بھی کچھ چیزیں منگواتے ہیں—— وہاں مارکیٹ بڑی ہے، کوالٹی کا انتخاب آسان ہو جاتا ہے، بس پیسہ زیادہ لگتا ہے۔"

وائٹ گولڈ کے ساتھ سب سے زیادہ کیا" زین نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا تو ریاض بے ساختہ مسکرا دیے۔

"بکتا ہے؟ فقط ڈائمنڈ، یا یہ رنگین پتھر بھی؟

"عام لوگوں کے لیے صرف ہیرے۔" ریاض نے جواب دیا۔ "چھوٹے چھوٹے، سفید چمک والے۔ زیادہ اونچے طبقے کے لیے وائٹ گولڈ میں ڈائمنڈ کے ساتھ ایک بڑا رنگین پتھر—— زمرد یا نیلم—— تم نے خود بھی دیکھا ہو گا، وہ لمبے لٹکتے سیٹ، بڑے بڑے کان کے بُندے۔ اصل کمال یہ ہے کہ پتھر صرف مہنگا نہ ہو، بلکہ اس کی جگہ درست ہو۔"

"تو فرق یہاں سے شروع ہوا کہ آپ نے صرف وزن نہیں دیکھا، جگہ بھی دیکھنے لگے؟""

ریاض کے چہرے پر ہلکی سی سنجیدگی اتر آئی۔ "ایک وقت آیا۔" وہ بولے۔ "جب میں نے سوچا کہ اندرونِ شہر کی دکان میں بیٹھ کر صرف سونا خریدنے بیچنے سے آگے بھی کچھ ہو۔ میں نے چھوٹا سا سٹوڈیو بنایا، گلبرگ کی ایک عمارت میں۔ دو ڈسپلے، چند ڈیزائن۔ شروع میں بہت کم لوگ آتے، بس وہ جو حقیقتاً کچھ مختلف'

ڈھونڈ رہے تھے۔ میں نے وہاں سے ڈیزائننگ شروع کی—ہاتھ سے بنے اسکیچ، پھر کاریگر کے ساتھ بیٹھ کر فریم تیار کرنا، پھر سنگ سیٹ کروانا۔ نقصان بھی ہوئے، غلطیاں بھی—مگر ہر غلطی نے یہ سکھایا کہ لوگ کہاں تک نیا قبول کرتے ہیں اور کہاں پرانے سے چمٹے رہتے ہیں۔"

"میں نے ماما سے سنا ہے، شروع میں آپ کندن اور روایتی سونے کے سیٹ بھی بناتے تھے۔ جن پر آپ خود تنقید کرتے تھے کہ اتنے بھاری سیٹ کون پہنتا ہے؟" زین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، وہ دور بھی تھا، جب میں خود بھی سمجھ نہیں پایا تھا کہ مجھے کس طرف جانا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وائٹ گولڈ اور ڈائمنڈ کی طرف جھکاؤ ہوا۔ اس میں نفاست تھی، ہلکی سی باوقار چمک، اور۔۔۔ ایک طرح کی پاکیزگی، اگر تم سمجھ سکتے ہو۔ پیسہ بھی وہیں تھا، مگر صرف پیسے کے لیے نہیں، دل کے سکون کے لیے بھی۔" ریاض ہنس دیا۔

اب جب آپ کہتے ہیں کہ 'ہمارا بزنس بہت پھیل گیا ہے' تو اس میں کیا کیا" زین نے مگ سے گھونٹ لیا۔

"شامل ہے؟ دکانیں، سٹوڈیو، باہر کے آرڈر؟

ریاض نے انگلی سے میز پر ہلکی سی لکیر کھینچی۔ "اب ہمارے پاس تین سطحیں ہیں۔ ایک، اندرون شہر کی پرانی دکان ابھی بھی ہے۔ نام اب بھی میرا ہے مگر وہاں عام سونے کا کام چلتا رہتا ہے۔ یہ ہمارا جڑ سے جڑا ہوا حصہ ہے، بالکل بنیاد۔ دوسرا، گلبرگ اور ڈیفنس کے سٹوڈیوز—جہاں وائٹ گولڈ، ڈائمنڈ، اور ڈیزائننگ کا اصل کھیل ہے۔ وہی جس میں خاور میرا ہاتھ بٹا رہا ہے۔ تیسرا، باہر کے آرڈر—دبئی، لندن، ٹورنٹو میں بسنے والے چند خاندان، جو اپنے لیے یا اپنی بیٹیوں کے لیے خاص سیٹ بنواتے ہیں۔ ان کے لیے ہم پورا پیس بنا کر بھیجتے ہیں، قیمت صرف وزن کی نہیں، ڈیزائن اور نام کی بھی ہوتی ہے۔"

"یعنی ایک طرف وہ عورت ہے جو اپنی پرانی چوڑیاں بیچ کر نئے سیٹ کے لیے وزن جوڑتی ہے، اور دوسری طرف وہ جو آپ سے کہتی ہے کہ مجھے ایسا سیٹ چاہیے جو کسی اور کے پاس نہ ہو۔" زین کی آنکھوں میں اب وہی اینتھروپولوجی والا تجسس جاگ اٹھا۔

"ہاں۔" ریاض نے اثبات میں سر ہلایا۔ "دونوں میری نظر میں ایک سی اہم ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک کے پاس پیسے کم ہیں، دوسری کے پاس انتخاب زیادہ۔ لیکن دونوں کے لیے میں نے سیکھا ہے کہ زیور صرف دھات اور پتھر نہیں ہوتا، وہ احساس بھی ہوتا ہے — سکون، فخر، یا کبھی کبھار کمزوری۔"

کمرے میں خاموشی کا ایک ہلکا سا وقفہ آیا۔ زین نے میز پر کہنی رکھ کر باپ کے چہرے کا زاویہ دیکھا۔

"تو... آپ نے واقعی اندرون شہر کی چھوٹی سی دکان سے یہاں تک آ کر، لوگوں کے احساسات بھی تولنے شروع کیے۔"

ریاض نے آہستہ سے کہا۔ "شاید اسی لیے اب میں پینٹنگز کم بناتا ہوں اور زیادہ لکھتا ہوں۔ پہلے میں کینوس پر چہرے بناتا تھا، اب اپنے اندر کے سوال لکھتا ہوں۔ سونا اور پتھر اب بھی میرے رزق کا ذریعہ ہیں لیکن میں سارا دن زیور بنا کر رات کو خود سے یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں نے آج کسی کے دل میں کیا ڈالا؟ صرف چمک... یا کچھ وزن بھی۔"

"واقعی، اب تو ہمارا اسٹیٹس صرف 'جیولر' کا نہیں رہا۔" زین نے گہرا سانس لیا، پھر ہلکی سی ہنسی کے ساتھ سر ہلایا۔ "اتنا سارا ڈیزائن، پتھر، باہر کے آرڈر، برینڈ کا نام... ہم تو باقاعدہ ڈیزائنر لیول پر آ چکے ہیں اور میں... ابھی بھی یونیورسٹی کیفے ٹیریا کی چائے کے فلسفے میں پھنسا ہوا ہوں۔"

ریاض نے مگ اٹھایا اور سر دپڑتی کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "ہر ایک کی اپنی رفتار ہوتی ہے، زین۔ تم نے

لوگوں کو پڑھا ہے، میں نے ان کے ہاتھوں میں پہنے زیور کو۔ کبھی کبھی دونوں چیزیں مل کر ہی پوری کہانی بنتی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

لاہور کے پرانے صنعتی علاقے کے ایک کونے میں وہ فیکٹری یوں کھڑی تھی، جیسے کسی نے وقت کو اوورٹائم کے بعد دروازے پر ہی چھوڑ دیا ہو، اور خود اندر آنا بھول گیا ہو۔ باہر سے دیکھو تو بس سرخ اینٹوں کی لمبی دیوار، اوپر ٹوٹی ہوئی اینٹوں سے نکلی جھاڑیاں، اور ایک زنگ آلود گیٹ تھا جس پر کبھی کمپنی کا نام لکھا ہو گا، اب بس دو تین حروف کی شکل میں باقی رہ گیا تھا۔ گیٹ کے برابر ایک پرانا بورڈ ٹیڑھا سا لٹک رہا تھا۔

"اورینٹ شوگر اینڈ کنفیکشنری۔ میٹھاس جو یاد رہے۔"

اب اس پر نظر ڈال کر بس یہی لگتا تھا کہ یادیں رہ گئی ہیں، اور مٹھاس کہیں اور چلی گئی ہے۔

اندر قدم رکھتے ہی فضا یکدم بدل جاتی تھی۔ ہوا میں باسی چینی کی نم آلود خوشبو، پرانی لکڑی، تیل اور دھول کا ایسا عجیب سا امتزاج تھا کہ گہرا سانس لو تو یوں لگتا جیسے بچپن کی کسی مٹھائی کی دکان میں آ بھٹکے ہو، جس پر وقت نے موٹی گرد جما دی۔ فرش پر کالی اور سفید چوکور ٹائلیں کبھی پوری ہوں گی، اب ادھڑ کر جگہ جگہ سے سیمنٹ جھانک رہا تھا، جیسے نیچے سے فیکٹری کا ڈھانچا مسکرا کر کہہ رہا ہو: ابھی میں مکمل طور پر گرا نہیں ہوں۔

بائیں طرف ایک لمبا ہال تھا جہاں کبھی شکر کے بڑے بڑے پتیلے چڑھتے ہوں گے۔ اب وہاں قطار در قطار بند مشینیں خاموشی سے کھڑی تھیں۔ موٹے لوہے کے چولہوں پر بڑے گول کڑاہے تھے، جن کے نیچے زنگ سے بھرے پائپوں کی جالی لگی تھی؛ اوپر جھکے ہوئے دھاتی بازو، جن سے جڑے ڈنڈوں سے شاید کبھی مزدور

گاڑھا شربت ملاتے رہے ہوں گے۔ کچھ کڑاہوں کے کناروں پر اب بھی شکر کی جمی ہوئی تہہ چمک رہی تھی، جو نمی کھا کر اب پتھر سی بن چکی تھی۔

یوں لگتا تھا جیسے آخری بیچ ادھورا رہ گیا ہو اور سب لوگ اچانک کہیں اور نکل گئے۔

درمیانی حصے میں چلتی پٹڑیوں جیسی لمبی ربڑی پٹیاں تھیں جو کبھی چاکلیٹ اور ٹافیوں کے رنگ برنگے کاغذ آگے بڑھایا کرتی ہوں گی۔ اب وہ ربڑ سوکھ کر چیخ سا گیا تھا۔ کچھ جگہوں پر پٹڑی نیچے کو جھک کر ایسے لٹک رہی تھی جیسے کوئی سست آدمی کرسی پر نیم دراز ہو کر سو گیا ہو۔ ان کے ساتھ چھوٹی چھوٹی مشینیں لگی تھیں: کہیں "ریپر فولڈر" لکھا ہوا پرانا تختہ، کہیں "کٹنگ یونٹ" کی مٹی دھندلی تختی، کہیں ایک چھوٹی سی مشین کے ساتھ لگا ہوا بورڈ۔

لال پاپس۔ بیچ نمبر ۳

دائیں طرف وہ حصہ تھا جہاں کبھی ٹافیوں کے سانچے رکھے جاتے تھے۔ لمبی میز، اس پر لوہے کے مولڈز کی ٹرے، جن کے گڑھوں کے کناروں میں اب بھی ہلکا سا چپچپا پن محسوس ہوتا تھا۔ ایک ٹرے تو ایسی تھی جس میں لگی مٹھائی شاید کبھی پوری نکالی ہی نہیں گئی۔ اوپر سے خشک ہو کر سکڑ گئی تھی اور اب وہ معصوم سی بھوری تہہ، ٹرے کے ایک کونے میں چپکی بیٹھی اپنے انجام کا انتظار کر رہی تھی۔ اگر کوئی ٹارچ اس پر ڈالے تو اس میں ہلکی سی چمک ابھی بھی دکھائی دیتی، جیسے کوئی چھوٹا سا راز اب تک فیکٹری کے ساتھ چپکا ہوا ہو۔

اوپر نیم منزل تک جانے والی سیڑھیاں تنگ تھیں، لوہے کی ریلنگ پر پرانی شکر کی بوریوں کے ریشے اٹکے تھے۔ اوپر شیشے سے بند دفتر نما کمرے تھے جہاں کبھی منیجر بیٹھ کر پیداوار اور فروخت کے گراف ملا کر دیکھتے ہوں گے۔ اب ان شیشوں کے پیچھے ٹوٹی ہوئی کرسیاں، کاغذوں کے ڈھیر اور ایک کونے میں ہوا سے خالی

سرخ ربڑ کا غبارہ پڑا تھا، جس پر "نیا سال مبارک 2001" مدھم حروف میں اب تک پڑھا جا سکتا تھا۔ جیسے فیکٹری کی آخری خوشی وہی تھی، اس کے بعد کسی نے دوبارہ جشن منانے کی زحمت نہیں کی۔

سب سے دلچسپ گوشہ ہال کے آخر میں تھا، جہاں "چکھنے کا کاؤنٹر" لکھا ہوا ایک چھوٹا سا لکڑی کا کیبن بنا تھا۔ اس کے اندر پرانا ترازو جھکا ہوا کھڑا تھا، سامنے لگی شیلف پر خالی شیشے کے مرتبان قطار میں سجے تھے، جن پر چپکے ہوئے لیبل مٹے مٹے حروف میں اب بھی نظر آتے تھے: "سادہ ٹافی—بیچ اے۔ ۱۲"، "پستہ کیرامل"، "لیموں پاپس"۔۔۔ جیسے ابھی کوئی لیبارٹری اسسٹنٹ اندر آ کر کسی جار کا ڈھکن کھولے گا، گہرا سانس لے کر بولے گا: "ہاں، خوشبو ٹھیک ہے، بازار بھیجو۔"

اسی فیکٹری کے مرکزی ہال میں، جہاں کبھی مشینوں کی گڑگڑاہٹ اور مزدوروں کی آوازیں مل کر شور بناتی ہوں گی، آج ایک بالکل مختلف قسم کا شور تھا۔ ہنسی کے پھوٹتے قہقہے، جینز کے رگڑتے قدموں کی آہٹ، کسی کے ہاتھ میں بجتی ہوئی موبائل کی دھن، کوئی لائٹر جلا کر ٹارچ کی طرح اوپر کر دیتا۔۔۔ آج یہ ویران فیکٹری "ٹریژر ہنٹ کے ہیڈ کوارٹر" میں بدل چکی تھی۔

ہال کے نسبتاً صاف حصے میں، جہاں کبھی تیار کارٹن رکھے جاتے ہوں گے، لکڑی کے دو کریٹ جوڑ کر عارضی میز بنائی گئی تھی۔ اس میز پر چند سفید چھپے ہوئے کاغذ ایک کلمپ کے نیچے دبے تھے۔ ساتھ بال پوائنٹ رکھا تھا اور ایک چھوٹا سا اسپیکر، جس سے ہلکی آواز میں پرانے گیت چل رہے تھے۔ پیچھے دیوار پر زارون سعید نے اسپرے پینٹ سے بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا۔

"مرحلہ صفر۔ اپنی قسمت پر دستخط کرو۔"

وہ پانچوں—— مشعل، حماس، مہوش، شمع اور زین—— ایک ساتھ ہنستے ہوئے اس عارضی میز کے گرد جمع

ہوئے۔

"دستخط کی رسم، خواتین و حضرات۔" زارون سعید، اپنی ہمیشہ والی چمکدار انرجی کے ساتھ ایک پرنٹ شدہ کاغذ لہراتے ہوئے بولا۔ "ٹریژر ہنٹ باقاعدہ شروع ہونے سے پہلے چھوٹا سا فلمی سین۔"

زین نے فوراً ڈرامائی سنجیدگی سے سینہ تان کر کہا۔ "واہ، لگتا ہے آج ہم کسی خفیہ مشن میں شامل ہونے والے ہیں۔"

خفیہ مشن کہاں؟" شمع نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "یہ تو لگ رہا ہے جیسے کوئی سلسلہ وار جاسوسی ناول ہو: "

"'پانچ دوست اور لاہور کی مٹھاس فیکٹری کا راز۔

"خاموشی!" زارون نے ہنستے ہوئے ہاتھ اٹھایا۔ "یہ،" اس نے کاغذ میز پر پھیلا دیا۔ "بس ایک رسمی سا اقرار نامہ ہے کہ آپ سب اپنی خوشی اور ہوش و حواس میں اس کھیل میں حصہ لے رہے ہیں، بعد میں یہ نہ کہنا کہ زبردستی تھی، بہلا پھسلا کر لے گئے تھے، اور نجانے کیا کیا۔"

حماس نے کاغذ اٹھا کر اوپر سے نیچے تک تیزی سے نظر دوڑائی۔ "ہوش و حواس والی لائن رہنے دو۔"

"میں، دستخط کنندہ، اس بات کا اعتراف کرتا/کرتی ہوں کہ میں زارون کے اس خصوصی لاہوری ٹریژر ہنٹ میں اپنی مرضی سے شریک ہو رہا/رہی ہوں۔" مشعل نے قریب ہو کر صفحے کی سرخی پڑھی۔ "اور یہ بھی تسلیم کرتا/کرتی ہوں کہ اس کھیل کے دوران ہونے والی ہر طرح کی چوٹ، غلط فیصلوں یا دل کے ہار۔۔۔" نیچے کہیں درمیان میں ایک جملے پر اس کی زبان اٹکی "۔۔۔ جانے کی ذمہ داری میری اپنی ہو گی۔"

"دل ہارنے والی شق بھی ہے؟" مہوش نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "تم کس قسم کا کھیل کروانے والے ہو؟"

زارون نے فوراً فخر سے سینہ تان لیا۔ "لاہور بھر میں بکھرا ہوا ٹریژر ہنٹ ہے بی بی! صرف فیکٹری نہیں، پورا شہر ہمارے کھیل کا تختہ ہے۔"

"۔۔۔اگر دورانِ ہنٹ آپ کا جوتا ٹوٹ جائے، فون کی بیٹری ختم ہو جائے، بارش میں بھیگ جائیں، غلط بس میں بیٹھ جائیں، رستہ بھول جائیں، یا کسی سرپرائز جگہ پر پہنچ کر خود کو کہانی کا کردار محسوس کریں۔۔۔تو اس کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔ منتظمین صرف اشارے دینے اور آپ کی ہنسی کا سامان کرنے کے پابند ہیں۔" مشعل نے پڑھنا جاری رکھا۔ مہوش نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ذرا دکھاؤ تو، کن کن باتوں سے تم خود کو بچا رہے ہو؟"

زین زور سے ہنسا۔ "یہ تو میں دل سے ماننے کو تیار ہوں۔ فون کی بیٹری تو ویسے بھی روز خود ہی ختم ہو جاتی ہے، کم از کم آج تمہاری وجہ سے ہو گی۔"

شمع نے کاغذ مہوش سے لیا۔ "اچھا سنو نیچے کیا لکھا ہے۔" وہ اب اونچی آواز میں پڑھ رہی تھی۔ "اور اگر دورانِ ہنٹ کسی بھی مقام پر آپ کو لاہور پہلے سے زیادہ خوبصورت، زیادہ۔۔۔پراسرار، یا معمول سے زیادہ میٹھا محسوس ہونے لگے—تو اس اضافی اثر کے بھی ہم ذمہ دار نہ ہوں گے۔"

"توبہ۔" مشعل نے قہقہہ لگایا۔ "یہ فیکٹری کی ٹافیوں سے زیادہ خود رومانوی ہو رہا ہے۔"

زارون نے جھک کر میز سے قلم اٹھایا۔ "بس، اب باتیں بہت ہو گئیں۔ میں سب سے پہلے اپنے ہاتھ سے اپنی قسمت پر دستخط کرتا ہوں۔" اس نے بڑے بڑے حروف میں اپنا نام لکھا۔ زارون سعید۔ نیچے چھوٹی سی لکیر کھینچ کر لکھ دیا، سراغوں کا سردار۔ "یہ رہا میرا عہدہ۔"

چلو، میں ہوں دوسرا بے وقوف۔" زین نے قلم جھپٹ کر بڑے انداز سے دستخط کیے، اور تاریخ کے ساتھ "

"لکھ دیا: "زین ـــــ خوشی خوشی رستہ بھولنے کو تیار۔

شمع نے آگے بڑھ کر کاغذ لیا۔ "میں تو صرف اس جملے کی خاطر سائن کر رہی ہوں جس میں لکھا ہے کہ لاہور معمول سے زیادہ میٹھا لگ سکتا ہے۔" اس نے خوب اعتماد بھری لکھائی میں اپنا نام لکھا اور ساتھ نیچے چھوٹا سا جوتے کا نشان بنا دیا۔ "کیونکہ سب سے پہلے میرا جوتا ہی ٹوٹنا ہوتا ہے۔"

مہوش نے قلم تھاما تو ذرا رکی۔ "سچی بات بتاؤں؟ مجھے تو یہ سب بہت فلم جیسا لگ رہا ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔" مشعل نے کہا۔ "ہم بھی تو آدھے ادھورے فلمی لوگ ہیں نا۔"

آخر میں حماس رہ گیا۔ سب کی نظریں آدھی سنجیدگی، آدھی شرارت کے ساتھ اس کی طرف اٹھ گئیں۔

"جنابِ فلسفۂ حیات،" زین نے آنکھیں سکیڑ کر کہا۔ "کیا آپ اپنی روح، دل، دماغ اور باقی سب اعضاء کے ہمراہ رضاکارانہ طور پر اس مشکوک مہم میں شامل ہونا پسند کریں گے؟"

حماس لمحہ بھر کو رکا، پھر کندھے اچکا دیے۔ "روح ابھی سوچ رہی ہے، دل ویسے ہی ہمیشہ مصیبت میں رہتا ہے، دماغ کہہ رہا ہے مت کر۔" حماس نے مسکراتے ہوئے قلم لے لیا۔ "حماس کہہ رہا ہے، کر گزر۔" اس نے آہستگی سے دستخط کیے۔ حماس سلطان۔ اور نام کے نیچے ایک لکیر کھینچ دی۔

بس!" زارون نے دونوں ہاتھوں سے کاغذ اٹھا کر اوپر کیا، جیسے ٹرافی ہو۔ "رسمی کارروائی مکمل۔ اب یہ فیکٹری ہمارا مرکز، لاہور ہمارے کھیل کا میدان اور تم سب۔۔۔" وہ اب گھوم کر ان پانچوں کی طرف دیکھنے لگا۔ "میرے ٹریژر ہنٹ کا حصہ۔"

اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

طلبہ آتے گئے اور۔۔۔ زارون سعید دستخط شدہ کاغذات اکٹھے کرتا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دن، وہی فیکٹری تھی، وہی لوگ، بس منظر ذرا مختلف تھا۔

اور ان سب کی توقعات بھی۔

زارون کے سامنے، لکڑی کے کریٹوں کے اوپر، ایک درمیانہ ساخاکی ڈبہ رکھا ہوا تھا۔اس نے اندر سے پانچ بھورے لفافے نکالے، جن پر موم کی سرخ مہر لگی تھی۔

"اب کھیل کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔"اس کے لہجے میں ایک خاص قسم کا جوش تھا۔

"یہ پہلا مرحلہ ہے: 'انسانی چاپ کی تلاش'۔بشریات یا اینتھروپولوجی صرف ہڈیوں یا کھنڈرات کا نام نہیں، یہ ان نشانات کو ڈھونڈنے کا نام ہے جو انسان اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔اس ویران فیکٹری میں، جہاں مشینیں خاموش ہو چکی ہیں، اب بھی ان مزدوروں اور کاریگروں کی کہانیاں بکھری پڑی ہیں جو یہاں برسوں کام کرتے رہے۔"

اس نے پانچوں کو ایک ایک لفافہ تھمایا۔"تمہارا پہلا اشارہ اسی ہال کے اندر چھپا ہے۔ تمہیں کوئی سونا یا ہیرا نہیں ڈھونڈنا، بلکہ وہ 'انسانی نشان' ڈھونڈنا ہے جس کا ذکر اس لفافے کے اندر موجود ایک چھوٹی سی پہیلی میں ہے۔جو اسے ڈھونڈ لے گا، اسے اگلے مقام کا پتہ چلے گا۔"

زین نے فوراً اپنا لفافہ کھولا اور بلند آواز میں پڑھا۔

"جہاں مٹھاس پتھر بن گئی اور وقت تھم گیا، وہاں ایک ایسی 'دھڑکن' ڈھونڈو جو لوہے کے سینے پر کسی نے بوریت کے عالم میں تراشی تھی۔"

دھڑکن ؟لوہے کے سینے پر ؟"مہوش نے الجھ کر ادھر اُدھر دیکھا۔

یہ تو بہت آسان ہے !"مشعل کی عقابی نظریں پہلے ہی ہال کے درمیانی حصے میں لگی پٹیوں کی طرف جا چکی تھیں۔"ابھی ہم نے پڑھا تھا'لال پاپس، بیچ نمبر ۳'۔"

پانچوں ایک ساتھ اس مشین کی طرف لپکے۔

زنگ آلود لوہے کے بازو کے نیچے، جہاں مٹی کی موٹی تہہ جمی تھی، مشعل نے اپنے دوپٹے کے پلو سے گرد صاف کی۔ وہاں واقعی مار کر سے ایک ننھا سا'دل' بنا ہوا تھا، جس کا ایک کونا ذرا سا مڑا ہوا تھا۔

یہ رہا!"زین نے جوش سے چلایا۔"دیکھو، اس نامعلوم لڑکی نے، جس نے شاید ہزاروں ٹافیاں پیک کی ہوں گی، اپنی زندگی کا ایک لمحہ اس بے جان مشین کے نام کر دیا۔"

حماس نے اس ننھے سے دل پر انگلی پھیری۔"یہ ہے اصل اینتھروپولوجی۔ یہ دل بتاتا ہے کہ مشینی کام کے بوجھ تلے دبا ہوا انسان بھی اپنی شناخت اور اپنی محبت کہیں نہ کہیں چھوڑ ہی دیتا ہے۔ اس لڑکی کے لیے یہ صرف ایک بورنگ ڈیوٹی نہیں تھی، وہ اس کا حصہ بن گئی تھی۔"

بالکل ٹھیک !"زارون پیچھے سے نمودار ہوا۔"اس دل کے عین نیچے ایک چھوٹا سا نمبر لکھا ہے۔ وہ نمبر تمہارے اگلے سراغ کی چابی ہے۔"

شمع نے جھک کر دیکھا۔"نمبر ہے:'۱۰-بی-۴'۔"

یہ کیا ہے ؟"مہوش نے پوچھا۔"

"یہ اس فیکٹری کے آخری منیجر کے دفتر کا فائلنگ کیبن نمبر ہے۔" زارون نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "اوپر جاؤ، اس فائل کو ڈھونڈو۔ اس میں ایک ایسی فہرست ہے جو تمہیں اس فیکٹری سے باہر، لاہور کے ایک ایسے قدیم محلے میں لے جائے گی جہاں آج بھی وہی 'مٹھاس' بنتی ہے جو کبھی اس فیکٹری کا فخر تھی۔"

چلو بھائیو اور بہنو!" زین نے ایک فرضی سیلوٹ کیا اور تنگ سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ "ابھی تو صرف دل ملا ہے، آگے دیکھو پورا لاہور ہمیں کیا کیا دکھاتا ہے۔"

سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے مشعل نے مڑ کر ایک بار پھر اس ویران ہال کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے ان مشینوں کے درمیان بنے اس ننھے سے دل کی دھڑکن اب اسے صاف سنائی دے رہی ہو۔ یہ ٹریژر ہنٹ اب محض ایک کھیل نہیں رہا تھا، یہ ان گمنام زندگیوں کے تعاقب کا سفر بنتا جا رہا تھا جو اس شہر کی دیواروں میں کہیں کھو گئی تھیں۔

شہر کی مرکزی سڑکیں پیچھے رہ گئیں، اور رفتار خود بخود دھیمی پڑ گئی۔ چند موڑ، دو تین خاموش گلیاں، اور پھر ایک نسبتاً سنجیدہ سی عمارت کے سامنے گاڑی رکی۔ سامنے بڑے شیشے کا دروازہ تھا، اندر سے ہلکی نیلی روشنی جھلک رہی تھی۔ اوپر کوئی نمایاں بورڈ نہیں تھا، بس کونے میں دھاتی حروف میں ایک مختصر سا نام، جو صرف قریب آ کر پڑھا جا سکتا تھا۔

اندر قدم رکھتے ہی ٹھنڈی ہوا کی ایک منظم سی لہر سامنے آئی۔

ریسپشن ایریا وسیع نہیں تھا، مگر ہر چیز اپنے مقام پر جمی ہوئی تھی۔ سامنے دیوار کے ساتھ کالے چمڑے کا لمبا صوفہ، اس کے دونوں طرف چھوٹے گول شیشے کے میز، جن پر ترتیب سے رکھے ہوئے میگزین اور پتلے سے

فائل فولڈر۔ بائیں جانب ایک موٹی شیشے کی دیوار تھی، جس کے پار اندر کا حصہ ہلکا سا دکھائی دیتا تھا۔ لکڑی کے ٹارگٹ، نرم روشنی، اور چند لوگ پریکٹس کرتے ہوئے۔

ریسپشن کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا شخص درمیانی عمر کا تھا؛ سفید قمیص، سیاہ واسکٹ، اور میز پر کمپیوٹر اور رجسٹر دونوں موجود تھے۔ اس نے اٹھ کر مؤدبانہ انداز میں سر ہلایا۔

"جی، خوش آمدید۔ ممبر ہیں یا پہلی بار؟"

"پہلی بار،" زین نے آگے بڑھ کر کہا۔ "رجسٹریشن کروانی ہے۔"

پھر حماس کی طرف ایک ہلکی سی نگاہ ڈالی۔ "اس کے لیے۔"

ریسپشن پر موجود شخص نے حماس کو ایک نظر دیکھا، پھر مسکرا کر کہا، "بہت اچھا۔ آپ لوگ ادھر تشریف رکھیں، فارم لے کر آتا ہوں۔"

وہ چند لمحوں بعد سفید فارم اور ایک پتلا سا بروشر لے آیا۔ اب وہ انہیں آرچری اور شوٹنگ (جن میں حماس کو دلچسپی تھی) کی کلاسز اور مختلف اوقات کے متعلق آگاہ کرنے لگا۔

پھر اس نے بروشر کھول کر زین اور حماس کے سامنے رکھ دیا۔ اس میں صاف لکھا تھا۔

پہلے دو ہفتے بنیادی تربیت—— جسم کی پوزیشن، سانس کا کنٹرول، حفاظتی اصول۔

اگلے چار ہفتے تکنیک—— تیر چڑھانے کا طریقہ، نشانے کی تقسیم، گن ہینڈلنگ، رینج ڈسپلن۔

اس کے بعد الگ الگ سیشن—— جو صرف آرچری لیں، صرف شوٹنگ، یا دونوں ساتھ جاری رکھیں۔

"یہاں سب پہلے سیکھتے ہیں، شوآف بعد میں۔" ریسپشن والے نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا۔ "ہمارے کوچ سابقہ نیشنل لیول کے ہیں، ہر گروپ میں زیادہ سے زیادہ آٹھ لوگ رکھتے ہیں، تاکہ ہر ایک کی تکنیک پر نظر رکھی جا سکے۔"

حماس فارم پر جھک گیا، نام اور باقی تفصیل لکھنے لگا۔

"فیس وغیرہ؟" زین نے پوچھا۔

"ماہانہ فیس۔" اس نے شرحاً بتایا۔ "تین دن ہفتہ، ہر دن ڈیڑھ گھنٹہ۔ جو لوگ بعد میں ایڈوانس ٹریننگ لینا چاہیں، ان کے لیے علیحدہ پیکج ہے، مگر شروع میں سب کے لیے بنیادی نصاب ایک ہی ہے۔ سامان ہمارا ہے—کمان، تیر، گنز، سب کچھ۔ آپ کو بس کھیلنے کی نیت اور وقت لانا ہے۔"

اس کے بعد فیس وصول کی گئی۔

آج اگر وقت ہو تو میں آپ کو اندر کا ایک مختصر سا دورہ کرا سکتا ہوں۔" اس نے پیش کش کی۔ "باقاعدہ" "کلاس تو پیر سے شروع ہو گی، لیکن آج آپ جگہ سمجھ لیں۔

زین نے حماس کی طرف نگاہ ڈالی۔

"چلیں، دیکھ لیتے ہیں۔" حماس نے ہامی بھری۔

شیشے کے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی فضا مزید ٹھنڈی اور مرتکز محسوس ہوئی۔

دائیں طرف آرچری ہال تھا۔ لمبا مستطیل کمرہ، سامنے دیوار کے ساتھ قطار سے لگے گول ٹارگٹ—ہر ایک پر مختلف رنگوں کے دائرے۔ فرش پر برابر سفید لائنیں، جن پر پیروں کے نشان ہلکی سی چاک سے بنے

ہوئے تھے، جیسے کوچ نے خود جا کر ہر جگہ فاصلے ناپے ہوں۔ دیوار کے ساتھ ایک ریک تھا جس میں مختلف سائز کے کمان لٹک رہے تھے، نیچے تیر رکھنے کے اسٹینڈ پر ترتیب سے لکڑی اور فائبر والے تیر رکھے تھے۔

کمرے کے وسط میں دو لڑکے اور ایک لڑکی کمان تھامے کھڑے تھے۔ ایک بڑے قد کا کوچ ان کے پیچھے ہلکے قدموں سے چلتا، کبھی کسی کی کہنی سیدھی کرتا، کسی کے کندھے پر انگلی رکھ کر کہتا۔ "سانس یہاں روکنا، یہاں چھوڑنا۔ ہاتھ نرم، زور صرف تار پر۔"

آواز میں سختی تھی نہ لاپرواہی، بس وہ عادت جو صبر سے آتی ہے۔

بائیں طرف شوٹنگ رینج تھی۔ دیوار کے ساتھ چھوٹے لوہے کے ٹارگٹ، کچھ گول، کچھ چوکور۔ سامنے کارپٹ لگا ہوا تھا جہاں لوگ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر فائر کرتے۔ ایک طرف بند الماری میں ایئر گنز اور حفاظتی عینکیں ترتیب سے رکھی تھیں۔ کوچ وہاں بھی ایک لڑکے کی اسٹانس درست کر رہا تھا۔ پاؤں کی سیدھ، کندھے کا زاویہ، ہاتھ کی گرفت۔

"پہلے دو ہفتے بس یہیں تک۔" ریسپشن والا اب ان کا رہنما بن چکا تھا۔ "کوئی دوڑ نہیں، کوئی مقابلہ نہیں۔ جسم کو سیدھا رکھنا، ذہن کو ایک نقطے پر لانا، اور سب سے بڑھ کر حفاظت—یہ تین چیزیں پہلے آتی ہیں۔ پھر تیسرے ہفتے سے آہستہ آہستہ اصل نشانے لگانے کی پریکٹس۔ چھٹے ہفتے کے بعد جو لوگ چاہیں، چھوٹے مقابلوں میں حصہ لے سکتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ تکنیک ڈھیلی نہ ہو۔"

زین خاموشی سے سب دیکھ رہا تھا۔ کبھی حماس کی طرف، کبھی سامنے کے مناظر کی طرف۔

"یہاں شور نہیں ہے۔" حماس نے کہا۔ "صرف آوازیں اتنی رہنے دی ہیں، جتنی ضروری ہوں۔"

اس نے ٹارگٹس پر نظر جمادی۔

صاف دیوار، نمایاں دائرے، فاصلہ ناپے ہوئے۔

یہ جگہ کسی میلے کی طرح نہیں تھی،

امتحان گاہ کی طرح بھی نہیں،

بس ایسی لگ رہی تھی جہاں

ایک انسان اپنے ہاتھ اور ذہن کی سیدھ

خاموشی سے خود ٹھیک کر سکتا ہے،

کسی تماشے کے بغیر۔

واپسی پر ریسپشن والا پھر مؤدبانہ انداز میں بولا۔" پیر کی شام پہلی کلاس ہے۔فارم میں جو وقت لکھا ہے، اسی وقت حاضر ہو جائیں، باقی ہم پر چھوڑ دیں۔"

باہر نکلتے ہوئے دروازہ ہولے سے بند ہوا۔

باہر کی ہوا نسبتاً گرم تھی، گاڑیاں، سڑک، شہر کا معمولی شور۔

زین نے گاڑی کی چابی جیب سے نکالی، پھر بغیر کسی ڈرامائی جملے کے صرف اتنا کہا۔"ہر آدمی کے پاس ایک جگہ ہونی چاہیے جہاں وہ صرف خود پر کام کرے۔اب یہ تمہاری جگہ ہے، چاہو تو بنالو۔"

حماس نے پیچھے مڑ کر ایک آخری نظر اُس شیشے کے دروازے پر ڈالی پھر سر ہلا کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

فیصلہ وہی تھا جو اس نے فارم پر دستخط کرتے وقت اندر ہی اندر خود کر لیا تھا۔

باتیں کم،

کام زیادہ۔

☆☆☆☆☆☆☆

اندرونِ لاہور کی پرانی گلی تھی، جسے لوگ کبھی "درزیوں والی گلی" کہتے تھے اور کبھی "کپڑوں کا بازار"۔

حماس، زین اور شمع ایک کپڑوں کی دکان سے شالز دیکھ کر باہر نکلے تھے۔ مشعل اور مہوش ساتھ نہیں تھیں، یہ لڑکوں اور شمع کا الگ سا چکر تھا۔ زین کو اسی درزی سے ملنا تھا جس نے اس کے لیے نیلا رنگ منتخب کیا تھا۔ آج وہ حماس کے لیے اس سے ملتا جلتا کوئی لباس لینے آیا تھا۔ شمع آگے چل رہی تھی۔ ہاتھ میں موبائل تھا، کبھی کسی دوپٹے پر رکتی، کبھی کسی کڑھائی پر۔ زین دائیں طرف دکانوں کو دیکھتا ہوا چل رہا تھا، جبکہ حماس نسبتاً خاموش، گلی کے شور میں خود کو تھوڑا پیچھے رکھے ہوئے تھا۔

اسی وقت حماس کی نظر گلی کے کنارے بیٹھے ایک بچے پر پڑی، بارہ، تیرہ سال سے زیادہ کا نہیں لگتا تھا۔ سامنے ایک صندوق سا رکھا تھا، جس پر چند جوتے پڑے ہوئے تھے—پالش یا مرمت کے انتظار میں۔ اس کے ہاتھ میں برش تھا، پتلی قمیص کی آستینیں کہنی تک چڑھی ہوئی تھیں اور پیروں میں پُرانے، کمزور جوتے۔ وہ کسی گاہک کا جوتا پالش کر رہا تھا مگر اس کی نظر بار بار سامنے والی گلی سے گزرتے ہوئے اسکول کے بچوں کی طرف اٹھ جاتی تھی—کسی کے کندھے پر بستہ، کسی کے ہاتھ میں کاپی۔

شمع نے پیچھے مڑ کر کہا۔ "اِدھر بھی آؤ نا۔ تم دونوں گلی کے نقشے بنانے میں لگے ہو، مجھے کپڑے دیکھنے ہیں۔"

زین نے شمع کی طرف دیکھا، پھر حماس کی۔ "چلو۔"

حماس مگر چند لمحے کے لیے وہیں ٹھہر گیا۔اس نے دیکھا کہ بچہ گاہک کا جوتا واپس دے کر ہاتھ جھاڑتا ہے، پھر ٹھنڈی سانس لیتا ہوا اپنے جوتوں کی طرف دیکھتا ہے۔ جن پر مٹی جمی ہوئی تھی۔

حماس نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔"تم لوگ آگے جاؤ، میں بس پانچ منٹ میں آتا ہوں۔"

زین نے ابرو چڑھائے۔"کپڑوں سے ڈر لگ رہا ہے؟"

"بس۔۔۔آتا ہوں۔"

وہ بچے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔بچے نے سر اوپر اٹھایا، ایک لمحے کو نگاہیں ملیں، پھر جلدی سے نیچے کر لیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں،"گاہک ہو تو بات کرو، ورنہ مجھے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔"

"کام ختم ہو گیا آج کا؟"حماس نے پوچھا۔

"بس۔۔۔ تھوڑا بہت باقی ہے۔رات تک ہوتا رہتا ہے۔"لڑکے نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

حماس نے جیب میں ہاتھ ڈالا، کچھ نوٹ نکالے، پھر اپنا جوتا آگے بڑھانے کے بجائے صندوق پر رکھے پرانے جوتوں کی طرف دیکھا۔"یہ سارے تمہارے ہیں؟"

بچے نے نفی میں سر ہلایا۔"نہیں جی، یہ سب گاہکوں کے ہیں۔میں تو بس۔۔۔صاف کرتا ہوں، سلائی کرتا ہوں۔"

حماس نے صندوق ایک طرف کھسکایا اور نیچے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔یوں جیسے وہ گاہک نہیں، برابر کا ساتھی ہو، پھر نرمی سے بولا۔"اچھا یہ بتاؤ، آج صرف ایک دن کے لیے اگر تم یہاں نہ بیٹھو، کہیں اور جا کر بیٹھو تو کیسا لگے گا؟"

بچہ حیران ہوا۔ "کہاں جا کر؟"

حماس نے گلی کے پار اسکول کے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت چھٹی ہو چکی تھی، مگر اس کے لوہے کی سلاخوں کے بیچ سے کلاس رومز کی کھڑکیاں نظر آتی تھیں۔ "فرض کرو، تم بھی کبھی دن میں صرف یہ سوچو کہ کیا تم پڑھ سکتے ہو۔ کون سی کتاب ہاتھ میں لے سکتے ہو، کون سا سبق تمہارا ہو سکتا ہے۔"

بچے کے چہرے پر عجیب سی چمک اور جھجھک دونوں ایک ساتھ ابھری۔ "مجھے کہیں سے بھی کوئی پرانا اخبار ملے، گھر لے جاتا ہوں۔ صبح یہاں آنے سے پہلے اخبار میں تصویریں دیکھتا ہوں۔ کبھی کبھار کوئی ایسا رسالہ بھی مل جاتا ہے جس میں بچوں کی کہانیاں ہوتی ہیں۔۔۔ کوئی کہانی بھی پڑھ لیتا ہوں، بس تھوڑی سی۔"

حماس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ آئی۔ "تو تم پڑھ سکتے ہو۔"

پھر اس نے جیب سے والٹ نکالا اور کچھ نوٹ بچے کے صندوق پر رکھ دیے۔

"آج کے لیے یہ کافی ہے، آج تم جوتے مت پالش کرو۔ گھر جاؤ اور رسالے والی پوری کہانی پڑھو۔ کل سے پھر جوتے، گاڑیوں کی آوازیں، پھر یہ گلی۔ لیکن آج۔۔۔ صرف کہانی۔"

بچے نے آنکھیں پھیلا کر نوٹوں کی طرف دیکھا۔ "اتنے میں تو آدھے مہینے کی۔۔۔"

حماس نے بات کاٹی، مگر لہجہ سخت نہیں تھا۔ "میں حساب نہیں کر رہا، تم بھی مت کرو۔ بس آج کے دن کو کسی اور چیز کے نام کر دو۔"

بچے نے ہولے سے نوٹ اٹھائے، پھر ایک لمحے کو حماس کی طرف دیکھا۔ ایسی نظر سے جس میں شکر گزاری بھی تھی اور حیرت بھی کہ کوئی اُس کا پورا دن یوں خرید کر اُسے خود ہی واپس دے رہا تھا۔

حماس "کل آؤں گا تو دیکھوں گا۔ اگر تم نے مجھے کوئی نئی کہانی نہ سنائی، تو میرا تم پر سے اعتبار اٹھ جائے گا۔"

نے سر ہلاتے تلقین کی۔

بچہ پہلی بار ہنسا۔ "میں کوشش کروں گا۔ پوری پڑھوں گا، سچ میں۔"

حماس اٹھ کھڑا ہوا۔ دور سے زین اور شمع کی آواز آئی۔

زین نے قریب آکر آہستہ سے پوچھا۔ "کیا ڈیل ہو گئی؟"

حماس نے الٹا سوال کیا۔ "تمہیں کبھی یہ گلی شور سے خالی لگی ہے؟"

زین نے کندھے جھٹکے۔ "یہ گلی کبھی خالی نہیں ہوتی۔"

"ہوتی ہے۔ جاب کے بعد اور اسکول سے پہلے۔ بیچ میں صرف۔۔۔ کہانیوں کا وقت ہوتا ہے۔"

شمع نے دونوں کو دیکھ کر سر ہلایا۔ "تم دونوں کبھی سیدھی بات بھی کر لیا کرو۔ چلو، میں نے جو دوسرا دوپٹہ دیکھا تھا، وہ ابھی تک میرے دماغ پر سوار ہے۔"

تینوں گلی کے شور میں دوبارہ گم ہو گئے۔ پیچھے، چھوٹے سے صندوق کے پاس، ایک بچہ پہلی بار سوچ رہا تھا کہ شاید گاہکوں کے پاس اسے دینے کو صرف جوتے نہیں، الفاظ بھی ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

گارڈ نے گیٹ کھولا تو باہر کی سڑک کا شور ذرا سا پیچھے رہ گیا۔ سامنے پورا شیشے کا محاذ روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ اوپر بڑے حروف میں "فرحان موٹرز" کا نام چمک رہا تھا، نیچے چوڑی سی سیڑھیاں، دونوں طرف پتھر کے گملوں

میں سجے ہوئے پودے۔ اندر جھانکنے پر بس چمکدار فرش، سفید دیواریں اور گاڑیوں کے بدن پر جھکتی ہوئی روشنیاں نظر آتی تھیں۔

زین نے پاس کھڑے حماس سے آہستہ سا کہا۔ "یہ ہے آج کا میدانِ کارزار۔"
حماس نے جواب دیا۔ "یہاں لڑائی نہیں، بولی لگتی ہو گی۔ بس پیسوں کی نہیں، ذوق کی بھی۔"

دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اندر آئے۔ دروازہ کھلتے ہی ٹھنڈی ہوا اور خوشبودار پالش کی مہک نے ان کا استقبال کیا۔ فلور چمکدار سرمئی پتھر کا تھا، جس پر قدم رکھتے ہوئے عکس بنتے اور مٹتے جاتے۔ دائیں طرف ریسپشن کاؤنٹر تھا، سیاہ پتھر کا، جس کے پیچھے وارث فرحان کے اسٹاف میں سے ایک نوجوان مہذب انداز میں مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ ہال کے درمیان تین گاڑیاں اس طرح رکھی تھیں جیسے کسی شوکیس میں زیورات، فاصلے سے بس تین ہی کافی لگ رہی تھیں۔ پہلی سیاہ سیڈان تھی۔ دوسری موتیے کے پھول جیسی سفید، ایک بڑی ایس یو وی، جس کا وجود خود اعتماد سے بھرا ہوا تھا۔ تیسری سرخ رنگ کی اسپورٹس کار۔ تیز اور نیچی، جیسے کھڑی ہونے کے باوجود بھاگنے کے لیے تیار ہو۔

چاروں طرف مختلف عمر کے مرد و زن کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ کچھ لوگ گاڑیوں کے اندر جھانک رہے تھے، کچھ دور سے صرف دیکھنے پر ہی خوش تھے۔ باریک سی موسیقی پس منظر میں جاری تھی، اتنی ہلکی کہ شور نہ بنے، مگر منظر کو خالی بھی نہ رہنے دے۔

آواز قریب سے آئی۔

"زین؟"

شمع ہلکے پاستل رنگ کے لباس اور سگنیچر خود اعتمادی کے ساتھ ان کی طرف آ رہی تھی۔ "تم لوگ آخر کار پہنچ ہی گئے، میں سمجھ رہی تھی تم راستے میں ہی کسی فوڈ پوائنٹ پر رک گئے ہو گے۔"

زین نے مسکرا کر اسے دیکھا، چند لمحوں کو ہال کی سب لائٹس، ساری چمک پسِ منظر میں چلی گئی۔ "آج فوڈ نہیں، صرف کاروں کی زیارت ہے۔ مبارک ہو، شمع فرحان۔ اب تم لوگ گاڑیاں کے ساتھ روشنی بھی بیچو گے۔"

شمع نے ہلکا سا سر جھکایا۔ "ڈیڈ کو مبارک باد دو، میں تو بس ویلکم کرنے کی حد تک کار آمد ہوں۔"

پھر اس نے حماس کی طرف دیکھا۔ "اچھا کیا آ گئے۔ شاید یہاں۔۔۔ تمہیں کچھ نیا دِکھ جائے۔ میرے لیے تو بات بور نگ سے آگے بڑھ چکی ہے۔"

حماس جواباً ہلکا سا مسکرایا۔

اس سے پہلے کہ گفتگو طول پکڑتی، وارث فرحان خود ان کی طرف آتے دکھائی دیے۔ گرے سوٹ، ہلکی سی داڑھی میں سفیدی، نگاہ میں وہی اعتماد جو کاروبار میں برسوں گزارنے والوں میں آتا ہے۔ انہوں نے قریب آتے ہی کہا۔ "آ گئے ہمارے نوجوان صاحبزادے بھی، خوش آمدید۔"

زین نے آگے بڑھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور حماس کو ان سے متعارف کرایا۔ "انکل، ماحول لاجواب ہے ۔" زین کی آنکھوں میں ستائش صاف دکھائی دے رہی تھی۔

وارث انکساری سے مسکرائے۔ "یہ سب شیشے اور روشنی کا کھیل ہے۔ اصل چیز تو وہاں ہوتی ہے جہاں گاڑی کا پہلا پہیہ پاکستان کی سڑک پر پڑتا ہے۔"

انہوں نے درمیانی، سفید ایس یو وی کی طرف اشارہ کیا۔ "اور یہ۔۔۔ وہ ہے جس میں آدھا سمندر پار کا قصہ ہے۔ جاپان سے آئی، نیلامی میں لی گئی۔"

حماس کی نظروں میں دلچسپی کی ہلکی سی چمک آئی۔ "نیلامی؟"

وارث نے دیوار پر نصب ایک بڑے فریم کی طرف دیکھا جس میں چند کاروں کی پرانی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔

"ہاں، وہاں ہر گاڑی کی اپنی فائل ہوتی ہے۔ کتنے سال چلی، کس کے نام رہی، کب سروس ہوئی، کہاں کھڑی رہی۔ ہم کمپیوٹر پر نمبر ڈال کر گاڑی کا پورا ماضی پڑھ لیتے ہیں، پھر فیصلہ کرتے ہیں کہ اسے یہاں لانا ہے یا نہیں۔ یہ والی ایک خانہ دار جاپانی فیملی کے پاس تھی؛ کم چلی، باقاعدہ سروس، کوئی حادثہ نہیں۔ ہم نے وہاں سے خریدی، یہاں لا کر اس کا اندرونی حصہ نیا کیا، چمڑا بدلا، کچھ چھوٹی موٹی اپ گریڈز کیں۔ اب جو بھی لے گا، اسے صرف گاڑی نہیں، ایک صاف شفاف کہانی بھی ملے گی۔"

زین نے دروازے کے فریم پر ہاتھ رکھا، اندر جھانکا۔ "اندر بیٹھنے کو دل کر رہا ہے۔"

وارث نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ "بیٹھ سکتے ہو۔ بس دروازہ زور سے مت بند کرنا، شیشے کو غصہ آتا ہے۔"

زین مسکراتے ہوئے اندر بیٹھ گیا۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھتے ہی اسے لگا جیسے کار خود زبان بند کیے بھی بول رہی ہو۔ سِلنڈرز کی طاقت، سسپنشن کا اعتماد۔ سب خاموشی میں بھی محسوس ہو رہا تھا۔ حماس نے باہر کھڑے ہو کر تجزیاتی نگاہ سے دیکھا۔ گاڑی، شوروم کی روشنی، وارث کا انداز۔ پھر سیدھا سوال کیا۔

"آپ کے حساب سے زیادہ کمائی کس طریقہ کار سے ہوتی ہے؟ خرید و فروخت سے، یا ان تبدیلیوں سے جو آپ یہاں کراتے ہیں؟"

وارث نے مسکرا کر صرف چند لمحے حماس کی طرف دیکھا، پھر سفید گاڑی کی چھت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ "کمانا۔۔۔ لفظ چھوٹا ہے۔ ہم وزن کا مارجن تو رکھتے ہیں، ملک کی ڈیوٹی الگ کھا جاتی ہے۔ اصل فائدہ یہاں ہے۔" گاڑی کی اندرونی سمت اشارہ کیا۔ "جو آدمی یہ دروازہ کھول کر بیٹھتا ہے، اس کے پاس دو چیزیں آتی ہیں—— ایک گاڑی اور دوسرا یقین کہ اس کے بعد جو مشکل آئے گی، ہم اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ہم گاڑی نہیں، اعتماد بیچتے ہیں۔ اسی اعتماد کی قیمت باقی سب سے زیادہ ہے۔"

زین نے اندر سے ان کی طرف دیکھا، جیسے یہ جملہ اس کے اندر بھی کہیں بیٹھ رہا ہو۔

شمع سائیڈ پر کھڑی بس یہ منظر دیکھ رہی تھی—— باپ کی بات، گاڑی کا بدن، دو لڑکوں کے چہروں پر الگ الگ تاثرات۔

وارث نے نرمی سے کہا۔ "چلو، تم لوگ گھومو۔ اور اگر دل کرے تو پیچھے ورکشاپ بھی دیکھ لینا، وہاں اصل کہانیاں بنتی ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

سکواش کورٹ کے شیشے سے ٹکراتی گیند کی تیز ٹھک ٹھک دور سے ہی سنائی دے رہی تھی۔ اوپر سے پڑتی سفید روشنی فرش پر سیدھی لکیریں کھینچ رہی تھی، دیواروں میں ہلکی سی بازگشت تھی، اور اندر دو جسم پوری رفتار سے حرکت میں تھے۔

زین نے زور دے کر قدم آگے رکھا اور گیند کو دیوار کے نچلے حصے پر مارا؛ گیند تیزی سے اچھل کر مخالف کونے میں جا لگی۔ اسجد نے لمبا اسٹرائڈ لیا، ریکٹ نیچے سے گھمایا اور گیند کو دوبارہ سامنے والی دیوار پر دے مارا۔ آواز ایسی تھی کہ ذرا سی تاخیر میں زاویہ ہاتھ سے نکل جاتا۔

"پھر اسٹروک۔"

زین نے گیند کھیلی تو اسجد نے فوراً جواب دیا۔ دونوں آگے پیچھے ہوتے گئے: کبھی زین آگے، اسجد پیچھے، کبھی الٹ۔ دیوار سے ٹکراتی گیند کی ہر آواز کورٹ میں تین بار گونجتی، جیسے یہ جگہ خود بھی کھیل کا حصہ ہو۔ ایک لمحے کو زین نے شارٹ بال کھیلنے کی کوشش کی مگر گیند نیٹ کے قریب آ کر ذرا سی نیچے گر گئی۔

"آؤٹ۔" اسجد نے مسکرا کر کہا۔ "یہی شاٹ تم نے جلدی میں کھیلی۔ سکواش میں ذرا سی آواز، ذرا سی بے صبری، اور توجہ ٹوٹ جاتی ہے۔ اسی لیے یہاں تماشائی بھی اکثر خاموش رہتے ہیں۔"

اسجد نے اگلی سروس کی۔ گیند دیوار سے ٹکرائی، سائیڈ وال سے زاویہ بدل کر واپس آئی اور زین کو پورا کورٹ کاٹ کر جانا پڑا۔ پندرہ بیس منٹ تک مسلسل ریلی جاری رہی۔ ماتھے پر پسینہ، سانسیں تیز ہو گئیں، مگر دونوں میں سے کوئی رفتار کم کرنے کو تیار نہ تھا۔

آخرکار اسجد نے ہاتھ اٹھایا۔ "بس۔ آج کے لیے کافی ہے۔"

باہر نکلتے ہی ٹھنڈی ہوا کی ایک لہر نے دونوں کو گھیر لیا۔ زین نے ریکٹ دیوار سے ٹکایا، ٹاول سے چہرہ پونچھا، اور شیشے کے پار کورٹ کو دیکھنے لگا۔ اسجد بھی ساتھ بیٹھ گیا، پانی کی بوتل میز پر رکھ دی۔

"ویسے۔" زین نے اچانک کہا۔ "اس کھیل کو سکواش کیوں کہتے ہیں؟"

اسجد نے بوتل بند کرتے ہوئے جواب دیا۔ "کیونکہ شروع میں جو گیند استعمال ہوتی تھی وہ نرم ہوتی تھی۔ دیوار سے ٹکراتے ہی سکواش ہو جاتی تھی۔"

زین نے سر ہلایا۔ "پاکستان کے جہانگیر خان سکواش کے غیر معمولی کھلاڑی رہے ہیں۔"

"ہاں۔" اسجد نے پختہ لہجے میں کہا۔ "پانچ سو پچپن مسلسل میچز جیتنا کوئی معمولی بات نہیں، ان کا یہ ریکارڈ آج تک کوئی نہیں توڑ پایا۔ یہ کھیل ہاتھوں سے زیادہ خود پر قابو رکھنے سے جیتا جاتا ہے۔"

میں انہیں بچپن میں بہت آئیڈیلائز کیا کرتا تھا۔ تب بھائیوں سے سیکھ کر کھیلا۔ اب تمہارے کہنے پر یہ کلب "جوائن کر لیا۔"

"دلچسپ بات یہ ہے۔" اسجد نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑتے ہوئے کہا۔ "کہ سکواش کی جڑیں جیلوں تک جاتی ہیں۔ قیدی دیواروں سے گیند مار کر وقت گزارتے تھے۔ شاید اسی لیے یہ کھیل انسان کو اپنی ہی ذہنی دیواروں سے کھیلنا سکھاتا ہے۔"

زین نے شیشے کے پار دیکھا، جہاں ایک اور ریلی شروع ہو چکی تھی۔

مطلب۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "اگر آدمی یہاں خود کو سنبھال لے۔۔۔ تو باہر کی دیواریں اتنی مشکل نہیں" "لگتیں۔

اسجد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ "بالکل۔ جو اپنی سانسوں کی رفتار پر قابو پا لے، وہ باقی چیزوں سے نہیں گھبراتا۔"

زین نے ریکٹ دوبارہ اٹھایا، جیسے ابھی ایک اور گیم کھیلنے کو تیار ہو۔ "چھ ماہ بعد۔۔۔" اس نے نیم سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں دیوار کے ساتھ دوڑاؤں گا۔"

اسجد سر جھکا کر مسکرا دیا۔ "میں اسی دن کا انتظار کر رہا ہوں۔ اچھا کھلاڑی وہی ہوتا ہے جو اپنے لیے سخت حریف تلاشے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ایگزام شیڈول والا نوٹس بورڈ آج غیر معمولی حد تک بھیڑ میں گھرا ہوا تھا، ہر طرف لوگ تاریخیں اور پیپر دیکھ رہے تھے۔

مہوش ہاتھ میں فائل دبائے، مناسب فاصلہ رکھے کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی رتھی، مگر سامنے لڑکوں کا ہجوم تھا۔

اس نے بڑبڑاتے ہوئے قدم پیچھے ہٹا لیے۔

"لگتا ہے ایگزام شیڈول نہیں، شادی کا کارڈ لگا ہو۔"

"اور تم ہر بار بس دور سے ہی دیکھ کر واپس آ جاتی ہو؟"

آواز اتنے قریب سے آئی کہ وہ چونک کر مڑی۔

اسجد دائیں طرف دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ہلکے بھورے رنگ کی شرٹ، آستینیں کہنی تک موڑی ہوئی، ہاتھ میں موبائل، چہرے پر وہی بڑھتی ہوئی مسکراہٹ جو مہوش کے لیے اب اجنبی نہیں تھی۔

"میں۔۔۔دیکھ نہیں پا رہی۔" مہوش نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "سب نے بورڈ کو گھیرا ہوا ہے۔"

"تم ہمیشہ دیر سے پہنچتی ہو یا آج کوئی خاص دن ہے؟" اسجد نے ذرا سا زاویہ بدلا۔ "ایک منٹ رُکو۔"

وہ آرام سے آگے بڑھا، دو تین لڑکوں کے کندھوں کے بیچ سے ایک خالی جگہ نکالی۔ کسی سے کچھ کہے بغیر سر ذرا آگے کر کے نوٹس پڑھنے لگا۔ موبائل نکالا، ایک تصویر لی اور پلٹ کر مہوش کی طرف آیا۔

"دو پیپرز کی تاریخ بدلی ہے۔" اس نے بتایا۔ "ورنہ پہلی ڈیٹ شیٹ تو آن لائن بھی آ چکی تھی۔"

"واقعی؟" مہوش نے بے اختیار قدم آگے بڑھائے۔ "مجھے تو کوئی میسج نہیں آیا۔"

"یہ افراتفری اسی لیے ہے، سبھی بے خبر رہے۔ ڈپارٹمنٹ والے آخری دنوں میں بھی شیڈول بدل سکتے ہیں، اور بعض اوقات انہی اختیارات کا ناجائز حد تک فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

اس نے اپنی جیب سے فون نکالا اور نوٹس بورڈ کی صاف سی تصویر فوراً گیلری سے نکالتے ہوئے اسے دکھائی۔

یہ لو۔" وہ بولا۔ "جو تم کبھی نہ دیکھ پاتی، وہ اب تمہارے پاس ہے۔ اگر چاہو تو میں تمہیں فوراً بھیج دیتا ہوں،"

"کل کو یہ نہ کہنا کسی نے بتایا نہیں۔

مہوش نے ایک پل کو تصویر اور پھر اسجد کو دیکھا۔

"کس پر بھیجیں گے؟"

"کبوتر پر۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ "فون پر بھیجوں گا اور کس پر؟ اپنا نمبر دو۔"

وہ سادہ سا جملہ تھا، مگر انداز ایسا کہ انکار کرنا بیوقوفی لگتا۔ مہوش نے فائل سے ہاتھ آزاد کیا، آہستگی سے موبائل نکالا اور دونوں نے نمبروں کا تبادلہ کیا۔

"اب رہ گئی صرف ایک ذمہ داری۔" اسجد نے فون واپس جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "کل جب کلاس میں بیٹھو تو اپنی یہ پرانی جھجک دروازے پر ہی چھوڑ آنا۔"

وہ یہ کہتا بھیڑ سے الگ ہو کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔ مہوش وہیں کھڑی چند لمحے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی، پھر نیچے فون کی اسکرین پر محفوظ کیا گیا نیا نمبر۔

رات کو ہاسٹل کے کمرے میں، جب سب لائٹس بند ہو چکی تھیں، فون کی ہلکی سی روشنی نے اندھیرے کو چیر دیا۔

میسج آیا۔

"یہ وہی نوٹس بورڈ ہے، جسے تم نے آج دور سے دیکھا تھا۔"

موبائل ایک بار پھر وائبریٹ ہوا۔

" اگلی بار چاہو تو درمیان میں بھی آسکتی ہو۔"

مہوش نے مسکراتے ہوئے تصویر کھولی، آنکھوں کے سامنے ایگزام شیڈول تھا جبکہ ذہن کے پردے پر ایک نرم سی تصویر ابھری تھی—دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا اسجد۔ اب اس مانوس چہرے کے ساتھ نا صرف فجو آ کا ذائقہ جڑا ہوا تھا، بلکہ ایک نمبر اور نیا دروازہ بھی، وہ جو یونیورسٹی کی دیوار کے اس پار کھلتا تھا۔۔ اور اُس کے دل تک بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ چاروں شوروم کے شیشے والے دروازے کے سامنے آکر رکے۔ آج لانچ نائٹ جیسا شور نہیں تھا۔

زین نے شمع کی طرف دیکھ کر کہا۔ "پروجیکٹ کے لیے برا انتخاب نہیں۔"

شمع نے کندھے اچکائے۔ "تم اینتھروپولوجی پڑھتے ہو، لوگوں اور چیزوں کے بیچ کے رشتے دیکھتے ہو، یہاں تمہیں لوگ بھی ملیں گے اور گاڑیاں بھی۔ بابا تیار بیٹھے ہیں، آؤ چلیں۔"

ریسپشن پر بیٹھا لڑکا انہیں پہچانتے ہی مسکرایا۔ "وارث صاحب نے کہا تھا، آپ آئیں تو سیدھا دفتر بھیج دوں۔"

وہ شیشے کے ایک کمرے تک آئے۔ اندر دفتر سادہ تھا، مگر وقار کے ساتھ سجا ہوا۔ دیوار پر ایک پرانی مرسڈیز کی تصویر، دوسری میں جوان وارث فرحان کسی غیر ملکی شوروم کے سامنے کھڑے تھے۔ وارث نے انہیں دیکھتے ہی کرسی سے اٹھ کر کہا۔

"آ گئے ہمارے محققین؟ آؤ، بیٹھو۔ تم لوگوں کے لیے وقت نکالنا مشکل نہیں، بس دیکھنا یہ ہے کہ تم کس زاویے سے دیکھتے ہو۔"

وہ چاروں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ مشعل نے نوٹ بک کھولی، حماس نے قلم گھمایا، زین نے موبائل کا ریکارڈر آن کیا، شمع خاموشی سے کرسی کے کنارے بیٹھ گئی۔

وارث نے بات کا آغاز سیدھے سے سوال سے کیا۔ "بتاؤ، کیا جاننا ہے؟"

جواب حماس نے دیا۔ "یہی کہ شروع کہاں سے کیا تھا؟ آج تو یہ بڑا شوروم نظر آ رہا ہے، پہلے دن کیا تھا؟"

وارث کی نظر چند لمحوں کے لیے کھڑکی سے نیچے کھڑی گاڑیوں پر گئی، پھر واپس ان کی طرف لوٹی۔ "پہلے دن۔۔۔ مین بلیوارڈ کے پیچھے ایک چھوٹا سا پلاٹ تھا، دو استعمال شدہ گاڑیاں اور ایک سادہ سا بورڈ جس پر بس 'برائے فروخت' لکھا تھا۔ ہم لوگ پرانی گاڑیاں سیدھی کرتے تھے—— باڈی ورک، پینٹ، تھوڑا بہت میکینیکل کام۔ نہ برانڈ تھا، نہ شیشہ، نہ یہ قالین۔ بس اعتبار تھا اور تھوڑا سا نفع۔"

اگلا سوال زین کی طرف سے آیا۔ "پھر امپورٹ کا خیال کیسے آیا؟ سیدھا چھلانگ تو نہیں لگائی ہو گی۔"

وارث نے ہلکا سا ہنستے ہوئے کہا۔ "نہیں۔ یہ کافی بعد میں ہوا۔ رفتہ رفتہ کام بڑھنے لگا۔ گاڑیوں کی تعداد بھی بڑھی۔۔۔ اسی طرح فروخت بھی زیادہ ہونے لگی۔ ایک دن گاہک آیا، بولا مجھے فلاں ماڈل چاہیے جو پاکستان میں نہیں مل رہا۔ تب سمجھ آیا کہ یہاں صرف وہی نہیں بکنا جو ہاتھ میں ہے، وہ بھی بک سکتا ہے جو ذہن میں ہو۔ پہلے جاپان سے رابطہ ہوا—— نیلامی والے سسٹم کے ذریعے۔ ہر گاڑی کی اپنی فائل، اپنی کہانی۔ ہم وہاں بیٹھ کر گاڑی کی پوری زندگی کا حساب دیکھتے ہیں، پھر سوچتے ہیں کہ اسے یہاں لا کر ہماری کہانی میں جوڑنا ہے یا نہیں۔"

حماس نے قلم رکھ کر سوال کیا۔ "آپ کے لیے اصل معیار کیا ہے؟ کیا دیکھتے ہیں کسی گاڑی میں، سوائے اس کے۔۔۔ کہ وہ مشہور ماڈل ہو؟"

وارث نے سیدھے انداز میں جواب دیا۔ "دو چیزیں۔ ایک، گاڑی کا ماضی—— اس کا ریکارڈ صاف ہو، سروس وقت پر، بڑا حادثہ نہ ہوا ہو، چلنے کا انداز درست ہو۔ دوسری، یہاں کے خریدار کا حال—— وہ گاڑی کیوں لے رہا ہے۔ جو اپنی پہلی مہنگی گاڑی لینے آتا ہے، اس کے لیے میں ہمیشہ صاف ترین ریکارڈ والی گاڑی رکھتا ہوں۔

جو شوقیہ کلیکٹر ہو، اس کے لیے کبھی کبھی ڈیزائن، کٹ اور کمیابی زیادہ اہم ہوتی ہے، وہاں تھوڑا سمجھوتہ بھی چل جاتا ہے۔"

زین نے کھڑکی سے جھانک کر سفید ایس یو وی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ والی۔۔۔ جس کا لانچ والے دن آپ نے جاپان کی نیلامی کا ذکر کیا تھا؟"

وارث نے سر ہلایا۔ "یہ پہلی قسم میں آتی ہے۔ خاندانی استعمال، بچوں کے ساتھ روزمرہ کا سفر، اور لمبے سفر کے لیے اچھی ہے۔ اس کی فائل ایسی تھی جیسے کسی نے دفتر میں بیٹھ کر ترتیب سے لکھی ہو—ہر سروس وقت پر، اندر کی تصاویر صاف، کوئی بڑا حادثہ نہیں، ایسی گاڑی لا کر جب میں یہاں کسی فیملی کو دیتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سفر کے ساتھ میرا نام بھی جا رہا ہے۔"

مشعل نے نوٹس میں لکھا۔ "گاڑی + نام = ذمہ داری۔" پھر اس نے پوچھا۔ "پاکستان میں لگژری کار کس طبقے کے لیے ہوتی ہے، وارث انکل؟ صرف بہت امیر؟ یا کوئی درمیانی طبقہ بھی پیسہ جوڑ کر آتا ہے؟"

"لگژری صرف قیمت سے نہیں بنتی، کبھی کبھار جذبے سے بھی بنتی ہے۔ کوئی اپنی پانچویں گاڑی لیتا ہے، اس کے لیے یہ کھیل ہے، شان ہے۔ کوئی پہلی دفعہ ایسی گاڑی لیتا ہے، اس کے لیے یہ انعام ہوتا ہے، محنت کا نتیجہ۔ میرے لیے دونوں اہم ہیں، لیکن اصول ایک—گاڑی وہی باہر جائے گی جس پر میرا نام جا سکے اور جس کے لیے میں اندر بیٹھ کر شرمندہ نہ ہوں۔"

حماس نے ایک اور سوال رکھا۔ "آپ کے خیال میں لوگوں کی لگژری کے بارے میں سب سے بڑی غلط فہمی کیا ہے؟"

وارث کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک آئی۔ "یہ کہ لگژری صرف دکھانے کے لیے ہے۔ اصل میں سچی لگژری وہ ہے جو صرف استعمال کرنے والا جانتا ہو۔ جیسے کوئی اچھی خوشبو جو صرف کپڑوں سے نہیں، انسان کے مزاج سے پہچانی جائے۔ کچھ گاڑیاں بھی ایسی ہوتی ہیں—وہ بیگمات کی تصویروں میں نہیں، رات کی سڑکوں پر، خالی راستے پر اپنی اصلیت دکھاتی ہیں۔"

زین نے ہلکا سا سر جھکایا۔ "تو آپ کہانیاں نہیں، اُن کے سفر کے اوزار بیچتے ہیں؟"

وارث نے نرمی سے کہا۔ "کہانیاں بیچنے والا اکثر جھوٹ بولتا ہے۔ میں ذریعہ دیتا ہوں، باقی داستان وہ خود لکھتے ہیں۔"

باہر شوروم میں ایک دروازہ کھلا، کسی کار کی ہلکی سی گرج سنائی دی، سب کچھ ایک بار پھر سے نرم شور میں بدل گیا۔

وارث نے ذرا سا پیچھے ہوتے ہوئے کہا۔ "اگر تم لوگوں کو فنانس اور اعداد و شمار والا حصہ چاہیے تو اسلم تمہیں الگ سے بیٹھ کر بتا دے گا۔ مجھے تو بس اتنا کہنا ہے—لگژری ہو یا عام چیز، اصول ایک ہی ہونا چاہیے۔ ورنہ مہنگی گاڑی اور سستی گاڑی کے فرق میں صرف رنگ اور نمبر پلیٹ رہ جاتے ہیں، انسان ایک ہی رہتا ہے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "اب تم لوگ شوروم بھی دیکھ لو اور ورکشاپ بھی۔ جو سمجھ آ جائے، لکھ لینا۔ جو نہ سمجھ آئے، کبھی کبھار وہی اصل پوائنٹ ہوتا ہے، آگے چل کر خود کھلتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہد میں گوندھی ہوئی، وہ مصلحت کی گفتگو

شمع نے جیسے ہی گھر کا مرکزی دروازہ کھولا تو ٹھنڈی ہوا اور ہلکی سی چائے کی خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ ہاتھ میں کار کی چابیاں تھیں، جنہیں اس نے عادت کے مطابق ہال کے کونے میں شیشے کی میز پر رکھ دیا۔ بیگ کندھے سے اتار کر کرسی کی پشت پر لٹکا دیا اور ایک طویل آہ بھرتے ہوئے سانس باہر نکالی۔

ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر وارث فرحان آرام سے بیٹھے ہوئے تھے، سامنے سینٹر ٹیبل پر چائے اور سینڈوچز کا ہلکا سا انتظام تھا۔ قالین پر علی بیٹھا چھوٹی کھلونا گاڑیوں کی ریس لگا رہا تھا، ہر حرکت پر آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"آ گئیں بیٹا؟" وارث نے مڑ کر ایک نظر اسے دیکھا۔

شمع نے مختصر جواب دیا۔ "جی ڈیڈ، آج ٹریفک نے واقعی جان نکال دی۔"

کومل ٹرے اٹھائے کچن سے باہر آئی، آسمانی رنگ کے نرم لباس میں، بال اوپر ڈھیلے سے بندھے، اور چہرے پر ہمیشہ کی نرم مسکراہٹ لیے ہوئے۔ "آج ذرا جلدی آ گئی، میں ابھی چائے ڈالتی ہوں۔"

شمع نے سلام کیا اور صوفے کی دوسری طرف بیٹھ گئی۔

علی نے لمحے بھر کو گاڑیوں سے نظر ہٹائی اور شمع کو دیکھ کر خوشی سے بولا۔ "شمع آپی آ گئیں!" فوراً کھلونا گاڑی ہاتھ میں پکڑ کر اس کی طرف بڑھا۔ "آپی، دیکھیں یہ گاڑی بہت تیز ہے!"

کومل نے فوراً ٹوکا۔ "علی بیٹا، پہلے ہاتھ دھولو، پھر گاڑی دکھاؤ۔ پورا دن کھیل کر کمرہ گندا کر دیا ہے۔"

شمع نے ہاتھ بڑھایا۔ "چلو، میں لے چلتی ہوں۔" علی تھوڑا رکا۔

کومل نے اپنے مخصوص نرم انداز میں کہا۔ "نہیں، تم یونیورسٹی سے تھکی ہوئی ہو گی، میں خود لے جاتی ہوں۔"

علی نے لمحے بھر کے لیے شمع کی طرف دیکھا، پھر ماں کے اشارے پر واپس مڑ گیا۔

"آپی کو بھی دکھانا تھا۔" وہ آہستگی سے بڑبڑایا۔

کومل نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "پھر دکھا دینا، ابھی ہاتھ اور منہ صاف کر لو، پھر کھیلتے رہنا۔"

وہ علی کو ساتھ لے کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ شمع کچھ بولنا چاہتی تھی، مگر خاموشی اختیار کی، ایک انگور پلیٹ سے اٹھا کر بے دھیانی سے چبا لیا۔

وارث نے اس کے تھکن زدہ چہرے پر نظر ڈالی۔ "آج لیکچرز زیادہ تھے؟"

شمع نے کندھے ہلائے۔ "کلاسیں تو معمول کے مطابق تھیں، بس پروجیکٹ میٹنگز اور ٹریفک نے دماغ ہلا کر رکھ دیا۔"

کومل نے علی کے ہاتھ دھلا کر اسے اپنے پاس بٹھایا اور چائے ڈالنے لگی۔

کومل نے ایک کپ وارث کے سامنے رکھا، دوسرا شمع کے آگے، خود درمیان میں آرام سے بیٹھ گئی۔ علی خاموشی سے سیب کے قتلے اٹھا کر کھانے لگا۔

چند معمولی باتیں ہوئیں—یونیورسٹی، موسم، اور رشتہ دار کے ہاں ہونے والی شادی کا ذکر۔

یہ سب ایک عام خاندان کی روزمرہ زندگی کی جھلک تھی۔

شمع کا فون بجا، میسج پڑھتے ہوئے اس نے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا اور پھر جلدی سے اوپر کی طرف روانہ ہو گئی۔ "ڈیڈ، میں اوپر جا رہی ہوں، اسائنمنٹ دیکھنا ہے۔"

وارث نے کہا۔ "ٹھیک ہے، کھانا نیچے ہی کھائیں گے، ساتھ میں۔"

شمع کے قدموں کی آواز سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے مدھم ہو گئی۔

چند لمحے خاموشی رہی، علی آہستگی سے پلیٹ کو تھوڑی سی حرکت دیتا رہا۔

کومل نے چائے کا ہلکا سا گھونٹ لیا، پھر بڑے پر سکون انداز میں بولی۔ "وارث، آپ تو اِس ویک اینڈ پر نہیں تھے، شمع کی یونیورسٹی والی سہیلیاں آئی تھیں۔"

وارث نے اخبار کا تہہ شدہ حصہ میز پر رکھتے ہوئے مختصر "ہوں؟" کہا۔ ان کے ہوتے بھی وہ اکثر آ چکی تھیں۔

"وہ دو لڑکیاں، مہوش اور مشعل، خوش اخلاق ہیں اور اچھی فیملیز سے تعلق رکھتی ہیں۔" تھوڑی دیر وہ رکی۔ "بس، میں نے دیکھا کہ یہ کہیں بھی جائیں، وقت کی پرواہ نہیں کرتیں۔"

وارث کی بھنویں معمولی سی سکڑیں، لیکن انہوں نے کچھ نہیں کہا۔

"میں تو بس فکر سے کہہ رہی ہوں، برا مت مانئے گا۔ وہ رات کو بہت دیر سے لوٹیں۔ میں نے اگرچہ کچھ کہا نہیں لیکن جب میں نے بعد میں شمع سے پوچھا تو اسے کچھ اچھا نہیں لگا۔"

وارث نے گہرا سانس لیا اور کہا۔ "مجھے ان لڑکیوں کے ساتھ شمع کی دوستی کبھی غلط نہیں لگی۔ لاہور رات کو جاگتا ہے، اور دن میں یہ یونیورسٹی میں بند رہتی ہیں۔ اگر شمع کہیں ان کے ساتھ جاتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

کومل نے فوراً سر ہلا کر کہا۔ "بالکل، آپ تو مجھ سے زیادہ سمجھدار ہیں۔"
وارث کی نگاہ ایک پل کو سیڑھیوں کی طرف گئی جہاں سے ابھی کچھ دیر پہلے شمع اوپر گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

آرچری ہال کی ہوا ہمیشہ کی طرح ٹھنڈی تھی، مگر آج حماس کے ہاتھوں میں ہلکی سی گرمائش اور لرزش تھی۔۔۔ جیسے جسم ابھی تک کسی اور لہر کا سفر طے کر رہا ہو۔

سامنے لکڑی کے اسٹینڈ پر ٹارگٹ لٹکا ہوا تھا۔ دائرے رنگین، اور بالکل بیچ میں سرخ نقطہ تھا۔ نظریں جیسے ہی اس سرخ نقطے کی طرف بڑھیں، ذہن خود بخود پچھلی رات کے لمحوں میں کھسک گیا۔

ہاسٹل کے کمرے میں وہ اکیلا تھا۔ مدھم روشنی میں ٹیبل پر رکھی شفاف ٹکیہ دان میں ہلکی نیلی گولیاں جھلک رہی تھیں۔ ہر گولی پر باریک سی ریل، جیسے وقت کی انگلی نے ہر ایک پر نشان چھوڑ دیا ہو۔ بس جس لڑکے سے اس نے خریداری کی، اس نے کہا تھا—آدھی لو، پورا جہاں بدل جائے گا، وقت نرم ہو جائے گا اور آوازیں میٹھی۔

مگر اس رات اس نے آدھی نہیں، پوری گولی زبان پر رکھ دی۔ گولی کی ٹھنڈک، پھر تلخ ذائقہ اور حلق میں گہرائی کی طرف پھیلتی روشنی—جیسے کسی نے اندر کہیں ایک نیا سینسر آن کر دیا ہو۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا، پھر ایک خاموش اور غیر متوقع سکون نے اسے گھیر لیا۔ دیواریں دور اور بلند، ہاسٹل کی روشنی ستاروں کی طرح ٹمٹما رہی تھی، پنکھے اور باہر موٹر سائیکل کی آواز اسے مزہ دے رہی تھی۔ وہ بے وجہ ہنسنے لگا اور جب موبائل دیکھا تو حیران رہ گیا—گھنٹے بیت چکے تھے، مگر اسے لگا جیسے صرف چند منٹ گزرے ہوں۔

اس سب کے بعد وہ پہلی آرچری ہال کی سفید لائن کے پیچھے کھڑا تھا۔ کمان ہاتھ میں لیے، تیر لگاتے ہوئے محسوس ہوا کہ انگلیوں کی گرفت میں وہ پرانی سختی باقی نہیں رہی۔ انگلیوں میں غیر معمولی نرمی تھی، جیسے ہڈی اور جلد کے بیچ کوئی اور عنصر آ کر بیٹھ گیا ہو۔

اس نے تیر چڑھایا، پاؤں سفید لائن کے پیچھے رکھے، اور کندھے سیدھے کر لیے۔ تار کھینچتے ہی ہاتھوں کے نیچے پٹھوں میں وہی گرمائش واپس آئی، مگر اس بار ایک ہلکی سی بے یقینی بھی تھی۔

"فوکس۔" اس نے اندر سے کہا، جیسے ذہن کو متوجہ کر رہا ہو۔

سامنے ٹارگٹ تھا، مگر نظریں چند لمحے تیر کے پھل اور کمان کے سرے کے بیچ اٹکی رہیں۔ دماغ کے ایک کونے میں گنتی جاری تھی—— گولی کھائے ہوئے کتنا وقت گزر چکا تھا؟

بارہ گھنٹے؟ سولہ؟ یا شاید اس سے بھی زیادہ؟

پھر اس نے تار چھوڑ دی۔

تیر تیزی سے گیا، مگر دائرے کے بیچ میں نہیں، نیچے سفید حصے میں جا کر پیوست ہوا۔

اس نے دوسرا تیر لگایا اور ہونٹ بھینچے۔

اس بار تار کھینچتے ہوئے بازو میں ہلکی سی کپکپی محسوس ہوئی، جسے اس نے دبانے کی کوشش کی۔

آنکھ سرخ نقطے کی تلاش میں تھی، مگر مرئی اور مخفی دائرے اب آپس میں مل رہے تھے۔ سانس رک گئی، پھر بے قاعدہ سی چلنے لگی۔

تار چھوٹی، اور تیر دائیں طرف نیلے دائرے کے کنارے جالگا۔

"اچھی کوشش۔" کسی نے پیچھے سے کہا، مگر اس نے کان نہیں دھرے۔

اس کے کانوں میں ابھی تک وہ ہلکی سی جھنکار موجود تھی، جو گولی کے اثر میں سنی گئی ہر آواز سے جڑی ہوئی تھی۔

رات گولی نے اسے لطف دیا، اب وہ قیمت مانگ رہی تھی۔

خاموش، بے رحم قیمت۔

نشانہ ابھی بھی سامنے تھا، مگر اس تک پہنچنے کا راستہ، اس کے اپنے ہاتھوں میں کہیں کھو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ہوا کی اوٹ میں تقسیم، موت کا ساماں

خبر کسے کہ یہ بستی، کہاں پہ ٹھہری ہے

کیفے ٹیریا میں اب شور کم ہو چکا تھا۔

چند میزوں پر طلبہ لیپ ٹاپ کھولے بیٹھے ہوئے تھے، چند میزوں پر خالی کپ پڑے ہوئے تھے، کہیں موبائل چارج ہو رہے تھے۔

پچھلے کونے کی ایک میز پر وہ بیٹھا ہوا تھا۔

سامنے چائے کا کپ، ساتھ نوٹس اور موبائل ترتیب سے پڑے ہوئے تھے۔ کوئی دیکھتا تو وہ واقعی ایک پڑھنے والا عام سا سٹوڈنٹ ہی لگتا—خاموش، سنجیدہ، اور اپنے کام میں ڈوبا ہوا۔

چند لمحوں بعد ایک لڑکا آ کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا، جیسے جگہ پہلے سے طے شدہ ہو۔ بیٹھتے ہی اس کی نظر بے اختیار اِدھر اُدھر گئی، جیسے وہ صرف جگہ نہیں بلکہ آس

پاس کی توجہ بھی جانچ رہا ہو۔ پھر اس نے آواز اتنی نیچی رکھی کہ سامنے بیٹھے شخص کے علاوہ کوئی سن نہ پائے۔

"ایک مسئلہ ہے۔"

اس نے نظر نہیں اٹھائی، جیسے یہ جملہ اس کے لیے نیا نہ ہو۔ نوٹس کا ایک صفحہ پلٹا، جیسے بات سنی ہی نہ ہو۔

پھر لمحے بھر کے توقف کے بعد استفسار کیا۔ "کیسا مسئلہ؟"

لڑکے نے ہونٹ تر کیے۔

"لوگ۔۔۔ زیادہ بولنے لگے ہیں۔ خاص طور پر ہاسٹل کی طرف۔" وہ رکا۔ "سوال بھی بڑھ گئے ہیں، اور ضد بھی۔"

اب اس نے نگاہ اٹھائی۔ آنکھوں میں حیرت تھی نہ گھبراہٹ—صرف ایک ٹھنڈا سا تحمل، جیسے جذبات اس کے لیے اضافی چیز ہوں۔ "جب لوگ بولنے لگیں تو سمجھ لو معاملہ ہاتھ سے نکلنے والا ہے۔"

لڑکے نے فوراً بات آگے بڑھائی، جیسے اعتماد ثابت کرنا ضروری ہو۔

"میں دیکھ رہا ہوں۔ سنبھال لوں گا۔"

اس نے بات بیچ میں کاٹ دی، مگر آواز بلند نہ ہوئی۔ وہی ٹھہرا ہوا، فیصلہ کن انداز—جس میں دوسرا خود ہی خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔

"سنبھالا تو۔۔۔ بگڑی ہوئی بات کو جاتا ہے۔" وہ لمحہ بھر رکا، پھر ٹھنڈے لہجے میں بولا۔ "دانشمند وہی ہے جو نظروں میں نہ آئے۔"

لڑکا چند لمحے چپ رہا۔ پھر جیسے دل کا ڈر باہر نکالا۔

"کل۔۔۔ ایک بندہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔"

اس بار اس کی پلکیں ذرا سی سکڑیں۔ "کیا مطلب؟"

لڑکے نے جلدی جلدی بتایا۔ "نیند غائب، باتیں تیز، وحشت زدہ آنکھیں۔۔۔ اور وہ خود بھی نہیں جان پا رہا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔"

اس نے چائے کے کپ پر انگلی سے ہلکا سا دائرہ بنایا، پھر سر بلند کیا۔

"اسے فوراً روکنا ہوگا۔"

لڑکا چونکا۔ "لیکن اگر وہ۔۔۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا کہ بات یہیں روک دی جائے۔ پھر ذرا جھک کر، آواز مزید پست کی۔

"اگر کوئی تماشہ ہوا نا۔۔۔ تو سب کے لیے مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔" پل بھر کو رکا۔ "مجھے ہسپتال کے چکر نہیں چاہئیں۔ نہ شور، نہ کوئی نام۔"

لڑکے نے سر جھکا دیا۔

"ٹھیک ہے، سمجھ گیا۔"

کیفے کے دوسرے کونے سے ہنسی کی ہلکی سی آواز آئی، جس نے دونوں کو اور زیادہ محتاط کر دیا، جیسے یہ جگہ بھی سب کچھ سن سکتی ہو۔

اس نے نوٹس بند کیے، موبائل اٹھایا اور بالکل عام سے انداز میں—جیسے کوئی سٹوڈنٹ واقعی پڑھائی میں مصروف ہو—یونیورسٹی پورٹل کھولا، ڈیڈ لائن دیکھی، پھر اسکرین لاک کر دی۔

لڑکا اٹھا، کرسی آہستہ سے سرکائی، ایک بار پھر ارد گرد نظر دوڑائی اور خاموشی سے کیفے ٹیریا سے نکل گیا۔

وہ چند لمحے اپنی جگہ بیٹھا رہا، چائے کا آخری گھونٹ لیا، بیگ کندھے پر ڈالا، اور ایسے اٹھ کر چل دیا جیسے بس کلاس لینے جا رہا ہو۔

کسی کو احساس بھی نہیں ہوا کہ ابھی اس میز پر ہونے والی گفتگو کسی طالب علم کی نہیں تھی—یہ کئی زندگیوں کے رخ بدلنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

مری تدریس کا حاصل، تری بلندی ہے

بھٹک نہ جائے کہیں تو، یہ ڈر بھی رہتا ہے

مری دعا کا سفر ہے، تری اڑان کے ساتھ

کہیں تو تھک کے نہ بیٹھے، یہ فکر رہتی ہے

سر معیّز کلاس کے سامنے ڈائس کے کنارے پر ہلکی سی ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ دائیں ہاتھ میں چابیوں کا گچھا تھا، جسے وہ بات کے زور پر کبھی ہلاتے اور کبھی ڈائس پر رکھ دیتے۔

ان کی آواز واضح اور ٹھہری ہوئی تھی، ایسی کہ پچھلی قطار تک بآسانی پہنچتی۔

"سماج صرف کتابوں سے نہیں بنتا۔ کبھی کبھار ایک چھوٹا سا منظر پوری تھیوری سے زیادہ سمجھا دیتا ہے۔"

چابیوں کی دھات بجی تو چند طلبہ چونک کر سیدھے ہو بیٹھے۔ سر معیّز آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بولتے رہے، جیسے بات کہنے سے زیادہ اس کا وزن رکھ رہے ہوں۔

"میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ کالج کے دنوں میں ایک دوست تھا—بہت ذہین، ہر بات پر سوال کرنے والا۔ ایک دن میں نے اسے بازار کے کنارے ایک دکان کے سامنے دیکھا۔ ہاتھ میں سگریٹ، آنکھوں میں سرخی اور زبان پر ایک ہی جملہ، زندگی اپنے اصول خود بناتی ہے۔ پانچ سال بعد پتا چلا کہ وہ اپنے ہی اصولوں کے نیچے دب چکا تھا۔ ڈگری تھی، عقل تھی۔۔ مگر فوکس؟ فوکس کہیں اور رہ گیا تھا۔"

آخری قطار سے دبی دبی ہنسی ابھری، مگر اگلی قطاروں میں خاموشی چھا گئی۔

مشعل کی نظریں سر معیّز پر نہیں، حماس پر ٹکی تھیں۔ وہ زین کے برابر بیٹھا تھا—سامنے کھلا رجسٹر پڑا تھا، مگر اس کے ہاتھ میز پر رکھے ہوئے تھے۔ آنکھیں استاد کی طرف تھیں، مگر نگاہ دیوار سے پرے کسی اور جگہ الجھی ہوئی لگتی تھی۔

رات کی بوتل کا بوجھ اب تک اس کے جسم سے نہیں اترا تھا۔ شام کو کیفے ٹیریا کے پیچھے دو تین گھونٹ، باقی کمرے میں آ کر۔ گلے میں اترتی گرم جلن، پہلے ہلکا سا سرور، پھر ایک مصنوعی نرمی۔ نیند پوری ہو چکی تھی، مگر

صبح سے دماغ کے اندر موٹی سی دھند جمی ہوئی تھی۔ الفاظ سنتا تھا مگر جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ذہن پھسل جاتا۔

سر معیّز اب بورڈ پر لکھنے لگے۔

نظر

توجہ

"آنکھ کسی اور سمت ہو سکتی ہے۔" وہ بولے۔ "لیکن اصل میں تم دیکھ کہاں رہے ہو، یہ بات تمہارے اندر طے ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت تمہارے اندر کیا چل رہا ہے؟"

حماس نے پلکیں جھپکیں، جیسے آنکھوں کو صاف کرنا چاہتا ہو۔ چند لمحوں کے لیے الفاظ صاف دکھائی دیے، پھر دونوں لفظ ایک دوسرے پر چڑھتے محسوس ہونے لگے، جیسے دماغ انہیں الگ رکھنے سے انکار کر رہا ہو۔

مشعل نے بے اختیار ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔

نہ کاپی پر کوئی لکیر تھی، نہ قلم ہلا تھا۔ عام دنوں میں یہی وہ لڑکا تھا جو سب سے پہلے ہاتھ اٹھاتا تھا۔

شمع نے خاموشی سے مشعل کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

سر معیّز نے اچانک پوری کلاس کی طرف رخ کیا۔

"ایک منٹ کے لیے کتاب بند کرو۔ فرض کرو تم ایسے انسان کو دیکھتے ہو جو خود کو بہت آزاد سمجھتا ہو، ہر قاعدہ توڑتا ہو، مگر آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں سے زندگی کا مرکز غائب ہونے لگے۔ تم کیا سمجھو گے؟ وہ آزاد ہے، یا کسی اور چیز کا غلام؟"

نگاہ پوری کلاس پر گھومی، پھر سیدھی حماس پر آ ٹھہری۔

"حماس، تم بتاؤ۔"

کلاس کا شور جیسے ایک دم دب سا گیا۔ زین نے فوراً رخ اس کی جانب کیا۔ حماس کو یوں لگا جیسے اس کے نام کے ساتھ ہی کوئی بھاری وزن اس کے کندھوں پر رکھ دیا گیا ہو۔ زبان منہ میں تھی، مگر الفاظ کہیں نہیں تھے۔

"جج۔۔۔جی سر۔"

آواز خود اسے اجنبی سی لگی۔ خیالات موجود تھے—آزادی، غلامی، عادت، نشہ— مگر جملہ بننے سے پہلے ہی سب بکھر جاتے۔

"جو انسان خود کو بہت آزاد سمجھتا ہو۔۔۔ ممکن ہے وہ اپنے ہی کسی فیصلے کا قیدی بن چکا ہو۔ اُسے لگتا ہو کہ وہ خود چل رہا ہے، مگر حقیقت میں وہ وہاں نہیں پہنچ رہا جہاں جانا چاہتا تھا۔" اسے خود بھی محسوس ہوا کہ بات آدھی رہ گئی ہے۔

سر معیّز نے چند لمحے اسے غور سے دیکھا۔ انہیں حماس کی آنکھوں میں وہ مخصوص چمک نظر نہ آئی جو عموماً نمایاں رہتی تھی۔

پیچھے کسی نے کرسی کھسکائی، کسی نے نوٹ بک پر بے دھیانی سے لکیریں کھینچیں۔ مشعل کا دل ذرا اور بیٹھ سا گیا۔ شمع کی گرفت لاشعوری طور پر مضبوط ہو گئی۔

زین نے نظریں جھکا لیں۔ تیز دماغ بہت کچھ دیکھ لیا کرتا ہے۔ یہ صرف تھکن نہیں تھی—کچھ اور تھا جو حماس کی نظر اور ہدف کے درمیان آ کھڑا ہوا تھا۔

سر معیّز دوبارہ بورڈ کی طرف مڑ گئے۔

"اصل مسئلہ غلطی میں نہیں، بلکہ غلطی کے بعد بھی خود کو ٹھیک سمجھنے میں ہوتا ہے۔ جب انسان یہ ماننے سے انکار کر دے کہ اس کی نظر دھندلا گئی ہے، تب ہی وہ دیوار سے ٹکراتا ہے۔"

حماس نے اس دن پہلی بار قلم اٹھایا۔ کاپی پر بس دو لفظ لکھے۔

نظر

توجہ

اور دیر تک انہیں دیکھتا رہا—— جیسے فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ اصل مسئلہ ان دونوں میں سے کس کے ساتھ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کا سٹڈی روم مکمل خاموش تھا، حماس یہاں بالکل اکیلا تھا۔ اس کے سامنے کھلی کتابیں، نوٹس، اور ایک چھوٹی سی بوتل تھی۔۔۔ وہی جو اس نے دوپہر کو مشکوک حلیے والے لڑکے سے لی تھی۔

صرف چار گھنٹے پہلے، یونیورسٹی میں ایک لڑکا—— چہرے پر چشمے کے نشان، گہری آنکھیں، بار بار ہونٹ چبھانے کی عادت کے ساتھ—— اسے ایک چھوٹی سی بوتل تھما چکا تھا۔

"صرف ایک۔۔۔ اور صرف آج کی رات کے لیے۔ یہ ایڈرال نہیں، صرف ملائم سا سٹیملنٹ ہے۔"
قیمت اچھی خاصی تھی۔ وجہ کوالٹی، بروقت فراہمی، اور یہ یقین دہانی کہ کوئی سائیڈ ایفیکٹ نہیں ہو گا۔

حماس لمحہ بھر ہچکچایا، پھر لے لی۔ اسے یہ مشورہ ایک کلاس فیلو نے دیا تھا۔ "ہینگ اوور پڑھائی کی راہ میں رکاوٹ بنے تو اس کا کوئی آسان حل نکالنا چاہیے۔" ساتھ ہی اس نے ایک جاندار قہقہہ لگایا تھا۔ "اب ہم جینا تو

نہیں چھوڑ سکتے نا!"

اس وقت حماس کا دماغ ایک ایسی مشین کی طرح چل رہا تھا جس نے اچانک اپنا پہلا گیئر پکڑ لیا ہو۔ ہر جملہ، فارمولا، ہر تاریخ اب ایک واضح تسلسل میں ترتیب پا رہی تھی۔ وہ پڑھ رہا تھا مگر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کے دماغ میں ہائی ریزولوشن کیمرے سے وہی لکھ رہا ہو جو اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔

نہ بھٹکاؤ، نہ یادداشت کا کوئی خلا۔

ساری دنیا اس کے ذہن کو بکھیر رہی تھی—اب اُس کے تمام خیالات ایک راستے پر چل رہے تھے: سیدھے، سخت، اور صرف مقصد کی جانب۔

وہ پڑھنے لگا—

صرف پڑھنے کے لیے نہیں، جذب کرنے کے لیے۔

ایک صفحہ = ایک واضح تصویر۔

ایک تصور = ایک مربوط زنجیر۔

وہ نوٹس لینے لگا—ہاتھ تیز، مگر ترتیب مکمل۔ ہر عنوان کے نیچے بُلیٹ پوائنٹس، ہر فارمولے کے ساتھ مثال، ہر تاریخ کے پیچھے کا سیاق و سباق۔

اس کی توجہ کا مرکز صرف وہی تھا جو سامنے تھا—کچھ بھی اب اسے بھٹکا نہیں سکتا تھا۔

نہ موبائل کی وائبریشن، نہ کسی دوست کی آواز، نہ ہی یہ خیال کہ،

"کیا ہوگا اگر ناکام ہو گیا؟"

کچھ لوگوں کو ایسی توجہ ساری زندگی میں بھی نصیب نہیں ہوتی۔ آج رات، حماس کو وہ توجہ مل گئی تھی—

بازار سے خریدی ہوئی۔

تھکاوٹ کا احساس مکمل طور پر غائب ہو چکا تھا۔ آنکھیں تھکی نہیں تھیں، ہاتھ پسینے سے بھیگا نہیں تھا۔ سانس گہری تھی، لیکن یکساں۔ گھڑی کی ٹک ٹک اس کے دل کی دھڑکن کے ساتھ ہم آہنگ ہو چکی تھی۔

ایک گھنٹہ گزر چکا تھا، مگر لگ رہا تھا جیسے صرف پندرہ منٹ گزرے ہوں۔

۔۔۔پھر دوسرا گھنٹہ

۔۔۔اور تیسرا

صبح کے چار بج گئے، مگر حماس کو اب بھی یہی لگ رہا تھا کہ،

"ابھی تو شروع کیا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے نو بجے، امتحان ہال کی سفید روشنی میں حماس اپنی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہچکچاہٹ تھی، نہ دماغ میں کوئی خلا باقی تھا۔

صرف صاف ستھرا، اعلیٰ معیار کا فوکس۔

پیپر تقسیم کیا گیا۔

اس نے پہلے سوال پر نظر ڈالی۔

ثقافت کی تعریف کریں اور اس کے مختلف اجزاء کی وضاحت کریں، خاص طور پر رویّوں، عقائد اور اجتماعی"

"اقدار کے تناظر میں۔

اور اس کے ذہن میں ویسے ہی لیبل والی تصویر ابھری جیسے ابھی صبح بنائی ہو۔

اس نے لکھنا شروع کیا۔

ہاتھ تیز، مگر صاف۔

الفاظ سیدھے، جملے مکمل، سوال کے ہر پہلو کا جواب واضح۔

وقت کم ہو رہا تھا، مگر اسے لگ رہا تھا جیسے وقت اس کے لیے رک گیا ہو یا آہستہ آہستہ گھوم رہا ہو۔

ہر سوال اس کے لیے ایک دروازہ تھا، اور وہ جانتا تھا کہ اس کے پیچھے کیا چھپا ہوا ہے۔

وہ بس دروازہ کھول رہا تھا، اور اندر سے جو بھی نکل رہا تھا، وہ درست، ترتیب شدہ اور مکمل تھا۔

وقت ختم ہوا تو حماس نے قلم بند کیا اور آرام سے کھڑا ہو گیا۔

اس کے چہرے پر خود اعتمادی کی جھلک نہیں تھی، صرف خوشی کی ایک خاموش چمک تھی۔ جیسے وہ کام مکمل ہو گیا ہو جسے وہ پہلے خود کے لیے ناممکن سمجھتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایگزام ہال سے نکلتے ہی ہوا میں ہلکی نمی محسوس ہوئی۔ آج اینتھروپولوجی کا آخری پیپر تھا، ایک اور سمسٹر ختم ہو رہا تھا۔ آسمان پر کہیں کہیں گہرے بادل جمع ہو رہے تھے۔ دروازوں سے نکلتے طلبہ کبھی سوال نمبر دہراتے، کبھی کسی دوسرے کے ساتھ اپنی کارکردگی کا موازنہ کرتے دکھائی دیتے۔

"سیدھا ہاسٹل یا۔۔۔؟" مرکزی گراؤنڈ میں قدم رکھتے ہی مشعل نے قریب آ کر سوال کیا۔

"یا کیا؟" حماس نے پوچھا۔

"کراچی والوں کے لیے لاہور کی کوئی نشانی۔ ماما نے کہا تھا کہ اس بار کراچی آتے ہوئے خالی ہاتھ مت آنا، بابا کے لیے بھی کچھ لانا۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ کچھ ایسا لاؤں گی جو صرف لاہور میں ملتا ہو۔"

"تم ہر شہر سے اُس کی شناخت ساتھ لے کر نکلتی ہو۔"

"اور تم ہر شہر میں خود کو بھول جاتے ہو۔ چلو، اب لاہور کی شناخت ڈھونڈتے ہیں۔"

اندرونِ شہر کی پرانی گلیوں میں رنگ اور شور ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کپڑوں کی دکانوں پر کڑھائی کا جنگل تھا، کہیں چوڑیوں کی چھن چھن، اور کہیں حلوائی کی دکان سے خوشبو اٹھ رہی تھی۔ پہلی دکان سے مشعل نے خالص لچھے دار کھُسّوں والا اسٹال ڈھونڈ لیا—چھوٹا سا، جس پر رنگ برنگے کھُسّے قطار در قطار رکھے گئے تھے۔

اس نے فوراً اپنے لیے کھُسّے منتخب کیے—سرخ، سبز اور نیلے دھاگے کی کڑھائی والے۔

"پہن کے دیکھو، ورنہ یہ آدھی زندگی الماری میں بند رہیں گے۔"

مشعل نے پلکیں جھپکیں، پھر وہ قریب رکھی بینچ پر بیٹھ گئی۔ سادہ سینڈل اتارتے ہوئے اس کے پیروں پر دھوپ کی ایک نرم سی لکیر ٹھہر گئی۔

کھُسّے اس نے ذرا ٹھہر کر پیروں میں ڈالے۔ باریک کڑھائی جلد کے ساتھ یوں آ بیٹھی جیسے ہمیشہ سے وہیں کی ہو۔

حماس کی نظریں چند لمحوں کے لیے وہیں رک گئیں—گندمی پیر، خالص لاہوری رنگ، اور اُس کے اپنے

اندر ابھی باقی رہ جانے والا امتحانی تناؤ۔

یہ سب مل کر ایک ایسا منظر بنا رہے تھے جو غیر متوقع طور پر پُر سکون تھا۔

"کیسے لگ رہے ہیں؟"

مشعل نے ہلکا سا پاؤں زمین پر رکھا، جیسے جواب دیکھنے سے پہلے محسوس کرنا چاہتی ہو۔

"بالکل۔۔۔لاہور جیسے۔" حماس ذرا رک کر بولا۔ "رنگ بھی اور پیر بھی۔"

پھر جیسے خود کو سنبھالتے ہوئے فوراً جوڑا۔ "مطلب، تائی کو پسند آئیں گے۔"

وہ ذرا سا جھینپ کر مسکرائی۔ "یہ میں اپنے لیے لوں گی، ماما کے لیے کوئی اور رنگ دیکھتے ہیں۔"

قریب ہی ایک سکے اور نقاشی والے اسٹال سے انہوں نے چند یادگاری سکے اور دھاتی مینار منتخب کیے۔

بابا کے لیے شاید یہ مینارِ پاکستان والا چھوٹا سا ماڈل،" مشعل نے رائے دی تو حماس نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

"اور ساتھ یہ پرانے سکے ٹھیک رہیں گے۔

اگلی دکان میں حماس نے ایک طرف رکھی ہوئی گہری نیلی، باریک ڈیزائن والی شال ہاتھ میں اٹھائی، کپڑے کی نرمی کو انگلیوں کے پوروں سے ذرا سا محسوس کیا۔

"یہ تایا کے لیے۔ اُنہیں سادہ مگر بھاری چیزیں پسند ہیں۔"

بازار کے شور اور رنگ میں چلتے ہوئے

—— دونوں کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے تھیلے بڑھتے چلے گئے،

کھُسّے، سکے، مینار، اور وہ نیلی شال۔

نہر کے ساتھ درختوں کی لمبی قطار چلتی گئی،

نیچے پانی مسلسل بہتا رہا،

کناروں پر بیٹھے لوگ ایسے لگ رہے تھے جیسے شہر کی دھڑکن یہی کہیں آ کر ٹھہر گئی ہو۔

پہلی بوند مشعل کی کلائی پر آ گری،

ٹھنڈی، اچانک، جیسے شہر نے خود کو چھو کر خبر دی ہو۔

وہ چونک کر رکی،

اور سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

آسمان پر بادل اب پہلے سے کہیں زیادہ گہرے تھے، جیسے فیصلہ کر چکے ہوں۔

—— پھر دوسری بوند، تیسری

اور اگلے ہی لمحے بارش پوری طرح کھل گئی۔

موٹی موٹی بوندیں پتوں پر بجنے لگیں، سڑک پر گرتے ہی چھاپ بناتی ہوئیں، جیسے بارش خود کو ہر سطح پر ثبت کر رہی ہو۔

"بارش۔۔۔ یہ شہر تو ہر چیز کو تصویر بنا دیتا ہے۔"

مشعل نے ہتھیلیاں جوڑ کر چند بوندیں تھام لیں، جیسے لمحے کو ہاتھ میں روک لینا چاہتی ہو۔

بارش تیز ہوئی تو اس نے دوپٹہ کندھوں کے گرد سمیٹا، مگر ہوا نے فوراً اس کی ایک کونیا کھینچ لی۔

دوپٹے کی بھیگی کونیاایک لمحے کو حماس کے گال سے چھو گئی، پھر ہلکی ہوا کے ساتھ پھسلتی ہوئی واپس لوٹ گئی۔ جیسے بارش نے دونوں کے درمیان ایک لمحے کے لیے خاموش سا پردہ تان کر پھر خود ہی سمیٹ لیا ہو۔

لوگ فٹ پاتھ کے چھجوں تلے سمٹنے لگے،

کسی نے اخبار سر پر رکھ لیا،

کوئی بارش سے بچتے ہوئے ہنسی میں چھپ گیا۔

سڑک کنارے ایک خالی رکشا کھڑا تھا،

پردہ آدھا جھکا ہوا،

جیسے آنے والوں کا انتظار کر رہا ہو۔

"چلو رکشے میں۔" مشعل نے کہا۔ "آج۔۔۔لاہور مکمل کرنا ہے۔"

"تم کبھی۔۔۔؟"

"کبھی نہیں بیٹھی۔اسی لیے تو۔"

بارش اتنی بڑھ چکی تھی کہ

سڑک کے بیچ پانی ٹھہرنے لگا،

چھوٹے تالابوں کی صورت۔

رکشے تک پہنچنے کے لیے سڑک پار کرنی تھی۔

ایک گاڑی تیزی سے قریب آئی،

بریک کی آواز کے ساتھ پانی اچھلا،

اور مشعل نے بے اختیار حماس کا ہاتھ تھام لیا۔

"چلو۔" اس نے آہستہ مگر پختہ آواز میں کہا۔

حماس کے لیے لمحہ اچانک سست پڑ گیا،

جیسے وقت اپنی رفتار بھول کر

ایک ہی نقطے کے گرد ٹھہر گیا ہو۔

بھیگی ہوئی انگلیوں کی گرفت،

پانی میں پڑتے قدموں کی آواز،

اور دونوں کا ایک ساتھ دوڑ کر سڑک پار کرنا۔

بارش نے باقی سب کچھ دھندلا دیا،

جیسے منظر صرف انہی دو پر ٹھہر گیا ہو۔

رکشے والے نے انہیں آتے دیکھا

اور فوراً پردہ اوپر کر دیا۔

وہ دونوں تقریباً بھاگتے ہوئے اندر گھسے، سانس پھولی ہوئی، کپڑوں سے پانی ٹپکتا ہوا۔

"کہاں جانا ہے جی؟" رکشے والے نے آئینے میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاسٹل روڈ تک۔" مشعل نے سانس سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

"اور نہر کے ساتھ تھوڑا سا چکر لگا دینا۔"

رکشا ہولے سے جھٹکا کھا کر چل پڑا، جیسے بارش کے شور میں، اپنی رفتار خود چُن رہا ہو۔

باہر بارش رکشے کی چھت پر بج رہی تھی، اندر چھوٹے سے کمرے جیسی فضا بن گئی تھی۔ سامنے شیشہ دھندلا چکا تھا، اور سائیڈ سے نہر کا منظر کٹ کٹ کر فریم بنتا جا رہا تھا۔ مشعل نے آخر کار ہاتھ پیچھے کھینچا، دوپٹہ کندھوں کے گرد مضبوطی سے لپیٹا، مگر بالوں کی چند لٹیں پہلے ہی پیشانی پر آ گری تھیں۔

حماس کی نظریں

ان گیلی لٹوں میں

اٹک سی گئی تھیں۔

جب مشعل نے

ان نظروں کا ارتکاز محسوس کیا

اور اس کی طرف دیکھا۔

ایک پل کو

—— دونوں کی نگاہیں ملیں

—— صرف ایک لمحے کے لیے

پھر دونوں نے

تقریباً ایک ساتھ

نظریں چرا لیں۔

حماس نے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں ڈر نہیں لگا ابھی؟"

"کس سے؟"

"بارش سے،

گاڑیوں سے،

اِن سب سے۔۔۔"

"اچانک آئی تبدیلی ڈرانے کی صلاحیت ضرور رکھتی ہے، لیکن یہی زندگی کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کا موقع دیتی ہے۔" پھر مسکراہٹ کے ساتھ اضافہ کیا۔ "ویسے۔۔۔لاہور کی پہلی رکشا سواری کا تجربہ اچھا رہا۔"

حماس نے

کھڑکی سے باہر دیکھا،

نہر میں پانی کا عکس

ٹوٹتا، جڑتا رہتا تھا،

درختوں کے سائے

لمبے ہو کر

پانی پر گر رہے تھے۔

اور اُس کے اندر کہیں، بھیگا ہوا ایک احساس اپنی جگہ بنا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

زین کے گھر کی چھت پر اُس رات چاند ایسے نکلا تھا جیسے کسی نے آسمان کے بیچوں بیچ سفید دیا رکھ دیا ہو۔ ستارے اس کے گرد مدھم مگر واضح تھے۔ نیچے دو منزلہ گھر کے لان میں ہلکی ہری زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

دو کرسیوں پر زین اور حماس ریلنگ کے پاس بیٹھے ہوئے شہر کی روشنیاں دیکھ رہے تھے، ہر طرف چھوٹے جگمگاتے نقطے۔

رات کو شہر سچ بولتا ہے۔" زین نے ریلنگ کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔ "دن میں سب اونچ نیچ کے کھیل میں الجھے رہتے ہیں، رات کو سب ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔"

حماس نے ہلکا سا سر جھکایا۔ "رات میں آدمی چھوٹا لگتا ہے۔۔۔ شاید اسی لیے سچ سامنے آ جاتا ہے۔"

دروازے کی کنڈی ہلنے پر وہ دونوں تھوڑا چونکے۔ مشعل چھت پر پہنچی، ایک ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔ "تم دونوں بغیر فلسفے کے سانس نہیں لے سکتے؟" اس نے مسکراتے ہوئے زین سے کہا۔ "نیچے آنٹی تمہیں ڈھونڈ رہی تھیں۔ میں نے کہا، ستاروں کے ساتھ بیٹھ گئے ہیں، ابھی نہیں آئیں گے۔"

زین اٹھا۔ "نیچے جا رہا ہوں—— احمر کو فون بھی کرنا تھا۔"

چھت پر صرف حماس اور مشعل رہ گئے، اور اوپر آسمان۔

مشعل خالی کرسی پر بیٹھ گئی، گلاس ریلنگ کے پاس رکھ دیا۔

کچھ دیر وہ دونوں خاموش رہے۔ نیچے کہیں سے ہلکی سی پلیٹوں کی کھنک اور کسی ملازم کی مدھم آواز آ رہی تھی۔ دور کہیں سے ریلوے لائن کی آواز سنائی دی، جیسے شہر کے وجود سے آتی ہوئی تھکی ہوئی سانس۔

مشعل بولی۔ "یہ شہر رات میں عجیب سا لگتا ہے۔ اتنا بڑا، اسقدر زندہ۔۔۔ پھر بھی جیسے کوئی کھلونا ہو—"

صرف دیکھنے کے لیے، ہاتھ لگانے کے لیے نہیں۔

حماس نے نگاہیں افق کی طرف دوڑائیں۔

دور سے کسی مسجد سے عشاء کی اذان کے آخری کلمات ابھی ہوا میں موجود تھے۔ آواز اتنی بھی مدھم نہیں تھی کہ سنی نہ جائے، نہ اسقدر بلند کہ باقی سب کو ڈھانپ لے۔

ساتھ ہی کہیں اور سے کسی اور مسجد کا لاؤڈ اسپیکر بھی جواب دے رہا تھا۔ دو اذانیں، دو علاقے، ایک ہی رب کی طرف اشارہ۔

مشعل نے آسمان کی طرف دیکھا، پھر نیچے لان کی لائٹس کی جانب۔

خاموشی کے گہرے ہونے سے پہلے، آسمان کے ایک کونے میں اچانک روشنی پھوٹی۔

ایک باریک روشنی کی لکیر اوپر گئی، اور پھر تاروں کے درمیان زور سے پھٹی۔

سرخ، سبز اور سنہری چنگاریاں ہر طرف بکھر گئیں۔

مشعل نے خوشی سے کہا۔ "فائر ورکس!" اس کی آواز میں بچپن جیسی چمک تھی۔ "شادی ہو گی یا کسی اور خوشی کی تقریب۔"

چند لمحوں کے بعد ایک اور فائر کریکر اوپر گیا اور پھٹ گیا۔

اس بار رنگ گلابی اور سنہرے تھے۔

شہر کے اس حصے میں جہاں وہ بیٹھے تھے، صرف روشنی کی جھلک اور تھوڑی سی آواز آ رہی تھی۔

لگتا تھا جیسے خوشی کا صرف سایہ دور سے بھیج دیا گیا ہو۔

مشعل بولی۔ "مجھے بچپن سے فائر ورکس بہت پسند ہیں۔ یہ۔۔" اور رک گئی، جیسے الفاظ دل تک پہنچنے کے لیے تھوڑی دیر چاہتے ہوں۔ "خوفناک بھی ہیں اور خوبصورت بھی۔ شور اور روشنی کے بعد اچانک خاموشی۔"

"یہی تو زندگی ہے۔" حماس نے بے ساختہ کہا۔ "جو چیز بہت تیز چمکتی ہے، وہ جلد ہی ماند پڑتی ہے۔ اصل روشنی وہ ہے جو خاموشی سے جلتی رہے۔ کسی کمرے کے کونے میں، کسی کے اندر۔"

"تمہیں پتا ہے۔" مشعل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بچپن میں، میں فائر ورکس کو 'آسمانی پھول' کہتی تھی۔"

مشعل نے ہاتھ ریلنگ پر رکھا، انگلیوں سے لوہے کی ٹھنڈک محسوس کی۔

"کل ہم کراچی چلے جائیں گے۔" اس نے جیسے خود سے کہا۔ "یہ چھت، یہ رات، یہ فائر ورکس۔۔۔ یہ منظر محض ایک یاد بن کر ماضی کا حصہ بن جائے گا۔

حماس نے کچھ دیر خاموشی سے لان کی طرف دیکھا، جیسے کوئی پرانی یاد تلاش کر رہا ہو۔

پھر بولا، آہستہ، جیسے وہ ان الفاظ کو پہلی بار کسی کے سامنے آزما رہا ہو۔ "دو سال پہلے میں نے ڈائری لکھنا شروع کی تھی، ہر رات سونے سے پہلے ایک لائن۔" وہ رک گیا، مشعل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "آج کا

وہ لمحہ جو میں بھولنا نہیں چاہتا۔ کبھی کوئی بات ہوتی، کہیں کسی کا ہنسنا، کبھی صرف ہوا کا خوشبودار جھونکا۔ "ایک گہری سانس اندر کو کھینچی۔ "لیکن پچھلے چھ ماہ سے ڈائری خالی ہے۔" وہ مشعل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "آج سوچ رہا ہوں، سونے سے پہلے کیا لکھوں۔"

مشعل نے کچھ کہا نہیں لیکن اُس کے ہونٹوں کے کونے پر ایک ہلکی سی مسکان آگئی، جیسے دل کی خالی جگہ پُر ہو گئی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

فارم ہاؤس کی شام مکمل طور پر جگمگا رہی تھی۔ ہر طرف رنگ برنگے قمقمے، اور وسط میں بلند اسٹیج سے موسیقی کی لہریں فضا میں پھیل رہی تھیں۔

سفید گلاب کے پھول اور آس پاس لوگوں کی ہنسی و شور کا ملا جلا ماحول ایک خواب جیسا لگ رہا تھا۔ پارٹی کا تھیم ماسک تھا۔ کسی نے آدھا چہرہ چمکتی ہوئی سیاہ پٹی سے ڈھانپ رکھا تھا، کسی نے پرندے کے پروں والا ماسک پہن رکھا تھا، کسی کے ماسک پر چھوٹے چھوٹے ستارے جڑے تھے۔ یہ ماسک ہر ایک کو تھوڑا پراسرار اور دلچسپ بنا رہے تھے۔

شمع ہاتھ میں گلاس تھامے، لوگوں کے بیچ سے راستہ بناتی زین کو ڈھونڈ رہی تھی۔

شمع خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی۔ "وہ آیا بھی ہے یا نہیں؟ فون بھی بند ہے۔"

مشعل پول کے کنارے کھڑی، پانی میں جھلملاتی روشنیوں کو دیکھ رہی تھی، کبھی جھک کر دوپٹہ سنبھالتی، کبھی محو نظارہ ہوتی۔ مہوش میز کے پاس، ہاتھ میں پلیٹ تھامے کھڑی تھی، لیکن نظریں آس پاس کے ہجوم اور

موسیقی کی لہروں پر مرکوز تھیں۔ میوزک اور ہنگامے کے بیچ ایک دم مہوش کے دائیں جانب سے کسی نے آہستگی سے پکارا۔

"مہوش؟"

وہ چونک کر مڑی، سامنے ایک لڑکا کھڑا تھا۔ ریون ماسک، گہرا سیاہ جس نے صرف آنکھوں کی ارد گرد کی جگہ گھیر رکھی تھی، باقی نقوش عیاں تھے۔ یہ اس کے ماسک کی ساخت تھی جو اسے ایک بے ضرر اجنبی ہونے کا تاثر دے رہی تھی۔ درمیانہ قد، عام لباس، کوئی پہچان نہیں، بس ایک غیر معمولی اجنبیت۔

مہوش نے ہلکی سی جھجک کے ساتھ پوچھا۔ "جی؟"

لڑکے نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی، پھر قریب آکر کہا۔ "آپ۔۔۔ مہوش علی ہیں نا؟"

"ہاں۔ لیکن آپ کون ہیں؟"

لڑکے نے نرمی سے بتایا۔ "زین بھائی نے بھیجا ہے۔ باہر، پارکنگ میں ہیں۔"

مہوش کا دل ایک دم زور سے دھڑکا۔ "زین؟"

لڑکے نے تیزی سے کہا۔ "انہیں چوٹ لگی ہے، پیچھے والی پارکنگ میں گاڑی میں بیٹھے ہیں۔ میں اندر آیا ہوں تاکہ کسی کو پتا نہ چلے۔ صرف آپ کا نام لیا اور کہا کہ مہوش کو بلاؤ، باقی وہ خود سمجھ جائے گی۔"

مہوش نے پلیٹ میز پر رکھی اور پوچھا۔ "چوٹ۔۔۔ کیسی چوٹ؟"

لڑکے کے لہجے سے گھبراہٹ جھلک رہی تھی۔ "سیڑھیوں کے پاس پھسل گئے ہیں، سر بھی لگ گیا ہے۔ آپ براہ کرم ابھی میرے ساتھ چلیں، شمع کو بعد میں بتا دیں۔ شور ہو گیا تو مسئلہ ہو گا۔"

موسیقی کیا چانک بلند ہوتی بیٹ نے اس کے آخری جملے کو گھیر لیا، جیسے آواز ہوا میں کھو گئی ہو۔

مہوش نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "چلو، راستہ دکھاؤ۔"

دونوں ہجوم، روشنیوں اور گھومتے ماسکس کے درمیان سے لان کے سائیڈ راستے پر آئے، جہاں روشنی کم اور تاریکی زیادہ تھی۔

لڑکا آگے بڑھتا رہا، مہوش پیچھے۔ یہ راستہ فارم ہاؤس کے عقبی حصے سے سیدھا پارکنگ تک جاتا تھا۔

مہوش نے آہستگی سے کہا۔ "یہاں واقعی کوئی نہیں ہے۔"

لڑکے نے جلدی سے کہا۔ "یہ پچھلا گیٹ ہے۔ زین بھائی نے کہا تھا سامنے سے مت آنا، سب دیکھ لیں گے۔"

وہ دونوں ایک موڑ مڑ کر اوپن پارکنگ کی طرف آئے۔ وہاں کچھ کاریں کھڑی تھیں، لیکن شور کم تھا۔ تھوڑی دور ایک سیاہ گاڑی اندھیرے میں کھڑی تھی، ہیڈ لائٹس بند تھیں، صرف ڈیش بورڈ کی مدھم سبز روشنی جھلک رہی تھی۔

لڑکے نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہی ہے۔ پیچھے بیٹھیں، وہ فرنٹ پر ہیں۔ مجھے ہی ڈرائیو کرنا ہوگا، انہیں سیدھا ہاسپٹل لے چلتے ہیں۔"

مہوش نے لمحہ بھر گاڑی کو دیکھا۔ "وہ خود اندر کیوں نہیں آیا؟ یا کم از کم۔۔۔ شمع کو تو۔"

اس نے فوراً کندھے سے لٹکے پرس کو موبائل نکالنے کی غرض سے کھولا۔ اس کے رکتے قدموں نے لڑکے کو الرٹ کیا، اس نے جھپٹ کر اس کا پرس چھین لیا۔

وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"پلیز ابھی کسی کو فون نہ کریں، یہ ایمرجنسی ہے۔ سر پر چوٹ لگی ہے، وہ گاڑی سے باہر نہیں نکل پا رہے، چکر آ رہے ہیں۔ آپ پیچھے بیٹھ جائیں، وقت کم ہے۔ اگر میں واپس شمع کو بلانے گیا تو کوئی دیکھ سکتا ہے۔"

اس کے لہجے میں عجلت تھی، مہوش کو سوچنے کا موقع نہ ملا۔ اس نے دروازہ کھولا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سیٹ نرم تھی، ہوا میں ہلکی سی خوشبو، لیکن اندھیرا اتنا تھا کہ اگلی سیٹ پر بیٹھے شخص کا چہرہ صاف نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ لڑکا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، دروازہ بند کیا، انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی نرم آواز کے ساتھ حرکت میں آئی اور پارکنگ سے نکلتی مرکزی سڑک کی طرف بڑھی۔

مہوش نے پچھلی سیٹ سے آگے جھکتے ہوئے پیسنجر سیٹ پر بیٹھے 'زین' کو پکارا۔

ہیڈلائٹس آن ہونے کی وجہ سے اسے اب صاف دکھائی دے رہا تھا۔ "زین، یہ تم ہو نا؟" اس نے کندھا ہلاتے ہوئے اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی، جو سامنے دیکھ رہا تھا اور ساکت ہوا بیٹھا تھا۔

یک لفظی جواب آیا۔ "خاموش!"

یہ زین کی آواز تھی نہ لہجہ۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے لڑکے نے کہا۔ "میں آپ کو زین کے پاس ہی لے جا رہا ہوں۔"

مہوش غصے سے چلائی۔ "جھوٹ بول رہے ہو تم!" وہ دروازہ کھولنے لگی، گاڑی نے رفتار پکڑی۔

لڑکے نے کہا۔ "تمام بات آپ وہاں جا کر ہی سمجھیں گی۔"

"کون سی بات، کہاں کا زین؟" اب اسے اپنی بیوقوفی پر غصہ آنے لگا تھا۔ وہ ایک اجنبی پر اعتبار کرتی یہاں تک آ پہنچی تھی۔ "تم نے کہا تھا وہ گاڑی میں ہے، زخمی ہے۔"

مہوش نے کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کی۔ فارم ہاؤس کی روشنیاں پیچھے رہ گئیں، اندھیرا بڑھنے لگا۔ اس کے اندر ایک نامکمل خوف نے آہستگی سے سر اٹھایا، لیکن زین کا خیال، سرپرچوٹ، ممکنہ ملاقات—ان سب نے ابھی تک اس خوف کو پورا نام نہیں لینے دیا تھا۔

شاید واقعی زین کسی مشکل میں ہو؟ وہ سوچ کر رہ گئی۔

☆☆☆

وہ دونوں سوئمنگ پول کے کنارے کھڑی تھیں جب دو آدمی خاموشی سے ان کے قریب آ کر رکے۔ "مشعل، شمع۔" انداز پوچھنے کا سا نہیں تھا، وہ انہیں جانتے تھے۔

"ماسک اتار کر بات کرو۔" شمع کھردرے لہجے میں بولی۔ "آواز اجنبی ہے، شاید شکل سے پہچان لیں۔"

"ہمیں نہ جاننا ہی تم دونوں کے لیے بہتر ہے۔" دوسرا، گولڈن ماسک والا، نرمی سے بولا اور پھر جیب سے موبائل نکال کر اسکرین پر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ "تمہیں کچھ دکھانا ہے۔" اس نے موبائل کی اسکرین ان کی طرف گھما دی۔ "آواز نکلی تو نقصان تمہاری دوست کا ہوگا۔"

شمع نے تصویر دیکھتے ہی بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

وہ مہوش کی تصویر تھی—وجود رسیوں میں جکڑا ہوا، منہ پر ٹیپ لگی ہوئی۔

"ہم کیسے مان لیں کہ یہ اصلی ہے؟" مشعل نے لہجہ مضبوط رکھا، حالانکہ اس کا جسم ہلکا ہلکا لرز رہا تھا۔

"بلالواپنی دوست کو۔" سفید ماسک والے نے ارد گرد یوں نظر دوڑائی جیسے واقعی اسے تلاش کر رہا ہو۔

شمع نے بیگ سے فون نکالا اور مہوش کا نمبر ملایا۔ "نمبر آف ہے۔" اس نے تشویش بھری نظروں سے مشعل کو دیکھا۔

"ہمارے پاس یہاں رکنے کا وقت نہیں۔" گولڈن ماسک والا بولا۔ "دو آپشنز ہیں۔ پہلا، اپنے پرس ہمارے حوالے کرو اور ہمارے ساتھ چلو، ہم تمہیں اس سے ملوا دیتے ہیں۔ دوسرا آپشن یہ ہے کہ یہاں سے بحفاظت اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور اپنی دوست کو بھول جاؤ۔"

"وہ کہیں کسی کو دکھائی نہیں دے گی۔" سفید ماسک والے نے جیسے لقمہ دیا تھا۔

"ہمارے جانے سے اسے کیا فائدہ ہو گا؟" شمع جانتی تھی کہ جو فیصلہ ہونا ہے، وہ ابھی ہونا ہے، بعد میں نہیں۔

"ہمیں تم تینوں سے کچھ معلومات درکار ہیں، اور تینوں کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔" سفید ماسک اب قدرے بیزاری سے بولا۔ "ہمیں جو چاہیے وہ دو، اور تینوں اپنا راستہ ناپو۔"

انہیں فیصلہ کرنے میں صرف ایک لمحہ لگا۔

☆☆☆

سیاہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر وہ دونوں بالکل خاموش بیٹھی تھیں، جیسے آواز بھی خطرہ بن سکتی ہو۔

مشعل نے غیر محسوس انداز میں بالوں میں پروئی ہوئی دو نوکیلی پنیں نکالیں اور دائیں ہاتھ میں مضبوطی سے تھام لیں۔ 'کوئی میرے قریب بھی آیا تو سیدھا اس کی آنکھوں میں دھنسا دوں گی' وہ دل ہی دل میں تہیہ کیے بیٹھی رہی۔

شمع سینڈل کا سٹریپ درست کرنے جھکی اور ہمیشہ کی طرح پنڈلی سے لپٹے خنجر کو اس کے چمڑے کے غلاف سے نکال لیا۔ مہارت سے اسے آستین میں چھپاتے ہوئے، پھن اوپر کی جانب اور دستہ ہتھیلی میں جمالیا۔ آستین کو ذرا سا نیچے سرکا دیا۔

☆☆☆

پرانی اینٹوں والی عمارتیں تنگ گلی کے دونوں طرف ساکت کھڑی تھیں۔ چھت پر جھکے ہوئے لکڑی کے جھروکے، اوپر سے روشنی ٹمٹمار ہی تھی، جیسے کسی نے چھت کے کنارے پر چراغ جلائے ہوں۔ دور کہیں شادی کی آواز سنائی دے رہی تھی—ڈھول کی مدھم تھاپ، سپیکر سے نکلتا تیز سا گانا، اور بیچ میں ہنسی کے قہقہے۔ وہ گلی کے بیچوں بیچ چل رہا تھا۔ قدم خود بخود اٹھ رہے تھے۔

گلی کے آخری موڑ سے ایک سایہ دار شخص نمودار ہوا۔ اس کے سیاہ کوٹ، ہاتھ میں جلتی سگریٹ اور چہرے پر سیاہ ماسک کے ساتھ صرف آنکھوں کے دو مدھم نقطے روشن ہو رہے تھے۔ اس نے سیدھے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"آؤ یہاں۔"

اس کی آواز نرم مگر پختہ تھی، جیسے یہ جملہ کئی دنوں کی تربیت کا حصہ ہو۔

جیسے ہی موڑ کٹا، اگلے ہی لمحے منظر بدل گیا۔

وہ ایک بڑے ہال کے دہانے پر تھا۔ ہال کے اندر تاریکی گہری تھی، مگر موم بتیوں کی مدھم روشنی ٹوٹی ہوئی لکیروں کی صورت میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں کے ساتھ اونچے شمعدانوں میں شمعیں جل رہی تھیں۔ ان کا سنہری نور گہرے میرون پردوں پر لرز رہا تھا۔

نیچے قالین بچھا ہوا تھا، سنہری اور گہرے سرخ نقشوں والا، ہر قدم اس میں ڈوبتا اور سنبھلتا محسوس ہو رہا تھا۔ کونے میں میرون صوفے قطار سے رکھے تھے، ان پر بیٹھے جوڑوں کی سرگوشیاں، اور ہلکی ہنسی کے ساتھ شیشے کی ٹکر کی مدھم آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

بیچ میں ڈانس فلور تھا، ہر طرف ماسک والے چہرے تھے — کسی کے ماسک پر سیاہ چمکدار کنارے، کسی کے ماسک پر سفید پرندے کے پروں جیسے پَر، اور کسی کے چہرے پر سنہری تھیٹر ماسک جو ہنستا ہوا لگ رہا تھا۔ روشنی مدھم تھی، لیکن چہروں کے بیچ ہر سایہ جزوی طور پر نمایاں تھا، مکمل تاریکی کہیں نہیں تھی۔

وہ ہال کے اندر قدم بڑھانے لگا۔

نیچے دیکھا تو پاؤں قالین پر تھے، باریک ٹخنے، سرخ اونچی ایڑی والے نازک جوتے روشنی کو چھو کر واپس چھوڑ رہے تھے، ہر حرکت میں نرمی اور دلکشی تھی۔ دل ایک لمحے کے لیے تھم گیا، پھر اچانک تیز دھڑکنے لگا۔ ہاتھ اپنے سامنے لے آیا، ان پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح گڑبڑا گیا۔ یہ تو نسوانی ہاتھ تھے۔ قریب سے ایک مرد آیا، گہرے رنگ کے سوٹ میں ملبوس، چہرے پر سنہری ماسک اور دھندلی سی مسکان کے ساتھ۔

مرد نے جھک کر کان کے قریب کہا۔ "آج رات شہر زندہ ہے، تمہیں بھی باقی سب کی طرح یاد رکھا جائے گا۔"

مرد نے اس کا ہاتھ تھاما اور ڈانس فلور کے کنارے تک لے گیا۔

موسیقی زور سے بجنے لگی۔ سانسیں تھوڑی مختصر ہو گئیں۔

☆☆☆

پھر منظر ایک جھٹکے میں ٹوٹا۔ وہ اب کالے رنگ کی بگھی میں بیٹھا تھا، لکڑی کے پہیوں والی۔ اوپر کپڑے کی چھت، سامنے کوچوان جس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ بس اس کی ٹوپی اور مضبوطی سے پکڑی لگام نظر آ رہی تھی ،رات کا شہر دونوں طرف سے پیچھے کو سرک رہا تھا۔ گلیوں کے اوپر لٹکتے قمقمے، دکانوں کے بورڈ، درختوں کے سائے—سب ایک لمبی دھاری میں ضم ہو گئے تھے۔ بگھی کچی سڑک پر جا رہی تھی، ہر جھٹکے پر بدن اوپر نیچے ہوتا، بغل کی لکڑی سے کندھا ٹکراتا۔

اچانک آسمان میں روشنی کا گولہ بلند ہوا، پھٹا، سرخ اور سبز چنگاریاں دور تک بکھر گئیں۔ وہ چونک کر اوپر دیکھنے لگا۔ دوسرا فائر ورک قریب پھٹا، چند لمحوں کے لیے روشنی آنکھوں کو سیاہ کر گئی۔ دل کی دھڑکن بگھی کے جھٹکوں سے آگے بڑھ گئی، ہر جھٹکے کے ساتھ سینے میں کچھ ٹوٹتا سا محسوس ہوا۔

بگھی اچانک رک گئی، پہیے مٹی میں دھنس کر تھم گئے، آگے نیم اندھیرا میدان، دور اینٹوں کی دیوار اور سایوں کی لکیریں۔ ایک بار پھر فائر ورک سنائی دیا۔ وہ خود بخود جھک گیا، گھٹنوں کو سینے سے لگایا، ہاتھ کانوں پر چلے گئے، دل حلق میں اٹک گیا۔

اگلا فائر ورک قریب تر پھٹا۔

اب چار سو خاموشی تھی۔

وہ ہڑ بڑا کر جاگا۔

کمرہ پوری طرح بیدار تھا۔ہاسٹل کی چھت نظروں کے سامنے تھی، ساتھ والے بستر سے کریم کی ہلکی سی سانسوں کی آواز بھی آرہی تھی۔ حماس نے بے یقینی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھا، وہی ہتھیلیاں، وہی رگیں، سب کچھ اپنی جگہ موجود تھا۔ مگر دل میں ابھی تک اُس سفر کی دھڑکن قید تھی، جس پر وہ جانا نہیں چاہتا تھا، پھر بھی جا کر ہو آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

گودام کا دروازہ زوردار چرچراہٹ کے ساتھ کھلا، پھر اتنی ہی احتیاط سے واپس بند کر دیا گیا۔ باہر سے دیکھنے پر بس ایک زنگ آلود، آدھا ٹوٹا تالا دکھائی دیتا تھا، جیسے عمارت خود ہی بکھر گئی ہو۔

دروازہ کھلتے ہی اسجد اندر داخل ہوا۔

ہاتھ میں چھوٹا سا لوہے کا ٹکڑا تھا، سانس ذرا تیز اور آنکھیں پوری طرح چوکنی۔

اندر مہوش کرسی سے بندھی بیٹھی تھی؛ رسیوں نے کلائیوں پر نشان چھوڑ دیے تھے اور منہ پر ٹیپ لگی ہوئی تھی۔اس کی آنکھوں میں خوف کم اور حیرت زیادہ تھی۔

اسجد کے ٹیپ ہٹاتے ہی مہوش نے بولنے کو منہ کھولا، مگر اسجد نے فوراً انگلی ہونٹوں پر رکھ دی۔

"چپ، ابھی باہر بھی ہو سکتے ہیں۔" بغور اس کا چہرہ دیکھا۔"میں نے تمہیں اس شخص کے ساتھ پارٹی سے نکلتے دیکھا تھا۔ وہ مجھے زین یا حماس نہیں لگا، تبھی شک ہوا۔"رک کر سانس ہموار کرنے کی کوشش کی۔"میں نے خاموشی سے پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا۔ تھینک گاڈ۔۔۔میں نے بروقت ایک صحیح فیصلہ کیا۔"

مہوش کی آواز کپکپائی۔ "دروازہ۔۔۔کیسے کھولا؟"

اسجد نے ایک نظر دروازے کی طرف ڈالی۔ "باہر سے تالا توڑا ہے، شکر ہے گاڑی میں یہ موجود تھا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے لوہے کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔ "پہلے تو میں بھی تالا دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔"

اسجد نے تیزی سے رسیاں کھولنا شروع کر دیں۔ "اُٹھو، ہمیں یہاں سے جلدی نکلنا ہو گا، ان کے لوٹنے سے پہلے۔ پتہ نہیں کتنے آدمی ہوں۔"

اسجد نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور اسے گودام سے باہر لے آیا۔ دروازے کے ساتھ والی دیوار کے قریب تین بڑے لوہے کے ڈرم رکھے ہوئے تھے، کچھ خالی، اور کچھ الٹے پڑے تھے۔ انہوں نے دروازہ دوبارہ بند کیا اور ڈرموں کی اوٹ میں پناہ لے لی۔

"یہاں سے سامنے کا پورا حصہ نظر آئے گا، مگر کوئی ہمیں نہیں دیکھ پائے گا۔" اسجد نے سرگوشی کی۔

مہوش کا دل اب پہلے سے کہیں زیادہ زور سے دھڑک رہا تھا۔ "ہم یہاں سے کب نکلیں گے؟"

"پہلے یہ یقین کر لیں کہ یہاں کوئی اور موجود نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم گاڑی کی طرف بڑھیں اور کوئی ہمیں دیکھ لے، گاڑی ذرا فاصلے پر ہے۔" اس نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔

☆☆☆

گودام سے کچھ فاصلے پر، کھلے میدان کے کنارے وہ سیاہ گاڑی رکی ہوئی تھی جس میں شمع اور مشعل دونوں موجود تھیں۔ ایک آدمی اتر کر پچھلا دروازہ کھولنے لگا۔ "کوئی ہوشیاری نہیں کرنا۔ تمہاری دوست اس گودام میں ہے، ہمارے بغیر تم اس تک نہیں پہنچ سکتیں۔"

شمع نے اپنی آواز کو مضبوط رکھنے کی پوری کوشش کی۔"ہم دونوں ساتھ چلیں گی۔"اس نے مشعل کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

چاروں گودام کی طرف بڑھنے لگے——دائیں بائیں دو لڑکے اور بیچ میں مشعل اور شمع۔

چلتے ہوئے دونوں لڑکیوں کے قدم ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔

☆☆☆

گودام کے دروازے کے قریب آ کر وہ رک گئے۔

جیسے ہی دونوں ماسک والے گودام کے قریب پہنچے، ڈرموں کے پیچھے چھپے اسجد نے اپنی پوزیشن ذرا سی سیدھی کی۔

ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا، نالی مٹی کے کونے کی طرف، اور مہوش سانس روکے اس کی حرکت دیکھ رہی تھی۔

مہوش نے ہلکی سی سرگوشی کی۔"ابھی؟"

اسجد نے نظریں باہر رکھتے ہوئے کہا۔"ہاں، بس ان کے قدم صحیح جگہ پر پڑنے دو۔"

ماسک والے گودام کے سایہ دار دہانے تک پہنچے ہی تھے کہ اسجد نے ڈرم کے کنارے سے ذرا سا آگے کو جھک کر پہلا فائر کیا۔ زوردار دھماکے کے ساتھ گولی اُن کے قدموں کے آگے مٹی میں لگی، گرد اڑی اور آواز گونجی۔

شمع اور مشعل جو ذرا سے فاصلے پر کھڑی تھیں، اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹیں۔ ماسک والے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے، جیسے گولی چلانے والے کو ڈھونڈ رہے ہوں۔

دوسری گولی دروازے کے اوپری لوہے کے فریم سے ٹکرائی، چنگاری نکلی اور دھات کی آواز تیز ہوئی۔

دونوں کا دل حلق میں آ گیا، آنکھیں خود بخود بند ہونے کو تھیں، مگر انہوں نے خود کو سنبھالا۔ ماسک والے خود کو بچانے کے چکر میں۔۔ ایک دوسرے سے بری طرح ٹکرائے۔ سامنے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا، بس گولیوں کی آواز، دیواروں سے ٹکرا کر لوٹتی گونج، اور اندھیرا۔ تیسری گولی ہوا میں اوپر چلی گئی اور آواز نے فضا کا حوصلہ مکمل طور پر توڑ دیا۔ بغیر کوئی لفظ کہے یا پیچھے مڑے، وہ دونوں لڑکے اچانک دوسری سمت بھاگ نکلے۔

پہلے مٹی پر دوڑتے قدموں کی آواز آئی، پھر خاموشی۔

اسجد نے ہاتھ نیچے کیا، ریوالور کی نالی سے ہلکا سا دھواں اٹھ رہا تھا۔ "اب چلو۔" اس نے کہا۔

وہ دونوں اوٹ سے نکل کر باہر آئے۔ مشعل اور شمع ہانپتی ہوئی ساکت کھڑی تھیں۔ آنکھوں میں ڈر تھا، مگر دونوں کے ہاتھ اب بھی خالی نہیں تھے—ایک کی ہتھیلی میں خنجر، دوسری میں نوکیلی پنیں۔

اسجد نے قریب آ کر پوچھا۔ "تم میں سے کسی کے ساتھ کوئی۔۔۔ بدتمیزی تو نہیں ہوئی؟"

تینوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر یہاں سے چلتے ہیں۔ کہانی صبح بھی سنائی جا سکتی ہے، آج رات بس محفوظ جگہ پہنچ جانا کافی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

حضوری باغ کی گھاس پر ڈھلتی دھوپ کا سنہرا رنگ بکھر رہا تھا۔

بادشاہی مسجد کے مینار آسمان میں ہلکے نیلے پس منظر میں اٹکے ہوئے تھے، دوسری طرف لاہوری قلعہ کی دیواریں سنبھلی ہوئی خاموشی میں کھڑی تھیں۔ مینارِ پاکستان کی جھلک دور سے دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی۔ درمیان میں رنجیت سنگھ کی سمادھی کا چھوٹا مگر نفیس ڈھانچہ تھا—سفید گنبد، باریک ستون، اور چاروں طرف اونچا چبوترہ۔

شمع کی گاڑی آکر درختوں کی قطار کے پاس رکی، زین اور حماس پہلے سے وہاں موجود تھے۔

"تم لوگ وقت پر آ گئے۔" زین ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

آج اس کے لہجے میں عام دنوں والی شوخی نہیں تھی۔ یہاں آنے کا پروگرام زین کا ہی تھا جو اس نے چند دن قبل ترتیب دیا تھا۔ وہ یہاں اپنے والد کے ساتھ دو بار آ چکا تھا اور یہ یونیورسٹی سے پہلے کی بات تھی۔

چند لمحوں میں ایک دبلا پتلا، درمیانی عمر کا گائیڈ ان کے پاس آ کھڑا ہوا۔ ہاتھ میں رجسٹر، گلے میں ایک پرانا سا شناختی کارڈ۔

گائیڈ نے مسکرا کر کہا۔ "آؤ جی، ہم پہلے سمادھی دیکھتے ہیں، پھر قلعہ کی طرف چلیں گے۔"

وہ سب اس کے ساتھ سفید پتھر کی سیڑھیوں سے اوپر چڑھے۔ سمادھی کے دروازے پر جالی دار لکڑی کا پٹ تھا، اندر نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بتیوں کی مدھم روشنی میں دیواروں پر سونے اور رنگین پتھروں کی جھلک کہیں کہیں دکھائی دے رہی تھی۔

گائیڈ نے بولنا شروع کیا۔ "یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھی ہے۔ مہاراجہ نے پنجاب کو جوڑ کے رکھا تھا، مرنے کے بعد اُس کی راکھ یہاں رکھی گئی۔ اوپر جو تصویریں اور مجسمے ہیں، وہ سب اُس زمانے کے راج کی نشانیاں ہیں۔"

مشعل اور مہوش نے اندر جھانک کر دیکھا۔ دیواروں پر گھوڑوں، سپاہیوں اور دیوی دیوتاؤں کی چھوٹی چھوٹی شبیہیں بنی تھیں۔

گائیڈ ہلکا سا ہنسا۔ "لوگ دن میں یہاں سیلفیاں لیتے ہیں، رات کو یہاں کوئی نہیں آتا۔"

شمع نے فوراً پوچھا۔ "کیوں؟"

گائیڈ نے نظریں تھوڑی دیر دروازے کے اندر ٹِکائیں۔
"کہتے ہیں کبھی کبھی رات کو اندر سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آتی ہے، جیسے کوئی فوج گزر رہی ہو۔ کبھی بتی بجھی ہو تو اندر ہلکی سی روشنی دکھ جاتی ہے، لیکن دروازہ تو بند ہوتا ہے۔"

مہوش نے لاشعوری طور پر اپنا دوپٹہ تھوڑا اور قریب کھینچ لیا۔ شمع نے زین کی طرف دیکھا، جو صرف خاموشی سے سمادھی کے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔

گائیڈ نے بات جاری رکھی۔ "کبھی کبھار قلعے کے پہرے دار کہتے ہیں رات کے پچھلے پہر ایک لمبے قد والے سکھ سردار کا سایہ سمادھی کے گنبد کے پاس کھڑا نظر آتا ہے۔ پگڑی، تلوار، پورا حلیہ۔۔۔ جیسے ابھی بھی وہی فولاد کا راج ہو۔ قریب جاؤ تو کچھ نہیں ہوتا، دور سے دیکھو تو لگتا ہے کوئی کھڑا ہے۔"

وہ بات ختم کر کے مسکرایا۔ "خیر، ڈرنے کی بات نہیں۔ یہ سب پرانی روایتیں ہیں۔"

شمع نے دہرایا۔ "ڈرنے کی بات نہیں؟اِس وقت تو روشنی ہے، رات کو شاید ڈر ہی لگے۔"

گائیڈ انہیں تھوڑا آگے لے گیا جہاں سے حضوری باغ کا پورا چبوترہ، مینار اور دونوں اطراف کی عمارتیں ایک ساتھ نظر آتی تھیں۔

گائیڈ نے درمیان والی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہاں مہاراجہ کی راجگدی رکھی جاتی تھی، کہتے ہیں کبھی کبھار رات کو بہت دُور سے ناگ پھنی کی مہک اور پرانی راگ کی گونج آتی ہے۔ کسی نے اصل چیز نہیں دیکھی، بس آوازیں۔۔۔اور خوشبو۔"

گائیڈ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "بس، باقی قلعہ آپ کل دن میں دیکھ لیجیے گا۔اب سانجھ ہو گئی ہے، ہم ادھر ہی رکیں گے تو گھر دیر سے پہنچیں گے۔"

وہ نیچے اتر آئے۔ سمادھی، مسجد، قلعہ —— سب کے گنبد اور مینار اب آسمان کے اندھیروں میں سیاہ سائے بن رہے تھے۔ پارکنگ کے پاس شمع اور زین کی گاڑیاں ساتھ کھڑی تھیں۔ ہلکی ہوا، سڑک کی طرف آتی جاتی گاڑیوں کے ہارن، اور شہر کی تھکی ہوئی گونج۔

شمع نے مشعل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ، کتنا روکے رکھو گی اندر؟"

مشعل چند لمحے خاموش رہی، پھر زین اور حماس دونوں کی طرف دیکھا۔

مشعل نے محتاط انداز میں آغاز کیا۔ "جو کچھ ہوا، وہ۔۔۔مذاق نہیں تھا۔"

اس کے بعد اس نے مکمل واقعہ سادہ الفاظ میں دوہرا دیا —— پارٹی، ماسک، اجنبی لڑکے، گاڑی، سنسان راستہ، گودام، مہوش کا بندھا ہونا، اسجد کا اچانک آنا، تالے کا ٹوٹنا، ڈرموں کے پیچھے چھپنا، باہر گولیاں، اور دو ماسک

والوں کا بھاگتے قدموں کی آواز کے ساتھ اندھیرے میں غائب ہو جانا۔ بولتے بولتے اس کی آواز ہلکی پڑنے لگی، مہوش نے بیچ میں ایک آدھ جگہ خلا پُر کیا۔

شمع نے آخر میں جوڑا۔ "ہم نے کسی کو نہیں بتایا، لیکن تم دونوں سے چھپانا غلط لگا۔"

مشعل نے اعلانیہ کہا۔ "ہم نے فیصلہ کیا ہے، آئندہ کسی پارٹی میں نہیں جانا۔ رات میں تو بالکل نہیں!"

"لگتا ہے جیسے۔۔" شمع اچانک رکی، جیسے حوصلہ مجتمع کر رہی ہو۔ "ہمیں پہلے سے وارننگ سائنز ملنے لگے تھے، راتوں کو یوں پارٹیوں کا حصہ بننا شروعات سے ہی ایک غلط کام تھا جو ہم ترک کرنے کو آمادہ ہی نہ تھے۔ ہارون کمال کی پارٹی میں ان تینوں سے ٹکراؤ، کمرے میں لاک کیے جانا اور اب یہ۔۔۔"

"ہارون کمال کی پارٹی اور لاک کیے جانے کا، تم دونوں نے پہلے تو کچھ نہیں بتایا؟" زین نے بروقت سوال کیا۔

"تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔" مہوش نے کہا۔

"یا شاید۔۔ اپنی عادت بدلنے کو تیار نہیں تھے۔" شمع بول اٹھی۔

حماس سمادھی کے گنبد کی طرف دیکھتا رہا، جہاں ابھی کچھ دیر پہلے گائیڈ "پہرے دار سائے" کی بات کر رہا تھا۔ پھر بولا۔

"کمال ہے، ہر بار جب تم لوگ مصیبت میں پھنستے ہو، اسجد ہی کہیں سے نکل آتا ہے۔ خواہ وہ لاکڈ کمرہ ہو یا گودام، ہمیشہ وہی ریسکیو کرتا ہے۔ اتفاق۔۔۔ کچھ زیادہ نہیں لگتا؟"

مہوش نے فوراً جواب دیا، لہجہ تھوڑا تیز تھا۔ "ایسا دو ہی بار ہوا ہے۔ پارٹی میں تو وہ کسی سے سن کر آیا تھا کہ کافی دیر ہوئی کوئی لڑکیاں اوپر گئی تھیں، واپس نہیں آئیں۔ اس نے ہماری مدد کی، جب وہاں کوئی اور نہیں تھا۔"

"یہی میرا پوائنٹ ہے۔ کوئی اور نہیں تو وہ کیوں؟" حماس اپنے الفاظ پر زور دیتا ہوا بولا۔ مشعل اسے بغور دیکھتی جیسے کچھ سوچنے لگی تھی۔

شمع نے کندھے اچکائے۔ "ہم تینوں سلامت ہیں، یہ بات بھی کوئی کم نہیں۔ تم ہر چیز میں پیٹرن ڈھونڈو گے ،لوگوں پر بے جا شک کرو گے تو خود کو اکیلا کر دو گے، حماس۔"

مشعل نے کہا۔ "تشویش ناک بات یہ ہے کہ وہ لوگ کون تھے اور ہم تینوں سے چاہتے کیا تھے؟"

"ہمیں پولیس کے پاس جانا چاہیے۔" زین مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولا۔

"انہیں جا کر کیا کہیں گے؟" شمع کے انداز میں چیلنج تھا۔ "اسجد نے بھی ہمیں خاموش رہ کر محتاط ہونے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کوئی کاروباری حریف ہو جو اندر کی باتیں جاننا چاہتا ہو۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ یوں انہیں شک ہو جائے گا کہ ہم نے ماسک والوں میں سے کسی کو پہچان لیا ہے۔ اپنی شناخت چھپانے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔" مہوش جلدی جلدی بول رہی تھی۔ "جان لیوا حملہ بھی کر سکتے ہیں۔ پولیس کو دینے کے لیے ہمارے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں۔۔۔"

"سمجھ گیا۔" حماس نے چڑ کر اس کا جملہ کاٹا۔ "تم لوگ اسجد کے مشورے پر ہی چلو گی۔"

شہر کی روشنیوں کی جھلک ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی، پھر گاڑیوں کے دروازے کھلنے، بند ہونے کی آوازیں آئیں۔ لڑکیاں گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔

شمع نے جانے سے پہلے کہا۔ "زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، ہم اب زیادہ محتاط رہیں گی۔"

زین اور حماس ابھی وہیں کھڑے تھے، کچھ دیر تک دونوں نے کچھ نہیں کہا۔

زین نے آہستہ سے پوچھا۔ "تو اب؟"

حماس نے نگاہ سمادھی سے ہٹا کر سامنے سڑک پر ڈالی۔

"اب کی بار جب ایگزام کے بعد کراچی جاؤں گا تو بابا سے کہوں گا، ہاسٹل چھوڑنا ہے۔ لاہور میں اپنا ایک فلیٹ چاہیئے۔ ایسا دروازہ، جس پر تالا وارڈن کا نہ ہو۔ اگر کبھی مشعل۔۔۔ یا باقیوں میں سے کوئی پھر کسی مشکل میں جا پھنسے، تو کم از کم میں گیٹ کے ٹائم ٹیبل کا قیدی نہ ہوں۔"

زین نے بھی اعتراف کیا۔ "میں زیادہ کتابی کیڑا بننے کے چکر میں موبائل سائلنٹ موڈ پر لگا دیتا ہوں، عادت بدلنی ہو گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

وہ جن پہ مان تھا، وہی سازش میں بٹ گئے

محفل سجی رہی، مگر ہم تخت سے ہٹ گئے

اینتھروپولوجی ڈپارٹمنٹ کے سیمینار ہال میں وہ مخصوص سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی جو صرف پریزنٹیشن کے دنوں میں اترتی ہے۔ کرسیوں کی ہلکی سی چرچراہٹ، پروجیکٹر کی مدھم سی بھنبھناہٹ، اور استاد کی میز پر رکھے پانی کے جگ سے ٹکراتے گلاس کی ٹن ٹن۔

مشعل دوسری قطار میں بیٹھی تھی۔ اس کے ساتھ اور آس پاس وہی چہرے تھے جن کی موجودگی اب اس کے لیے روزمرہ سے زیادہ معنی رکھتی تھی: شمع کا اعتماد، زین کی نظریں جو ہمیشہ کمرے کو ایک نقشے کی طرح پڑھتی تھیں، اور حماس کا چوکس انداز۔

اس لمحے سب کی توجہ ایک ہی طرف تھی——ارحم۔

آج تک ہر ایگزام میں پہلی پوزیشن لینے والا 'گولڈن بوائے'۔

وہ ہال میں سامنے کھڑا تھا، سفید اسکرین پر اس کا ٹاپک چمک رہا تھا۔ارحم کی آواز ہمیشہ صاف اور ٹھہری ہوئی ہوتی تھی، جیسے جملے پہلے ذہن میں ناپ تول کر رکھے گئے ہوں، پھر زبان پر اتریں۔وہ نہ ضرورت سے زیادہ ہاتھ ہلاتا، نہ جملوں کو بڑھا چڑھا کر کہتا۔بس ایک سیدھی، مضبوط سی بات، جو سامنے والے کو قائل کر لیتی۔"ہم جس معاشرے کو صرف 'روایت' کہہ کر سمجھ لیتے ہیں، وہ دراصل طاقت اور اختیار کی ایک ترتیب بھی ہے۔۔۔"

چند سروں نے بے اختیار اثبات میں ہلنا شروع کیا۔وہ سلائیڈ بدلتا گیا، دلائل کی کڑی جوڑتا گیا، مگر مشعل نے نوٹ کیا کہ اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں ایک نادیدہ سی بے چینی تھی۔وہ کلکر کو معمول سے زیادہ مضبوطی سے پکڑ رہا تھا، جیسے مٹھی میں دباؤ رکھ کر اپنے آپ کو قابو میں کر رہا ہو۔

پھر اس نے پانی کی بوتل اٹھائی۔ایک گھونٹ۔دوسرا۔

جیسے گلا اچانک خشک ہونے لگا ہو۔

مشعل نے ذرا سا جھک کر شمع کے کان کے قریب سرگوشی کی۔"ارحم ٹھیک تو ہے؟"

شمع نے 'شش' کے انداز میں ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کیا، مگر خود بھی نگاہیں ارحم کے چہرے پر جما دیں۔ارحم کی آنکھوں کے نیچے گہرے سائے تھے، جیسے کئی راتوں کی نیند ادھار ہو۔پھر بھی وہ بول رہا تھا۔اسی ترتیب، اسی اعتماد کے ساتھ۔

زین نے ایک لمحے کو ادھر ادھر دیکھا، پھر سامنے۔ جیسے صرف ارحم نہیں، پورا کمرہ اس کی نظر میں ہو۔

ارحم نے اگلا جملہ شروع کیا تو آواز کے بیچ ایک ہلکا سا جھول آیا۔ وہ خود بھی ٹھٹکا۔ ہال میں کوئی کھانسا۔ استاد نے چشمہ ٹھیک کیا۔

"اور جب۔۔۔ جب۔"

وہ لفظ پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بھنویں ہلکی سی سمٹیں۔ اس نے ایک بار پھر پانی کی بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا، مگر ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ اس نے گہرا سانس لیا، جیسے سینہ پوری ہوا لینے سے انکار کر رہا ہو۔

مشعل کے اندر کہیں ایک چھوٹا سا الارم بجا۔ یہ صرف نروس ہونے جیسا نہیں تھا۔ یہ کچھ اور تھا۔

ارحم نے گردن ذرا سی ایک طرف گھمائی، جیسے کوئی دور کی آواز سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس کی نظر لمحہ بھر کو ہال کی روشنیوں پر اٹکی، آنکھیں جھپکنے لگیں، جیسے دھند ہٹانے کی کوشش ہو۔

"سر۔۔۔ مجھے۔"

جملہ مکمل نہ ہو سکا۔ اس کے گھٹنے ایک ساتھ ڈھیلے پڑے۔ جسم آگے جھکا اور پھر ایک بھاری سی آواز کے ساتھ وہ فرش پر گر پڑا۔

ہال میں ایک ساتھ ہی چیخ اور شور پھوٹ پڑا۔

ارحم!

پانی!

ایمبولینس کو کال ملاؤ۔۔۔

چند لڑکے فوراً اٹھ کر آگے بڑھے۔ کرسیوں کی آوازیں، بیگ زمین پر گرے، قدموں کی دھمک۔ استاد کی کرسی پیچھے ہٹی تو لکڑی نے تیز چیخ سی ماری۔ "سب پیچھے ہٹو۔۔۔ جگہ دو!"

ایک لڑکا ارحم کے سر کے پاس گھٹنے ٹیک کر بیٹھا۔ کسی نے اس کا کندھا ہلایا۔ کسی نے بوتل کھول کر پانی کے قطرے ہونٹوں تک لگانے کی کوشش کی، مگر استاد نے ہاتھ جھٹک دیا۔ "نہیں، نہیں—اسے سیدھا کرو، سانس دیکھو۔"

حماس نے دیکھا، ارحم کا چہرہ حد سے زیادہ سفید پڑ چکا تھا، لبوں پر معمولی سی نیلاہٹ۔ اس کے ہاتھوں میں عجیب سی سردی تھی، جیسے خون کہیں اور بھاگ گیا ہو۔ حماس نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے انہیں گرمائش پہنچانے کی کوشش کی۔

اسی ہڑبونگ میں، ہال کے ایک کنارے پر، ذیشان کھڑا تھا۔ وہ آگے نہیں بڑھا۔ بس کھڑا رہا، جیسے زمین نے اسے پکڑ رکھا ہو۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور آنکھیں ارحم پر اس طرح جمی ہوئی تھیں، جیسے یہ منظر اس کے لیے بالکل نیا نہ ہو۔

زین کی نظر ایک لمحے کو ذیشان پر ٹھہری، پھر واپس ارحم پر آ گئی۔ مگر وہ لمحہ محفوظ ہو چکا تھا۔

"یونیورسٹی کے میڈیکل آفیسر کو بلاؤ، وہ فوری چیک اپ کرے گا۔" پروفیسر نے دو سٹوڈنٹس کو بھیجا۔

دروازہ کھلا تو باہر کا شور اندر آ گیا۔ دو لڑکیاں رونے لگیں۔ مشعل کے ہاتھ بے اختیار شمع کے بازو سے لپٹ گئے، جیسے اسے خود معلوم نہ ہو وہ کس کو سہارا دے رہی ہے۔ ذہن میں ایک ہی تکرار رہی۔ 'یہ کیا ہو رہا

ہے؟'

اور اسی کے ساتھ ایک اور خاموش سوال: ایسے نہیں گرتے لوگ، جو بس تھکے ہوں۔

اگلے دن یونیورسٹی کا ماحول بظاہر معمول پر تھا، مگر فضا میں ایک بوجھل پن نمایاں رہا۔ ہر راہداری میں سرگوشیاں تھیں۔ ہر چہرے پر ایک سوال۔

اینتھروپولوجی ڈپارٹمنٹ کے باہر، نوٹس بورڈ کے پاس، لڑکیاں چھوٹے چھوٹے حلقوں میں کھڑی تھیں۔ فائلیں، چائے کے مگ، مگر نظریں ایک دوسرے کے ہونٹوں پر۔

مشعل، شمع کے ساتھ چل رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر پیچھے زین اور حماس۔۔

کچھ لڑکیاں نوٹس بورڈ سے ذرا فاصلے پر کھڑی بلند سرگوشیوں میں تبصرہ کرتی سنائی دیں۔ ایک بولی۔ "میں نے سنا ہے ارحم کو گھر والے شہر سے باہر لے گئے ہیں۔"

دوسری نے خبر کی فوری تردید کی۔ "نہیں، شہر سے باہر نہیں، ری ہیب۔"

تیسری لڑکی کے لہجے میں افسوس بھری حیرت تھی۔ "ری ہیب؟ وہ تو۔۔۔ وہ تو پوزیشن ہولڈر تھا۔"

پہلی لڑکی نے پُرزور انداز میں کہا۔ "پوزیشن ہولڈر ہونا کچھ نہیں ہوتا، کبھی کبھی یہی لوگ سب سے پہلے ٹوٹتے ہیں۔"

مشعل کے قدم سست ہو گئے۔ شمع نے بے اختیار دوپٹہ درست کیا۔ حماس نے محسوس کیا کہ لوگوں کی باتوں میں افسوس سے زیادہ تجسس نمایاں ہے۔

"ارحم نے کبھی کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ واقعی لائق تھا، غیر معمولی حد تک ذہین۔ یہ سب۔۔۔ یہ سب ذیشان کی وجہ سے ہوا ہے۔" ایک اور لڑکی اس گروپ میں آکر شامل ہوئی تھی۔

وہ چاروں بھی اب ایک کونے میں کھڑے سن رہے تھے۔

پہلی لڑکی نے پوچھا۔ "ذیشان؟ کیوں؟"

"حسد۔ شروع سے ارحم آگے تھا، ذیشان پیچھے۔ گریڈز، پراجیکٹس۔۔۔ اور پھر اس کے دوست—— تم سمجھ رہی ہو نا؟" نئی لڑکی کا لہجہ یقین سے پُر تھا۔

حماس نے سنا تو اس کی آنکھوں میں سختی اتری، مگر وہ خاموش رہا۔ زین نے شمع کی طرف ایک نظر ڈالی، جیسے کہہ رہا ہو: یہ صرف افواہ نہیں، حقیقت ہے۔

"سننے میں آیا ہے کہ ذیشان نے ہی اسے کوکین پر لگایا تھا، ریلیکس کرنے کے بہانے۔ وہ ایگزام کا سٹریس بھی بہت لیتا تھا نا۔ پہلے گولیاں لینے لگا، پھر کوکین۔ بس ایک دفعہ کے نام پر۔" گروپ کا نیا اضافہ بہت پر اعتماد لہجے میں اطلاعات فراہم کر رہا تھا۔

دوسری لڑکی نے جھرجھری سی لی۔ "شروع میں انسان کو یہی لگتا ہے وہ نشے سے کھیل رہا ہے اور پھر۔۔۔ وہ بس نشے کے ہاتھوں ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ زندہ لاش۔"

مشعل نے حماس کی جانب سوالیہ نظریں اٹھائیں۔ "یہ الزام ہے نا؟ کسی کے پاس کوئی ثبوت تو نہیں۔"

حماس نے افسردگی سے کہا۔ "ثبوت؟ ثبوت کہاں سے ملے گا؟"

"ذیشان آج نہیں آیا۔" زین پر سوچ انداز میں بولا۔ "اس کے تاثرات بہت عجیب سے تھے یا شاید۔۔۔ میں ہی کچھ ڈھونڈنا چاہتا تھا۔ دراصل ہم سب کسی ایک شخص کے کندھے پر یہ بوجھ ڈال کر بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں۔"

شمع دوٹوک انداز میں بولی۔ "کئی لوگوں کی شمولیت اور پردہ داری سے ہی ایسے نقصان ممکن ہو پاتے ہیں۔"

یہ سن کر مشعل کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات ذیشان نے بیڈ کا سائیڈ لیمپ آف کیا اور کروٹ لے کر لیٹ گیا۔

نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ دماغ میں عجیب سا شور تھا، جیسے ایک ساتھ کئی آوازیں بول رہی ہوں۔ وہ آنکھیں بند کرتا تو منظر پیچھے ہٹنے کے بجائے اور تیز ہو جاتے۔ چہرے، جملے، ہنسی کی بازگشت—سب کچھ بند آنکھوں کے پیچھے دوڑنے لگا۔

اس دن ذیشان کا صبح سے ہی موڈ کچھ خراب تھا۔ کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اوپر سے ارحم کی—دو لیکچرز کے دوران—بے جا تعریف کی گئی تھی۔ وہی ارحم، جو یہاں اس کا واحد دوست تھا۔ ارحم کے تو ویسے بھی کئی دوست تھے، ہر کوئی اسے پسند کرتا تھا۔ لیکن ذیشان؟

لوگ اس سے دور ہی رہتے تھے۔ شاید اس لیے کہ اسے کوئی رول فالو نہیں کرنا تھا۔ آئے دن کوئی نہ کوئی پروفیسر تنگ آ کر اسے کلاس سے باہر بھیج دیتا۔ اسائنمنٹس وقت پر جمع نہ کرانے والا بھی اکثر وہی ہوتا۔ وہ

اکلوتا تھا—والدین کی شادی کے دس سال بعد دنیا میں آیا تھا—اور شاید اسی بات کا احسان وہ جانے انجانے سب پر جتاتا رہتا تھا۔

موڈ خراب ہونے کے باعث وہ ارحم کے پاس بھی نہیں گیا۔ٹوائلٹ میں جا کر کچھ دیر سموکنگ کی، پھر باہر نکل آیا۔

راہداری سے گزرتے ہوئے اچانک چند لڑکیوں کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔

بے اختیار اس طرف دیکھا۔

تین لڑکیاں رِدا کے گرد گھیرا ڈالے کھڑی تھیں۔وہی رِدا، جسے ارحم پسند کرتا تھا۔

کہنا بھی چاہتا تھا، مگر ذیشان نے ہی اسے روک دیا۔

"یار، بہت سنجیدہ سی لگتی ہے۔ تین بھائی ہیں، تمہیں پٹوانہ دے۔"

ارحم نے ہنس کر کہا تھا۔"میں تو اسے پروپوز کرنا چاہتا ہوں۔"

اور ذیشان نے بہلا دیا تھا۔"ذرا وقت گزرنے دو۔تمہاری اس کے دل میں کوئی جگہ تو بنے۔فی الحال تو تمہاری طرف دیکھتی بھی نہیں۔"

اب ان لڑکیوں میں سے ایک رِدا کے موبائل پر کچھ دیکھ رہی تھی۔

دوسری نے حیرت سے کہا۔"یہ تو واقعی ہینڈسم ہے۔"

تیسری نے رِدا کے بازو پر چٹکی کاٹی۔

"ہمیں اب بتا رہی ہو؟ منگنی پر تو بلایا بھی نہیں!"

رِدا کے چہرے پر ایک شرمگیں مسکراہٹ آن ٹھہری۔ "بس چند ہی لوگ تھے، قریبی رشتہ دار۔ باہر سے تو کسی کو نہیں بلایا۔"

اسی لمحے ذیشان کی نظر راہداری کے دوسرے سرے پر کھڑے ارحم پر پڑی۔ وہ فق چہرہ لیے، خاموشی سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔

اور ذیشان کے دل میں، جانے کہاں سے، ایک کمینی سی خوشی اتر آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ویک اینڈ کی رات تھی۔

شہر کی سڑکوں پر معمول کی ٹریفک تھی، اسٹریٹ لائٹس کے نیچے روشنی پھیلتی اور پیچھے رہ جاتی۔

ارحم گاڑی چلا رہا تھا۔ ذیشان اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا، کھڑکی کے باہر سے جھانکتی تاریکیوں کو گھور رہا تھا۔

اچانک ارحم نے رفتار تیز کر دی۔ ایک گاڑی کو اوورٹیک کیا، پھر دوسری کو۔

انجن کی آواز میں بے صبری گھل گئی۔

ذیشان نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ "یار، کیوں اتنے غصے میں ہو؟"

ارحم نے اسٹیئرنگ مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ "مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کروں۔"

ذیشان چند لمحے خاموش رہا، پھر بولا۔ "تم نے رِدا سے کچھ کہا تھا؟"

ارحم کے ہونٹ بھینچ گئے۔ "ہاں۔ میں نے اس کی دوست ارتیج سے بات کی تھی۔"

"تو اس نے کیا کہا؟"

ارحم نے ایک بار پھر رفتار بڑھا دی۔

"کہ وہ اس کا کزن ہے۔ اور۔۔۔ اسے پسند بھی ہے۔ ارتیج کے بات کرنے پر رِدا کو برا لگا، اس نے کہا، اگر میں پہلے بھی کہتا تو وہ انکار ہی کرتی۔ ردا کا کہنا ہے کہ وہ لوگ خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے۔"

ذیشان نے سامنے سڑک پر نظر جمائے رکھی، مگر دماغ کہیں اور تھا۔

"آج تین پروفیسروں نے تمہاری عدم توجہی نوٹ کی ہے۔ تم ایک لڑکی کے چکر میں اپنا اکیڈیمک ریکارڈ خراب کر دو گے؟"

ارحم نے فوراً سر جھٹکا۔

"معلوم نہیں۔ مجھے زندگی بے مقصد لگنے لگی ہے۔ یہ سب میں اپنے پیرنٹس کے لیے کرتا رہا، مجھے ان کی خوشی سے سکون ملتا تھا۔ یہ سب میرے گولز تو نہیں تھے۔" غالباً اس کا اشارہ اپنے شاندار اکیڈیمک ریکارڈ کی طرف تھا۔ پھر آواز کچھ بھاری ہو گئی۔ "میں بہت بے سکون ہوں، ذیشان۔ مجھے۔۔۔ سکون چاہیے۔"

اسی لمحے ذیشان کے ذہن میں اچانک اپنے کزن کا چہرہ ابھرا۔ وہی جو اکثر راتوں کو گھر سے باہر رہتا تھا۔ دو دن پہلے ہی اس نے بتایا تھا۔

"تمہاری یونیورسٹی کا ایک لڑکا ہے، روہن۔ ہر طرح کا ڈرگ بیچتا ہے۔ سپلائی کون کرتا ہے؟ پتہ نہیں۔ میرے ایک دوست کا بھائی اس سے لیتا ہے، وہ بھی اسی یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ ہے۔"

ساتھ ہی کزن کے اضافی الفاظ بھی یاد آئے۔

"لیکن ذیشان، تم ان چیزوں سے دور رہنا۔ زندگی برباد ہو جاتی ہے، معاشرے میں کوئی عزت، کوئی مقام نہیں رہتا۔ تعلیم تو بندہ بھول ہی جائے۔"

اسی آخری جملے پر ذیشان کی سوئی اٹک گئی تھی۔

اس کے والدین ہر وقت اسے ارحم کی مثال دیا کرتے تھے۔

"دیکھو اسے۔ کچھ سیکھو، دوست ہے تمہارا۔"

ذیشان نے نرمی سے ارحم کے اسٹیئرنگ پر رکھے ہاتھ کو چھوا۔

"میرے پاس تمہارے مسئلے کا حل ہے۔"

اسی کے ساتھ کمرے کی تاریکی میں ذیشان نے آنکھیں کھول دیں۔

ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا۔ اسکرین آن کی، ارحم کا نمبر نکالا—اور رک گیا۔ ڈائل کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

میں نے تو صرف پہلی بار اسے لا کر دیا تھا۔

اور اندر کہیں سے ایک اور آواز ابھری۔

ساتھ روہن کا بھی بتایا تھا۔

اور اب ارحم ری ہیب میں ہے۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆

جو زندگی ہی گنوا دیں وہ شوق کیا کرنے

چلو یہ عہد کریں، اب سنبھل کے چلنا ہے

کیفے کی شیشے کی دیوار کے باہر شام گہری ہو رہی تھی۔ ایک کونے میں وہ پانچوں بیٹھے ہوئے تھے، سامنے میز پر کھانے پینے کا بکھرا سا سامان رکھا تھا۔

شمع نے گلاس اٹھایا۔ "ایگزام ختم، رکی ہوئی زندگی ایک بار پھر سے ایکٹو!"

زین نے کندھے اچکائے۔ "زندگی تو فائنل رزلٹ کے بعد واپس آئے گی، ابھی تو بس حساب رُکا ہے۔"

مہوش ہنسی۔ "مجھے تو لگتا ہے میں اگلے دو دن صرف سوؤں گی، امی کو کہوں گی کوئی نہ جگائے۔"

مشعل کی نظر بار بار حماس پر جا رہی تھی۔ وہ کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا، انگلیاں کنپٹی سے لگی ہوئیں، اور آنکھوں کے نیچے معمول سے کہیں گہرے سائے تھے۔

شمع نے سیدھا پوچھا۔ "تم اتنے خاموش کیوں ہو؟ پیپر کے بعد تو تم سب سے زیادہ بولتے ہو۔"

حماس نے آہستگی سے کہا۔ "پیپر ٹھیک تھا۔ بس۔۔۔ سر تھوڑا بھاری ہے۔"

مشعل نے اندازہ لگایا۔ "نیند پوری نہیں ہو رہی؟"

حماس نے ہلکا سا ہنکارا بھرا۔ "دو تین دن سے۔۔۔ یا شاید چار۔ ٹھیک سے یاد بھی نہیں۔ آنکھ بند ہوتی ہے، مگر دماغ جاگتا رہتا ہے۔"

زین نے سینڈوچ اٹھاتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "آج کل سنا ہے لڑکے کمال کی گولیاں لے رہے ہیں۔ جاگو بھی، پڑھو بھی، یاد بھی رہے۔ یہ تو ہم جیسے بیچاروں کے ساتھ ناانصافی ہے، خاص طور پر میرے اور مشعل کے ساتھ، جو دن رات جان ہلکان کر کے اے پلس لیتے ہیں۔"

مشعل ہلکا سا مسکرائی۔ "ہاں، یہ تو ہے۔" پھر اس نے حماس کی طرف دیکھا۔ "تم بھی تو نہیں لے رہے؟"

حماس نے ان سب سے نظریں چرائیں۔ "بس۔۔۔ تھوڑا سا فوکس کے لیے۔"

"کبھی غم غلط کرنے کو، کبھی فوکس کے لیے۔" زین نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے قدرے سختی سے کہا۔ "یونہی رنگ برنگی گولیاں لیتے رہے تو ایک دن خود کو پہچان بھی نہیں پاؤ گے۔ کہیں گم کر دو گے خود کو۔ ہم سامنے بیٹھے ہوں گے، تم دیکھو گے بھی نہیں۔"

حماس کے گلے میں ایک پل کو سانس اٹک گئی۔ وہ ان سب چیزوں میں فرار ڈھونڈ رہا تھا یا کوئی شارٹ کٹ—اور یوں وہ نا صرف اپنے پیاروں کو اذیت دے رہا تھا بلکہ ان لوگوں کے ساتھ بھی ناانصافی کر رہا تھا جو سیدھے راستوں پر چلنے کے عادی تھے۔

حماس نے بہت دھیرے سے کہا۔ "چھوڑ دوں گا۔"

"غلط الفاظ۔" زین دوٹوک انداز میں بولا۔ "بولو آئندہ کوئی گولی نہیں لوں گا، نہ کوئی نشہ کروں گا۔۔ جو تم 'کبھی کبھار' کر لیتے ہو۔"

حماس نے زین کی پھیلی چوڑی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ رکھا۔ آرچری، شوٹنگ۔۔۔ یہاں تک کہ ایک عام سی ویڈیو گیم کھیلنا بھی دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ راتوں کی نیند اڑ چکی تھی، اندر مسلسل ایک گڑبڑ سی رہنے لگی تھی۔ وہ دوستوں میں ہوتا ہوا بھی خود کو ان سے کٹا ہوا محسوس کرنے لگا تھا۔

اور بابا کو معلوم ہو گیا تو۔۔۔ اس نے بے اختیار ایک جھرجھری لی۔

یہ اس کا اپنے دوست سے پکا عہد تھا۔

اگلے ہی لمحے زین نے کوئی لطیفہ سنایا۔

ہنسی کی چھوٹی سی لہر میز تک تو پہنچی، مگر حماس کے دل میں زین کے الفاظ کسی کھونٹے کی طرح ٹک گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ہاسٹل کے گیٹ کے باہر سیاہ پراڈو کھڑی تھی۔ چمکتا بدن، ٹینٹڈ شیشے، نمبر پلیٹ پر وہی مخصوص اسٹائل جس سے فوراً اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ کسی عام گھر کی گاڑی نہیں۔

ساتھ کھڑا گارڈ سیاہ وردی میں تھا، کمر پر ہولسٹر اور ہاتھ میں موبائل۔ ڈرائیونگ سیٹ پر خالد بیٹھا تھا—— چہرے پر پرانی وفاداری کی لکیر، وہی خالد جو برسوں سے مہوش کے والد کے ساتھ تھا۔

وارڈن نے دستخط والا رجسٹر بند کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ابو کا فون آیا تھا، میں نے بتا دیا کہ ڈرائیور اور گارڈ کے ساتھ جا رہی ہو۔ راستے میں کہیں رُکنے کی ضرورت نہ پڑے تو بہتر ہے۔"

مہوش نے اثبات میں سر ہلایا، بیگ کندھے پر ڈالا اور گیٹ سے باہر آ گئی۔

خالد نے اندر سے ہی اس کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ "آجاؤ بی بی جی، خیر نال گاؤں پہنچا دیں گے۔"

گارڈ خالد کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

دروازے بند ہوئے تو شہر کا شور کچھ پیچھے رہ گیا۔ گاڑی مین روڈ پر آنکلی۔ چند منٹ خاموشی سے گزرے—— شہر کی عمارتیں، دکانیں، سگنل، سب ایک ایک کر کے پیچھے رہتے گئے۔

خالد نے ریئرویو مرر میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "بی بی جی، تھوڑا آگے ایک پٹرول پمپ آرہا ہے، ڈیزل ڈلوالوں؟ راستے میں پھر آگے خالی سڑکیں ہوں گی، بہتر ہے ابھی سے ٹینک بھر لیں۔"

مہوش نے موبائل آن کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں، ٹھیک ہے۔ مجھے بھی کھانے کو کچھ چیزیں لینی ہیں۔"

پٹرول پمپ پر گاڑی رکی تو مہوش اور گارڈ دونوں نیچے اتر آئے۔ مہوش کو ساتھ موجود سٹور سے کچھ چیزیں درکار تھیں، اس نے وہیں کا رخ کیا۔ اندر داخل ہوتے ہی ٹھنڈی ہوا نے استقبال کیا۔ وہ سنیکس اور مختلف کولڈ ڈرنکس کی بوتلیں دیکھنے لگی۔

اس نے انرجی ڈرنک کا ایک کین اٹھایا۔

اسی وقت موبائل سے میسج ٹون کی آواز آئی۔

اسجد کا پیغام تھا۔ "کہاں ہو؟"

اس کے دل میں عجب گرم سی لہر دوڑ گئی۔ ہاتھ میں پکڑا کین بھاری لگنے لگا۔ اس نے انگلیوں سے تیزی سے جواب ٹائپ کیا: "گاؤں جا رہی ہوں، بابا نے گاڑی بھیجی ہے۔"

چند پلوں بعد دوسرا میسج آیا: "ابھی کہاں تک پہنچی ہو؟"

مہوش نے کاؤنٹر پر کھڑے لڑکے سے پوچھا۔ "یہ کون سا ایریا ہے؟"

لڑکے نے شیشے کے پار باہر بورڈ کی طرف دیکھا، پھر اسے۔ "یہ شاہدرہ والا پی ایس او ہے، لاہور سے نکلتے ہی" جو بڑا پٹرول پمپ آتا ہے نا، وہی والا۔

اس نے موبائل پر لکھا: "شاہدرہ والا پی ایس او۔"

جواب آیا: "چلو تمہارا سفر اچھا گزرے۔ راستے کی تصویریں لینا مت بھولنا۔" وہ ہلکا سا مسکرائی، بِل ادا کیا، گارڈ کے ساتھ واپس گاڑی میں آ گئی۔ خالد نے ڈیزل بھروا کر نوزل واپس کیا، دروازہ بند کیا اور سڑک پر گاڑی لے آیا۔

کئی گھنٹے بیت گئے۔ ڈرنک پیتے ہوئے مہوش کو اونگھ سی آنے لگی۔

پھر وہ اپنے شہر کی حدود میں داخل ہوئے۔

کچھ دیر بعد شہر کا رش کم ہونا شروع ہوا۔ دائیں بائیں کھیت، کبھی اینٹوں کے بھٹے، دور کوئی کارخانہ۔ شہر کی عمارتیں پیچھے رہ گئیں، سڑک سیدھی اور نسبتاً خالی۔ خالد نے ریئرویو مرر پر ایک نظر ڈالی، پھر دوبارہ توجہ سامنے سڑک کی طرف مبذول کی۔ دو تین منٹ بعد اس نے پھر آئینے کی سمت دیکھا، اب کی بار چہرے پر معمولی سا تاثر آیا۔

خالد نے متوجہ کرنے کے انداز میں کہا۔ "بی بی جی؟"

"جی، خالد چاچا؟"

پیچھے سے ایک گاڑی مسلسل ہمارے تعاقب میں ہے۔ پہلے مجھے وہم لگا تھا، لیکن اب یقین ہو چلا ہے۔ کبھی "
"کچھ فاصلہ رکھتی ہے، کبھی قریب آجاتی ہے۔ آگے نہیں جاتی۔

گارڈ نے دوسری طرف گردن موڑی، چھوٹے شیشے میں جھانکا۔ "ہاں، میں نے بھی نوٹ کیا ہے۔"

مہوش نے بے اختیار پیچھے دیکھا، مگر شیشہ ٹینٹڈ تھا، صرف ہیڈ لائٹس کے دو دھندلے دائرے ہی نظر آ رہے تھے۔ دل میں ہلکی سی گانٹھ پڑ گئی۔ اس رات گودام کا اندھیرا، آج سڑک کا سنّاٹا—اسے اپنی سانس کچھ بھاری محسوس ہونے لگی، مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔

گاڑی اب شہر کی حد سے نکل چکی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف کھیت پھیلتے جا رہے تھے، کہیں گنے کے کھیت، کہیں گندم کی ہلکی سی بالیاں۔ دور ایک جگہ سے ٹریکٹر کی گڑگڑاہٹ آ رہی تھی، ایک طرف چھوٹا سا موڑ جہاں سے کچی سڑک کسی گاؤں کے اندر جا رہی تھی۔ خالد نے رفتار معمولی سی کم کی، ریئر ویو مرر پر ایک بار پھر نظر ڈالی۔ پھر گارڈ کو مخاطب کر کے بولا۔
"شہر میں تو اور گاڑیاں بھی تھیں، یہ ان میں چھپ جاتی تھی، اب تو سامنے ہے اپنا آپ چھپا بھی نہیں پا رہی۔"

گارڈ نے شیشے میں دیکھا، پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔
"سپیڈ کم رکھو۔ دیکھتے ہیں ساتھ چلتی ہے، یا آگے نکل جاتی ہے۔"

مہوش نے اپنے ہاتھ کی گرفت بیگ کی زِپ پر اور سخت کر دی۔ کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی، سڑک آگے تک سیدھی تھی، دائیں بائیں اب کم آبادی، سکوت، اور پیچھے سے آتی ہوئی وہی ایک گاڑی، جس کی ہیڈ لائٹس اُن کی گاڑی کے شیشے پر خاموشی سے دو دھبوں کی صورت پڑ رہی تھیں۔

خالد نے ایک بار پھر ریئرویو مرر میں دیکھا، پھر بُرّا سا منہ بنایا۔

اُسی وقت موبائل کی میسج ٹون نے نئے پیغام کی اطلاع دی۔

اسکرین پر نام اب معمول سے زیادہ مانوس لگ رہا تھا: اسجد۔

"تمہارا گاؤں کون سا ہے؟"

مہوش نے چند لمحے سوچا پھر اپنے گاؤں کا نام لکھتے ہوئے بتایا۔ "مرید کے سے آگے ہمارا گاؤں ہے، ابھی سڑک پر ہیں۔"

جواب آیا: "اچھا ہے۔ کبھی لاہور واپس آ کر اس گاؤں کی کہانیاں بھی سنانا۔" وہ فون سائیڈ پر رکھ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

آگے کہیں دور نہر کی پٹڑی دکھائی دی، خالد نے رفتار معمولی سی سست کر دی۔

خالد نے گارڈ سے کہا۔ "گاؤں کا موڑ قریب آ گیا ہے۔ یہاں ذرا خیال رکھنا پڑتا ہے، ٹریکٹر یا موٹر سائیکل سامنے آ جائے تو مسئلہ بن جاتا ہے۔"

پیچھے والی سیاہ گاڑی نے جیسے اسی لمحے فیصلہ کر لیا۔ وہ ہلکا سا دائیں مڑی، رفتار اچانک بڑھا دی، اور چند ہی لمحوں میں تیزی سے اُن کے پاس سے نکل کر آگے چلی گئی۔

خالد نے مدھم سا کہا۔ "چلو، شکر ہے ہمارا وہم تھا۔ انہیں اپنے راستے جانا تھا۔"

گارڈ نے بس ایک بار کندھے اُچکا دیے۔ کچھ ہی دیر میں گاؤں کا موڑ آ گیا۔ سڑک کے ایک طرف کچے راستے کی شاخ نکلتی تھی، جس کے کنارے درختوں کا جھنڈ تھا—— پیپل، کیکر، اور چند نیم کے پیڑ، مل کر ایک گھنی

سی اوٹ بنائے ہوئے تھے۔ خالد نے سگنل دے کر پراڈو کو اُس کچے موڑ پر موڑ لیا۔ گاڑی درختوں کے سائے میں داخل ہوئی، پھر آہستہ آہستہ گاؤں کی طرف جانے لگی۔

سڑک پر ایک بار پھر خاموشی تھی۔ صرف ہوا، کھیت اور دور کہیں کسی بھینس کے گلے میں بندھی گھنٹی کی مدھم جھنکار۔ چند لمحوں بعد، اُسی جگہ سے تھوڑا آگے، جہاں روڈ مڑ کر گاؤں کی جانب جاتا تھا، درختوں کے جھنڈ کی اوٹ میں وہی سیاہ کار خاموشی سے کھڑی تھی۔ انجن بند، ہیڈ لائٹس بجھی ہوئی، صرف اندر ڈیش بورڈ کی سبز روشنی بہت مدھم سی جھلک دے رہی تھی، جیسے کوئی بہت سکون سے صرف راستوں کے نقشے یاد کر رہا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

جہاز بادلوں کے اوپر سے نرم جھٹکوں کے ساتھ سرک رہا تھا۔ کھڑکی کے پاس والی سیٹ پر مشعل بیلٹ لگائے بیٹھی تھی، برابر میں حماس تھا۔ نیچے روئی جیسے بادل تھے، اوپر ہلکی نیلی چھت، اور درمیان میں ایک لمبا سا راستہ جس پر جہاز آگے بڑھ رہا تھا۔ حماس کی آنکھیں بند تھیں، سر سیٹ سے لگایا ہوا تھا۔ بند پلکوں کے پیچھے وہ رات پھر سے جاگ اٹھی، جب وہ قصر سلطان کے لمبے کوریڈور سے گزرتا ہوا دادو کے کمرے کے پاس سے نکلا تھا۔

دروازہ آدھا سا کھلا تھا، اندر بتی جل رہی تھی۔ دادو کی آواز آ رہی تھی۔

"معظم، عاشر بہت بیمار ہے۔ وکیل کی عدالت سے درخواست پر انہوں نے اسے جیل سے ہسپتال بھی شفٹ کرا دیا۔ اب تو میں اس سے مل سکتی ہوں نا؟" آواز لمحے بھر کو لرز گئی۔ "مجھے اس سے ملنا ہے۔"

تایا معظم کا جواب بھاری تھا۔ "اماں جان، اُس نے صاف منع کر رکھا ہے کہ خاندان میں سے کوئی بھی نہ آئے۔ کہتا ہے۔۔ پردے میں ہی رہنے دیں، جو کیا ہے اُس کا بوجھ میں خود اٹھاؤں گا۔ ویسے بھی، وہ بہت اذیت میں ہے۔ کہتا ہے، 'میں نے یہ سب کرنا نہیں چاہا تھا، بس اُس لمحے شیطان نے دبوچ لیا'۔ اب اللہ سے معافیاں مانگتے ہوئے راتیں گزرتی ہیں۔ بہت بے سکون ہے۔"

دروازے کے پیچھے کھڑے چھوٹے حماس کے دل پر جیسے کسی نے پتھر رکھ دیا تھا۔ ماں کی موت کو چند ہی ماہ گزرے تھے، اب باپ کی خبر بھی ہسپتال کی قید میں، اور ان کی باتیں۔۔

چند دن بعد خبر آئی کہ عاشر نے اُسی ہسپتال کے ایک کمرے میں لال بتیوں کے نیچے دم توڑ دیا ہے۔ سرکاری چادر سے ڈھکا ہوا جسم، پولیس اہلکار، اور وہ سب رشتے جو سارے حساب کتاب سے باہر رہ گئے تھے۔

ایئر ہوسٹس نے ٹرالی آگے کیے پوچھا۔ "سر، کچھ لیں گے؟ چکن یا ویجیٹیرین؟"

حماس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

پہلے مشعل نے جواب دیا۔

"چکن۔"

حماس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے بھی۔"

ٹرے سامنے رکھ دی گئی۔ چھوٹی سی ڈِش میں چکن اور چاول، اوپر ہلکی سی گریوی۔ ساتھ ایک چھوٹا سا رول، مکھن کا پیکٹ، دو سلائس کھیرا اور گاجر کے ساتھ سلاد، ایک ڈبیا میں کیک کا چھوٹا ٹکڑا، اور ساتھ میں پلین پانی

کی بوتل۔ پلاسٹک کے چھوٹے کانٹے اور چھری کے ساتھ نیپکن۔ مشعل نے دھیان سے ٹرے سیٹ کی۔

"یہ جہاز والے ہمیشہ چاول تھوڑے کم دیتے ہیں، یا مجھے ہی ہمیشہ بھوک زیادہ لگتی ہے۔"

حماس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کانٹا اٹھایا، دو چار نوالے کھائے، پانی کا گھونٹ لیا۔ کچھ لمحوں کے لیے ذہن حال میں لوٹ آیا تھا، پھر وہی دنیا پیچھے سے اسے اپنی طرف کھینچنے لگی۔ کھانا ختم ہوا تو ٹرے ہٹا دی گئی۔ روشنی مدھم کر دی گئی، بہت سے مسافروں نے آنکھیں بند کر لیں۔ حماس نے بھی سر پھر سے سیٹ کے ساتھ ٹکا لیا، پلکیں آہستہ سے نیچے آ گئیں۔

اسی قصر کا ایک اور دن اس کے سامنے کھل گیا۔ وہ اور مشعل باغ سے لوٹ کر آئے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں پر مٹی، کپڑوں پر گھاس کے نشان، ہنسی ابھی بھی ہونٹوں پر تھی کہ لاؤنج سے دادو کی آواز آئی۔ وہ تایا سے بات کر رہی تھیں، لہجہ کچھ بدلا ہوا تھا۔

"فجر کے بعد میں ذرا لیٹی، تو عجیب سا خواب دیکھا۔ عاشر اور شاہانہ، دونوں ایک بڑے باغ میں بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گہرے سبز رنگ کے کپڑوں میں، دونوں کی گود میں سفید پھول بھرے پڑے تھے۔ پورا خواب۔۔۔ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ عاشر نے مجھے دیکھ کر کہا، 'اماں، ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں'۔"

چند دن بعد قصر کے بڑے دروازے کے سامنے ویسی ہی سفید چادر ایک اور جسم کو ڈھکے ہوئے تھی—اس بار دادو کا۔

حماس پہلی بار کسی یاد کو حقیقت کی دہلیز سمجھ کر قبول کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسی کے برابر بیٹھی مشعل اس رات کو سوچنے لگی، جب پہلی بار اسے آدھے سر کا درد اٹھا تھا۔

قصر سلطان کی عمارت سیاہ سائے میں ڈوبی ہوئی تھی، صرف لان کی دھیمی روشنیاں آن تھیں۔ مشعل کو نیند نہیں آرہی تھی۔ دادو کے کمرے کا دروازہ بند تھا، اندر کی خاموشی عجیب لگ رہی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آگئی۔

چھت پر وہ تھا۔ سفید قمیص، آستینیں کہنی تک موڑی ہوئی، ہاتھ میں جلتی ہوئی سگریٹ۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ دھواں منہ سے سیدھا آسمان کی طرف جا رہا تھا، جیسے وہ خود بھی اسے دیکھ نہ رہا ہو۔

مشعل چند قدم دور رکی۔ "تم۔۔۔ یہاں ہو۔"

حماس چونک کر پلٹا، پھر نظریں دوبارہ آسمان پر لے گیا۔

"نیند نہیں آرہی تھی، بس ہوا لینے آگیا۔"

سگریٹ کی راکھ انگارہ بنی نوک پر لٹک رہی تھی۔ مشعل آہستگی سے اس کے پاس آکر دیوار کے ساتھ بیٹھ گئی، گھٹنوں کو باہم جوڑ کر۔ دونوں کے درمیان چند ہاتھ کا فاصلہ تھا، خاموشی اس فاصلے سے کہیں زیادہ تھی۔ کچھ دیر بعد بعد حماس بولا۔

"یہ دھواں تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ اندر چلی جاؤ، سردی لگ جائے گی۔"

مشعل نے اس کے چہرے کو دیکھا، پھر اس کے ہاتھ میں پکڑی سگریٹ کو۔ "تمہارے لیے ٹھیک ہے؟"

حماس نے ہلکے سے کندھے جھٹک دیے۔ "نہیں، میرے لیے بھی نہیں۔"

مشعل نے گہری سانس لی۔ "پھر بھی۔۔۔ اگر کچھ جلانا ہی ہے، تو اندر کی بھیڑ جلاؤ، پھیپھڑوں کو نہیں۔"

حماس نے رخ اس کی جانب کیا۔ سگریٹ کے سرخ نقطے نے مشعل کے چہرے کو ایک لمحہ روشن کیا، پھر حماس نے اسے دیوار کی سطح پر مسل دیا۔

"اندر چلو۔ دادو کو اچھا نہیں لگے گا کہ ان کے جانے کے بعد ہم رات کو چھتوں پر پھرتے رہیں۔"

"اور یہ بھی کہ تم سیگرٹ پینے لگے ہو۔"

جہاز میں اچانک آواز ابھری۔

خواتین و حضرات، ہم کچھ دیر میں کراچی ایئرپورٹ پر لینڈ کرنے والے ہیں، براہِ کرم اپنی سیٹ بیلٹس "باندھ لیجیے۔"

مشعل نے آنکھیں کھول کر کھڑکی سے باہر جھانکا، نیچے روشنیوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ ایک زندہ شہر۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ میرے سامنے اس سے ہم کلام تھا، اور میں

سکوتِ کرب میں جیسے بجھا ہوا ٹھہرا

قصر سلطان کے ڈائننگ روم میں آج معمول سے کچھ زیادہ ہی چمک تھی۔ اوپر جھومر کی روشنی سفید چادر پر سجے برتنوں میں نرم سا عکس بنا رہی تھی، لمبی میز کے گرد خاندان کے لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھ رہے تھے۔ ملازم خاموشی سے قورمہ، پلاؤ، کباب اور سلاد کے ڈشیں رکھ کر پیچھے ہو گئے۔ معظم سربراہی کرسی پر بیٹھے تھے، ان کے دائیں

ہاتھ نادیہ بیگم آ کر بیٹھ گئیں۔ ساتھ اُن کا بیٹا ایان تھا؛ گندمی رنگت، درمیانہ قد، ہلکی سی داڑھی۔ نیلے رنگ کی نفیس ڈریس شرٹ اور گہرے رنگ کی پینٹ، وہ ہمیشہ کی طرح ویل گرومڈ لگ رہا تھا۔

مشعل فریش ہو کر نیچے آئی تو سب کی نظریں ایک لمحے کے لیے دروازے کی طرف اٹھیں۔ نادیہ خالہ نے گرمجوشی سے کہا۔ "آ گئی ہماری گلوب ٹراٹر۔ لاہور سے فرصت ملے تو قصر بھی یاد آ جاتا ہے۔"

مشعل مسکراتی ہوئی اپنی کرسی پر بیٹھ گئی، حماس اس کے دائیں طرف پہلے ہی موجود تھا۔ "یہ ہمارا گڑھ ہے، یہاں سے زیادہ عرصہ دور نہیں رہ سکتے۔"

نادیہ نے ہنستے ہوئے سر جھکایا۔ "یہ بھی سچ ہے۔ تم ایک ماہ ہمارے گھر کیا رہ کر گئی، ایان نے تو پورا سال شور مچائے رکھا، 'ممی مشعل کو پھر بلائیں۔'"

ایان نے فوراً بات پکڑ لی۔ "نیویارک کی جو کافی شاپس رہ گئی تھیں ان کی فہرست میں بنا چکا ہوں، بس جب تم آؤ، وہ کمی بھی پوری کر لیں گے۔"

مشعل نے ہنستے ہوئے کہا۔ "وہ تو روزمنہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے تھا۔ مجھے تو بس گھر کی بالکونی اور بارش ہی کافی تھی۔"

ایان نے ہلکے پھلکے، قدرے شوخ انداز میں کہا۔ "بالکونی میں امریکہ ہو یا کراچی، بارش دونوں جگہ اچھی لگتی ہے۔ ویسے ایک بات ہے ممی، آپ کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ میں تو سیریس ہوں، کسی دن مشعل کو واقعی اپنے گھر لے جاؤں گا۔"

حماس کے ہاتھ میں پکڑا چمچ کچھ دیر کو رُکا، اس نے پانی کا گلاس اٹھایا۔

نادیہ نے کھل کر قہقہہ لگایا۔ "ہائے، سن رہے ہیں معظم بھائی؟"

حماس نے ایک جانچتی ہوئی نگاہ ایان پر ڈالی، جو مشعل کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

نادیہ نے شوخی سے معظم کی طرف دیکھا۔ "میں تو ہمیشہ سے کہتی آئی ہوں، اپنے گھر کی رونق ہمیں دے دیں۔ یہ جب امریکہ آئی تھی نا، پورا گھر روشن ہو گیا تھا۔ بیٹے ہی بیٹے ہیں اور سب اپنے کاموں میں مصروف۔"

معظم نے ایک فخریہ نگاہ بیٹی پر ڈالی۔ "بیٹیاں جہاں جاتی ہیں، ماحول پُر رونق ہو جاتا ہے۔"

ایان نے کباب پلیٹ میں رکھتے ہوئے ایک بار پھر مشعل کو مخاطب کیا۔ "میں بچپن میں ایک بار یہاں اپنے کھلونے چھوڑ گیا تھا، اگلی بار آیا تو وہ تم حماس کو دے چکی تھی۔"

مشعل اب کی بار کھل کر ہنسی۔ "کتنے تنگ دل ہو، اتنی پرانی بات دل میں لیے بیٹھے ہو۔"

"افوہ۔" ایان نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔ "میں تو صرف اتنا جتانا چاہتا ہوں کہ حماس بعد میں اس خاندان کا حصہ بنا، میں تمہارا کزن پہلے سے تھا۔" یہ بات اس نے اتنے ہلکے پھلکے انداز میں کہی کہ کسی کو محسوس نہ ہوئی، مگر مشعل کے تاثرات بدل گئے۔

حماس کا موبائل بول اٹھا، زین کی کال تھی۔ وہ مختصر سی معذرت کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"تم دونوں میرے فرسٹ کزنز ہو۔" مشعل نے مسکراتے ہوئے بات ٹالی۔ جانے ایان کیا سننا چاہتا تھا، وہ سمجھنے سے قاصر رہی۔

"مشعل، تمہارا فیورٹ کزن ہمیشہ سے میں ہی تھا۔"

"یہ میں نے کب کہا؟" مشعل نے دونوں ہتھیلیاں پھیلاتے مصنوعی حیرت سے سب کو دیکھا، معظم مسکرا دیے۔

"ہمارے مشاغل اور دلچسپیاں ایک سی ہیں۔" ایان بے فکری سے کھانا کھانے میں مشغول رہا۔

"ہاں، یہ تو حقیقت ہے، اس سے مجھے انکار نہیں۔" مشعل نے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لیا، گلاس میز پر رکھا۔ "تبھی ہم گھنٹوں باتیں کر سکتے ہیں، بنا بور ہوئے۔"

ایان نے سب کی طرف ایک جتاتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ "یہی تو میں نے کہا۔"

"تم نے کہا کہ 'تم' میرے فیورٹ کزن ہو۔" مشعل پہلی بار سنجیدہ دکھائی دی۔ "ایسا نہیں ہے۔ میرا فیورٹ کزن حماس ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔"

نادیہ کی مسکراہٹ کچھ دیر کو تھم سی گئی۔ انہوں نے بے ساختہ بہن کے چہرے کی طرف دیکھا، پھر فوراً قورمے کی ڈِش آگے بڑھاتے ہوئے لہجہ ملائم کر لیا۔

"محبت بانٹنے سے کم نہیں ہوتی، بیٹا۔"

"آپ لوگ مائنڈ مت کیجیے گا۔" معظم نے مسکراتے ہوئے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔ "دراصل دونوں شروع سے ایک ہی گھر میں پلے بڑھے ہیں، ایک ہی دادی کے ہاتھوں دونوں کی تربیت ہوئی ہے۔ جذباتی وابستگی ذرا گہری ہے۔"

"یہی تو میں نے کہا، بابا۔" مشعل کرسی پیچھے سرکاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹا، گھر آئے مہمانوں سے اس طرح تو بات نہیں کرتے۔" شمسہ نے ہلکی سی سرزنش کی، مشعل آنکھیں گھما کر رہ گئی۔

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا ماما؟" مشعل پل بھر کو رکی۔ "ایان جانے کیا سننے کی چاہ میں مجھے اکسا رہا تھا، پھر میں نے وہ کہا جو سچ ہے۔" اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ وہاں سے چل دی۔

اس کے جاتے ہی میز پر چند لمحوں کے لیے ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ ایان نے کانٹا گھماتے ہوئے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"خالو، کل میں بھی آپ کے ساتھ آفس جاؤں گا۔ اس بار بندرگاہ کا بھی ذرا چکر لگوائیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کچن میں ایک چولہے پر ملازمہ کام میں مصروف تھی، دوسرے پر معظم کے لیے چائے بناتی شمسہ پاس ہی کھڑی تھی۔ کھڑکی سے باہر عقبی باغ دکھائی دے رہا تھا؛ آموں کا درخت، کچے آموں کے چھوٹے چھوٹے گچھے، نیچے نرم مٹی۔

حماس نے گلاس میں پانی بھرا، بے دھیانی سے کھڑکی کی طرف دیکھا، پھر ذرا ٹھٹک گیا۔ درخت کے نیچے ایک دبلا پتلا سا لڑکا کھڑا تھا؛ عمر بارہ تیرہ برس، تن پر معمولی سے پرانے کپڑے۔ اوپر کچے آموں کو ایسی نظر سے دیکھ رہا تھا جیسے اُن تک پہنچنا اس کے بس سے باہر ہو۔

حماس نے کھڑکی سے باہر اشارہ کیا۔ "یہ کون ہے۔"

تائی نے جھانک کر دیکھا۔ "اوہ، یہ نسرین کا نواسہ ہے۔ یاد ہے، نسرین؟ وہی جو صبح دوسری منزل کی صفائی کرنے آتی ہے۔ اس کی بیٹی جوانی میں بیوہ ہو گئی تھی، اس کی دوسری شادی کرادی، دوسرا شوہر بچہ رکھنے سے انکاری تھا، سونانی اسے ساتھ یہاں لے آئی۔"

حماس خاموشی سے سنتا رہا۔

اب نسرین کہتی ہے کہ اسے یہی رکھ لیں، چھوٹے موٹے کام کر دیا کرے گا۔ میں نے کہا، سوچوں گی۔ ابھی" "تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

حماس نے دوبارہ باہر دیکھا۔ لڑکا اب درخت کی چھال پر ہاتھ پھیر رہا تھا، جیسے آموں کے قریب ہونے کا احساس لینا چاہتا ہو۔

"اس کا نام کیا ہے؟" حماس کے لہجے میں کچھ عجیب سا تھا، ملازمہ نے مڑ کر اس کی سمت دیکھا۔

"عامر۔ چھٹی تک پڑھا ہے، پھر حالات نے آگے اجازت نہیں دی۔"

حماس نے گلاس رکھا اور بنا کچھ کہے باہر چل دیا۔

باغ میں درخت کے نیچے پہنچ کر وہ چند لمحے بنا کچھ کہے اُس کے پیچھے کھڑا رہا۔

پھر حماس نے نرمی سے پوچھا۔ "کچے آم اتنے پسند ہیں؟"

لڑکا چونک کر پلٹا، نظریں فوراً نیچی ہو گئیں۔ "میں بس۔۔۔ دیکھ رہا تھا۔ توڑ نہیں رہا، قسم سے۔"

حماس ہلکا سا مسکرایا۔ "اگر توڑنے ہوتے تو اب تک درخت خالی ہو چکا ہوتا۔ نام کیا ہے تمہارا؟"

"عامر۔ یہاں کام کرنے آیا ہوں۔"

"میں، حماس۔" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا، جسے عامر نے بہت جھجکتے ہوئے تھاما۔

حماس نے نظریں آموں پر جماتے ہوئے پوچھا۔ "اسکول چھوڑ دیا؟"

چھٹی تک پڑھا تھا، پھر ابو نہیں رہے اور اماں کی شادی ہو" جیسے اسکول کی کہانی بس یہیں تک آ کر رک گئی ہو۔

"گئی۔

حماس نے کچھ دیر اُس کا چہرہ دیکھا۔ "اگر اسکول دوبارہ قریب آ جائے تو؟"

لڑکے نے بے یقینی سے اُوپر دیکھا۔ "کیسے؟"

حماس نے مختصراً کہا۔ "یہ مجھے سوچنے دو۔ فی الحال۔۔۔" اس نے درخت کی ایک نچلی شاخ سے دو کچے آم توڑے، مٹی جھاڑی، اور عامر کے ہاتھ میں تھما دیے۔

"اتنے غور سے دیکھنے کے بعد اتنا حق تو بنتا ہے تمہارا۔"

عامر کے لبوں پر پہلی بار صاف مسکراہٹ آئی۔

"شکریہ، صاحب۔"

"صاحب نہیں—— حماس بھائی۔" وہ جاتے ہوئے پلٹا۔ "'صاحب' میں فاصلہ ہے، اور 'بھائی' میں اپنائیت۔۔۔ پیار۔"

☆☆☆

رات گئے اس نے سٹڈی کے دروازے پر دستک دی۔

اجازت ملنے پر اندر چلا آیا، معظم مرکزی کرسی پر بیٹھے کاغذات دیکھ رہے تھے، عینک ناک پر ٹکی ہوئی تھی۔ سامنے میز پر فائلیں اور دفتر کے کاغذات پھیلے ہوئے تھے۔

"بابا، کچھ بات کرنی ہے۔"

معظم نے عینک اُتارتے ہوئے کہا۔ "آجاؤ، خیریت تو ہے؟"

حماس اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔ "ہمارے گھر میں ایک ملازمہ کام کرتی ہے، نسرین۔ ان کا نواسا یتیم ہے۔ میں اس کے سکول اور ہاسٹل کا خرچ اٹھانا چاہتا ہوں۔" وہ پل بھر کو رکا۔ "کھوئے ہوئے رشتے تو واپس نہیں دلوا سکتا لیکن چائلڈ لیبر سے بچانے کی ایک کوشش کرنا چاہتا ہوں۔"

معظم نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ "پورا ہاسٹل اور اسکول؟"

"آپ نے پاور آف اٹارنی کے تحت جو سب کچھ سنبھالا ہوا ہے۔۔۔ دادو کی چھوڑی ہوئی جائیداد، میرا حصہ، بینک کی سیونگ ـــــ اُس میں سے اس لڑکے کے اسکول اور ہاسٹل کا خرچ اٹھا لیں؟"

"اور یہ تم کب تک کر پاؤ گے؟"

"وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے گا، میں کیریئر بنانے میں بھی اس کی مدد کروں گا۔"

معظم اب اسے کافی گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"وہ یہاں رہ کر چھوٹے موٹے کام کرے گا تو کبھی زندگی میں آگے نہیں بڑھ پائے گا۔ آپ شہر کے کسی اچھے سے اسکول میں اُس کا داخلہ کروا دیں، جیب خرچ بھی ہونا چاہیے۔ چھٹیاں وہ نانی کے پاس آ کے گزار لیا کرے۔ مجھے واپس لاہور جانا ہے، ورنہ میں خود سکول جاتا۔"

معظم کی آنکھوں میں نرم سی حیرت اُتری۔ "کم عمری میں بڑی بڑی باتیں سوچنے لگے ہو۔"

حماس نے نظریں جھکالیں۔ "اتناسب پالینے کے بعد بھی اگر میں ان کااحساس نہ کروں، جو مجھ سے کم رکھتے ہیں، تو پھر یہ سب۔۔۔رکھ کے بھی کیافائدہ؟"

معظم نے آہستگی سے فائل بند کردی۔ "سب ہو جائے گا۔"

حماس نے سر ہلادیا۔

"اس کی لسٹ میں میرانام بھی لکھوادیجیے گا، میں اس سے ملنے جایاکروں گا۔"

کچھ دیر دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ پھر اچانک اُس کے ذہن میں درزیوں والی گلی کاوہ بچہ اُبھرا—جوتوں کے صندوق کے پاس بیٹھاہوا، جس کے لیے اُس نے ایک دن کاپڑھنے کاوقت خریداتھا،اور پھر کبھی پلٹ کر یہ پوچھ نہ سکاتھاکہ اُس نے واقعی کوئی کہانی پوری پڑھی یانہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کاوقت تھا۔ وارث فرحان کے گھر کے لاؤنج میں اس وقت سبھی فانوس پوری آب وتاب سے روشن تھے۔ میز پر چائے اور کھانے پینے کے دیگر لوازمات رکھے گئے تھے۔ زین، حماس، مشعل، مہوش اور شمع ، پانچوں صوفوں پر پھیل کر بیٹھے ہوئے تھے، وارث درمیان والی سیٹ پر، کومل ان کے پہلو میں۔

وارث نے کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "زین، آجکل کیا چل رہاہے؟"

زین نے جاندار مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "بس یونیورسٹی ہم سے پراجیکٹس کی شکل میں بدلہ لے رہی ہے۔ آپ کی بیٹی نے توادارے میں اپنانام بنالیا، سب جانتے ہیں کہ شمع فرحان کون ہے۔"

کومل نے موقع پاکر موبائل اٹھایا۔ "نام تو کمایا ہے پر ہر جگہ والا نام کبھی کبھار دوسروں کے لیے مصیبت بن کر سامنے آتا ہے۔" سکرین پر کچھ ڈھونڈتے ہوئے وہ وارث کی جانب مڑیں۔ "دیکھیے، آج کا یونیورسٹی کا یہ واقعہ۔"

وارث نے تصویر پر نظر ڈالی۔

کیفے ٹیریا کا منظر تھا۔ شمع ایک میز کے اوپر کھڑی ہوئی تھی، دونوں ہاتھ فضا میں اٹھائے وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ چہرے پر گرمی، آنکھوں میں چمک، سامنے طلبہ کی بھیڑ۔

"caption: Students protest in cafeteria – girl leading the charge."

"آپ کے بزنس کے لیے یہ چیز اچھی لگتی ہے؟" کومل نے کہا۔ "کوئی کلائنٹ یا نیوز والا یہ دیکھ لے تو کیا کہے گا؟ آپ کی بیٹی یونیورسٹی میں لڑائی جھگڑوں میں انوالو ہو رہی ہے، یہاں تو یہ کسی یونین کی ممبر لگ رہی ہے۔"

شمع نے کپ میز پر رکھتے ہی سیدھا سر اٹھایا۔ "کیفے ٹیریا کے ملازموں کو ایک دن میں نکال دیا گیا، بغیر تنخواہ، بغیر نوٹس کے۔ میں نے احتجاج کا طریقہ کار بدلنے کی کوشش کی۔ سب سے کہا کوئی توڑ پھوڑ نہیں ہو گی، ہم اپنے الفاظ سے بھی بات آگے رکھ سکتے ہیں۔"

کومل نے بات کاٹ دی۔ "تصویر میں کوئی تمہارا جملہ نہیں دیکھتا، صرف تمہارا چہرہ دِکھتا ہے، جو شور کے بیچ میں کھڑا ہے۔ بات اس تاثر کی ہے، تمہاری نیت کی نہیں۔"

وارث کی نگاہ تصویر اور شمع کے چہرے کے بیچ گھوم رہی تھی۔ "ویسے تو یہ یونیورسٹی کے اندر کا معاملہ ہے ، لیکن کومل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ پبلک امیج بھی دیکھنا پڑتا ہے۔"

شمع کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "میں نے بات کی، اونچی آواز میں کی۔۔۔ یہ بھی نہ کرتی تو کیا کرتی۔ چپ بیٹھ جاتی، خاموش تماشائی بن کر دیکھتی کہ دس سال کام کرنے والے ملازموں کو ایک لمحے میں روزگار سے فارغ کر دیا گیا۔ کسی کو مارا نہیں، توڑ پھوڑ نہیں کی۔ اگر یہ بھی غلط ہے تو پھر شاید۔۔۔ خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔"

کمرے کی فضا بوجھل ہو گئی۔ مہوش نے نظریں نیچی کر لیں، مشعل نے شمع کی طرف بے چینی سے دیکھا۔ حماس خاموش تھا، زین نے کپ آہستہ سے میز پر رکھ دیا۔ "اگر اجازت ہو تو، میں پورا واقعہ بیان کر دوں؟"

وارث نے ہلکا سا سر ہلایا اور کہا۔ "ہاں، تم بتاؤ، تم وہاں موجود تھے۔"

زین سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "اس دن کیفے ٹیریا کے تمام ملازمین کو اچانک نکال دیا گیا، انہیں تنخواہ بھی نہیں دی گئی۔ طلبہ جذبات میں آ کر کرسیاں اٹھانے لگے، اور صورت حال لڑائی کی طرف بڑھنے لگی۔ شمع اس میز پر چڑھی تاکہ سب کو روکے، نہ کہ لڑائی کا آغاز کرے۔ یہ تصویر کہانی کا صرف آدھا حصہ دکھا رہی ہے۔"

اس نے کومل کی طرف دیکھے بغیر بات جاری رکھی۔ "پھر سب بیٹھ گئے، اور شمع نے انہیں یہ احساس دلایا کہ احتجاج کا یہ انداز درست نہیں۔ توڑ پھوڑ کرو گے تو کسی کی نہیں سنی جائے گی۔ اگلے دن کیفے ٹیریا کے دو بڑے ملازم خود آ کر شکریہ ادا کرنے لگے کہ کم از کم کسی نے ان کے حق میں آواز بلند کی، وہ بھی بغیر ہنگامہ کیے۔"

وارث نے دوبارہ تصویر کو دیکھا، پھر شمع کی طرف نگاہ دوڑائی۔ اب ان کے چہرے پر سختی کی بجائے گہری سوچ کا سایہ تھا۔

کومل نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں تو بس فکر کی وجہ سے بولی، ماں ہوں آخر، ڈر لگتا ہے۔ بس اتنی گزارش ہے کہ آئندہ ایسی کوئی تصویر نہ بنے کہ لوگ باتیں بنانے لگیں۔"

زین نے پہلی بار سیدھے کومل کو مخاطب کیا۔ "فکر کرنے سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ آپ اپنی بیٹی کو سمجھیں ۔ہم شمع کی فطرت سے واقف ہیں؛ وہ غلط دیکھ کر صرف تماشائی نہیں رہ سکتی۔ کیا بہتر نہیں کہ لوگ کہیں، شمع ہی وہ لڑکی ہے جس نے معاملہ بگڑنے سے روکا اور بات سنبھالی؟"

وارث مسکرا دیے۔ "تم لوگ اپنے دل کی بات کہنے میں کم نہیں ہو۔ شمع، آئندہ اگر کبھی ایسی صورت حال ہو تو غصہ کم، بات زیادہ رکھنا۔ اگر تم نے واقعی کسی کا حق بچایا ہے، تو میری خواہش یہی ہے کہ تمہاری آواز میں تہذیب رہے۔ باقی کون کیا کہتا ہے، اسے اللہ پر چھوڑ دو۔"

آنکھیں نم ہونے سے پہلے شمع نے پلکیں جھپکائیں اور کہا۔ "میں پرفیکٹ نہیں تھی، میں نے بس ایک کوشش کی تھی۔"

زین نے دوبارہ کپ اٹھایا اور کہا۔ "ہمیں خوشی ہے کہ کوئی تو آگے بڑھا اور خاموش نہیں رہا۔ ورنہ ہم بس میمز فارورڈ کر کے اپنے ضمیر کو بہلاتے رہ جاتے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کیفے ٹیریا کی صبح ابھی پوری طرح نہیں جاگی تھی، ماحول سست تھا۔

کچھ میزیں خالی تھیں، کچھ پر نوٹس بکھرے ہوئے تھے، کہیں کسی کے ہاتھ میں چائے، اور کہیں صرف جمائیاں جاری تھیں۔

مشعل اور شمع اپنی روایتی میز پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد مہوش ہلکی تھکن کے ساتھ ٹرے اٹھائے ہوئے آئی، آنکھوں کے نیچے ہلکے سائے، ہاتھ میں ہلکا پھلکا سا ناشتہ تھا۔

شمع نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "واہ، آج سورج مغرب سے نہیں، مہوش ہاسٹل سے لیٹ نکلی ہے۔ یہ واقعی کمال ہے۔"

مہوش نے تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ ٹرے میز پر رکھ دی اور کہا۔ "مت بولو، نیند کی کمی کی وجہ سے سر پھٹ رہا ہے۔"

مشعل نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ "یہ وہی لڑکی ہے جو فجر سے پہلے مجھے بھی جگاتی تھی۔ نماز، تسبیح، نوٹس، سب ساتھ۔ اب رات گئے اس کے موبائل کی روشنی جل رہی ہوتی ہے اور صبح الارم بند ہونے کی وجہ سے نماز چھوٹ جاتی ہے۔"

شمع نے دلچسپی سے کہا۔ "اوہ، تو اصل گنہگار اب سامنے آیا ہے—فون۔" پھر ہنستے ہوئے مہوش کی طرف جھکی اور پوچھا۔ "رات بھر کون ساذکر چلتا رہتا ہے؟ درسِ نظامی یا درسِ محبت؟"

مہوش نے گردن جھکالی۔ "کزنز وغیرہ سے چیٹ کر لیتی ہوں، چھٹیوں میں ٹائمنگ خراب ہو گئی ہے۔"

اسی وقت میز پر پڑے موبائل کی سکرین تھوڑی دیر کے لیے جگمگا اٹھی۔ اوپر ایک نام چمکا، جسے دیکھ کر مہوش نے فوراً موبائل الٹا کر دیا۔

☆☆☆

مہوش اپنے بستر پر نیم کمرے کی بڑی بتی بند تھی، صرف موبائل کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ دراز تھی، کان کے نیچے تکیہ، اور ہاتھ میں موبائل تھامے ہوئے۔

اسجد نے میسج کیا۔ "انسانوں کی نفسیات۔۔۔ تم نے کس حد تک سمجھ لی ہے؟"

مہوش نے مسکراتے ہوئے جواب لکھا۔ "تم تو سمجھ میں آئے نہیں، اور کسی کو کیا سمجھنا۔"

جواب فوراً آیا۔ "جو سمجھ آ جائے، اس سے دل بھر جاتا ہے اور وہ بور کرنے لگتا ہے۔"

بلاوجہ آتی ہنسی کو دبانے کے لیے اس نے منہ پر ہاتھ رکھا اور لکھا۔ "لڑکیوں کو متاثر کرنے کی غرض سے خود کو پیچیدہ بنایا ہوا ہے۔"

"کیا یہ کسی شعر کا مصرہ ہے؟"

اسجد کے فوری جواب پر اسے گدگدی سی ہوئی۔ 'باتیں کرنا تو کوئی اس سے سیکھے۔'

"میں تمہارے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں۔۔۔ سب کچھ۔" یہ بات سیدھا دل سے نکلی تھی۔

"جان کر تم کیا کرو گی؟"

پھر فوراً اگلا میسج آیا۔ "دل کے ہر کونے پر ایک ہی نام لکھا دکھائی دے گا۔"

مہوش نے دھڑکتے دل سے لکھا۔ "کس کا؟"

"ابھی نہیں بتا سکتا۔"

اگلا میسج آیا۔ "ویسے، ایک بات پوچھوں؟"

"بس پوچھ لیا کرو۔ پوچھا نہ کرو۔"

"تم نے مشعل یا شمع کو ہمارے بارے میں کچھ بتایا تو نہیں؟"

مہوش کی انگلیاں رک گئیں۔ "ہمارے بارے میں۔۔۔؟"

اسجد کا جواب آیا۔ "میں نہیں چاہتا کہ وہ دونوں ہمارے اس تعلق کو جج کریں۔ ہمارے درمیان جو بھی ہے ،اسے ہم سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔"

مہوش نے تھوڑا سوچ کر لکھا۔ "ابھی کچھ نہیں بتایا۔ اور بتانے کو ہے بھی کیا؟ ان کا فوری رد عمل سامنے آئے گا، جس کے لیے میں ابھی ذہنی طور پر تیار نہیں۔"

میسج بھیجتے ہی اگلا خیال آیا، اور فوراً لکھا۔ "سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم صرف چیٹ ہی کرتے ہیں۔"

"اچھا کیا۔ رشتوں کی سب سے خوبصورت بات یہی ہو سکتی ہے کہ شروع میں وہ صرف دو لوگوں کے درمیان رہے۔"

پھر ایک اور پیغام۔ "وعدہ کرو، جب تک میں نہ کہوں، تم کسی کو ہمارے اس معصوم تعلق کے بارے میں نہیں بتاؤ گی۔ مشعل، شمع، نہ کوئی اور۔"

مہوش نے وہ عہد انگلیوں کی پوروں سے لکھا تھا۔ "وعدہ۔"

فون کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، آنکھوں میں عجیب سا سکون اور ہلکی سی تھکن اکٹھی تھی۔ کمرے کے دوسرے بستر پر مشعل کروٹ بدل کر سوئی ہوئی تھی، مہوش کے ساتھ ایک کمرے میں ہوتے ہوئے بھی وہ بہت سی باتوں سے بے خبر تھی۔

☆☆☆

یونیورسٹی کی راہداری میں لڑکوں اور لڑکیوں کا معمول کا شور تھا۔ شمع اور مشعل کلاس روم کی طرف جا رہی تھیں کہ پیچھے سے کسی نسوانی آواز نے انہیں رکنے کو کہا۔

وہ دونوں ایک ساتھ مڑیں۔

فائزہ کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ "سنو، مہوش کہاں ہے؟ آج کلاس میں نہیں آئی۔"

مشعل چونکی۔ "وہ تو میرے ساتھ ہی ہاسٹل سے نکلی تھی۔"

شمع نے ہلکے سے شانے اُچکائے۔ "شاید لائبریری میں ہو یا کیفے ٹیریا میں۔"

فائزہ نے بے یقینی سے دونوں کو دیکھا۔ "وہ کوئی کلاس مِس نہیں کیا کرتی۔" کہتے ہی پلٹ گئی۔

☆☆☆

سائیکولوجی ڈپارٹمنٹ کے لیڈیز واش روم میں اس وقت ہلکا سا خالی پن تھا۔ باہر کی گہما گہمی کے بالکل برعکس، اندر ٹھنڈی سی خاموشی تھی۔ سنکس کے اوپر لگے آئینے میں ایک ہی چہرہ دکھائی دے رہا تھا—— مہوش علی کا۔ وہ ایک سنک کے سامنے کھڑی تھی۔ بیگ کھول کر اس نے ایک گلابی پاؤچ نکالا۔ زپ کھولتے ہی چھوٹی چھوٹی بوتلیں اور ڈبیاں سامنے آ گئیں۔ فاؤنڈیشن، فیس پاؤڈر، بلش آن، لپ سٹک، گلوس، آئی لائنر اور مسکارا۔۔۔ اس کے علاوہ چند چھوٹی موٹی میک اپ کی اشیاء ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔

اُس کی انگلیاں ایک لمحے کو ان سب پر رُک گئیں، پھر اس نے لپ اسٹک کا ڈھکن کھولا۔ شوخ رنگ تھا—— جو اب تک اس کے ہونٹوں پر کبھی نہیں لگا تھا۔

آئینے میں اپنا سادہ چہرہ دیکھتے ہوئے اسے کل کی بات یاد آئی۔

بزنس ڈپارٹمنٹ کے گراؤنڈ والی بینچ پر وہ دونوں ساتھ بیٹھے تھے، اسجد نے گلابی پاؤچ اُس کی طرف بڑھایا تھا۔

مہوش کی ہچکچاہٹ فطری تھی، تقریباً لاشعوری۔ "یہ کیا؟"

"ایک تحفہ، جو کئی ماہ تمہارے ساتھ چلے گا۔"

وہ پاؤچ کھول کر ایک ایک چیز الگ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی لالی پھیل گئی۔

"تم سادگی میں بھی کمال دِکھتی ہو لیکن۔۔۔" وہ رکا، جیسے مناسب الفاظ کی تلاش میں ہو۔ "تمہیں شمع اور مشعل خوبصورت لگتی ہیں نا؟ تم اکثر ان کی تعریف کرتی ہو کہ انہیں سجنے سنورنے کا سلیقہ ہے۔ تم کسی سے کم ہو کیا؟"

مہوش نے اس وقت بس پاؤچ تھام لیا تھا، زبان سے کوئی جواب نہیں نکل سکا تھا۔ وہ بس اتنا جانتی تھی کہ اسے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔

بیس اور پاؤڈر لگانے کے بعد اس نے خاصی احتیاط سے ہونٹوں پر لپ سٹک جمائی۔ پھر مسکرا۔ لائنر اسے ابھی لگانا نہیں آتا تھا۔

چند منٹ بعد آئینے میں جو چہرہ تھا، وہ اُسی کا تھا—— مگر کچھ۔۔۔ بدل سا گیا تھا۔

آنکھیں تھوڑی بڑی لگ رہی تھیں، رنگت ہموار، ہونٹ نمایاں۔ اُس نے خود سے ہلکی سی نظریں ملائیں، پھر تیزی سے پاؤچ واپس بیگ میں رکھ کر واش روم سے باہر نکل آئی۔

جیسے کسی نے اُسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو، اور وہ خود بھی اپنے اس بدلے ہوئے چہرے سے ذرا سی ڈر گئی ہو۔

☆☆☆

مہوش الماری میں کپڑے تہہ کر کے رکھ رہی تھی، جبکہ مشعل بیڈ پر نوٹس لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔

مشعل نے یکدم کہا۔ "آج سارا دن یونیورسٹی میں تمہیں وقتاً فوقتاً بس دور سے ہی دیکھا۔ ویسے تو تم بریک میں یا کسی اور وقت ہمارے پاس آجایا کرتی ہو۔ آج تو بس۔۔۔ غائب ہی رہی، ہم نے تمہیں مِس کیا۔"

مہوش کے ہاتھ رُک گئے۔ "آج ایک اسائنمنٹ پر بھی کام کرنا تھا۔ کچھ زیادہ ہی مصروفیت رہی۔"

مشعل نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ نشاندہی کی۔ "آج ہی ایسا ہوا۔ مجھے یقین ہے آئندہ تمہیں ہمارے لیے وقت مل جایا کرے گا۔"

"میں جانتے بوجھتے کبھی تمہیں اور شمع کو نظرانداز کر سکتی ہوں، بھلا؟"

"بالکل بھی نہیں۔" پھر جیسے کوئی خیال آنے پر مشعل چونکی۔ "فائزہ تمہارا پوچھ رہی تھی، کہہ رہی تھی آج تم نے پہلی کلاس بنک کی؟"

"میں کیفے ٹیریا گئی ہوئی تھی، وقت کا اندازہ نہیں ہو پایا۔"

"شمع کہہ رہی تھی آج اس نے تمہیں یونیورسٹی میں میک اپ کیے ہوئے دیکھا۔" اس پر مہوش کی گھبراہٹ دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرائی۔ "بقول شمع، تم خاصی خوبصورت لگ رہی تھی۔"

"وہ تو بس۔۔۔ گروپ کی ایک لڑکی نے کر دیا تھا۔"

"کل صبح مجھے یاد کرانا میں خود تمہارا میک اپ کروں گی، کچھ آسان ٹپس بھی دوں گی۔"

"مجھے شمع جیساوِنگڈ لائنز لگانا سکھاؤ گی؟"اب وہ پر اشتیاق لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"کل ہم دونوں وہی لگا کر یونیورسٹی جائیں گے۔"پھر کچھ سوچ کر مشعل ہنس دی۔"شمع بھی حیران رہ جائے گی کہ اس کی دو جڑواں بہنیں کہاں سے نکل آئیں۔"

دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

پھر مہوش ٹائم دیکھ کر بولی۔"بہت خوب۔ میں وضو کر کے آتی ہوں، عشاء بھی پڑھنی ہے۔"

وہ بات ختم کر کے واش روم کی طرف چل دی۔ مشعل نے چند لمحے اس کی پشت کو دیکھا، پھر سر جھکا کر نوٹس پر نظریں جمالیں۔ کچھ دیر بعد وہ کمرے میں آئی تو مشعل سونے کی غرض سے لیٹ چکی تھی۔اس نے عشاء کی نماز کے لیے جائے نماز بچھائی، نیت کرنے ہی والی تھی کہ سامنے بیڈ پر رکھے موبائل کی سکرین روشن ہو گئی۔اسجد کا جگمگاتا ہوا نام اسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔اس نے فوراً جائے نماز لپیٹ دی اور پانچ منٹ بات کرنے کی نیت سے موبائل ہاتھ میں لیے بستر پر لیٹ گئی۔

وہی دلچسپ گفتگو——ایک پر لطف سلسلہ۔

جائے نماز ویسی ہی کونے میں پڑی رہی۔ وہ بس بستر پر لیٹی، فون ہاتھ میں تھامے، چند آخری میسج پڑھتی گئی۔۔۔کرتی گئی۔آخری شب بخیر کا میسج آنے تک دن بھر کی تھکاوٹ مکمل طور پر اس کے حواس پر حاوی ہو چکی تھی۔

'کل سے ساری نمازیں اچھے سے پڑھوں گی۔'دل میں یہ تہیہ کرتے ہوئے وہ نیند کی آغوش میں اُتر گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈپارٹمنٹ کے لیڈیز رواش روم میں صفائی والی ادویات کی تیز بو سی پھیلی ہوئی تھی۔ سفید ٹائلوں پر تیز برقی روشنی چبھتی تھی اور سنک کے سامنے رکھا استعمال شدہ ٹشو آدھا بھیگ چکا تھا۔ مشعل نے ہاتھ دھوتے ہوئے آئینے میں خود کو ایک نظر دیکھا—آج بھی نیند پوری نہیں تھی، مگر وہ یہ بات خود پر ظاہر نہیں ہونے دے رہی تھی۔ پڑھائی کا بوجھ ان دنوں کچھ زیادہ ہی تھا۔

نل بند ہوتے ہی اچانک اس خاموشی میں ایک دبی دبی سسکی سنائی دی۔

ابھی تک وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ یہاں اکیلی وہی موجود ہے۔

پہلے پہل اسے لگا کسی کا فون چل رہا ہے یا کہیں دور سے آواز آئی ہے، مگر ایسا کچھ نہیں تھا۔ یہ رونا تھا—دبا ہوا، جیسے کوئی اپنی ہچکی تک نگل رہا ہو۔

مشعل کا ہاتھ ٹشو اٹھاتے ہوئے ایک لمحے کو رک گیا۔ اس نے کان لگا کر سنا۔ آواز قطار میں بنے ٹوائلٹس کی طرف سے آ رہی تھی—آخری دو دروازوں کے بیچ کہیں سے۔

"ہیلو؟ آپ ٹھیک ہیں؟"

کوئی جواب نہیں آیا۔

بس سسکی ذرا سی تیز ہوئی، پھر جیسے کسی نے سانس روک لی تھی۔

مشعل نے بے اختیار ایک قدم آگے بڑھا دیا۔ "کسی کو بلاؤں؟"

اندر سے پھر بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ صرف ایک ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ، جیسے کوئی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر سرک گیا ہو۔

اور پھر ـــــ ایک بھاری سی آواز، جیسے کوئی پورے وزن سے گرا ہو۔

مشعل کے دل نے ایک لمحے کو زوردار دھچکا کھایا۔

وہ تیزی سے اسی دروازے کی طرف لپکی۔ دستک دی۔ پھر دروازہ کھولنے کی کوشش کی، وہ اندر سے لاکڈ تھا۔ ہینڈل ہلایا تو وہ ہلا نہیں۔ مشعل نے دوبارہ زور سے دستک دی۔

مکمل خاموشی۔

مشعل کے ہاتھ کانپنے لگے۔ واش روم میں اُس کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اس نے باہر جھانک کر دیکھا، راہداری بھی خالی تھی۔

اسے فوراً کسی ذمہ دار شخص کے پاس جانا تھا۔ تیز قدموں سے چلتی وہ راہداری سے گزری تو سیکیورٹی گارڈ سامنے سے گزرتا دکھائی دیا۔ "پلیز میرے ساتھ چلیں۔۔۔ وہاں واش روم میں کوئی گر گیا ہے۔"

گارڈ نے مشعل کے چہرے کی گھبراہٹ دیکھی تو خود بھی چوکس ہو گیا۔ "کون سا واش روم، بیٹی؟"

"یہ سامنے والا، لیڈیز۔" شعبۂ بشریات میں یہی لیڈیز واش روم تھا۔

گارڈ نے واکی ٹاکی پر کچھ کہا اور مشعل کے ساتھ چل پڑا۔ مشعل کی سانس پھول رہی تھی، مگر وہ رکی نہیں۔ راستے میں ایک پروفیسر مل گئیں ـــــ شاید اسی فلور کی انچارج فیکلٹی میں سے تھیں۔ گارڈ نے جلدی سے صورتِ حال بتائی، پروفیسر کی پیشانی پر فکر کی لکیر آ گئی۔

"فوراً اندر چلیں۔ اگر بے ہوشی ہے تو ایک ایک سیکنڈ قیمتی ہے۔"

تینوں واش روم میں داخل ہوئے تو وہی کلینر کی بو اور تیز روشنی۔ مشعل نے سیدھا آخری دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

گارڈ نے پہلے آواز دی۔ "بیٹی! دروازہ کھولو! تم ٹھیک ہو؟"

کوئی جواب نہیں آیا۔

پروفیسر نے خصوصی ہدایت دی۔ "دروازہ توڑنا پڑے تو بھی کھولو۔ وقت بہت قیمتی ہے۔"

گارڈ نے کندھا دروازے پر رکھا۔ پہلی بار کچھ نہیں ہوا۔ دوسری بار زور لگایا۔ تیسری بار لاک ٹوٹنے کی آواز آئی اور دروازہ جھٹکے سے کھل گیا۔

مشعل کی نگاہ اندر پڑی تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

لڑکی فرش پر گری پڑی تھی، آدھا جسم دیوار سے لگا ہوا، دونوں ہاتھ بے جان سے، چہرہ زرد اور ہونٹ خشک۔ دوپٹہ کندھے سے سرک کر آدھا نیچے گر گیا تھا۔ پاس ایک چھوٹا سا بیگ پڑا تھا، جس کے اندر سے پلاسٹک کی بوتل کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

مشعل نے فوراً پہچان لیا، یہ ہاسٹل کی لڑکی تھی۔ اس کے ارد گرد عموماً دو تین لڑکیاں ہوا کرتی تھیں۔

"یہ تو ہاسٹل کی لڑکی ہے۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

پروفیسر فوراً جھک گئیں، نبض چیک کی اور گارڈ کو حکم دیا۔

"انتظامیہ کو مطلع کریں۔ فرسٹ ایڈ منگوائیں! اسے سیدھا نہیں اٹھانا، پہلے سانس چیک کریں۔"

اس کے بعد گارڈ واکی ٹاکی پر بولتا ہوا باہر بھاگا۔ مشعل ساکت سی کھڑی تھی، مگر پھر خود کو سنبھالا اور گھٹنے ٹیک کر قریب آ گئی۔ فرسٹ ایڈ کٹ لیے ایک نرس اور میڈیکل آفیسر آیا۔ یہ یونیورسٹی کے عملے کا حصہ تھے جو ایسی ایمرجنسی میں اپنی خدمات سرانجام دیتے تھے۔

صرف اتنا مشعل کے سامنے ہوا۔ پھر اسے اور دیگر اکٹھے ہوتے دوسرے سٹوڈنٹس کو وہاں سے رخصت کر دیا گیا۔

اس کے بعد کی کاروائی سٹوڈنٹس سے اوجھل رہی۔

کچھ ہی دیر میں ایمبولینس کا عملہ آ گیا۔ سب نے اتنا ضرور دیکھا کہ لڑکی کو اسٹریچر پر منتقل کر کے ہاسپٹل لے جایا جا رہا ہے۔

اگلے دن مشعل کو ہاسٹل میں اس لڑکی کی روم میٹ مل گئی۔ وہ روتے ہوئے بمشکل بول پا رہی تھی۔ "وہ کافی دنوں سے ٹھیک نہیں تھی۔"

مشعل اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ "کس طرح ٹھیک نہیں تھی؟"

"پچھلے چند ماہ سے کئی مسائل کا شکار تھی۔ وزن کم کرنے کے لیے کچھ لے رہی تھی۔" وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولی۔ "اس کے بھی سائیڈ ایفیکٹس تھے۔ نیند بھی نہیں آتی تھی، اس کے لیے گولیاں لیتی تھی۔ پھر اینٹی ڈیپریسینٹ میڈیکیشن پر لگ گئی۔"

مشعل یہ سن کر ہکا بکا رہ گئی۔ "یہ سب تو غیر قانونی ہے، اسے ایسی ادویات یہاں میسر کیسے ہوئیں؟"

"میں نے اسے کئی بار ٹوکا۔ پہلے وہ یہ سب میرے سامنے لیتی تھی، پھر چھپ کر لینے لگی۔"

"بات یہاں تک پہنچی کیسے ؟" بے خوابی، بے چینی، وزن کم کرنے کی ادویات۔۔ یہ سب ایک ساتھ، یونہی اچانک نہیں ہوتا۔ ہ سوچ کر رہ گئی۔

"اسے جن لوگوں کا ساتھ ملا، وہی اچھے نہیں تھے۔ سہیلیاں، ہونہہ۔" اس نے ناگواری سے سر جھٹکا۔ "نام کی سہیلیاں تھیں بس؛ بات بے بات طنز کرنا، اس کی جسامت کو تنقید کا نشانہ بنانا۔ 'میں تو اس کے ساتھ تصویر میں کھڑی ہو جاؤں تو پتلی دِکھتی ہوں' جیسے تبصرے اور ردِ عمل پر کہنا 'تم تو مذاق بھی مائنڈ کر جاتی ہو'۔ بس کچھ ایسی ہی ہیں وہ سب۔ میں تو صرف کمرے کی حد تک اس کا دل بہلا سکتی تھی۔ وہ ہر وقت اس کے ساتھ ہوتی تھیں۔"

"سنا ہے والدین کو خاصا شاک لگا ہے۔"

"وہ کیسے اتنے بے خبر رہے، ہر دوسرے ویک اینڈ پر گھر جاتی تھی۔ ہر ایگزام کے بعد دوسرے سٹوڈنٹس کی طرح پوری چھٹیاں گھر میں ہی گزارتی تھی، انہیں کچھ بھی دکھائی نہیں دیا؟ زندگی بہت تیز رفتار ہو گئی ہے ، کوئی ٹھہر کر دوسرے کا حال تک نہیں دیکھتا۔"

"سنا ہے، والدین نے یونیورسٹی والوں پر کیس کرنے کی دھمکی بھی دی ہے ؟"

"نہیں، اس میں ان کی اپنی بدنامی ہو گی۔ بس یہاں سے چلی گئی ہے، اب علاج کروائیں گے۔"

"اچھا ہے علاج کروا کر کسی نئی جگہ جائے، نئے بہتر دوست بنائے۔" مشعل کو یہ جان کر تسلی ہوئی، لیکن بہر حال یہ ایک ٹریجڈی تھی جس کے ذمہ دار کئی لوگ تھے۔

"کبھی کبھار وہ مجھے ایک لڑکی کے ساتھ دکھائی دیتی تھی۔" ماتھے پر شکنوں کا اضافہ ہوا۔ "وہ اس کی سہیلیوں میں سے نہیں تھی۔"

مشعل کو اپنا تنفس بڑھتا ہوا محسوس ہوا۔ "نام معلوم ہے؟"

"عالیہ، اسی نے بتایا تھا۔" وہ پھر اسے غور سے دیکھنے لگی۔ "تم چاہو تو میں تمہیں کل دکھا بھی دوں گی۔ ذرا دور سے۔"

وہ کمرے سے چلی گئی تو مشعل نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کر لیں۔ واش روم کی وہی سفید، چبھتی ہوئی روشنی پھر سے آنکھوں میں اتر آئی۔

کیفے ٹیریا میں دوپہر کے وقت بھیڑ تھی، مگر مشعل کو کوئی شور سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ شمع کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں چائے تھی، جو ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

شمع نے افسوس سے سر ہلایا۔ "اتنی بڑی بات ہو گئی اور ہم صرف سرگوشیاں کرتے رہ گئے۔"

"جب میں نے اسے وہاں گرے ہوئے دیکھا۔۔" مشعل کی آواز بھرا گئی۔

"ہم لڑکیاں ہی کیوں دوسری لڑکیوں کے لیے زہر بن جاتی ہیں؟ اپنی ہی جنس کو سپورٹ نہیں کرتیں۔" شمع کے لہجے میں تلخی دَر آئی۔ "طنز، مذاق کے نام پر چوٹ، کم مائیگی کا احساس دلانا۔۔ اور جب سامنے والا ٹوٹ جائے تو ہم کہتے ہیں، 'یہ تو کچھ زیادہ ہی حساس تھی، دنیا میں رہنے کے لیے تو مضبوط ہونا پڑتا ہے'۔"

"قابلِ تشویش بات یہ ہے کہ یہاں ایسی ادویات آ ہی کیسے جاتی ہیں؟" مشعل کی سوئی پچھلے کئی گھنٹوں سے اسی نقطے پر اٹکی ہوئی تھی۔

"زیادہ تر تعلیمی اداروں میں یہی سب چل رہا ہے۔" شمع کی آنکھوں میں شعلوں کی لپک تھی۔ "ہمیں لگتا ہے بس۔۔۔ یہ ایک فرد کی کہانی تھی، ختم ہو گئی۔ کچھ دیر افسوس کیا، ہاتھ ملے، پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

آج حماس کو وہ سب شدت سے یاد آنے لگا، جس نے اسے ہاسٹل کی زندگی اپنانے پر مجبور کیا تھا۔ آگے پیچھے کئی مناظر ذہن کے پردے پر دوڑنے لگے۔

نادیہ آنٹی اور تائی کے درمیان ہونے والی ایک گفتگو نے اس کی پوری سمت بدل دی تھی۔

وہی چند جملے تھے جنہوں نے 'یونیورسٹیوں کے شہر' سے منہ موڑ کر اسے اچانک لاہور کی طرف دھکیل دیا تھا۔

وہ باغ سے ہوتا، کچن کا دروازہ کھول کر اندر آیا ہی تھا کہ لاؤنج سے آتی آوازوں نے اس کے قدم وہیں جما دیے۔

"یوں دونوں کا ایک ہی گھر میں رہنا۔۔۔ کچھ غیر مناسب نہیں لگتا؟" یہ نادیہ آنٹی کی پر تشویش آواز تھی۔ آجکل وہ ان کے ہاں آئی ہوئی تھیں، جبکہ مشعل اپنے ماموں کے ہاں ایک ہفتہ گزارنے حیدر آباد گئی ہوئی تھی۔ وہ خالہ سے مل کر ہی گئی تھی، چونکہ کزنز میں سے کوئی نہیں آیا تھا، اس لیے نادیہ نے بھی اسے ماموں کے ہاں جانے سے نہ روکا۔ ان کا خود تین دن بعد وہیں جانے کا ارادہ تھا۔

"دونوں بچپن سے ساتھ پلے بڑھے ہیں، معظم کو تو اپنی اولاد جیسا عزیز ہے۔" تائی نے لاپرواہی سے کہا۔ تائی کا رویہ حماس کے ساتھ ہمیشہ ہی نپاتُلا رہا تھا۔ نہ انہوں نے کبھی پیار دکھایا، نہ حماس نے کبھی ان سے کسی قربت کی امید باندھی۔ بابا، دادو اور مشعل اسے کافی تھے۔

"بچپن کی بات اور ہے۔ اب دیکھو عمر ہی کیا ہے حماس کی، اور کیسا قد کاٹھ نکالا ہے۔"

"عاشر پر گیا ہے۔ وہی سیاہ پرکشش آنکھیں اور گھنے بال۔ وجاہت میں عاشر جیسا تو ان کے پورے خاندان میں کوئی نہیں تھا۔ اب اس نے وہ جگہ لے لی۔"

"ارے، تم تو اس کی تعریفوں پر ہی چھڑ گئی۔" وہ اکثر دل ہی دل میں حماس کا موازنہ اپنے بیٹوں سے کرتیں، اور ان سب کو حماس سے کم تر پاتیں۔ جس کمرے میں حماس سلطان ہوتا، سب کی نظریں بار بار اسی جانب اٹھتیں۔ کچھ تھا اس میں، جو ہر کسی کو اس کی جانب متوجہ کیے رکھتا، جبکہ وہ۔۔۔ ہر سوال کا نپا تلا جواب ہی دیتا۔ جیسے یہ توجہ اس کے لیے عام سی بات ہو۔ "یہی تو کہہ رہی ہوں دونوں جوان ہو رہے ہیں۔ عاشر سا بے لگام نکلا تو۔۔۔ کہیں کوئی کہانی نہ بن جائے۔"

"بہت سمجھدار ہے، ہمیں اس کے کردار کی طرف سے کوئی فکر نہیں۔"

نادیہ جتنا چڑتی کرتیں، اتنی ہی اس کی تعریف سننے کو ملتی۔

ہونہہ، شکل ہو یا کردار، سب اسی کی ملکیت ہو جیسے!

"مشعل اسے پسند کر بیٹھی تو؟"

"ناممکن۔" تائی کا انداز دوٹوک تھا۔ "وہ کسی نارمل فیملی سے نہیں آیا۔ ایسے حالات جھیلے ہیں کہ کسی اچھی لڑکی کو نارمل زندگی دے ہی نہیں سکتا۔ میری مشعل تو نازوں میں پلی ہے ہم اسے اپنا داماد بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"معظم کی اس بارے میں کیا سوچ ہے؟"

"میں انہیں بہت اچھے سے جانتی ہوں، وہ کبھی مشعل کے لیے کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔"

"جو انہیں حماس سے اتنا پیار ہے وہ۔۔"

"وہ ان کا بھتیجا ہے، معظم کے پیار پر اس کا حق ہے۔ جہاں تک شادی کی بات ہے، معظم بھی باپ ہونے کے ناطے اتنی سمجھ بوجھ تو رکھتے ہیں کہ مشعل ایک اچھا، نارمل لڑکا ڈیزرو کرتی ہے۔" وہ مزید کچھ سنے بغیر، خاموشی سے الٹے قدموں واپس مڑ گیا تھا۔

یونیورسٹی کے ہاسٹل میں آئے اسے بمشکل ایک ہفتہ ہوا تھا، مگر آج قصرِ سلطان کی یاد اسے بے حد ستا رہی تھی۔

زیرِ زمین بنا ہوا وہ بیسمنٹ ہال ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کسی خفیہ راستے کے آخری سرے پر چھپا ہو۔ دروازہ کھلتے ہی پوری فضا بدل گئی۔ وسیع ہال، اوپر نیون لائٹس جو وقفے وقفے سے رنگ بدل رہی تھیں، دیواروں کے ساتھ اسپیکرز، جن سے نکلتی ہوئی باس سینے کے اندر تک اتر رہی تھی۔ درمیان میں ڈانس فلور پر لوگ جھوم رہے تھے، کناروں پر گول میزوں کے گرد جھکے ہوئے گروپ، ہاتھوں میں گلاس، ہنسی، شور، سگرٹ اور پرفیوم کی ملی جلی مہک۔

زین نے اُس کے کان کے قریب جھک کر کہا۔ "یہاں اکثر لوگ یہی ظاہر کریں گے کہ وہ بالکل سوبر ہیں۔"

حماس نے بس ہلکا سا سر ہلا دیا۔ آنکھوں کے سامنے روشنیوں کے حلقے بن رہے تھے، آوازیں دھندلا کر ایک ہی شور میں بدل رہی تھیں۔ ہال کے آخری سرے پر وہی تاریک کونہ تھا، جس کے بارے میں دونوں نے سن رکھا تھا—"سیکرٹ روم"۔ دروازے کے سامنے ایک لمبا چوڑا لڑکا کھڑا تھا، بازو سینے پر باندھے۔

لڑکا ہر دوسرے بندے کو روکتا جا رہا تھا۔ "ریفرنس؟"

زین نے موبائل پر کوئی میسج ٹائپ کر کے بھیجا۔ اس لڑکے کے قریب پہنچ کر صرف اپنا نام بتایا۔

"زین سلمان۔" ساتھ ہی کچھ رقم نکال کر اسے تھمائی۔

اب وہ لڑکا کوئی میسج ٹائپ کر رہا تھا۔

دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔ "آ جاؤ۔"

زین نے حماس کی طرف دیکھا۔ "میں تو اسے اسکیپ روم کہوں گا، صرف عارضی فرار ملے گا۔ سوچ لو؟"

حماس کے پرزور اصرار پر زین اسے یہاں لایا تھا۔ یہ ویک اینڈ اپنے نئے دوست زین کے ہاں گزارنے کی اس نے بابا سے ضد کی تھی۔ ان کے فون پر ہی ہاسٹل سے اسے عارضی چھٹکارا ملا تھا، ورنہ وہ یہاں نہ آ پاتا۔

حماس نے ایک لمحہ سانس اندر کھینچا، پھر آگے بڑھ گیا۔ اسکیپ روم ہال سے چھوٹا تھا، لوگ کم تھے اور فضا بوجھل۔ چھت نیچی، دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے صوفے، درمیان میں چھوٹی میزیں۔ ہوا میں سگریٹ سے زیادہ کسی اور چیز کا بوجھل دھواں معلق تھا، سست سانسیں، کچھ ہنسی، کچھ ایسے قہقہے، جو آدھے میں ٹوٹ جاتے تھے۔ وہاں میں

وہاں اس کے علاوہ تین لڑکے پہلے سے موجود تھے۔ایک کے سامنے چھوٹی سی شیشی رکھی ہوئی تھی جس میں کوئی سفوف تھا، جانے وہ اسے گھورتا کچھ سوچ رہا تھا یا اس انتظار میں تھا کہ وہ شیشی سے نکل کر اس کے حلق میں آن ٹپکے۔دوسرا اپنی ہتھیلی پر گولیاں گن گن کر دوسروں میں بانٹ رہا تھا۔تیسرا آنکھیں موندے کسی دوسرے جہان کی سیر پہ گیا ہوا تھا۔

گولیوں والا ان دونوں کو نبٹاتا اس کے پاس آیا۔اسے بغور دیکھتے ہوئے ایک گولی تھمائی۔

"آدھی لے لو، فل مت لینا، پہلی بار ہے نا!"

حماس نے کمرے کے ہر کونے پر نظر ڈالی۔اسے یوں لگا جیسے یہاں سب اپنی راہِ فرار ڈھونڈنے آئے ہوں—— یادوں سے، خود سے، یا کسی ایسے سوال سے جس کا جواب دنیا میں ملنا ناممکن تھا۔اس نے کونے والی نشست پر جا کر جگہ لے لی، پیچھے دیوار سے ٹیک لگائی۔

کسی نے بغیر پوچھے اُس کے ہاتھ میں سیگرٹ تھمایا۔

"پہلے دو تین کش سادہ لے لو، پھر ہم ذرا 'خاص' کرتے ہیں۔"

اس نے سگریٹ ہونٹوں سے لگایا، عام دھواں اندر کیا، یہ کش سینہ جلانے کے بجائے شاید کچھ اور ہی جلا گیا۔

یہ ختم ہونے پر کسی نے اسے 'خاص' سیگرٹ دیا۔

ساتھ بیٹھا لڑکا مسکراتے ہوئے بولا۔"یہ مشکل وقت کو آسان بنا دیتا ہے۔بس یاد رکھنا——واپس ہمیشہ خود ہی آنا پڑتا ہے۔"

حماس نے لمبا سانس لے کر دھواں اندر کھینچا۔ آنکھوں کے پیچھے ہلکی سی جلن، دھڑکن پہلے تیز، پھر ایک مست سا ٹھہراؤ، کمرہ تھوڑا پھیلتا ہوا محسوس ہوا، روشنیوں کے رنگ ایک دوسرے میں گھلنے لگے، آوازیں دور سے آتی ہوئیں، جیسے وہ خود اپنے جسم سے تھوڑا سا باہر نکل کر کنارے پر بیٹھ کر سب کچھ دیکھ رہا ہو۔ اسی حالت میں دروازہ ایک بار پھر کھلا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"یہ ہال بھی انہی میں سے ایک ہے جہاں داخلہ ٹیسٹ لیا جاتا ہے۔" شمع کے کہنے پر مشعل نے جھانک کر اندر دیکھا۔ آج وہ جگہ خالی تھی جہاں اس کی زندگی کا نیا باب شروع ہوا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے ایک پرانا منظر گھوم گیا——وہ وقت جب وہ ماموں کے ہاں ٹھہرنے حیدر آباد گئی ہوئی تھی۔

فون کی اسکرین پر بابا کا نمبر چمکا، تو مشعل نے فوراً کال اٹھالی۔ رات کا وقت تھا۔ کمرے کی کھڑکی کے پار گھپ اندھیرا تھا، اندر بس لیپ ٹاپ کی محدود روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

معظم کی آواز آئی۔ "حماس نے لاہور کی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

یہ کیسے ہو سکتا ہے، بابا؟" وہ تقریباً چلاتے ہوئے بولی۔ "ہم نے کتنی یونیورسٹیاں ڈسکس کر رکھی ہیں۔۔۔اور "سبھی کراچی کی۔"

"وہی تو۔۔۔" ان کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔ "ایک نہیں سن رہا۔ میں نے ٹٹولنے کی بہت کوشش کی، کہتا ہے کسی نے کچھ نہیں کہا، بس میں کراچی سے اُکتا سا گیا ہوں۔"

"کراچی سے اُکتا گیا ہے؟" وہ الجھی۔ "بابا، اسے اس شہر سے عشق ہے۔"

"کچھ تو ہے، جو بتا نہیں رہا۔" انہوں نے جیسے یاد دلایا۔ "تم جانتی تو ہو اسے، کچھ چھپانا ہو تو کیسے پتھر بن جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، پھر میں بھی وہیں داخلہ لوں گی۔"

"میں نے بھی اسے یہی کہا تھا کہ مشعل کو پتہ لگا تو وہ بھی لاہور جانے کی ضد کرے گی۔ کہنے لگا اس کا یہیں کہیں داخلہ کرائیں، میں وہاں اکیلا جاؤں گا۔"

"ہم اسے نہیں بتائیں گے۔" اسے فیصلہ کرنے میں سیکنڈ لگا۔

"لیکن بیٹا۔۔"

"وہ بھی تو ہمیں وجہ نہیں بتا رہا۔ آپ فارم لینے، جمع کرانے اس کے ساتھ جائیں۔ میرے سارے ڈاکومنٹس گھر میں ہیں فوٹو کاپی کروا کر فارم کے ساتھ اٹیچ کریں۔ داخلہ ٹیسٹ دینے میں خود پہنچ جاؤں گی۔"

"یہ سب ہم اس سے کیسے پوشیدہ رکھ پائیں گے؟" وہ کچھ گھبرا سے گئے تھے۔

"اسے ایک ایڈونچر سمجھیں۔ داخلہ ٹیسٹ والے دن ہم بھی اس کا 'ساتھ' دینے لاہور جائیں گے۔ سلپ میرے پاس ہو گی، میں بھی ہال میں جا کر ٹیسٹ دوں گی۔ اسی طرح انٹرویو والے دن بھی پہنچ جاؤں گی۔"

"تمہیں لگتا ہے تم ٹھیک کر رہی ہو؟" ان کے لہجے میں تھکاوٹ تھی۔

"میری زندگی کے فیصلے میں کروں گی، حماس نہیں۔ کرلے اپنی مرضی، میں بھی اپنی ہی کروں گی۔ جب وہ ہاسٹل میں سیٹل ہو جائے گا، تو ایک ہفتے بعد میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گی۔ یوں وہ اپنا فیصلہ بدل نہیں پائے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

بزنس ڈپارٹمنٹ کی عمارت کا وہ سائیڈ والا زینہ عام طور پر خالی ہی رہتا تھا۔

دیوار کے ساتھ سیڑھی پر، اسجد بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھ گھٹنے پر رکھا ہوا تھا، اور دوسرے ہاتھ میں کاغذی کپ، جس سے تازہ کافی کی ہلکی سی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ ساتھ والی سیڑھی پر رکھا ہوا بھورا کاغذی لفافہ ذرا سا کھلا ہوا تھا، جس میں سے فوائل کی چمک جھانک رہی تھی۔

مہوش نے کونے سے جھانکا، پھر آہستگی سے سیڑھیوں پر قدم رکھتی وہاں آئی، جہاں وہ بیٹھا تھا۔

"تم واقعی۔۔۔ یہاں بیٹھتے ہو؟ یہ جگہ تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں تھی۔"

اسجد نے سر اوپر اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہی تو خوبی ہے اس کی۔ جو جگہ سب کو دکھائی دے، وہاں راز نہیں رہتے۔"

اسجد نے لفافہ کھولا، فوائل ہٹا کر اندر رکھی چیز اُسے پکڑائی۔

"یاد ہے، اُس دن تم نے کہا تھا، تمہیں سادہ سا گرِلڈ سینڈوچ پسند ہے، بس تھوڑے سے پنیر کے ساتھ؟"

مہوش نے سینڈوچ ہاتھ میں لیا۔ "اتنا یاد رکھتے ہو؟"

"چھوٹی چیزیں یاد رکھنی پڑتی ہیں، اصل فائدہ ہمیشہ وہیں چھپا ہوتا ہے۔"

وہ سیڑھی پر اُس سے دو قدم اوپر جا کر بیٹھ گئی۔ نیچے گراؤنڈ میں دور کہیں طالب علم کرکٹ کھیل رہے تھے، آواز مدھم سی آ رہی تھی؛ یہاں بس ان دونوں کا کونا تھا—— سیڑھیاں، دیوار اور کافی کی خوشبو۔

اسجد نے کاغذی کپ اُس کی طرف بڑھایا۔ "یہ کافی تمہاری ہے، کم چینی۔ میں چاہتا تھا کہ بریک میں تمہیں صرف مجھے یاد رکھنا پڑے، مینیو نہیں۔"

"کہاں سے منگوایا یہ سب؟"

"قریبی بیکری سے، ڈرائیور ابھی دے کر گیا ہے۔"

مہوش نے کپ تھاما اور گھونٹ لیا۔ گرمی حلق سے نیچے اتری، اعصاب میں نرم سی حرارت پھیلی، اور دل کے کسی کونے میں چھوٹی سی گھنٹی بجی—وہ اب واقعی اپنا وقفہ صرف مشعل اور نوٹس کے ساتھ نہیں، اسجد کے ساتھ پورا کر رہی تھی۔

☆☆☆

ہاسٹل کے کمرے میں شام اتر رہی تھی۔ مشعل کتابیں کھولے بیٹھی تھی، ہاتھ میں ہائی لائٹر تھا اور سامنے نوٹس پھیلے ہوئے تھے۔ مہوش بیگ کندھے پر ڈالے دروازے کے پاس کھڑی تھی، دوپٹہ سر پر معمول سے ذرا ڈھیلا رکھا ہوا۔

مشعل نے بغیر اوپر دیکھے پوچھا۔ "کہاں جا رہی ہو؟"

مہوش نے جلدی سے کہا۔ "قاعدا عظم لائبریری۔ فائزہ اور دو لڑکیاں کہہ رہی تھیں کہ آج گروپ اسٹڈی کرتے ہیں۔"

مشعل نے سر اٹھایا۔ "فائزہ کی تو آج رات کزن کی منگنی ہے، وہ کل بتا رہی تھی کہ آج نہیں آ سکے گی۔ جب وہ یونیورسٹی ہی نہیں آئی تو کون سا گروپ سٹڈی؟"

مہوش ایک لمحہ کو رُکی، پھر ہنسی میں بات اڑاتے ہوئے بولی۔ "تم تو پورا تفتیشی ادارہ ہو۔ لائبریری ہی جا رہی ہوں، شاید کوئی مل جائے وہاں۔۔۔ نہیں بھی ملا تو دو تین سبق خود ہی دہرا لوں گی۔ وارڈن سے لیے ہوئے وقت پر ہی واپس آؤں گی۔"

مشعل نے اس کے سجے سنورے حلیے پر ایک سرسری نگاہ ڈالی۔ "ٹھیک ہے، بس وقت پر واپس آ جانا۔"

گیٹ بند ہوا۔ گیٹ کے باہر اسجد کی گاڑی کھڑی تھی، چاندی رنگ کی سیڈان۔ وہ جیسے ہی قریب آئی، اسجد نے فوراً آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

بالکل وقت پر۔ "اسجد مسکرا کر بولا۔ "مجھے لگا تھا تم آخری لمحے پر 'گروپ اسٹڈی' کو واقعی حقیقت بنا دو گی۔"

مہوش بیٹھ گئی اور سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے پوچھا۔ "ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

اسجد نے ہنس کر کہا۔ "لائبریری کے الٹے رُخ پر۔ آج تمہیں لاہور کا وہ حصہ دکھانا ہے جہاں لوگ کتابوں سے نہیں، روشنیوں سے پڑھتے ہیں۔"

گاڑی نکل کر مین روڈ پر آئی، پھر کچھ دیر بعد ایم ایم عالم روڈ کی طرف مڑ گئی۔ سڑک کے دونوں طرف بڑے بڑے سائن بورڈز، کپڑوں کی دکانیں اور ریسٹورنٹس، خوشبو اور ہلکی سی چہل پہل شہر کی زندگی کے احساس کو بڑھا رہی تھی۔ پھر گاڑی ایک معروف چاکلیٹ کیفے کے سامنے رکی — بٹلرز چاکلیٹ کیفے۔ شیشے کے پار اندر لکڑی کی میزیں تھیں، دیواروں پر خوبصورت تصاویر سجی ہوئی تھیں، اور شوکیس میں ترتیب سے رکھی ہوئی چاکلیٹس، کیک اور پیسٹریاں دیکھنے والوں کو فوراً اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔

مہوش نے حیرت سے سر اٹھایا اور پوچھا، "یہاں؟ واقعی؟"

اسجد نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا، "ہاں، تم نے ایک دن کہا تھا نا، 'چاکلیٹ دل کو کچھ یوں فل کرتی ہے کہ کسی دوسرے خیال کی جگہ ہی نہیں بچتی۔' آج تمہارا دل بھی فل کریں گے اور خوشی بھی سمیٹیں گے۔"

اندر داخل ہوتے ہی چاکلیٹ اور کافی کی ملی جلی خوشبو نے ان کا استقبال کیا۔ ویٹر انہیں کھڑکی کے پاس والی چھوٹی میز تک لے گیا۔ کچھ ہی دیر میں دو پیالے اور ایک پلیٹ آ گئی — گرم لاوے والا چاکلیٹ کیک، جس کے اوپر ونیلا آئس کریم کا سفید گولہ رکھا تھا۔ چاقو چلتے ہی کیک کے اندر سے گرم چاکلیٹ بہہ نکلا، بھاپ اُٹھی، خوشبو نے دونوں کے بیچ کی خاموشی بھر دی۔

مہوش نے ہلکا سا ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ تو۔۔۔ بہت میٹھا ہے۔"

اسجد نے اسی ہنسی میں جواب دیا۔ "آج تمہارا شیڈول بھی بہت میٹھا ہے۔ لائبریری کا بہانہ، بٹلرز کی میز، اور ہم دونوں۔۔۔ اگر کوئی پوچھے، تو کہہ دینا کہ تم نے آج خود سے ملنے کی چھٹی لی تھی۔"

مہوش نے چمچ سے تھوڑا سا کیک اور آئس کریم ملا کر منہ میں رکھا۔ باہر ایم ایم عالم روڈ پر گاڑیاں گزر رہی تھیں، اندر نرم موسیقی تھی، اور اُس کے دل میں پہلی بار یہ احساس مزید گہرا ہوا کہ وہ واقعی اپنی پرانی حدوں سے باہر قدم رکھ چکی ہے — کسی کو بتائے بغیر۔

☆☆☆☆☆☆☆

الگ رنگت، الگ خوشبو، الگ احساس ہے سب کا

مگر ملنے سے بنتا ہے، عجب اک پیرہن اپنا

کوئی دانش، کوئی جذبہ، کوئی جرات، کوئی شوخی

یہی پانچوں ہیں جن سے ہے، مکمل انجمن اپنا

گلبرگ کے اس حصّے میں، جہاں نئی بلند عمارتیں پرانے درختوں کے سروں سے بھی آگے نکل چکی تھیں، حماس کے فلیٹ کی سب سے نمایاں بات سامنے والی شیشے کی دیوار تھی۔

چھت سے فرش تک پھیلا ہوا شیشہ۔

وہ اُس کے سامنے کھڑا تھا، ہاتھ جیبوں میں، ننگے پاؤں ٹھنڈے فرش پر۔ نیچے سڑک پر اتوار کی دوپہر پوری طرح سوئی ہوئی نہیں تھی، گاڑیاں کم تھیں، مگر حرکت میں تھیں۔ ایک طرف بڑی سڑک کی جھلک تھی، دور کہیں ہلکا سا دھواں اٹھ رہا تھا، کہیں درختوں کے بیچ چھپا ہوا ایک چھوٹا سا پارک، اور دوسری سمت دکانوں کے بورڈ، جو دن کے اجالے میں بھی بجھے ہوئے نہیں لگتے تھے۔ درمیان میں لوگ تھے — کوئی ہنستے بولتے، کوئی بچوں کے ساتھ، کوئی دوپہر کی خریداری میں مصروف۔ اوپر سے شہر اسے کسی نقشے کی طرح لگ رہا تھا — صاف، ترتیب سے جڑا ہوا — بس وہ خود اس تصویر میں اپنی جگہ پوری طرح پہچان نہیں پا رہا تھا۔

دروازے کی گھنٹی بجی تو اُس نے نظریں شیشے سے ہٹا لیں۔ دو تین لمحوں میں قہقہوں اور زین کی اونچی آواز کا شور لاؤنج تک آ پہنچا۔

دروازہ کھلتے ہی مشعل، شمع، مہوش اور زین ایک ساتھ اندر آ گئے۔ زین کے ہاتھ میں بڑے بڑے لفافے تھے، جن سے کباب، نان اور تکوں کی خوشبو فوراً پورے لاؤنج میں پھیل گئی۔

شمع نے اندر آتے ہی کہا۔ "ہمیں لگا نئے فلیٹ کا سوگ تم اکیلے منا رہے ہو گے، اس لیے سوچا خوشی کی صورت میں ذرا زور سے مبارک باد دی جائے۔"

حماس نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ سب۔۔۔ کیا ہے؟"

زین نے فخر سے ایک لفافہ اٹھایا۔ "بو علی کباب ٹاؤن کے خاص تکے، ساتھ شہر کے مشہور نان۔ نئے گھر کی خوشی خالی دیواروں سے نہیں، خوشبو سے شروع ہوتی ہے۔"

مشعل جوتے اتارتے ہوئے پورے فلیٹ پر نظر دوڑاتی رہی، پھر خلوص سے کہا۔ "واہ، یہ تو واقعی فلیٹ ہے، ہاسٹل کا کمرہ نہیں۔ شیشے کی پوری دیوار، لکڑی کا فرش، ڈرائنگ روم جیسا لاؤنج۔۔۔ اب تم صرف طالبِ علم نہیں، کچھ زیادہ لگو گے۔"

مہوش نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ ایک چھوٹا سا تحفہ اُس کے ہاتھ میں دیا۔ اندر ایک نرم گدا تھا، جس پر خوشخط حروف میں لکھا تھا۔ "گھر وہ ہوتا ہے، جہاں تم خود اپنے ہو۔"

حماس نے لمحہ بھر تحفے کو دیکھا، پھر بولا۔ "تم لوگ۔۔۔ حد سے زیادہ جذباتی ہو جاتے ہو۔"

شمع صوفے پر تقریباً گرتے ہوئے انداز میں بیٹھ گئی۔ "اوہو، ہم جذباتی نہیں، حقیقت شناس ہیں۔ ہمیں پتہ ہے یہ فلیٹ تم نے آزادی کے لیے لیا ہے، مگر آزادی اُس وقت اچھی لگتی ہے جب کوئی کبھی کبھار آ کر دروازہ کھٹکھٹائے اور جتائے کہ تم اکیلے نہیں ہو۔"

زین نے کھانے کے لفافے کھول کر کچن کاؤنٹر پر رکھ دیے اور فلیٹ کو دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ "کھلا ہوا کچن، لاؤنج، ایک سونے کا کمرہ — کم سامان میں بھی یہ جگہ مکمل لگ رہی ہے۔" یہ سب معظم نے اپنے پی اے

کے ذریعے کروایا تھا۔ فی الحال یہ لگژری فلیٹ کرائے پر تھا، لیکن معظم نے اسے صاف کہا تھا کہ وہ رہ کر دیکھے ،اگر اچھا لگا تو خریدا بھی جا سکتا ہے۔ حماس کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا، اس کا سوچنا تھا کہ لاہور میں وہ گھر خریدے گا ،فلیٹ نہیں۔

حماس نے شانے اچکائے۔ "ہاسٹل میں دروازے کی چابی وارڈن کے پاس ہوتی ہے، یہاں کم از کم چابی میرے ہاتھ میں ہے۔"

مشعل شیشے کی دیوار کے پاس جا کر باہر جھانکنے لگی۔ "یہ منظر ایسا لگتا ہے جیسے ہم لاہور کی تصویر کے اندر بیٹھے ہوں۔ شہر اوپر سے چھوٹا لگتا ہے۔"

حماس نے سب کی توجہ کھانے کی جانب مبذول کی۔ "چلو، کھانا لگالو، ورنہ زین کے انتخاب کی گرمی کم ہو" جائے گی۔

وہ سب ہنستے ہوئے ڈائننگ والے حصے کی طرف بڑھے، جہاں اب تک بس دو پلیٹیں اور گلاس رکھے تھے۔

سب تم نکالو۔ ہمیں بھی تو پتہ چلے تم واقعی خود رہ سکتے ہو یا صرف نعرہ تھا۔" شمع نے شرارت سے اسے "دیکھا۔

زین نے فریج کا دروازہ کھولا۔ ایک پل کو ٹھٹکا، پھر دروازہ آہستگی سے بند کر کے واپس آ گیا۔ اندر درمیانے خانے میں چند شیشے کی بوتلیں سجی تھیں—ایک آدھی خالی، دو نئی۔ حماس نے اُس کی نظریں بھانپ لیں، لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔

کھانا لگ گیا۔ شمع نے باتوں باتوں میں چھیڑا۔ "کل صبح تمہیں خود ناشتہ بنانا ہو گا، کچن میں اگر بس دودھ اور دو انڈے نکلے تو یاد رکھنا ہم نے آج تمہارا پیٹ بھر دیا ہے۔ ہماری ذمہ داری بس یہیں تک کی تھی۔"

مشعل نے اچانک پوچھا۔ چہرہ سنجیدہ، آواز نرم۔ "تم یہاں خوش ہو؟"

حماس نے باہر سڑک پر ایک نظر ڈالی، پھر اندر ان سب کی طرف دیکھا۔ "خوشی شاید۔۔ چار دیواری سے نہیں، لوگوں سے آتی ہے۔ آج تم سب آئے ہو، اس لیے فلیٹ کم خالی لگ رہا ہے۔"

"تم میں سے کسی نے غور کیا؟" زین کے اچانک بولنے پر سب اسے دیکھنے لگے۔ "ہم میں سب سے پہلے آزادی حماس کو ملی ہے۔"

بس اتنا ہوا کہ اتوار کی اس دوپہر پانچوں ایک نئے دروازے کے اندر پہلی بار ایک ساتھ بیٹھے، اور ہر ایک نے دل ہی دل میں مان لیا کہ زندگی اب واقعی اپنے اگلے حصے میں داخل ہو چکی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

چاند لاہور کی آسمانی چادر پر چاندنی بکھیر رہا تھا، اور سڑک کے کنارے واقع خاموش، سیکیورڈ کینٹ ایریا میں شمع کے گھر کا آہنی گیٹ اپنی سیاہ چمک کے ساتھ جیسے گہری نیند میں تھا۔ دو سیکورٹی گارڈز کھڑے تھے — چہرے سخت مگر انداز پُرسکون۔ ایک کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا، دوسرا وائی ٹاکی تھامے ارد گرد کی مونیٹرنگ میں مصروف تھا۔

شمع نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ ہوا میں چمیلی کی مانوس خوشبو نہیں، رات کی رانی کی مدھم نفاست تھی—— جیسے خاموشی خود کوئی پیغام بن کر فضا میں تحلیل ہو رہی ہو۔ اچانک گیٹ کے باہر گاڑی کے رکنے کی آواز ابھری۔ روشنی اور سائے کے بیچ ایک وجود گیٹ کے باہر نمایاں ہو گیا۔

گارڈز نے اس سایے کو دیکھا، مگر کوئی سوال نہ کیا۔ وہ جانتے تھے—یہ زین کا مخصوص انداز ہے، خاموش اور بے اعلان۔

شمع نے دوپٹہ کندھوں پر درست کیا اور تیز قدموں کے ساتھ سیڑھیاں اُترنے لگی۔ گیٹ کے پاس پہنچی تو اس نے زین کو دیکھا—وہ گیٹ کی اندرونی سمت چاندنی میں کھڑا تھا، چہرہ آدھا سائے میں چھپا ہوا، مگر آنکھیں صاف، شفاف، اور ٹھہری ہوئیں۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بانس کا ڈبہ تھا، جسے وہ اس احتیاط سے تھامے ہوئے تھا جیسے کوئی نازک بات ہو جو ذرا سی بے دھیانی سے بکھر جائے۔

"یہ کیا ہے؟" شمع نے پوچھا۔

زین نے اسے ڈبہ پکڑاتے ہوئے مختصر سا جواب دیا۔ "تمہارے لیے۔" اور یہ دو الفاظ اس لمحے کے لیے کافی تھے۔

کچھ دیر قبل اسے زین کا پیغام موصول ہوا تھا۔ 'دس منٹ میں تمہارے گیٹ تک پہنچنے والا ہوں، نیچے آؤ۔' ایسے پیغام وہ تبھی بھیجا کرتا، جب گاڑی گیٹ کے دوسری جانب کھڑی ہوتی اور وہ پانچ منٹ میں گیٹ سے اندر ہوتے اسے کوئی چیز پکڑاتا، پھر یہ جا وہ جا۔

شمع نے آہستگی سے ڈھکن اٹھایا، جیسے کسی راز پر سے پردہ ہٹا رہی ہو۔

اندر ایک نایاب سیاہ پھول رکھا تھا—ایسا سیاہ کہ روشنی بھی اس پر ٹھہرنے سے ہچکچائے۔

یہ اصل میں بلیک اورک تھا۔

پھول ایک ایسے چوکور کاغذ کے اوپر رکھا گیا تھا، جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ یہ الفاظ پرنٹ شدہ نہیں تھے، اور شمع زین کی لکھائی پہچانتی تھی۔

شمع نے پہلے کاغذ نکال کر پڑھا۔

یہ وہ واحد پھول ہے جو روشنی سے نفرت کرتا ہے۔

یہ صرف گہری سایہ دار جگہوں، خاموش جنگلوں،

اور دلوں کی ویران سڑکوں پر پایا جاتا ہے۔

یہ اپنی خوشبو تب چھوڑتا ہے جب اسے چُھوا جائے

نہ دیکھنے سے، نہ دیکھنے کی خواہش سے،

بلکہ اُس لمحے، جب تم اسے یقین دلاؤ کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

شمع نے اسے حیرت اور احتیاط کے ملے جلے احساس کے ساتھ دیکھا، جیسے وہ کسی جذباتی وعدے کو ہاتھ میں تھامے کھڑی ہو۔

زین نے دھیمی آواز میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے تمہارے گھر کی دیواروں کے پیچھے بھی خاموشی ہے مگر یہ پھول تمہیں بتائے گا کہ خاموشی بھی ایک زبان ہے، صرف وہی سمجھ سکتا ہے جو اُسے چھونے کی ہمت کرے۔"

شمع نے پھول کو ہاتھ میں لیا۔ جیسے ہی اُس کی اُنگلیوں نے پنکھڑیوں کو چھوا ایک ہلکی سی وینِلا اور سینڈل وُڈ جیسی خوشبو چاروں طرف پھیل گئی—ایسی خوشبو جو دل کو چھو کر گزر جاتی ہے، ناک سے نہیں۔

"یہ کہاں سے لایا تم نے؟"

"ایک پرانے بوٹینسٹ کے پاس سے، جو کہتا ہے یہ پھول ماضی کے دفن شدہ خوابوں کو جگاتا ہے۔"

"کیا تمہیں لگتا ہے میرے خواب دفن ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ مگر تمہارے سوال، ہاں۔"

ایک لمحے کو دونوں چپ ہو گئے۔ چاند نے اپنی چمک بڑھا دی، جیسے وہ بھی اس گفتگو کی گواہی دے رہا ہو۔

زین مڑ کر چل پڑا۔

شمع نے پھول کو سینے سے لگا لیا—اور گارڈز نے جان بوجھ کر نظریں دوسری طرف پھیر لیں، جیسے وہ جانتے ہوں کہ کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جن میں وقت بھی رُک جاتا ہے۔

اگلے دن وہ یونیورسٹی میں مشعل اور مہوش کو اس کے متعلق بتا رہی تھی۔ "جانتی ہو، بلیک اورک دنیا کے سب سے نایاب پھولوں میں سے ایک ہے۔ یہ قدرتی طور پر کالا نہیں ہوتا، بلکہ گہرے جامنی یا بینگنی رنگ کا ہوتا ہے جو روشنی میں سیاہ محسوس ہوتا ہے۔ یہ خود کو آبدار رکھنے کے لیے بارش کا پانی پتے کے مرکز میں جمع کر لیتا ہے—جیسے اپنے اندر ایک چھوٹی سی دنیا بنا لیتا ہو۔"

مشعل بھی بول اٹھی۔ "اسے خود کفیل عاشق بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ اکثر دوسرے پودوں پر منحصر ہوتا ہے مگر انہیں نقصان نہیں پہنچاتا۔ اور یہ دن کی بجائے رات کو زیادہ کھلتا ہے، خصوصاً چاندنی راتوں میں—جیسے یہ چاندنی راتوں کا کوئی راز ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ہاسٹل سے فائزہ کے گھر تک گاڑی میں پندرہ منٹ کا راستہ تھا۔ مہوش نے یہاں کے لیے رائیڈ بُک کی تھی۔ گاڑی فلیٹ والی بلڈنگ کے گیٹ پر جا رکی۔ مہوش نے کرایہ ادا کیا، ڈرائیور نے سر ہلا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ عمارت کے اندر جانے کے لیے سیڑھیاں اور دائیں طرف لفٹ کا دروازہ تھا۔ وہ لفٹ کے پاس جا کر کھڑی ہوئی، بیگ کندھے سے ذرا سا نیچے سرکا، موبائل نکال کر وقت دیکھا۔ اسی لمحے اوپر سے واٹس ایپ کا نیا پیغام جگمگا اٹھا۔

اسجد۔ "سیڑھیوں سے جاؤ، لفٹ میں کیمرہ نہیں چل رہا۔"

مہوش ٹھٹک کر رہ گئی۔ فوراً پیچھے مڑ کر دیکھا۔ گیٹ کے پاس چوکیدار اپنی کرسی پر اونگھ رہا تھا، آس پاس کسی کی موجودگی کا نشان نہیں تھا۔ یہ عصر کا وقت تھا، وہ نماز پڑھتے ہی نکل آئی تھی۔ اس نے بے اختیار سر اٹھا کر لفٹ کے اوپر لگے سیاہ لینس کو دیکھا، واقعی اس کے کنارے کی چھوٹی بتی بند تھی۔ دل میں ہلکی سی سرد لہر دوڑی۔ اس نے یوں ہی چاروں طرف نظر دوڑائی، پھر کندھے ہلکے سے جھٹک دیے۔

اس نے خود کو سمجھایا۔ "اتفاق ہو گا۔۔۔ شاید کچھ دیر پہلے وہ یہاں سے گزرا ہو۔"

کچھ دیر بعد اوپر پانچویں منزل پر پہنچ کر وہ کوریڈور سے گزرتی آخری سرے پر موجود کھڑکی تک آئی۔ نیچے جھانک کر دیکھا۔ سڑک کے کنارے ایک کار کھڑی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس کی ہیڈ لائٹس جلیں، گاڑی آگے بڑھی، آہستہ سے موڑ کاٹا اور غائب ہو گئی۔

دل کی دھڑکن بے ساختہ تیز ہوئی تو اس نے خود کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

"شاید یہاں کوئی کام ہو، گزر رہا ہو۔۔۔ مجھے یہاں کھڑے دیکھ لیا تو لفٹ کا بھی بتا دیا۔ بس اتفاق! اتنا بھی نہ سوچو، مہوش۔"

اگلے دن دوپہر کے وقت کلاس ختم ہو چکی تھی۔ مہوش کیفے ٹیریا کے کونے والی میز پر اکیلی بیٹھی نوٹس دیکھ رہی تھی، ارد گرد معمول کا شور، برتنوں کی کھنکھناہٹ اور قہقہوں کی آواز گونج رہی تھی۔ اسی دوران ایک سٹوڈنٹ اس کی میز کے پاس آ کر رکی۔ غالباً وہ کوئی جونئیر تھی۔

"یہ آپ کے لیے ہے۔" ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

مہوش نے چونک کر سر اٹھایا۔ "میرے لیے؟ کس نے دیا؟"

لڑکی نے ہلکی سی شرمندہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اسجد کامران نے دیا ہے۔"

"اوہ اچھا۔" مہوش نے آہستگی سے پیکٹ کھولا۔ اندر اسی برانڈ کا ریشمی اسکارف نکلا جو اسے پسند تھا، بیش قیمت پرفیوم، اور ساتھ چاکلیٹس کا ڈبہ—سب نہایت ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ اوپر تہہ کیا ہوا چھوٹا سا کاغذ تھا۔ اس نے کاغذ کھول کر وہ ہینڈ رائٹنگ پڑھی، جس سے وہ خاصی مانوس ہو چکی تھی۔

"اب تمہیں کہیں بھی اکیلے نہیں جانے دوں گا۔"

اس نے نوٹ پڑھتے ہی دل میں عجیب سی گدگدی اور ہلکی سی الجھن محسوس کی۔ اسکارف کی نرمی، انگلیوں پر خوشگوار سی ٹھنڈک بن کر پھیلی، لیکن الفاظ میں کچھ ایسا 'زیادہ' تھا جو اسے پوری طرح سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ خود سے بڑبڑائی۔ "شاید حد سے زیادہ خیال رکھنے والا ہے، بس۔"

☆☆☆☆☆☆☆

فجر کی اذان کی پہلی مدھم سی صدا نے پورے گھر کو بہت آہستہ سے جھنجھوڑا تھا۔ باہر لان کے اوپر آسمان کی سیاہی ابھی پوری طرح چھٹی نہیں تھی، بس مشرق کی سمت کہیں ہلکی سی سفیدی کی لکیر نمودار ہو رہی تھی۔ درختوں کی ٹہنیوں پر بیٹھے پرندے اذان کے ساتھ نیند سے جاگنے لگے تھے۔ خاور کے کمرے میں لیمپ بند تھا، صرف الماری کے پاس چھوٹا سا قمقمہ جل رہا تھا۔ وہ وضو کر کے آیا، کمرے کے کونے میں پہلے سے بچھا ہوا سادہ سا جائے نماز موجود تھا۔ ٹوپی پہنتے ہوئے اس کی نظر دیوار گھڑی پر پڑی، سوئیاں اذان کے درمیان میں تھیں۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور سامنے والے کمرے کی طرف بڑھا، جہاں زین سو رہا تھا۔

زین کا کمرہ ہمیشہ کی طرح نیم اندھیرے میں تھا۔ پردے گرے ہوئے، بستر کے پاس رکھی کرسی پر قمیض اور پینٹ یونہی پھینکی ہوئی، میز پر پانی کی آدھی بھری بوتل اور ساتھ ہی موبائل جس کی روشنی ہر چند لمحوں بعد ہلکی سی جھلک دے کر بجھ جاتی۔ زین لحاف میں منہ تک لپٹا ہوا تھا، بال بکھرے ہوئے، سانس باقاعدہ اور گہری چل رہی تھی۔ خاور چند لمحے دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا رہا، چھت کی طرف دیکھا، پھر آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس نے پہلے موبائل کی سکرین دیکھی؛ آخری سرگرمی تقریباً دو بجے کے قریب کی تھی۔ ہلکی مسکراہٹ لبوں پر آئی اور خود ہی غائب ہو گئی۔

خاور نے بہت نرم آواز میں پکارا۔ "زین۔۔۔ فجر کا وقت ہو گیا ہے۔"

زین نے کروٹ بدلی، لحاف ذرا سا نیچے ہوا، آنکھیں بند ہی رہیں۔

زین نے ہم کیا۔ "رات کو تین بجے سویا ہوں۔۔۔ آج گھر پر ہی پڑھ لوں گا، وعدہ، بس دس منٹ بعد اٹھ جاؤں گا۔"

خاور بستر کے قریب آیا، ہاتھ آگے بڑھا کر زین کے کندھے کو ہلکا سا جھنجھوڑا۔ "اٹھ جاؤ، اذان ہو گئی ہے۔ مسجد چلتے ہیں، جماعت رہ گئی تو وقت بھی نکل جائے گا۔ نیند بھی ٹوٹ جائے گی، ثواب بھی چلا جائے گا۔"

زین کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

خاور نے گہری سانس لی، پل بھر خاموش رہا، پھر بستر کے کنارے بیٹھ گیا۔

"تمہارے 'دس منٹ' اور ہمارے ملک کا 'پانچ سالہ منصوبہ'، دونوں کبھی وقت پر پورے نہیں ہوتے، معلوم ہے نا؟"

زین کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، لیکن آنکھیں اب بھی بوجھل تھیں۔ "اللہ دل دیکھتا ہے، گھڑی نہیں۔ ارادہ ہے پڑھنے کا، بس تھوڑا سا۔۔۔"

خاور نے اس بار قدرے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اللہ دل بھی دیکھتا ہے اور عادت بھی، زین۔ نماز کے لیے صرف ارادہ کافی نہیں، اپنی دوسری عادتیں بھی بدلنی پڑتی ہیں۔ رات دیر تک جاگنا، فون میں گم رہنا، فجر کے وقت کشمکش کا شکار ہونا۔۔۔ عبادت، عادت کی نفی ہے۔"

زین نے آنکھیں آہستہ سے کھولیں، چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ دیر خاموش رہا۔ خاور کے لہجے میں ڈانٹ کم، تھکن اور فکر زیادہ تھی، یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

زین نے کروٹ بدل کر سیدھا خاور کی طرف رُخ کر لیا۔ "تمہیں لگتا ہے میں بس لاپرواہ ہوں؟ میں بھی کبھی سوچتا ہوں۔۔۔ باقی سب کچھ اتنی منصوبہ بندی سے کر لیتا ہوں۔ کھیل، دوستوں کے ساتھ گھومنا، سیر سپاٹے، پڑھائی۔ بس نماز ہی ہے جو اکثر آخری نمبر پر آجاتی ہے۔"

خاور نے نظریں نہیں چرائیں۔ "مجھے پتہ ہے تم بُرے نہیں ہو۔ بس ڈر یہ ہے کہ کہیں اچھا دل، بری عادتوں کے نیچے دب نہ جائے۔ دیکھو، ابھی ہمارے اوپر بہت کچھ چھوڑ رہے ہیں—— کاروبار، نام، اعتماد۔ کل کو جب تم دفتر میں فیصلے لوگے نا، تو وہ ہاتھ جو لوگوں کی قسمت پر دستخط کرے گا، وہی ہاتھ آج اللہ کے سامنے بھی کھڑا ہونا چاہیئے۔"

دور کسی مسجد سے دوسری تکبیر کی آواز سنائی دینے لگی۔ خاور نے گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ "میں جا رہا ہوں۔ اگر ابھی اٹھو گے تو میرے ساتھ مسجد چل سکتے ہو، بعد میں اٹھے تو خود پڑھ لینا۔۔۔ لیکن پھر یہ ماتھے کی بھاری نیند اور دل کا بوجھ دونوں تمہیں خود ہی اٹھانے ہوں گے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا، دروازے کی طرف چند قدم بڑھائے، پھر رک کر مڑا۔

"اور ہاں، اگر تم واقعی فجر کے وقت اٹھنا چاہتے ہو تو رات کی روٹین بدلنی ہو گی۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ دروازہ آہستگی سے بند ہوا، روشنی کی لکیر فرش پر سے سرک کر ختم ہو گئی۔

زین نے کچھ دیر چھت کو گھورتے ہوئے خود سے لڑائی کی۔ باہر سے آتی ٹھنڈی ہوا لحاف کے اندر بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اذان کے باقی ماندہ سر بھی ختم ہو چکے تھے۔ ایک پل کو اس نے لحاف مزید اپنے گرد لپیٹا، آنکھیں بند کیں، مگر خاور کے الفاظ جیسے تکیے کے اندر سے بھی سنائی دیتے رہے۔ اس نے جھنجھلا کر ایک دم لحاف وجود

سے اتار پھینکا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر چند گہرے سانس لیے، پھر نیچے اتر کر چپل پہنی۔ آئینے کے پاس سے گزرتے ہوئے خود کو دیکھا، بال بکھرے ہوئے تھے، اور آنکھیں گلابی۔

زین نے آہستہ سے کہا۔ "ٹھیک ہے، سیریس فیس۔ نماز کے لیے، تھوڑی سی عادت بدل کر دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کتنی مشکل ہوتی ہے۔"

وہ وضو کرنے لگا۔ ٹھنڈے پانی کے ہر چھینٹے کے ساتھ نیند کی تہہ ہلکی ہوتی گئی۔ باہر لان سے گزرتے ہوئے اس نے ایک لمحے کے لیے آسمان کی طرف دیکھا۔ روشنی کی پہلی لکیر اب واضح ہو چکی تھی، پرندوں کی آوازیں بڑھ گئی تھیں۔ گیٹ سے باہر نکل کر اس نے دور جاتے ہوئے خاور کی پشت دیکھی، جو مسجد کی طرف تیز مگر مضبوط قدموں سے چلتا جا رہا تھا۔ زین نے ٹھنڈی ہوا میں ایک لمبی سانس لی۔

پھر اس نے قدم وہیں موڑ لیے، مسجد کی سمت۔

"نماز نیند سے بہتر ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

مرید کے سے آگے سڑک ذرا کھل جاتی تھی۔ دونوں طرف بڑے بڑے فارم ہاؤس، گنے اور سرسوں کے کھیت، کہیں کہیں موٹے تنوں والے درخت، جن کے پیچھے ڈوبتا ہوا سورج ہر چیز کو سنہری کر رہا تھا۔

آگے والی سیٹ پر ڈرائیور گھمبیر چپ میں سڑک پر دھیان دیے ہوئے تھا، ساتھ بیٹھا سنگِ مرمر جیسے چہرے والا گارڈ سیاہ یونیفارم میں تھا۔ نگاہ سامنے، مگر کبھی کبھار ریئر ویو مرر سے پیچھے کی لڑکیوں پر ایک محتاط سی نظر ڈال لیتا۔

پیچھے کی سیٹ پر مہوش بیچ میں بیٹھی تھی اور دونوں طرف شمع اور مشعل۔

مہوش نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شیشے سے باہر اشارہ کیا۔

"یہ سارا ایریا ہمارے گاؤں سے پہلے آتا ہے۔ بچپن میں جب بھی کسی دوسرے شہر کا چکر لگا کر لوٹتے، میں کھڑکی سے دیہات گنا کرتی تھی۔ اب گنتی بھی ختم ہو گئی، لیکن حویلی وہی ہے۔ بس تھوڑی بڑی لگنے لگی ہے۔"

شمع نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "تم ہر بار یہی کہتی ہو کہ 'بس معمولی سا گاؤں ہے، عام سی حویلی ہے' یہ تمہارا گھر ہے مہوش، عام کیسے ہو سکتا ہے۔"

مشعل نے کہا۔ "عام ہو یا خاص، تمہارا بچپن ہے وہاں، بس یہی کافی ہے ہمیں، دیکھنے کے لیے۔"

سڑک سے ایک چوڑا کچا راستہ الگ ہوا۔ گاڑی نے آہستہ سے مڑ کر اس راستے میں قدم رکھا۔ کچھ ہی دیر بعد سامنے ایک اونچا، مضبوط گیٹ ابھرا، جس پر بھاری لوہے کے پٹ اور اوپر پرانے طرز کی محراب بنی ہوئی تھی۔ گیٹ کے ساتھ والی دیوار پر سیاہ نیم پلیٹ پر سنہری حروف میں نام کندہ تھا۔ "چوہدری حاکم علی"۔ گیٹ کے دونوں طرف اونچی دیواریں تھیں۔ ان پر سفید چونے کی پرانی سفیدی، جس کے نیچے اینٹوں کا رنگ جگہ جگہ جھانک رہا تھا۔ گیٹ کے سائے میں تین گارڈز یونیفارم میں کھڑے تھے، کندھوں پر بندوقیں، ساتھ کرسی اور میز۔ پراڈو گیٹ کے قریب رکی تو ایک گارڈ نے آگے بڑھ کر تعظیماً اشارے سے سلام کیا، دوسرے نے اندرونی انٹر کام پر اطلاع دی۔

بھاری گیٹ آہستگی سے کھلا تو اندر کا منظر ایک دم سامنے آیا، جیسے کسی فلم کا فریم بدل گیا ہو۔ اندر داخل ہوتے ہی نگاہ سامنے موجود سنگِ مرمر کے فوارے پر پڑتی، جس میں پانی کی دھیمی سی آواز گونج رہی تھی۔ دائیں طرف لمبی قطار میں کار پورچ بنا ہوا تھا؛ نیچے گاڑیوں کی چمک، اوپر مضبوط چھت۔ بائیں طرف سبز گھاس کا بڑا لان، جس کے بیچ میں گول کٹنگ والے پودے، اور چند کھجور کے درخت تھے۔ لان کے کنارے پر مالی اپنے کام میں مصروف تھے۔ اس سب کے پیچھے اصل حویلی کھڑی تھی۔ دو منزلہ، اوپر بالکونیاں جن پر جالی دار ریکنگ، بڑے دروازے جن پر کڑھائی دار پردے لٹک رہے تھے۔

جیسے ہی مہوش گاڑی سے اتری، اندر سے ملازمین کی ایک قطار سی نکل آئی۔ کسی کے ہاتھ میں پانی کی ٹرے، کسی کے ہاتھ میں جوس کے گلاس، کسی نے گاڑی کا دروازہ تھام لیا، کسی نے بیگ پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا۔

ایک بوڑھی عورت نے کہا۔ "چھوٹی بی بی آ گئیں۔ اللہ سلامت رکھے، شہر دیاں سہیلیاں نیں ایہہ؟"

مشعل نے ادب سے سلام کیا، شمع نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "جی۔ شہر دی سہیلیاں، اور آج گاؤں دی سیر کرنے آئی ہیں۔"

اندرونی دروازے سے مہوش کے ابا، چوہدری حاکم علی نمودار ہوئے۔ اونچا قد، سفید شلوار قمیض، کشادہ سینہ، سر پر ہلکی سی پگڑی اور ہاتھ میں تسبیح۔ ان کی آنکھوں میں رعب بھی تھا اور بیٹی کے لیے نرمی بھی۔ مسکرا کر بولے۔

"آ گئی میری لاہور پڑھن والی رانی؟ خوش آمدید، بیٹی رانی کی سہیلیاں تو لاہور کی رونق بھی ساتھ لے آئیں۔" تینوں کے سروں پر باری باری ہاتھ رکھا۔

اندر حویلی کا ماحول اور بھی بھرپور تھا۔ لمبا چوڑا دیوان خانہ، دیواروں پر بزرگوں کی بڑی بڑی فریم شدہ تصاویر، درمیان میں بھاری قالین، گول تکیے، ایک کونے میں پرانا گراموفون، دوسرے کونے میں جدید ایل ای ڈی، سب ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے، جیسے وقت کی مختلف پرتیں ایک ہی کمرے میں جمع ہوں۔ اوپر والی منزل پر عورتوں کا حصہ تھا؛ کشادہ کمرے، کھڑکیوں سے کھیتوں اور گاؤں کی گلیوں کا نظارہ۔ اندرونی صحن، جہاں عورتیں برتن رکھ رہی تھیں، بچے دوڑتے پھر رہے تھے، ایک کونے میں پلنگ پر دادی جان تسبیح لیے بیٹھی تھیں۔

مہوش نے ایک روشن، ہوادار کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میرا کمرہ تھا، اب زیادہ تر خالی رہتا ہے، بس جب میں آتی ہوں تو پھر سے زندہ ہو جاتا ہے۔"

شام تک مہوش اپنی سہیلیوں کو ہر کونا دکھاتی پھر رہی تھی؛ گودام جہاں اناج کے بڑے بڑے بوریے رکھے تھے، باڑے جہاں بھینسیں اور گائیں بندھی تھیں، وہ پرانا آم کا درخت جس کی شاخوں پر وہ اور اس کی بہنیں بچپن میں چڑھ جایا کرتیں۔ رات کو کھانے کے بعد حویلی رفتہ رفتہ خاموش ہونے لگی۔ مرد نیچے دیوان خانے میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے، عورتیں اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ شمع اور مشعل کو اوپر والی منزل کے ایک بڑے کمرے میں ٹھہرایا گیا؛ اونچی چھت، دیوار پر قدیمی آئینہ، کھڑکی کے باہر لان اور دروازے کا منظر۔ مشعل اور شمع جلد ہی تھکن سے نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔ مہوش یہاں سے نکلتی اپنے کمرے کی جانب چل دی۔ اس کا دل اب بھی جاگ رہا تھا۔ اس نے تکیے سے ٹیک لگا کر موبائل اٹھایا، یونہی اسکرین آن کی، تو اوپر 'اسجد' کے نام سے میسج آنے کی چھوٹی سی اطلاع جگمگائی۔

پیغام تھا۔ "اوپر چھت پر جاؤ۔"

مہوش نے حیرت سے آنکھیں سکوڑیں اور جواب لکھا: "تم پاگل ہو؟ یہ میرا گاؤں ہے، حویلی ہے، سب جاگ جائیں گے۔ کیا مسئلہ ہے؟"

فوراً دوسرا پیغام آیا: "بس دو منٹ۔ دیواریں نیچی ہیں، احتیاط سے جانا۔ کچھ نہیں کہوں گا، کچھ نہیں مانگوں گا، بس، ایک چیز دیکھنی ہے۔"

مہوش نے چند لمحے موبائل کی روشنی میں اس جملے کو گھورتے ہوئے گزارے۔ باہر سے دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز آرہی تھی، اندر کمرے میں پنکھے کی گھن گرج۔ آخر وہ آہستگی سے بستر سے اتری، دوپٹہ شانوں پر لیا، دروازہ بہت احتیاط سے کھول کر باہر نکل آئی۔ اوپر چھت کی طرف جاتی سیڑھیاں حویلی کے ایک کونے میں تھیں۔ وہ ایک ایک قدم رکھتی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ چھت پر پہنچ کر ہوا اور تیز محسوس ہوئی۔ چاروں طرف بنائی گئی دیواریں واقعی کمر تک آتی تھیں، نیچے لان کے درخت سیاہ سایوں کی صورت کھڑے تھے۔

فون پھر بجا: "سامنے مین گیٹ کی طرف دیکھو۔"

مہوش نے تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ حویلی کے بڑے دروازے کی سمت جھانکا۔ نیچے سڑک کے اس پار ایک سرمئی گاڑی کھڑی تھی، جس کے بمپر پر پڑتی ہلکی سی روشنی اسے نمایاں کر رہی تھی۔ ایک شخص کار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اونچا قد، ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے، سر ذرا سا جھکا ہوا—فاصلہ زیادہ تھا، لیکن انداز پہچان میں آرہا تھا۔

ایک اور میسج آیا: "تمہیں بہت یاد کر رہا تھا۔ بس ایک نظر دیکھنا ہے، پھر چلا جاؤں گا۔"

اوپر ستاروں بھرا آسمان، نیچے سویا ہوا گاؤں، درمیان میں اونچی حویلی کی چھت پر کھڑی مہوش، اور سڑک کے کنارے وہ ایک سایہ جو شہر سے دیہات تک اس کے پیچھے پیچھے آ گیا تھا۔ اس نے بے اختیار ایک پل کے لیے آنکھیں بند کیں، خود کو سمجھایا۔

"بس دو منٹ۔۔۔ پھر نیچے۔ کچھ نہیں ہے، بس، یہ تھوڑا عجیب سا بی ہیو کرنے لگا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

تیرے عکس کی جستجو میں، میں در در بھٹکتا رہا

کسی کی آنکھیں ادھار لیں، کسی کا لہجہ چرا لیا

کیفے ٹیریا کے اندر دوپہر کا شور اپنے عروج پر تھا، مگر اس شور کے بیچ ایک میز ایسی بھی تھی جس پر وقت ذرا آہستہ چلتا محسوس ہو رہا تھا۔

لکڑی کی میز کے ایک کونے پر کتاب کھلی پڑی تھی۔ اس کے اوپر نوٹس کی پتلی نوٹ بک رکھی تھی اور دائیں ہاتھ میں پکڑے زرد ہائی لائٹر کی نوک سطروں کے درمیان نرم لکیریں کھینچ رہی تھی۔ لڑکی ہلکا سا جھک کر بیٹھی ہوئی تھی؛ گردن کا خم، ماتھے پر گرتی دو تین ضدی لٹیں، اور دھیان اتنا گہرا تھا کہ ارد گرد کے قہقہے اس تک پہنچتے پہنچتے مدھم پڑ جاتے تھے۔

حماس ٹرے اٹھائے دوستوں کی میز کی طرف جا رہا تھا کہ اس کی نظر اس منظر پر آ کر ٹھہر سی گئی۔ کوئی خاص بات نہیں تھی وہاں، بس کتاب، نوٹس اور ہائی لائٹر۔۔۔ پھر بھی اسے لگا جیسے آنکھ نے خود بخود فوکس بدل لیا ہو۔ قدم آہستہ ہو گئے؛ اندر دل میں کہیں بہت نیچے ایک نرم سا کھنچاؤ اٹھا، جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکا۔

"یار، چل نا!" پیچھے سے زین کی آواز آئی مگر حماس نے بغیر پلٹے ہاتھ سے ہلکا سا اشارہ کیا، جیسے کہہ رہا ہو۔ "ایک منٹ۔" خود کو بھی اور اسے بھی۔

وہ میز کے قریب پہنچا تو لڑکی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں ہلکی سی تھکن تھی اور ساتھ وہ چمک جو نمبر گننے والوں کے حصے میں آتی ہے۔ ہائی لائٹر اس کے ہاتھ میں رک گیا، انگلیاں اب بھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔

حماس نے ذرا احتیاط سے مسکرا کر کہا۔ "ہائے، میں حماس ہوں۔ اینتھروپولوجی ڈپارٹمنٹ۔ تم ایک سمسٹر اوپر والی بیچ میں ہو، ہے نا؟ شاید۔۔۔ انیلہ؟"

وہ پہلے تو چونکی پھر مسکرائی۔

ہائی لائٹر بند کر کے میز پر رکھا اور ہتھیلی صاف کی، پھر ہاتھ آگے بڑھایا۔ "ہاں، انیلہ اور تمہیں 'شاید' کہنے کی ضرورت نہیں، تمہیں پتہ ہے میرا نام کیا ہے۔ میں نے تمہیں کئی بار کیفے ٹیریا، کوریڈور اور ڈپارٹمنٹ کے آس پاس دیکھا ہے۔ بس کبھی سوچا نہیں تھا کہ تم پاس آ کر بات بھی کرو گے۔"

حماس نے اس کا ہاتھ تھاما۔ لمحہ بہت مختصر تھا، مگر اس میں عجیب سی نرمی اور مانوس سی غیر مانوسیت تھی، جیسے پہلے کہیں، کبھی کسی اور زندگی میں ایسا زاویہ دیکھا ہو۔ اسے بے اختیار خیال آیا کہ یہ منظر کتنا مکمل لگ رہا ہے: کتاب، ہائی لائٹر، جھکا ہوا سر، سنجیدگی۔۔۔ لیکن ذہن نے فوراً دیوار کھڑی کر دی۔ بنا کسی چہرے، کسی نام کے۔

حماس نے ہاتھ واپس کھینچتے ہوئے ہلکی سی ہنسی سے خلا پُر کرنے کی کوشش کی۔ "دراصل۔۔۔ میں نے سوچا، اتنی سنجیدگی سے پڑھنے والوں کے پاس جا کر تھوڑا سا فاصلہ توڑنا چاہیے، ورنہ ہم سے 'بے فکرے' ہمیشہ باہر ہی کھڑے رہ جاتے ہیں۔"

انیلہ نے کتاب کے صفحے پر انگلی رکھ کر نشان بنایا۔

پھر موبائل نکالا، سکرین آن کی، اور موبائل اسے تھما دیا۔ "چلو، اب فاصلہ کم ہی رہنے دو۔ نمبر دو گے، یا میں لے لوں؟"

حماس کے چہرے پر لمحہ بھر کو حیرت کی نرم سی لہر آئی، پھر اس نے انیلہ کے موبائل میں اپنا نمبر سیو کیا۔

وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی۔ "آج تک تمہیں دور سے ہی ہنستے بولتے دیکھا تھا، میری واقعی خواہش تھی کوئی تم سا ساتھی ملے۔"

اگلی صبح اینتھروپولوجی ڈپارٹمنٹ کا پہلا لیکچر تھی۔ طلبہ ایک ایک کر کے اندر جا رہے تھے، کلاس روم کے دروازے کے پاس معمول کا رش اور کوریڈور میں آتی جاتی آوازیں تھیں۔ مشعل اپنی نشست پر بیٹھی تھی۔ رجسٹر کھلا ہوا تھا، قلم انگلیوں کے بیچ گھوم رہا تھا۔ شمع اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی، بیگ سے بوتل نکالتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

دروازے میں اچانک ہلچل سی ہوئی۔ حماس آیا، مگر اندر آنے سے ذرا پہلے ٹھہرا، جیسے کسی کا منتظر ہو۔ اگلے ہی لمحے انیلہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی، کتابیں بازو کے ساتھ دبی ہوئیں، دوسرے ہاتھ سے اس نے حماس کا ہاتھ تھام رکھا تھا، جیسے یہ حرکت اس کے لئے فطری ہو، سوچا سمجھا اعلان نہیں۔

مشعل کی نظر بے اختیار دروازے کی سمت اٹھی، اور پھر وہیں ٹھہر گئی۔

اول دن سے حماس نے ایک روٹین سی بنا رکھی تھی۔ کلاس کے دروازے میں لمحے بھر کو ٹھہرتا اور پورے کمرے پر ایک گہری نظر دوڑاتا۔ جیسے ہی مشعل پر نظر پڑتی، اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے۔ مشعل اسے دیکھ کر مسکرا دیتی اور وہ جواباً مسکرائے بغیر خاموشی سے اپنی سیٹ کی جانب بڑھ جاتا۔

آج بس فرق اتنا سا تھا کہ وہ۔۔۔۔ اکیلا نہیں تھا۔

شمع سر اس کی طرف جھکا کر آہستہ سے بڑبڑائی۔ "زین بتا رہا تھا، یہ حماس کی گرل فرینڈ ہے، انیلہ۔ کافی دنوں سے دونوں کے بیچ کچھ چل رہا ہے۔"

کلاس میں استاد کے آنے سے پہلے کا شور ذرا سا اور بلند ہوا، کرسیوں کی گھس پٹ، سلام دُعا کی آوازیں۔ اس سب کے بیچ، دروازے کے پاس کھڑے دو جڑے ہوئے ہاتھ اور اندر دو جھکی ہوئی نظریں۔۔۔ جیسے سب کچھ معمول کے مطابق ہو، اور پھر بھی معمول سے تھوڑا سا ہٹ کر۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کے وقت 'ریور سائیڈ' کیفے میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ کھڑکی کے پار درختوں کی ٹہنیاں ہوا میں ہلکی سی جنبش کے ساتھ ہِل رہی تھیں۔ پانچوں دوست ایک گول میز کے گرد بیٹھے تھے۔ سامنے چائے، کافی اور ہلکا پھلکا ناشتہ رکھا تھا۔

زین نے چائے کی پیالی میز پر رکھ کر حماس کی طرف دیکھا۔ "یونیورسٹی کی باتیں تو روز سنتے ہیں، آج ذرا گھر والے محاذ کی خبر دو۔ اکثر بس ایک جملہ سناتے ہو کہ 'تایا مصروف ہیں، جہاز چل رہے ہیں'۔ جہاز اور ٹرک حقیقت میں کرتے کیا ہیں؟"

حماس سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "اچھا، سنو۔ بابا نے ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک بڑی خوراک بنانے والی کمپنی کے ساتھ معاہدہ کیا ہے—'نور شاہ فوڈز'۔ یہ لوگ کھانے کا تیل، گھی اور کچھ دوسری چیزیں بناتے ہیں۔ اُن کا مال دو طرح سے چلتا ہے: ایک تو پورے ملک کے اندر اور دوسرا سمندر کے راستے باہر ملکوں میں۔"

شمع نے دھیان سے پوچھا۔ "اور تمہاری کمپنی دونوں طرف کا سفر سنبھالتی ہے؟"

حماس نے سر ہلایا۔ "ہاں، ہمارے پاس اپنے بڑے ٹرک بھی ہیں، اور اپنے کنٹینر جہاز بھی۔ دادا نے جو پہلا بحری جہاز مشعل کے نام کا خریدا تھا، وہ انہی جہازوں کے بیڑے کا حصہ تھا، اس کے بعد اور جہاز بھی آ گئے۔ نور شاہ کے لیے معاملہ یوں ہے کہ جب ان کے کارخانے سے تیار تیل اور گھی نکلتا ہے، تو ہمارے ٹرک اُسے وہاں سے اٹھاتے ہیں۔ کچھ مال کراچی کے گوداموں میں جاتا ہے، کچھ اندرونِ ملک بڑے شہروں کے گوداموں تک—لاہور، فیصل آباد، پشاور وغیرہ—یہ سب ہمارے ٹرکوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ جو مال باہر ملکوں میں جانا ہو—مثلاً خلیج کے ملکوں میں—وہ بھی پہلے ہمارے ٹرک کارخانے سے کراچی کی بندرگاہ تک لاتے ہیں، وہاں ہم اپنے کنٹینروں میں لوڈ کراتے ہیں، اپنے ہی جہازوں پر لادتے ہیں اور سمندر کے راستے دوسرے ملکوں کی بندرگاہوں تک بھیجتے ہیں۔ ضرورت پڑے تو کچھ کنٹینر دوسرے جہاز رانی والوں کی سروس میں بھی جاتے ہیں، لیکن ان کا پورا بندوبست بھی ہم ہی کرتے ہیں۔ نور شاہ کو ہر موڑ پر کسی نئے آدمی سے معاملہ طے نہیں کرنا پڑتا، بس ہم سے رابطہ کرتے ہیں۔"

مہوش نے سنجیدگی سے کہا۔ "یعنی ایک ہی ہاتھ میں سارا سفر، کارخانے سے لے کر دوسرے ملک کے دروازے تک؟"

حماس نے جواب دیا۔ "بالکل، پہلے اُن کا نظام بکھرا ہوا تھا۔ اندرونِ ملک کے لیے ایک اور کمپنی، سمندر کے راستے کے لیے الگ لوگ۔ اب اُنہیں ایک ہی چین ملی ہوئی ہے۔"

زین نے پوچھا۔ "لیکن جو لوگ پہلے یہ سب سنبھالتے تھے، وہ آسانی سے سب ہاتھ سے جانے دیتے ہیں؟ اور پھر۔۔۔ بڑی کمپنی یونہی معاہدہ تو نہیں بدلتی۔"

حماس نے دھیرے سے کہا۔ "یہی تو اصل بات ہے۔ نور شاہ کئی سال سے ایک ہی لاجسٹکس کمپنی کے ساتھ تھے۔ رفتہ رفتہ اُجرت بڑھتی گئی، کچھ جگہوں پر تاخیر بھی زیادہ ہونے لگی، اندر اُن کے اپنے لوگوں کو بھی شکایتیں تھیں، مگر انہیں کوئی ایسا متبادل نہیں مل رہا تھا جو پورا نیٹ ورک ایک ساتھ اٹھا سکے۔ ہم نے اُنہیں یہ پیشکش کی کہ جو کام وہ پہلے والی کمپنی سے کرواتے رہے، ہم وہی کام مجموعی طور پر کم اُجرت پر کریں گے۔ فرض کرو، پہلے وہ ایک بڑے ٹرک کے پورے چکر—کارخانہ، گودام، شہر شہر تقسیم، واپسی—پر سو روپے دے رہے تھے، تو ہم نے کہا ہم وہی کام نوّے میں کریں گے۔ اسی طرح ایک کنٹینر کو پاکستان سے خلیج تک لے جانے کی مجموعی قیمت بھی ہم نے پہلے سے کم رکھی۔"

شمع نے براہِ راست سوال کیا۔ "نوّے میں کرو گے، پوری ذمہ داری کے ساتھ۔۔۔ تو تمہاری اپنی کمائی کہاں سے نکلے گی؟"

"یہ پہلا مرحلہ تھوڑا مشکل ہے، تایا کا اصول ہے کہ شروع میں ہم منافع کم رکھیں گے، بلکہ کہیں کہیں بس گزر بسر کے برابر، لیکن اس کے بدلے میں نور شاہ کا سارا مال ہمارے راستوں سے گزرے گا۔ جب روزانہ درجنوں ٹرک ہمارے نیٹ ورک پر چلیں گے اور جہازوں میں اُن کے کنٹینرز کی تعداد بڑھے گی، تو فی سفر خرچ نیچے آنا شروع ہو جائے گا۔ تب جا کر اسی نوّے میں ہماری کمائی نکلنے لگے گی اور آگے چل کر شرائط دوبارہ بیٹھ کر بہتر کی جا سکتی ہیں۔"

زین بولا۔ "یعنی ابھی اصل فائدہ روپے میں نہیں، اعتبار اور گرفت میں ہے؟"

حماس نے سادہ انداز میں کہا۔ "ہاں، اگر ہم نور شاہ کے لیے پورا ملک سنبھال لیں، تو باقی کمپنیاں بھی دیکھ رہی ہوں گی کہ 'یہ لوگ صرف نام کے جہاز دار نہیں، پورا انظام اُٹھاتے ہیں۔' بات صرف ایک گاہک کی نہیں، پیغام کی بھی ہے۔"

مشعل بول اٹھی۔ "تم نے پہلے کہا تھا اصل شرح اور شرائط خفیہ رکھی جا رہی ہیں۔"

"وہ اس لیے کہ اگر مارکیٹ میں یہ بات پھیل جائے کہ ہم نے اتنے کم نرخ پر ہامی بھری ہے، تو دوسری لاجسٹکس کمپنیاں فوراً جا کر نور شاہ کو کہیں گی، 'جو یہ نوّے میں کر رہے ہیں، ہم پچاسی میں کر دیں گے، اور اوپر سے فلاں سہولت بھی دیں گے۔' تب نور شاہ ہمارے سامنے بیٹھ کر ہمیں ہی ہمارے ہتھیار سے دبا سکتے ہیں کہ 'یا تو اور کم کرو، یا ہم دوسری کمپنیوں پر غور کریں گے۔ اس لیے تایا کہتے ہیں، جو تفصیلی معاہدہ ہے، اس کے اعداد و شمار اور شرائط، وہ کاغذ صرف چند لوگوں نے دیکھا ہے۔ باقی سب کو بس اتنا پتہ ہے کہ ہم اور نور شاہ اب ساتھ ہیں، اندر کی گہرائی نہیں۔ اور یہ کوئی پہلی کمپنی تو ہاتھ نہیں آئی۔ بزنس چلاتے سلطانز کو کئی سال بیت چکے ہیں۔"

مہوش نے سر ہلا کر کہا۔ "تو اب تم لوگوں کے لیے باتوں میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ معمولی سی اندر کی بات بھی اگر غلط جگہ نکل گئی تو دوسری کمپنیاں اُسی کو آلہ بنالیں گی۔"

چند لمحوں کے لیے سب خاموش ہو گئے۔ باہر سے گزرنے والی گاڑیوں کی روشنی شیشے پر لپکتی بجھتی رہی۔ پانچوں کو صاف محسوس ہو رہا تھا کہ یہ باتیں محض فخر کے لیے نہیں، ذمہ داری اور بوجھ کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

اپارٹمنٹ کی زیرِ زمین پارکنگ میں ٹھنڈی نمی اور گاڑیوں کے نیچے پھیلتی روشنیوں کا جال بچھا تھا۔

حماس نے گاڑی ریمپ سے نیچے اتاری، اپنی معمول کی جگہ پر رک کر انجن بند کیا۔ دروازہ بند کر کے چابی گھما کر جیب میں ڈالی اور آگے چل پڑا۔ شام کے اس وقت پارکنگ میں چند بکھری ہوئی گاڑیاں، کہیں کسی ٹائر کی ہلکی سی سسکاراہٹ اور دور لفٹ کی دھیمی سی گھنٹی کے سوا کوئی خاص آواز نہیں تھی۔

موڑ پر قدم رکھتے ہی اسے بائیں طرف سے کسی مدھم سی آواز کا احساس ہوا، جیسے کوئی بہت نرم سی میاؤں کر رہا ہو۔ ساتھ ہی کسی لڑکی کی ہلکی سی گھبرائی ہوئی سرگوشی سنائی دی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو ایک کونے میں سیاہ سیڈان کے نیچے جھکی ہوئی ایک لڑکی نظر آئی۔ کہنیاں فرش پر تھیں، اور ہاتھ گاڑی کے نیچے کسی چیز کو بہت احتیاط سے کھینچنے کی کوشش میں مصروف تھے۔

لڑکی جیسے خود سے بول رہی تھی۔ "آہستہ، بس تھوڑا سا اور۔۔۔" حماس نے دیکھا ایک زخمی سی بلی، جس کی ایک ٹانگ پر خون لگا ہوا تھا، سہم کر ٹائر کے ساتھ سمٹ گئی تھی۔

حماس بے اختیار اس سمت کھچا چلا گیا۔ قریب جا کر بولا۔ "مدد چاہیے؟"

لڑکی نے چونک کر سر اٹھایا، بالوں کی ایک لٹ گال سے ہٹی۔ "ہاں، اگر آپ گاڑی ذرا سا پیچھے کروا دیں تو شاید یہ باہر آ جائے۔ خود سے تو نکل نہیں پا رہی۔ دیکھیں نا، کتنا کانپ رہی ہے۔"

حماس نے فوراً ارد گرد دیکھا، سمجھ گیا کہ مالک کی غیر موجودگی میں گاڑی ہل نہیں سکتی۔ وہ جھک کر فرش کی سطح کے برابر ہو گیا اور ہاتھ آہستہ سے بلی کی طرف بڑھایا۔ حماس نے پچکار کر کہا۔ "آؤ چھوٹی۔۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔"

بلی نے پہلے گھبرا کر پھس پھس کی، پھر شاید لڑکی اور حماس کی نرم آوازوں سے کچھ حوصلہ پا کر تھوڑا سا آگے سرکی۔ حماس نے بڑی احتیاط سے اسے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، زخمی ٹانگ ہوا میں رکھتے ہوئے اسے باہر نکالا۔ لڑکی نے فوراً اپنے دوپٹے کا کونا لپیٹ کر بلی کے گرد ہلکے سے پھیرا۔ پھر فکر مندی سے بولی۔ "ٹانگ پر چوٹ لگی ہے شاید کسی گاڑی نے ہلکا سا ٹچ کیا ہو۔ اسے کسی ویٹرن کے پاس لے جانا ہو گا، ابھی فوراً۔"

حماس نے اس کے لہجے کی شدت محسوس کی، جیسے یہ بلی اسے بہت عزیز ہو۔

"میں لے چلتا ہوں، گاڑی میرے پاس ہے ابھی۔ آپ اکیلی جائیں گی تو مشکل ہو جائے گی، جگہ یہاں سے تھوڑی دور ہے۔"

وہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر مختصراً سر ہلا دیا۔ "میری گاڑی اوپر کھڑی ہے، مگر اس میں جھٹکا زیادہ لگے گا۔ آپ کے ساتھ آسانی رہے گی۔"

چند منٹ بعد وہ دونوں حماس کی گاڑی میں تھے۔ بلی پچھلی سیٹ پر لڑکی کی گود میں تھی، وہ اسے آہستہ آہستہ تھپتھپا رہی تھی۔ راستے میں حماس نے آئینے سے ان دونوں پر نظر ڈالی تو اس کے چہرے پر عجیب سی نرمی تھی۔ وہ بلی سے ایسے باتیں کر رہی تھی، جیسے کسی بچے کو منانے کی کوشش کر رہی ہو۔

حماس نے نظریں سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ آپ کی بلی ہے؟"

لڑکی مسکرائی۔ "نہیں، یہ تو ابھی ملی ہے۔ میرے گھر میں تو پہلے ہی تین بلیاں ہیں۔ جو بھی زخمی، بیمار یا اکیلی ملتی ہے، اٹھا لاتی ہوں۔ پہلے امی ڈانٹتی تھیں، اب عادت ہو گئی ہے۔"

حماس پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ "تین بلیاں؟ سب باہر ہی سے ملیں؟"

لڑکی نے کہا۔ "ہاں، ایک یونیورسٹی کی پارکنگ سے، دوسری گلی کے کونے سے اور ایک تو بارش میں بھیگتی ہوئی ملی تھی۔ میں بس۔۔۔ برداشت نہیں کر پاتی۔ مجھے لگتا ہے اگر میں نے نہ اٹھایا تو یہیں ختم ہو جائے گی۔" اس نے بلی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "ان کے لیے گھر بنا لیا ہے۔ کبھی کبھار لگتا ہے میں خود سے زیادہ انہیں جانتی ہوں۔"

گاڑی شہر کی روشن سڑکوں پر رواں تھی، مگر حماس کے لیے اس وقت سڑک سے زیادہ دلچسپ وہ نرم لہجہ تھا جس میں وہ ہر بلی کی الگ الگ کہانی سنا رہی تھی؛ کس کا نام کیا رکھا، کون سی والی کس چیز سے ڈرتی ہے، کون کس کے سامنے کھانا نہیں کھاتی۔ وہ جھک کر تفصیل سے بتا رہی تھی اور حماس کو یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے بالکل نئے زاویے سے 'محبت' کا ترجمہ کر کے سنانا شروع کر دیا ہو۔

لڑکی آہستہ سے بولی۔ "لوگ کہتے ہیں پاگل پن ہے، لیکن میرے لیے یہ معمولی سی ذمہ داری ہے۔ کسی مخلوق کو تکلیف میں دیکھ کر گزر جانا، میرے بس میں نہیں۔"

حماس نے جواب میں کچھ نہیں کہا، بس ایک نظر اس پر ڈال کر سڑک کی طرف رخ کر لیا۔ دل کے اندر کہیں ایک ہلکی سی لہر اٹھی، جیسے پھر وہی نامعلوم سا 'کچھ' جاگ رہا ہو، جسے وہ ہر بار نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

اگلی صبح جب وہ تینوں کیفے ٹیریا میں بیٹھی ریلیکس ہونے کی کوشش کر رہی تھیں، ایک بار پھر وہی موضوع چھڑ گیا۔

"کچھ دنوں سے حماس اکیلا ہی دِکھ رہا ہے، انیلہ کو نہیں دیکھا۔" مہوش نے پوچھنے کے سے انداز میں شمع کو مخاطب کیا۔

شمع نے کندھے ہلکے سے جھٹکے۔ "انیلہ سے تو اس کا تعلق ختم ہو چکا، اب سنا ہے کوئی نئی لڑکی ہے۔ زین کل بتا رہا تھا، نام نہیں بتایا۔ خود بھی تھوڑا حیران ہے۔ کہہ رہا تھا، 'یہ حماس کو اچانک کیا ہو گیا ہے، ایک کے بعد دوسرا تعلق'، سمجھ نہیں پا رہا اسے۔"

مہوش نے بھنویں سکیڑیں، خالی چائے کے کپ کو میز کی سطح پر ہلکا سا گھمایا۔ "مجھے تو ہمیشہ لگا تھا کہ وہ مشعل کو پسند کرتا ہے۔"

مشعل کی نظریں نوٹ بک پر ٹکی ہوئی تھیں، جیسے یہ گفتگو اس تک پوری نہیں پہنچ رہی ہو، پھر بھی ہر لفظ کہیں نا کہیں جا کر ٹھہر رہا تھا۔

شمع نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔"مجھے اب بھی یہی لگتا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کئی دن بعد کی رات تھی۔اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں صرف ایک گوشے کی بتی جل رہی تھی، باقی جگہ نیم اندھیرا تھا۔

حماس ابھی کتاب بند کر کے اٹھا ہی تھا کہ فون بجا۔سکرین پر 'بابا' لکھا تھا۔

حماس نے کال اٹھاتے ہی خیریت دریافت کی۔

دوسری طرف سے مانوس، تھکی ہوئی آواز آئی۔"وعلیکم السلام، حماس بیٹا۔کیا حال ہے؟پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

حماس کے لہجے میں نرمی آ گئی۔"الحمدللہ، سب ٹھیک۔اسائنمنٹ، لیکچر، کبھی کوئی اسٹڈی ٹرپ، وہی مصروفیات۔آپ سنائیں؟"

چند ہلکی پھلکی باتوں کے بعد معظم کا لہجہ بدلا۔"اچھا، اب ذرا دھیان سے ایک دو باتیں سن لو۔یہ سب اندر کی باتیں ہیں اور میں انہیں تم پر بھروسہ کر کے کہہ رہا ہوں۔اِن کا ذکر کسی دوست یا باہر والے سے نہ کرنا۔"

حماس نے فوراً سنبھل کر کہا۔"جی، بابا، آپ بے فکر رہیں۔"

معظم نے براہِ راست کہا۔"پہلی بات تو نور شاہ کے بارے میں ہے، تمہیں یاد ہے ہم نے انہیں پچھلی لاجسٹکس کمپنی سے کم اُجرت پر اپنے ساتھ ملایا تھا؟"

"جی، آپ نے بتایا تھا کہ ہم نے کام کم اُجرت پر سنبھالا، پہلے چھ مہینے کم منافع پر چلیں گے، بعد میں معاملہ برابر ہو گا۔"

معظم آہستگی سے بولے۔ "ہاں، لیکن اب اشارے مل رہے ہیں کہ ہمارے اصل نرخوں اور شرائط کی بات کہیں نا کہیں سے باہر نکلی ہے۔ نور شاہ والے کہتے ہیں کہ دوسری لاجسٹکس کمپنیاں بھی تقریباً اُسی شرح پر کام کرنے کے لیے تیار ہیں جو ہم انہیں آفر کر رہے ہیں اور ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ لمبے عرصے تک یہی کم اُجرت برداشت کریں گی۔ اگر آپ مزید نرمی نہیں دکھا سکتے، تو ہمیں دوبارہ سوچنا پڑے گا۔ کوئی دوسری کمپنی ایسی کوئی آفر کیسے کر سکتی ہے بھلا؟ یہ تو اسی صورت ممکن ہے اگر کسی نے انہیں بتایا ہو کہ ہم نے کتنا کم رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ ہمارا ان سے ابھی قانونی معاہدہ بھی نہیں ہوا تھا، ایک بار وہ ہو جاتا تو نور شاہ پلٹ نہیں سکتے تھے۔"

حماس کی پیشانی پر ہلکی سی شکن پڑ گئی۔ "یعنی۔۔۔ کسی طرح ہماری حکمتِ عملی اُن تک پہنچی ہے؟"

معظم نے صاف الفاظ میں کہا۔ "ایسا ہی لگتا ہے۔ یا تو اندر ہمارے کسی آدمی نے زبان ہلکی رکھی، یا کسی قریبی شخص نے بات وہاں پہنچائی۔ وجہ کچھ بھی ہو، نقصان ہمارا ہے۔ اب ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں: یا تو مزید کم اُجرت پر آ جائیں، جس سے بوجھ بڑھ جائے گا، یا یہ خطرہ مول لیں کہ وہ یہ بڑا معاہدہ واپس بھی لے سکتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں دباؤ ہم پر ہے۔"

حماس چند لمحے خاموش رہا، پھر دھیرے سے بولا۔ "اور دوسری بات۔۔۔؟"

معظم نے گہری سانس لے کر بات آگے بڑھائی۔ "دوسری بات ہمارے اپنے نظام کی کمزوری ہے۔ اس سال ہمارے کافی ٹرکوں کے انجن پر معمول سے زیادہ خرچ آیا ہے، مرمت، پرزے، ڈیزل، سب ملا کر۔ اوپر سے تین چار تجربہ کار ڈرائیور بہتر تنخواہوں پر بیرونِ ملک چلے گئے۔ باہر سے دیکھنے والے کے لیے سب کچھ معمول جیسا لگتا ہے—گاڑیاں سڑک پر ہیں، جہاز روانہ ہو رہے ہیں—لیکن ہمیں معلوم ہے کہ اگر اگلے دو تین مہینوں میں اچانک بہت زیادہ نیا مال اٹھانا پڑا، تو ہماری موجودہ تعداد کی گاڑیاں اور ڈرائیور فوراً اتنا بوجھ نہیں سنبھال سکیں گے۔"

حماس نے سنجیدہ انداز میں پوچھا۔ "اگر یہ بات کسی بڑی کمپنی کو معلوم ہو گئی، تو وہ کیا کریں گے؟"

معظم نے صاف بات کی۔ "وہ فوراً کسی اور مضبوط کمپنی کی طرف دیکھیں گے، وہ سوچیں گے، 'اگر یہ لوگ کمزور ہو رہے ہیں تو ہمارا مال بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے، ہم متبادل تلاش کرتے ہیں'۔ دوسری لاجسٹکس کمپنیاں ہمیشہ تیار بیٹھی ہوتی ہیں کہ کسی کے کمزور پڑنے پر اُس کے گاہکوں کو اپنی طرف کھینچ لیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ اندر کی ایسی باتیں کسی کے کان تک پہنچیں، نہ کسی گاہک تک، نہ ہی کسی حریف تک۔"

"تو اس وقت آپ کے کاندھوں پر دوہرا بوجھ ہے—ایک طرف نور شاہ کے معاہدے کا دباؤ، دوسری طرف اندرونی کمزوریوں کا۔"

معظم نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہاں، اسی لیے تم سے کہہ رہا ہوں، بیٹا، کاروبار کی بعض باتیں صرف دفتر کی دیواروں کے اندر اور گھر کے چند لوگوں تک محدود رہنی ضروری ہیں۔ ہر بات دوستوں کی محفل میں بانٹنے کے لیے نہیں ہوتی۔ بعض لفظ اگر غلط جگہ نکل جائیں تو برسوں کی بنیادیں ایک جملے سے ہل سکتی ہیں۔"

حماس نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "سمجھ گیا، بابا۔ جو آپ نے ابھی بتایا، وہ میرے اور آپ کے درمیان ہی رہے گا۔"

فون بند ہوا تو وہ کچھ دیر شیشے کی دیوار کے سامنے کھڑا رہا۔ ذہن میں نور شاہ کا نام، ٹرک، بحری جہاز، اور تایا کے جملے گھومنے لگے۔ چند دن پہلے کی شام یاد آئی جب وہ کیفے میں بیٹھ کر یہی باتیں ہلکے پھلکے انداز میں سنا رہا تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اُس وقت کہی گئی باتیں کہاں تک پہنچی ہیں، یا کون کس سے کیا سن کر کس طرف پہنچا چکا ہے۔ حماس نے پہلی بار محسوس کیا کہ جہازوں اور ٹرکوں کی دنیا میں الفاظ بھی ایک طرح کا سامان ہوتے ہیں، جو غلط ہاتھوں میں چلے جائیں تو بوجھ بن جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے بارہ بجنے کو تھے۔ لاؤنج کی چھت سے فرش تک پھیلی شیشے کی دیوار کے ایک حصے میں سلائیڈنگ گلاس پینل تھا، جس کے اُس پار چھوٹی سی بالکونی اور نیچے پورا شہر جگمگا رہا تھا۔ سڑکوں پر ہیڈلائٹس کی باریک لکیریں رینگ رہی تھیں، کہیں دور سے رکشے کا مدھم شور سنائی دیا، باقی سب نسبتاً خاموش تھا۔

حماس شیشے کے اس پینل کو آدھا کھول کر بالکونی کے لوہے کی ریلنگ کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں پتلے لمبے گلاس میں ریڈ وائن تھی جس کی سطح پر روشنی لرز رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کے ساتھ شراب کی بو اور شہر کی نمی ملی جلی محسوس ہو رہی تھی، مگر اس کی نظر کہیں اور ہی الجھی ہوئی تھی۔

عقب سے نرم موسیقی کی آواز ذرا سی بلند ہوئی۔

اگلے ہی لمحے شیشے کے پینل سے ثمرہ باہر آگئی۔ڈھیلی سی ٹی شرٹ، جینز، کھلے بال۔دو انگلیوں میں گلاس کو کچھ یوں تھامے ہوئے جیسے روزمرہ کا معمول ہو۔ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر بالکونی کی ریلنگ کے ساتھ نیم تکیہ لگا کر کھڑی ہو گئی۔

نیچے سے گزرتی گاڑی کی روشنی لمحہ بھر کو ان دونوں کے چہروں پر پڑی، پھر واپس اندھیرے میں گم ہو گئی۔

ثمرہ نے گلاس گھماتے ہوئے کہا۔"آج تم غیر معمولی حد تک 'بند کتاب' لگ رہے ہو، دو گھونٹ میں عام لوگ ہنسنے لگتے ہیں، تم خاموش ہو جاتے ہو۔"

حماس نے ہلکی سی سانس لے کر ایک گھونٹ لیا، پھر گلاس ریلنگ پر ٹکا دیا۔"کبھی کبھی۔۔۔بس تھکن سی محسوس ہوتی ہے۔سوالوں کی، جوابوں کی، اور کچھ ایسی باتوں کی بھی جن کا جواب شاید کسی کے پاس نہیں ہوتا۔"

ثمرہ نے مسکراتے ہوئے کندھے اچکائے اور کہا۔"تو پھر سوال کم کر دو، جواب نہیں ملتے تو چھوڑ دو۔زندگی کو اتنا بھی سیریس لینے کی کیا ضرورت ہے؟"وہ ایک آدھ قدم اس کے قریب ہو کر کھڑی ہو گئی، بالکونی کی تنگ جگہ میں فاصلہ خود بخود کم ہو گیا۔"ساری دنیا ڈرامہ ہے، ہم تھوڑا سا انجوائے کر کے اگلا سین پکڑ سکتے ہیں۔"

وہ یہ کہہ کر ہنسی، پھر گلاس دوسرے ہاتھ میں لیتے ہوئے اپنا خالی ہاتھ دھیرے دھیرے حماس کی کلائی کی طرف بڑھانے لگی۔

اسی لمحے حماس کے ذہن میں ایک اور تصویر پوری شدت سے روشن ہو گئی۔ زین کے گھر کی چھت، فائر ورکس، مشعل کا ان لمحات کو کھو دینے کا ڈر—وہ سب کچھ اچانک ایک ساتھ لوٹ آیا تھا۔

اس رات ڈائری میں کیا لکھا تھا؟ اس نے ذہن پر زور ڈالنے کی کوشش کی۔ جیسے لفظ بہ لفظ اپنی یاداشت میں دہرانا، اس لمحے بہت اہم ہو گیا ہو۔

بالکونی کی ٹھنڈی ہوا ایکا یک اس کے لیے بہت بھاری ہو گئی۔ ثمرہ کی انگلیاں اس کی کلائی تک پہنچنے ہی والی تھیں کہ حماس نے صاف انداز میں ایک قدم پیچھے ہٹ کر فاصلہ بڑھا دیا۔ نظر سیدھی شیشے کی دیوار کے پار لاؤنج کی طرف موڑ لی۔ "سنو۔۔۔ میں شاید آج کچھ عجیب سا محسوس کر رہا ہوں، میری کسی بات کا برا نہ منانا۔"

ثمرہ نے ایک پل کو اسے غور سے دیکھا، پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔ شوخی سے انگلی اس کی سمت اٹھائی۔ "اوہ، ڈرامیٹک بوائے! ٹھیک ہے، کوئی بات نہیں۔ ہر کسی کی ایک 'بیک اسٹوری' ہوتی ہے۔ تمہاری تھوڑی لمبی ہے، نو پرابلم۔"

وہ ذرا سا پیچھے ہوئی، ریلنگ سے ٹیک بدل کر گلاس سے لمبا سا گھونٹ لیا۔ پھر ہنستے ہوئے گلاس ہوا میں ہلکا سا لہرا کر کہا۔ "ریلیکس، میں کوئی روایتی سیریس ہیروئن نہیں ہوں کہ اب روٹھ جاؤں گی۔"

حماس مسکرایا۔ "تم اچھی ہو ثمرہ، بہت اچھی۔"

وہ شیشے کے پینل کی طرف چل دی، دروازہ آدھا کھلا چھوڑ دیا، اندر جا کر موسیقی کا والیم ذرا سا بڑھایا اور لاپروا انداز میں اندر کہیں گم ہو گئی۔ جیسے بات کو وہیں چھوڑ دینا اس کے لیے معمولی سی بات ہو۔

بالکونی میں اب صرف حماس اور شہر کی جگ مگ کرتی روشنیاں رہ گئیں۔ نیچے سڑک پر سے گزرتی ہوئی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نے لمحہ بھر کو اس کے چہرے کو روشن کیا، آنکھوں میں کہیں چھپی ہوئی نمی کی ہلکی سی لکیر جھلکی، پھر اندھیرا واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بارش ابھی ابھی تھمی تھی۔ شمع گیٹ سے اندر آئی تو اندرونی لان میں ایک بڑا سا گہرے نیلے رنگ کا سوٹ کیس اور ہاتھ کے چمڑے کا بیگ رکھا تھا، جن پر نمی کی چھوٹی چھوٹی بوندیں جمی ہوئی تھیں۔ وہ گھر کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئی۔

سیڑھیوں کے پاس ملازم کسی سے گھبرا کر 'جی بی بی، ابھی کرتا ہوں' کی رٹ لگا رہا تھا اور اوپر سے کومل کی سرد آواز آ رہی تھی۔

گفتگو سمٹی تو شمع نے ملازم کو پلٹتے ہوئے دیکھا۔

شمع نے کندھے سے بیگ سرکاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

ملازم نے دو بار پلکیں جھپکیں، پھر بولا۔ "باجی، کومل بی بی کے کزن آئے ہیں، اُن کے کمرے میں سامان رکھنا تھا۔ میں دیر کر گیا، بس اسی پر ناراضی ہے۔"

اسی لمحے اوپر کی منزل سے تیز قدموں کی آواز آئی۔ شمع نے سر اٹھایا۔ سیڑھیوں کے موڑ پر ایک اجنبی مرد نمودار ہوا۔ نیوی بلیو جینز، نفیس سی سفید ڈریس شرٹ، بازو میں پینٹ کا ہم رنگ بلیزر ڈالے ہوئے، پاؤں میں سفید چمڑے کے بوٹ اور ہاتھ میں فون جس پر وہ بلند آواز میں کسی سے کہہ رہا تھا۔

ارے، میں نے کہا تھا، چاہے جہاز لیٹ ہو، میں ادھر پہلے پہنچ جاؤں گا۔۔۔ہاں، لاہور آ گیا ہوں۔ باقی "
"داستان بعد میں، ابھی تو میں فوجی علاقے میں داخل ہو چکا ہوں۔

یہ آخری جملہ اُس نے ہنستے ہوئے اردو میں کہا اور فون بند کر دیا۔ سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہوئے نظر شمع سے ٹکرائی۔

حسن نے آخری دو سیڑھیاں ایک جست میں اترتے ہوئے کہا۔ "اوہ، تو یہ ہیں ہماری مشہورِ زمانہ، شمع؟ یا میں غلط دروازے پر آ گیا ہوں؟"

"آپ غالباً حسن ہیں؟"

حسن ہلکا سا مسکرایا۔ "ہاں، ابھی تک تو ہوں۔ کل کیا ہوں گا، وہ کومل طے کرے گی۔" پھر ذرا آگے بڑھ کر رسمی انداز میں بولا۔ "حسن، کومل کی پھوپھی کا بیٹا۔"

کومل اتنے میں اوپر سے نیچے آتی دکھائی دی۔ "شمع، یہ حسن ہے، میرا کزن۔ کچھ ہفتے یہاں رہے گا، کام کے سلسلے میں آیا ہے۔"

حسن نے کندھا ہلکا سا جھٹکا۔ "تمہارا کزن ہوتے ہوئے بھی میں شمع کو اپنے آس پاس پہلی بار دکھائی دے رہا ہوں، اس کی کچھ تو وضاحت ہو۔" اس لمحے شمع نے کومل کے چہرے پر سایہ سا لہراتے دیکھا۔ حسن اب شمع کی جانب رخ کیے اس سے مخاطب تھا۔ "تمہیں تجسس تو ہو گا۔ نہ شادی پر ہماری فیملی دکھائی دی، نہ ہی بیتے سالوں میں کوئی ہمارے ہاں سے یہاں آیا۔"

"حسن!" کومل کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔ "اسے کچھ جاننا ہو گا تو پوچھ لے گی۔ ویسے بھی اسے میرے رشتہ داروں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔"

"اوہ ہاں، میں تو بھول ہی گیا۔" اس نے جیسے دونوں پر ایک جتاتی ہوئی نگاہ ڈالتے، چٹخارہ لیا۔ "یہ تمہاری سوتیلی بیٹی ہے۔" پھر اُس نے شمع کی طرف مڑ کر کہا۔ "تمہاری 'سٹیپ مدر'۔۔۔ معاف کرنا، تمہاری کومل نے میری تعریف میں صرف دو جملے کبھی بولے تھے: 'یہ لڑکا شور بہت مچاتا ہے اور کپڑوں پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرتا ہے'۔ فی الحال تمہیں کون سی بات زیادہ سچی لگ رہی ہے؟"

شمع کے لبوں پر دبی دبی سی مسکراہٹ آگئی۔ "ابھی تو شور بھی قابو میں ہے، کپڑے بھی۔ فیصلہ اتنی جلدی کرنا ناانصافی ہو گا۔"

حسن نے دلچسپی سے ایک پل کو اُسے دیکھا۔ "واہ۔۔۔ تم نے فوراً 'فائدۂ شک' دے دیا، جبکہ یہاں کچھ لوگ دس سال میں بھی نہیں دیتے۔" اُس نے سر ذرا سا موڑ کر کومل کی طرف اشارہ کیا، پھر فوراً بات بدلی۔ حسن نے کہا "سٹوڈنٹ ہو، غالباً۔ کیا پڑھتی ہو؟"

شمع نے مختصر جواب دیا۔ "انسانوں کے بارے میں، سماج، رشتے، طاقت وغیرہ۔۔۔ بشریات۔"

حسن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یعنی تم پیشہ ورانہ طور پر لوگوں کو پڑھتی بھی ہو، اچھا ہے، پھر تو مجھے ذرا محتاط رہنا پڑے گا۔ کوئی فضول بات منہ سے نکلی تو تم اگلے دن پوری رپورٹ بنا کر کہہ دو گی کہ 'یہ شخص اندر سے یہ ہے'۔"

کومل نے بیچ میں بات کاٹی۔ "حسن، تم ذرا تازہ ہو لو، اوپر کمرہ تیار ہے۔ فارغ ہو کر نیچے آ جانا۔"

حسن نے جاتے ہوئے بھی شمع پر آخری فقرہ کسا۔ "امریکہ سے آیا ہوں، مریخ سے نہیں، اتنی حیرت سے مت دیکھو۔"

وہ سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔ جاتے ہوئے اُس کی صاف ستھری گردن، سحر انگیز شخصیت اور لاابالی چال سب ایک ساتھ نظر میں سمٹ گئے۔

حسن غائب ہو گیا، لیکن اُس کے جملوں اور انداز کا تاثر نیچے کھڑی شمع کے ذہن میں تازہ رہ گیا۔ یہ آدمی دیکھنے میں بہت نفیس سا لگ رہا تھا: کلین شیوڈ چہرے کے پیچھے تیز زبان، مہنگے شوق اور جانے کتنی ان کہی باتیں۔۔۔ اور اب وہ انہی دیواروں کے اندر رہنے والا تھا، جہاں پہلے ہی رشتوں کی گرہیں پوری طرح کھل نہیں پائی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کافی ہو چکی تھی۔ شمع سیڑھیوں سے اوپر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ سرگوشی کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔ ٹیرس کی طرف جانے والے دروازے کے شیشے سے ملگجی سی روشنی جھانک رہی تھی۔

اس نے دھیان سے دیکھا، دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ باہر سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا اور ساتھ کسی ہلکی سی ہنسی کی گونج، جیسے کوئی خود ہی اپنی بات پر مسکرایا ہو۔ شمع بے اختیار دو قدم آگے بڑھی اور آہستگی سے دروازہ دھکیل کر باہر نکل آئی۔

یہاں صرف ایک دیوار گیر لائٹ جل رہی تھی۔ حسن ریلنگ کے ساتھ آدھی ٹیک لگائے، موبائل پینٹ کی جیب میں اڑس رہا تھا، ہاتھ میں چائے کا مگ، نظریں دور کینٹ کی سڑکوں کی طرف۔ اس نے قدموں کی

آہٹ پر ذرا سا مڑ کر دیکھا۔ شمع کو دیکھ کر وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "اوہ، پروفیسر صاحبہ۔ کمرے کی کتابوں سے فرار حاصل کرنے یہاں آئی ہو یا میں نے شور مچایا ہے؟"

شمع دیوار کے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ "کتابوں سے فرار لینے کے لیے تو چھت ہی سب سے اچھی جگہ ہے۔ آپ کبھی پاکستان میں بھی رہے؟"

حسن نے مگ سے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "میں یہیں رہتا تھا، کم از کم خود سے یہی کہہ کر واپس آیا ہوں۔"

شمع نے ابرو ہلکی سی اٹھائی۔ "آپ یہاں رہتے تھے؟ کب؟"

ہمیشہ سے۔ ماں باپ امریکہ شفٹ ہوئے تو مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ تب میری عمر دس سال تھی، میرا بڑا بھائی پندرہ سال کا تھا۔ وہ وہاں بہت خوش تھا، میں نہیں۔"

پہلے پہل انہی کے ساتھ وہاں سیٹل ہونے کی کوشش کی، نہیں ہو پایا۔ پھر بے حد ضد کرنے پر مجھے یہاں پاکستان چھوڑ دیا گیا، دادا دادی کے پاس۔ ہمارا گھر اسی علاقے میں تھا۔ صبح اسکول، شام کو یہیں کزنز کے ساتھ شور، دادا کی سختی، دادی کی کہانیاں۔۔۔ بہت عام سی، بہت اچھی زندگی تھی۔"

شمع خاموش رہی۔ اُس نے سوال نہیں کیا، بس ایک نظر اُس پر ڈالی کہ بات خود بخود آگے بڑھے۔

حسن نے خود ہی اگلا جملہ اٹھایا۔ "جب دادا دادی دونوں نہ رہے تو مجھے بھی ڈاکٹروں کے پاس امریکہ ہی جانا پڑا۔" ہونٹوں پر مسکراہٹ پل بھر کو نمودار ہو کر معدوم ہو گئی۔ "والدین دونوں ہارٹ سپیشلسٹ ہیں لیکن بس۔۔۔ دل چیرنے کی حد تک۔"

شمع خاموش رہی، وہ جانتی تھی بعض اوقات بولنے والا صرف اتنا ہی چاہتا ہے کہ اسے سنا جائے، بنا ٹوکے، کوئی سوال کیے۔

"میری دنیا تو وہ گھر، وہ دو بزرگ ہی تھے۔ وہ نہ رہے تو میں پاکستان میں رہ کر کیا کرتا۔" وہ لمحہ بھر کو رکا، پھر بولا۔ "دادا دادی گئے، تو مجھے بھی جانا پڑا۔ جیسے جڑ کٹ جائے تو درخت کو کہیں اور لگا دیا جائے۔ امی ابو بہت اچھے لوگ ہیں، تمہاری زبان میں، فرض شناس، محنتی، اور مہذب۔ مگر اُن کی زندگی ایک سیدھی لائن ہے: اسپتال، گھر، سونا، پھر اسپتال۔ دل کے آپریشن میں شاید کوئی تھرل ہو، باقی زندگی میں کچھ نہیں۔"

"تو آپ وہاں جا کر کیا بنے؟"

حسن نے کندھے ہلائے۔ "وہاں جا کر میں نے وہ سب کیا، جو یہاں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آزاد ہوا تو آزادی مطلب میں 'پارٹی بوائے' تھا۔ امی ابو جب کو پورا استعمال کیا۔ دن میں کلاسیں، رات میں دوست، موسیقی، رات کے وقت گھر آتے تو میں اکثر جا چکا ہوتا، فجر کے وقت لوٹتا تھا۔ ان کے لیے میں وہی اچھا بچہ تھا، جس کے گریڈز اچھے آتے ہیں، بس گھر میں کم نظر آتا ہے۔ جو ماں باپ خود گھر میں کم ہی رہتے ہوں انہیں بھلا کسی کی کیا کمی محسوس ہو گی؟"

شمع نے براہِ راست سوال کیا۔ "تب آپ کے ساتھ کون تھا؟ دوست؟ گرل فرینڈز؟"

حسن نے سر ذرا سا پیچھے جھٹک کر کہا۔ "سب کچھ۔ دوست تھے، چند سچے، زیادہ تر وقتی۔ رشتے بھی تھے، کچھ مہینوں کے، کچھ ہفتوں کے۔ شہر مہنگا تھا، میں بھی مہنگی زندگی میں بہہ گیا۔ اچھے کپڑے، نفیس ریسٹورنٹس، قیمتی گاڑیاں۔۔۔ اندر سے خالی ہو تو آدمی باہر کی چیزوں کو بہت سنجیدگی سے لینے لگتا ہے۔"

کچھ دیر ان دونوں کے بیچ خاموشی چھائی رہی۔

شمع نے آخر کار کہا۔ "اب آپ پاکستان۔۔۔اپنی کزن کے ہاں آئے ہیں۔"

حسن نے مختصر جواب دیا۔ "ہاں، فرق بس یہ ہے کہ تب میں دادا دادی کے سائے میں تھا، اب کو مل کے قوانین کے نیچے ہوں۔" پھر کچھ سوچ کر رکا۔ "اور تم؟ تمہیں یہ سب سن کر کیا خیال آرہا ہے؟ اینتھروپولوجی والی شمع ابھی مجھ پر کیا لیبل لگا رہی ہے؟"

شمع نے سیدھے سادے انداز میں کہا۔ "فی الحال تو یہی کہ آپ کتاب کے پہلے باب کی طرح ہیں: شروع میں تھوڑا شور، تھوڑا دلچسپ، اور کہیں کہیں خالی جگہیں۔ جن پر ابھی لکھا جانا باقی ہے۔"

حسن نے جاتے ہوئے بس اتنا کہا۔ "چلو، پہلی ملاقات میں اتنا کافی ہے۔ تم نے بھی مجھے آدھا پڑھ لیا، میں نے بھی تمہاری ایک لائن محفوظ کر لی۔ باقی باب بعد میں کھلیں گے۔"

وہ اندر کی طرف مڑ گیا۔ شمع نے چند لمحے ریلنگ کے ساتھ کھڑے ہو کر نیچے سڑک پر بہتی روشنیوں کو دیکھا۔ اُس کے ذہن میں حسن کی باتیں اور انداز ایک ساتھ گونج رہے تھے۔ دل میں ایک عجیب سی دل چسپی ضرور جاگی تھی—جیسے کسی پیچیدہ کردار کو پہلی بار زندہ روپ میں سامنے دیکھ لیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

تُو بے قرار ہے تو میّسر سکوں مجھے بھی نہیں

یہ جشنِ مصلحت، میری ذات کی تردید ہے

ریسٹورنٹ کی زرد، نرم روشنیوں میں سب کے چہروں پر ہلکی سی سنہری تہہ چڑھی ہوئی تھی۔

گول میز پر ترتیب سے رکھی نفیس کراکری تھی، اور سینٹر میں درمیانے سائز کا کیک، جس پر 'ہیپی برتھ ڈے رمشہ' لکھا تھا۔ کشادہ کھڑکی کے شیشے میں اندر کا ہنگامہ اور باہر کی بھیگی سڑک، دونوں ایک ساتھ جھلملاتے دکھائی دے رہے تھے۔

رمشہ حماس کے دائیں جانب بیٹھی تھی۔ گہرا سبز لباس، ہلکی سی لپ اسٹک، کانوں میں چھوٹے سے اسٹڈ، اور ہاتھ میں فون تھا جس سے وہ بار بار تصویریں کھینچ رہی تھی۔ کبھی کیک کے قریب، سب کے ساتھ، کبھی صرف خود کی۔

شمع، مشعل، مہوش اور زین بھی ساتھ تھے، سب کسی نا کسی جملے پر ہنس رہے تھے۔

حماس نے باہر شیشے کے پار سڑک کی طرف دیکھا، پھر غیر شعوری طور پر نگاہ مشعل کی طرف مڑ گئی۔ وہ اس کے سامنے والی طرف بیٹھی تھی، زبردستی سیدھا بیٹھنے کی کوشش میں۔ آنکھوں کے نیچے ہلکا سا گہرا حلقہ، مسکراہٹ کچھ زیادہ ترتیب دی ہوئی، جیسے چہرے پر خود ہاتھ سے بنا کر رکھی ہو۔

زین نے کوئی بے تکی سی بات سنائی، سب قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ رمشہ نے تو باقاعدہ تھپکی دے کر میز بجائی لیکن حماس اندر سے عجیب سی بے چینی کا شکار تھا، جیسے دل کے پیچھے مضبوط ہاتھوں سے کوئی رسی کھینچ رہا ہو۔

حماس نے گردن کے پاس ہاتھ لے جا کر کالر ہلکا سا ڈھیلا کیا۔ رُوئی جیسے نرم کپڑے میں بھی اسے گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے گلاس سے پانی کا لمبا گھونٹ لیا، ٹھنڈا پانی حلق سے نیچے گیا، لیکن سینے کی سلگن میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

رمشہ نے زیرِلب مسکرا کر اس کے بازو کو کہنی سے ہلکا سا ٹچ کیا۔ "کیا ہوا؟ تم تو آج کے مرکزی ہیرو ہو، اور مرکزی ہیرو سب سے کم خوش لگ رہا ہے۔"

حماس نے فوراً چہرے پر مسکراہٹ چڑھائی۔ "نہیں، سب ٹھیک ہے۔ بس۔۔۔ دن ذرا لمبا تھا۔"

کیک کاٹنے کا وقت آیا۔ روشنی تھوڑی مدھم ہوئی، سب نے 'ہیپی برتھ ڈے' کا بے سُرا کورس شروع کر دیا۔ رمشہ نے خواہش مانگی، آنکھیں بند کیں، موم بتی بجھائی، تالیوں کی آواز گونجی۔ پہلا کیک کا پیس اس نے حماس کی طرف بڑھایا۔

شمع نے کسی بات پر ہنستے ہوئے مشعل کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ "کیسا محسوس کر رہی ہو؟ رکنا ہے یا چلیں؟"

مشعل نے فوراً جواب دیا۔ "میں ٹھیک ہوں۔" پھر خود کو سنبھالنے کی غرض سے پانی کا گلاس منہ سے لگایا۔

حماس اچانک کرسی سے اٹھا۔ "میں ذرا واش روم سے ہو آؤں۔" کسی کا جواب سنے بغیر وہ ریسٹورنٹ کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر اس نے دو تین بار ٹھنڈا پانی چہرے پر چھڑکا۔ آنکھوں کے نیچے ہلکی سی سوجن، بھنچے ہوئے ہونٹ۔ اس نے خود سے نظریں ملانے کی کوشش کی لیکن آئینہ بھی جیسے کوئی سوال پوچھ رہا تھا، جس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ سنک پر ہاتھ ٹکاتے وہ ہلکا سا جھکا۔ گہرے سانس لیے۔ پھر سیدھا ہوتے شرٹ کے دو اوپری بٹن کھول دیے۔ عجیب سی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ میز کی طرف لوٹ آیا۔

اس کے واپس آنے تک مشعل نے چہرے پر ہلکی سی نئی مسکراہٹ چڑھالی تھی، جیسے درمیان کے چند منٹوں میں خود کو اندر سے ڈانٹ کر دوبارہ تیار کیا ہو۔ وہ دل ہی دل میں جا گزیں دکھ کو کسی محفوظ دراز میں ڈال چکی تھی، جہاں سے باہر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ بس ایک بات پہلی بار اس کے لیے مشکل تھی: وہ ہمیشہ دور سے اسے کسی اور کے ساتھ دیکھتی آئی تھی، آج وہ خود اس 'دوسری' کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ فاصلے نے جو دکھ نرم کیا تھا، قربت نے اسے گہرائی بخشی مگر اسے پھر بھی ہنسنا تھا، بولنا تھا، یوں بیٹھے رہنا تھا جیسے سب کچھ بالکل ٹھیک ہو۔

رات گہری ہوئی، لوگ کم ہوئے، ریسٹورنٹ کا شور مدھم پڑ گیا۔ بل آ گیا، سب ایک ایک کر کے اٹھنے لگے۔ رمشہ نے حماس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "چلو، میں بھی نکلتی ہوں۔ تھینکس فار دِس، بہت مزا آیا۔"

ویک اینڈ تھا، مشعل اور مہوش اس بار شمع کے ہاں ٹھہری ہوئی تھیں۔ انہیں شمع کے ساتھ ہی جانا تھا، سوتینوں بروقت نکل گئیں۔ ریسٹورنٹ کے اندر بڑے گول میز کے پاس صرف دو لوگ رہ گئے: حماس اور زین۔

زین نے اگلا گھونٹ لیے بغیر گلاس میز پر رکھا اور حماس کو غور سے دیکھا۔ "اب بتاؤ، مسئلہ کیا ہے؟ آج سارا وقت یوں لگ رہا تھا جیسے تم خود بھی اس پارٹی میں مہمان ہو۔ وہ بھی جسے زبردستی پکڑ کر بٹھا دیا گیا ہو۔"

حماس نے کندھے اچکائے، کرسی سے پیچھے ٹیک لگا کر چھت کی طرف دیکھا۔ "مجھے خود نہیں معلوم، کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے۔ اندر سے عجیب سی بے چینی۔ وجہ نہیں ہوتی، صرف کیفیت ہوتی ہے۔"

زین نے کچھ لمحے اسے دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔ "یہ تمہاری چوتھی گرل فرینڈ ہے، حماس۔ ایک سال میں چار لڑکیاں؟ تمہیں نہیں لگتا رفتار تھوڑی تیز ہو گئی ہے؟"

حماس کا چہرہ ساکت سا ہو گیا۔ چند ثانیے وہ خاموش رہا، پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔

زین نے انگلیوں سے میز پر ہلکی ہلکی تھاپ دی، سادہ سے لہجے میں بولا۔ "رمشہ کی آنکھیں پسند ہیں۔ ہے نا؟"

حماس اسے حیرت سے دیکھتا، آگے کو جھکا۔ "تمہیں کیسے معلوم؟"

زین نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کی آنکھیں مشعل جیسی ہیں۔"

حماس چند لمحے صرف اسے دیکھتا رہا، جیسے تصدیق کرانا چاہتا ہو کہ زین نے واقعی وہی کہا ہے، جو وہ سن چکا ہے۔

زین نے گہری سانس لی، بات کو ادھورا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ "کیا ہوا؟ مجھے لگا، تم جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو۔"

حماس تلخی سے ہنس دیا۔ "آج تم نے بکواس کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔"

زین نے کرسی پر آگے کو جھک کر کہنی میز پر ٹکائی۔ "چونکہ تم ایک ایسی قسم اٹھا چکے ہو، جو تم سے کسی نے نہیں اٹھوائی 'مشعل سے دور ہی رہنا ہے، وہ بہتر ڈیزرو کرتی ہے'۔ وہ اب باقاعدہ اس کی نقل اتار رہا تھا۔ "تم اسے دوسروں میں ڈھونڈنے لگے ہو۔"

"میں تو کیا، کوئی بھی اس وقت تمہاری عقل سے پیدل باتیں سن لے تو تم پر ہنسے۔"

"تو ہنسو نا۔ اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے تمہیں؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"صاف کہو، کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔"

"کسی کا انداز، باتیں، کبھی آنکھیں۔ جہاں تمہیں مشعل کی کوئی جھلک دکھائی دیتی ہے، تم اسی طرف بڑھنے لگتے ہو۔"

"میں اب اس کی کمپنی ایوائڈ کرتا ہوں۔"

"وہی تو۔" زین نے میز کی سطح پر ہاتھ مارا۔ "وہ نہیں، تو اس جیسا کوئی اور سہی!"

حماس نے ہونٹ بھینچ کر ہلکا سا سر جھٹکا۔ "تم ضرورت سے زیادہ رومان پسند ہو، زین۔ ہر چیز میں کہانی ڈھونڈ لیتے ہو۔ کبھی کبھی چیزیں اتنی گہری نہیں ہوتیں جتنی تم بنا دیتے ہو۔"

زین نے جواب نہیں دیا۔

ریسٹورنٹ کی مدھم ہوتی بتیوں کے نیچے، آدھی خالی میز کے ساتھ، دو دوست خاموش بیٹھے رہے۔ باہر شیشے کے پار، سڑک پر دور جاتے ہوئے کسی سفید گاڑی کی پشت پر لگی روشنیوں کی سرخ لکیر ٹمٹماتی ہوئی غائب ہو گئی، جیسے کسی کہانی کا ایک منظر ختم ہوا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کے مرکزی گراؤنڈ میں گھاس پر سب نے گول دائرہ بنا رکھا تھا۔ بیچ میں چپس، کولڈ ڈرنکس اور کتابوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر پڑا تھا، جیسے پڑھائی اور فراغت کو ایک ساتھ ملا دیا گیا ہو۔ زین حسبِ معمول کوئی فالتو لطیفہ سنا رہا تھا، شمع اونچی آواز میں ہنس رہی تھی، جبکہ مہوش موبائل سے تصاویر کھینچ کر سب کو دکھا رہی تھی۔

رمشہ حماس کے بازو سے لگی ہوئی بیٹھی تھی، جینز اور چٹخدار قمیض میں ملبوس، ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کا کین لیے۔ باتوں کے دوران وہ کبھی کبھار حماس کے بازو پر انگلیوں سے چھوٹے دائرے بنا دیتی، جیسے غیر شعوری طور پر اپنا قبضہ جما رہی ہو۔

مشعل دائرے کے دوسرے سرے پر مہوش کے قریب بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے نوٹ پیڈ کھلا پڑا تھا، جس پر کچھ پوائنٹس لکھے ہوئے تھے، اور قلم اس کی انگلیوں میں گھوم رہا تھا۔ دن بھر کی تھکن، پچھلی رات کی کم نیند اور اندر کا مسلسل کھنچاؤ، سب نے مل کر اس کے چہرے کو زردی بخشی، جسے میک اپ بھی مکمل نہ چھپا سکا۔

زین نے حماس کو کہنی ماری۔

"سُنو، اگلا سوال تمہاری ساتھی سے: اگر دنیا میں صرف ایک آئس کریم بچے، تو کس کے ساتھ بانٹو گی؟"

رمشہ نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"آئس کریم کے ساتھ تو وفاداری ممکن ہے، لڑکوں کے ساتھ نہیں، سو میں تو وہ اکیلے کھالوں گی!"

سب ہنس پڑے، شمع نے تالیاں بجائیں اور مہوش نے 'واہ واہ' کہہ کر مذاق بڑھایا۔

حماس مسکرایا، لیکن اس کی نظر ایک پل کو مشعل پر رک گئی۔ مشعل کی ہنسی آدھی تھی۔ وہ اچانک ہاتھ منہ کے پاس لے گئی، سانس سیدھی کرنے کی کوشش میں، پھر نوٹ پیڈ بند کر کے پیچھے ہٹی۔ حماس کو اچانک اپنا سر اندر سے بوجھل سا محسوس ہوا۔

مہوش نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں، بس تھوڑا سر بھاری لگ رہا ہے، شاید دھوپ کی وجہ سے۔"

اٹھتے ہوئے ہاتھ گھاس پر لڑکھڑا گیا، آنکھوں کے سامنے سب دھندلا گیا، دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔

مشعل نے بغیر کسی سے مخاطب ہوئے کہا۔

"میں ذرا پانی لے آؤں۔"

وہ واٹر کولر کی طرف چل پڑی، جبکہ زین نیا سوال سوچ رہا تھا، رمشہ کولڈ ڈرنک پی رہی تھی اور شمع، مہوش سے باتیں کر رہی تھیں۔ کسی نے مشعل کی کیفیت پر فوراً توجہ نہ دی، سوائے حماس کے۔

حماس نے دیکھا کہ مشعل کے قدم ڈگمگا رہے ہیں، ہاتھ پیشانی پر ہے۔ رمشہ کی باتیں پس منظر میں چلی گئیں۔

حماس نے مختصر کہا۔

"میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ تیزی سے مشعل کی طرف بڑھا۔ واٹر کولر کے سامنے کھڑی مشعل، گلاس میں پانی بھر رہی تھی، ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ ایک گھونٹ لینے کے بعد اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔

حماس نے قریب سے کرسی لا کر رکھ دی۔

"یہاں بیٹھو۔"

وہ بیٹھی، حماس نیچے فرش پر دوزانو بیٹھ گیا۔

مشعل نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں ہر بات اتنی سیریس لینے کی عادت کیوں ہے؟ بس تھوڑا لو بی پی ہو گیا ہو گا، کچھ نہیں۔"

حماس نے جیب سے منٹ ٹافی نکالی۔ "یہ لے لو۔ اور دو منٹ کے لیے بات نہ کرنا، بس سانس سیدھی کرو۔"

وہ اس کے چہرے کو متجسس نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ شمع اور مہوش دوڑ کر آئیں؛ مہوش نے کندھے پر ہاتھ رکھا، شمع نے نمکین بسکٹ نکالا۔ حماس تھوڑا پیچھے ہٹا، جیسے اپنی جگہ یاد آ گئی ہو۔

واپس گراؤنڈ کی طرف گیا رمشہ نے مسکرا کر ٹوکا۔

"ہیرو موڈ آن ہو گیا تھا، ہے نا؟ کوئی بات نہیں، کچھ لڑکے سب کی پرواہ کرتے ہیں۔"

رات گئے اپارٹمنٹ میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لاؤنج کی بتیاں بند، صرف ایک فرشی لیمپ کی روشنی شیشے کی دیوار پر پھیلی تھی، جس کے پار شہر کی روشنیاں جھلملاتی تھیں۔ حماس ننگے پاؤں شیشے کے سامنے کھڑا تھا، ہاتھ جیبوں میں، پیشانی جھکی ہوئی۔ سڑک کی ہیڈلائٹس شیشے پر لکیریں کھینچتیں۔

نظروں میں لان کا منظر تھا: مشعل کے چہرے کی زردی، سانس کی بے ترتیبی، اپنے قدموں کی بے اختیاری۔ زین کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی۔

"تم اسے دوسروں میں ڈھونڈنے لگے ہو۔"

منظر بدلتے گئے۔ کیفے ٹیریا کا کونا، کتاب پر جھکی لڑکی، گردن کا خم، سنجیدہ آنکھیں۔ زارا کے ہاتھوں کی خراشیاں، جو زخمی بلیوں سے ملی تھیں؛ اس شام لاؤنج میں جاتے سورج کی روشنی میں سرخ لکیریں چمکتی تھیں، حماس نے عقیدت سے ان خراشوں پر لب رکھے تھے۔

ثمرہ کی باتیں، نرم آواز میں دادی کی کہانیاں۔ اور رمشہ کی شوخ ہنسی، وہ آنکھیں جو زین نے مشعل جیسی کہی تھیں۔

حماس نے سوچا۔

"اگر سب میں تھوڑا تھوڑا ایک ہی چہرہ ہے۔۔۔تو میں کس سے بھاگ رہا ہوں؟اور کس کی سمت؟"

☆☆☆☆☆☆☆

ویک اینڈ کی رات تقریباً دس بجے کے قریب حماس اپنے فلیٹ کے لاؤنج میں بیٹھا تھا۔سامنے میز پر لیپ ٹاپ کھلا تھا، مگر اس کی نظر اسکرین کے ایک کونے میں ٹکی ہوئی تھی، جیسے دماغ کہیں اور ہو۔فون کی گھنٹی بجی، سکرین پر 'بابا' کا نام ابھرا۔اس نے فوراً کال اٹھالی۔

دو چار رسمی باتوں کے بعد حماس نے یونہی ذکر چھیڑ دیا۔"ہاں بابا، ہمارے ساتھ کبھی کبھار ایک لڑکا بھی ہوتا ہے،اسجد کامران۔کاروباری فیملی سے ہے۔ذرا زیادہ محتاط سا، لیکن فیلڈ والے کام میں ہاتھ بٹا دیتا ہے۔بتا رہا تھا کہ کراچی میں اُن کی لاجسٹکس کمپنی ہے، سامان کی ترسیل وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔"

جواب میں معظم بولے تو لہجہ سخت تھا۔"نام دوبارہ بولو؟"

"اسجد کامران۔"

"اسجد۔۔۔کامران محمود کا بیٹا تو نہیں؟کامران محمود، جو کراچی سے لاجسٹکس کا کام کرتا ہے اور لاہور میں بھی اپنی برانچ کھولی ہوئی ہے؟"

حماس چونک گیا۔"جی۔۔۔غالباً ہاں۔ایک دو بار اس نے ذکر کیا تھا کہ کراچی میں اُن کی اپنی کمپنی ہے اور اِدھر لاہور میں وہ وقتی طور پر رشتہ داروں کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔کیوں، آپ جانتے ہیں اسے؟"

"لڑکے کو تو نہیں جانتا، لیکن اس کے باپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ ہمارا پرانا کاروباری حریف ہے، کامران محمود۔ بہت چالاک اور حد سے زیادہ خود غرض آدمی۔ سیدھی لکیر میں چلتے نہیں دیکھا اسے کبھی۔ تم لوگ اس لڑکے سے سلام دعا رکھو، کام، پراجیکٹ، سب ٹھیک۔۔۔ مگر دل کی، ذاتی بات، راز و نیاز۔۔۔ ان سب کے معاملے میں ذرا محتاط رہنا۔"

اگلی شام لاؤنج میں زین، مہوش، مشعل اور شمع بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سب نے مل کر ایک اسائنمنٹ پر بات کرنی تھی۔ مہوش دوسرے ڈپارٹمنٹ سے ہونے کے باوجود دوستی کے ناطے چلی آئی تھی کہ اس کے بغیر یہ بیٹھک ادھوری رہتی۔

حماس نے اپنے تایا سے ہوئی ساری گفتگو ان سب کے سامنے رکھی۔

سب سے پہلے شمع نے چپ توڑی۔ "مجھے تو ویسے بھی وہ اسجد شروع سے کچھ عجیب سا لگتا تھا۔ اب یہ حریف کمپنی کا بیٹا بھی نکلا تو بات پوری ہو گئی۔"

مشعل نے دھیمی مگر صاف آواز میں کہا۔ "مجھے بھی وہ کبھی خاص قابلِ اعتماد نہیں لگا۔ اس کی وہ ہر وقت کی بلا وجہ مسکراہٹ، ہر جگہ ٹھیک وقت پر موجود ہونا، کچھ نا کچھ تو ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ شروع سے جانتا تھا ہم کون ہیں، لیکن ہم پر ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ جانتا ہے۔"

مہوش کا چہرہ فوراً سخت ہو گیا۔ "تم لوگ احسان فراموشی کر رہے ہو۔ اسے تو شاید خبر ہی نہیں کہ تم لوگ معظم انکل سے جڑے ہو۔ اس نے ہم سب کی جان بچائی، ہماری خاطر گولیوں سے کھیلا، پرائی جنگ میں ہاتھ ڈالا۔ تم اسے اس کے باپ کے کاروبار کی وجہ سے تول رہے ہو؟"

شمع نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ہم اسے شیطان نہیں کہہ رہے، بس اتنا کہہ رہے ہیں کہ اس سے محتاط رہنا چاہیے۔"

مشعل نے سنجیدگی سے کہا۔ "بات صرف کاروباری رقابت کی نہیں، مہوش۔ جب بھی ہم نے اس سے کوئی سیدھا سوال کیا، اس نے آدھا جواب دیا۔ یہ بھی ایک نمونہ ہے، اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔"

مہوش نے لب بھینچ کر رخ دوسری جانب موڑ لیا۔ "مجھے نہیں لگتا تم لوگ منصفانہ بات کر رہے ہو۔ خیر، جو چاہو سوچو۔ میرے لیے تو وہ وہی شخص ہے جس نے مشکل وقت میں ہاتھ بڑھایا، بس۔"

کمرے میں ہلکی سی خفگی اور بے چینی کی تہہ بیٹھ گئی۔ حماس نے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی، لیکن سب کے دلوں میں 'کامران محمود' اور 'اسجد' کے ناموں نے ایک نیا سوال چھوڑ دیا تھا۔

اگلے دن شام کے وقت ہاسٹل میں بیڈ پر کتابیں پھیلی تھیں، جبکہ مشعل اور شمع اپنے اپنے رجسٹر پر جھکی ہوئی تھیں۔ وہ کسی اسائنمنٹ کے نکات لکھ رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر قبل شمع اپنا بیگ اٹھائے کمبائنڈ اسٹڈی کے ارادے سے یہاں آ گئی تھی۔

مہوش نے بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا لائبریری جا رہی ہوں، کچھ حوالہ جات دیکھنے ہیں۔ اگر دیر ہو گئی تو تم دونوں کو پیغام بھیج دوں گی۔"

شمع نے سر اٹھا کر کہا۔ "اکیلی جاؤ گی؟ میں ساتھ چلتی ہوں۔"

مہوش نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے جواب دیا۔ "نہیں، تم لوگ اپنا کام مکمل کرو، میں بس دو تین کتابیں دیکھ کر واپس آ جاؤں گی۔ لائبریری سے سیدھا ہاسٹل آؤں گی، ٹھیک ہے؟"

دروازہ بند ہوا، دونوں دوبارہ اپنے رجسٹر میں گم ہو گئیں۔ کوئی پچیس، تیس منٹ گزرے ہوں گے کہ مشعل کا موبائل میز پر ہلکا سا لرزا۔ سکرین پر 'زین' کا نام چمکا۔ اس نے کال اٹھائی۔

"ہاں زین، بولو؟"

زین کی آواز میں معمول کی شوخی تھی، مگر نیچے کہیں ہلکی سی سنجیدگی بھی دبی ہوئی تھی۔ "محترمہ، ہماری دوست مہوش اس وقت کہاں ہیں؟"

مشعل نے بے ساختہ جواب دیا۔ "لائبریری گئی ہوئی ہے، کیوں؟"

اب کی بار زین کا لہجہ مختلف تھا۔ "سو فیصد یقین ہے؟ کیونکہ میں اور حماس اس وقت ایک چائے خانے میں بیٹھے ہیں اور کچھ ہی فاصلے پر وہ اسجد صاحب کے ساتھ بیٹھی ہیں۔ چائے، کیک اور بہت 'گہری' گفتگو چل رہی ہے۔"

مشعل کے ہاتھ میں پکڑا قلم رک گیا۔ "زین، مذاق مت کرو۔ کیا واقعی؟"

شمع فوراً چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "کیا ہوا؟"

فون پر زین نے صاف الفاظ میں کہا۔ "جگہ تم جانتی ہو، 'ریور سائیڈ' والا چائے خانہ۔ ہم دونوں کونے والی میز پر ہیں، وہ دونوں بیچ والی میز پر۔ لگتا ہے انہیں خبر بھی نہیں کہ ہم نے دیکھ لیا ہے، کیونکہ حماس نے مجھے فوراً کہنی مار کر چپ کرا دیا تھا۔"

پس منظر میں حماس کی دبتی ہوئی آواز آئی۔ "یار، براہِ راست رپورٹنگ مت کرو، بعد میں بات کریں گے۔"

مشعل نے گہری سانس لی۔ "اچھا، زین، تم لوگ فی الحال کچھ مت کہو۔ ہم بعد میں خود اس سے بات کریں گے۔"

کال ختم ہوئی تو کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ شمع نے بے تابی سے پوچھا۔ "تفصیل بتاؤ۔"

مشعل نے مختصراً پوری بات بتائی۔ شمع چند لمحے چپ رہی، پھر غصے اور فکر کے بیچ الجھی ہوئی آواز میں بولی۔ "تو مطلب، اس نے ہم سے جھوٹ بولا۔ 'لائبریری' اور وہ بھی اسجد کے ساتھ چائے خانے میں، اکیلے؟"

مشعل نے کھڑکی سے باہر لان کی طرف دیکھا، جیسے جواب وہاں کہیں گھاس پر لکھا ہو۔ "شاید وہ ہمیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ اسے لگتا ہے ہم اسجد کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی سخت ہیں۔ یہ اسے پسند کرتی ہے۔" وہ لحظہ بھر کو رکی۔ "اور تو اور، پرانا کاروباری حریف بھی نکل آیا۔"

"پریشانی کم کرنے کے لیے جھوٹ۔۔۔ واہ۔ ہم اس کے لیے ڈر رہے ہیں اور وہ سمجھتی ہے حقیقت چھپا کر ہمیں بچا لے گی؟"

مشعل نے آہستہ مگر صاف انداز میں کہا۔ "اصل سوال یہ نہیں کہ وہ اس وقت کہاں بیٹھی ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ وہ ہم سے چھپا کر کیوں بیٹھ رہی ہے۔ اور یہی بات مجھے اسجد کے بارے میں پہلے سے زیادہ بے چین کر رہی ہے۔"

مشعل نے موبائل میز پر رکھ دیا، شمع نے رجسٹر ایک طرف سرکا دیا۔ دونوں جانتی تھیں کہ اگلے چند دنوں میں انہیں مہوش کے لیے بھی کھڑا ہونا پڑے گا اور اس کے سامنے بھی، اور شاید خود سے بھی کچھ ایسے سوال پوچھنے پڑیں گے جن کے جواب آسان نہیں ہوں گے۔

اسجد کامران کا نام اب صرف ایک عام یونیورسٹی فیلو کا نہیں، ایک الجھے ہوئے بھید کا سالگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

میرا چہرہ، میری فطرت، میرا لہجہ بدل ڈالا

خود ہی مسمار کر کے، میں غبارِ راہ ہو گئی

کیفے ٹیریا کے ایک کونے والی میز پر مشعل، شمع اور مہوش بیٹھی تھیں۔ مہوش کے سامنے خالی کپ تھا، اور وہ موبائل پر انگلیاں چلا رہی تھی۔

مشعل نے چند لمحے اسے غور سے دیکھا، پھر سیدھا سوال کیا۔ "تم کل شام کہاں گئی تھیں؟"

مہوش نے ذرا چونک کر سر اٹھایا، جیسے خیالوں سے واپس آئی ہو۔ "کل؟ بس، قائدِ اعظم لائبریری گئی تھی کچھ حوالہ جات دیکھنے، پھر سیدھی ہاسٹل۔ اور کہاں جا سکتی ہوں؟"

مشعل کی آواز معمول سے زیادہ ٹھہری ہوئی تھی۔ "اور کہیں نہیں گئی تھیں؟"

مہوش نے ہلکی سی الجھن کے ساتھ کہا۔ "نہیں تو، اتنا وقت کہاں تھا؟ ایک ہی جگہ گئی تھی، وہ بھی مشکل سے۔"

شمع نے کہنی میز پر ٹکاتے ہوئے کہا۔ "ہاں، ایک ہی جگہ گئی تھیں۔۔۔ لیکن وہ جگہ لائبریری نہیں تھی۔"

مہوش کے ہاتھ خود بخود موبائل پر رک گئے۔ چند ثانیوں کو وہ خاموش رہی، پھر لمحے بھر کو آنکھیں بند کیں جیسے اگلے منظر کے لیے اپنی بصارت کو تیار کر رہی ہو۔ "کیا مطلب؟"

مشعل نے سیدھے اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "زین نے کل شام مجھے فون کیا تھا۔ کہہ رہا تھا وہ اور حماس 'ریور سائیڈ' کیفے میں بیٹھے ہیں اور اُن سے کچھ فاصلے پر تم اور اسجد ساتھ میں بیٹھے ہو۔"

مہوش کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔ اس نے پہلی کوشش یہی کی کہ کوئی بہانہ گھڑ لے، لیکن جملے گلے میں اٹک گئے۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے گہری سانس لی، کپ کے خالی کنڈے کو انگلی سے گھماتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "ہاں، ہم وہیں تھے۔ میں اسی سے ملنے گئی تھی۔"

شمع فوراً بولی۔ "ہم سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کون سا ایسا جرم تھا جو ہم جان لیتے تو قیامت آ جاتی؟"

مہوش نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "تم لوگ پہلے ہی اس کے بارے میں مشکوک ہو، معظم انکل والی بات کے بعد تو اور بھی زیادہ۔ مجھے لگا اگر سچ بتاؤں گی تو تم دونوں مزید پریشان ہو جاؤ گی، اور شاید مجھے بھی برا بھلا کہو۔"

آخرکار مشعل نے پوچھا۔ "یہ سب کب سے چل رہا ہے، مہوش؟"

مہوش نے چند لمحے چہرہ جھکائے رکھا، پھر دھیرے سے بولی۔ "پچھلے چند ماہ سے۔"

شمع اور مشعل نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا، دونوں کی آنکھوں میں حیرت اور فکر ایک ساتھ تھی۔

مشعل نے ایک بار پھر رخ مہوش کی جانب کیا۔ "اتنا عرصہ تم اس سے ملتی رہی ہو، اور ہمیں کبھی ایک بار بھی بتانا مناسب نہیں سمجھا۔"

مہوش کے لہجے میں اب ہلکی سی ضد بھی شامل ہو گئی تھی۔ "کیا یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں؟ تم دونوں جانتی ہو اُس نے میرے لیے کیا کیا۔ وہی تھا جو میرے ساتھ کھڑا ہوا۔ شاید تمہیں لگتا

ہو کہ میں احسان میں جکڑی ہوئی ہوں، لیکن میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ ہاں، میں اسے پسند کرتی ہوں، اور وہ مجھے۔"

شمع نے تھوڑا سا آگے جھک کر کہا۔" بات پسند ناپسند کی نہیں، بات یہ ہے کہ تم کچھ عجیب انداز میں بدلنے لگی ہو۔ پورا دن یونیورسٹی میں ہمارے پاس مشکل سے آتی ہو، ہاسٹل میں گھنٹوں فون پر لگی رہتی ہو، کپڑے، بناؤ سنگھار۔۔۔ سب پہلے سے الگ ہے۔ ہر بار اس سے ملنے کی خاطر تم نے دوستوں سے جھوٹ بولا۔"

مہوش نے تیزی سے جواب دیا۔" اگر میں میک اَپ کرنے لگی ہوں، اچھا لباس پہننے لگی ہوں تو کیا وہ صرف اس کے لیے ہے؟ ہو سکتا ہے میں خود کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ تم دونوں میرے سر پر پہرے دار بن کر کب تک کھڑی رہو گی؟"

مشعل نرمی سے گویا ہوئی۔" ہمارا مقصد پہرہ دینا نہیں، ہم صرف تمہیں بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ معظم انکل نے صرف کاروباری پس منظر بتایا، ہمارا دل تو شروع دن سے اس کے بارے میں مطمئن نہیں تھا۔ اور اب تم کہہ رہی ہو پچھلے کئی ماہ سے تم دونوں ساتھ ہو اور ہم اتنے قریب ہو کر بھی اندھیرے میں رہے۔ اس رازداری کا سبق بھی اس نے تمہیں پڑھایا ہو گا۔"

مہوش نے کوئی جواب نہ دیا تو شمع بول پڑی۔" قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ اتنی رازداری کیوں برت رہا ہے؟ تمہیں یہ سب اپنے دوستوں سے چھپانے کو کیوں کہا؟"

وہ کچھ چھپا رہا ہے۔" مشعل نے جیسے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔" وہ تمہارے ساتھ کوئی" "کھیل کھیلنا چاہتا ہے اور جیتنے کے لیے اسے تمہاری تنہائی درکار ہے۔

مہوش نے پلکیں جھپکیں، کچھ کہنا چاہا، پھر خاموش ہو گئی۔ کیفے ٹیریا کا شور پیچھے چلتا رہا، مگر اس چھوٹی سی میز پر فضا بھاری ہو گئی تھی۔

اگلے دن دوپہر کے وقت، اینتھروپولوجی کی کلاس کے باہر راہداری میں معمول کا شور تھا۔

طلبہ اپنے پیریڈ کے لیے آ جا رہے تھے۔ حماس دیوار سے ٹیک لگا کر موبائل چیک کر رہا تھا جب مشعل اچانک اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"تم سے کچھ کہنا ہے۔"

حماس نے فون جیب میں رکھتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ پڑھنے کی کوشش کی۔ "بولو۔"

مشعل نے مختصر الفاظ میں سارا قصہ بیان کر دیا-لائبریری کا بہانہ، اسجد سے مہوش کی خفیہ ملاقاتیں، مہینوں پرانا تعلق، اور یہ کہ وہ سب اب تک لاعلم تھے۔

حماس نے پوری بات خاموشی سے سنی، درمیان میں ایک بار بھی نہیں ٹوکا۔

بات ختم ہوئی تو وہ چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا، پھر جیسے یکدم ذہن میں کوئی چیز جڑی ہو، اس نے پوچھا۔

"مہوش کہیں اسجد کو ہماری کمپنی کے بارے میں معلومات تو نہیں فراہم کرتی رہی؟"

مشعل نے چونک کر کہا۔ "لیکن وہ ایسا کیوں کرے گی۔ وہ تو اسے پسند۔۔۔" کچھ تھا جو الجھ کر رہ گیا۔

"ہو سکتا ہے وہ اس سے اگلوا رہا ہو۔"

ہم اسے پسند نہیں کرتے،اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی مہوش کے لیے پسندیدگی کو بھی شک کی نظر سے" "دیکھنے لگیں۔

اگر بات واقعی پسند تک ہوتی اور اسجد کی نیت صاف ہوتی تو وہ اتنی رازداری کیوں برتتا؟ یاد ہے شروعات میں" "اس نے ہم سے بھی دوستی کرنے کی کوشش کی تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆

شام کے قریب حماس کے فلیٹ میں لاؤنج کی مرکزی میز پر چائے کے برتن لگے ہوئے تھے۔ مشعل، شمع، مہوش اور زین چاروں صوفوں پر بیٹھے تھے،اور حماس چائے ڈال کر سب کے سامنے رکھ رہا تھا۔

حماس نے چائے کی پیالی اپنے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔"میں نے آج تم لوگوں کو ایک اہم بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔"لہجہ معمول سے زیادہ سنجیدہ تھا۔"یاد ہے نا، کچھ دن پہلے میں نے نور شاہ فوڈز کے ساتھ ہمارے نئے معاہدے کے بارے میں بتایا تھا؟ کم اجرت، چھ ماہ تک کم منافع، پھر آگے بہتر ہونے کی امید؟"

سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

حماس نے کہا۔"اُس دن بابا نے فون کر کے بتایا کہ ہمارے اصل نرخ اور شرائط کسی طرح باہر گئی ہیں۔اب نور شاہ کے لوگ ہمیں کہہ رہے ہیں،'ہمیں دوسری کمپنیوں نے بھی تقریباً اِسی شرح پر پیشکش کی ہے،اگر آپ مزید رعایت نہیں دیں گے تو ہم سوچیں گے۔'یعنی جس کم اجرت کو ہم نے اپنی چال سمجھا تھا،وہ کسی طرح حریفوں تک پہنچ چکی ہے۔"

مہوش کا ہاتھ کپ کے کنڈے پر رُک گیا۔

حماس نے بات جاری رکھی۔ "دوسری طرف اندرونی کمزوری یہ ہے کہ اِس سال ٹرکوں پر خرچ زیادہ ہو گیا ہے، انجن، مرمت وغیرہ، اور کچھ تجربہ کار ڈرائیور بھی بہتر تنخواہوں پر باہر چلے گئے ہیں۔ ڈر تھا کہ اگر یہ بات کسی بڑے گاہک کو معلوم ہو گئی تو وہ فوراً دوسری کمپنیوں کی طرف دیکھیں گے کہ 'یہ لوگ کمزور ہو رہے ہیں، ہمارا مال کہیں بیچ میں نہ اٹک جائے۔' آج بابا نے بتایا یہ بات بھی باہر نکل گئی ہے۔"

وہ چند لمحے رُکا، پھر سیدھی نظر چاروں پر ڈالی۔ "اب سوال یہ ہے کہ یہ باتیں باہر کیسے گئیں؟ ایک طرف نور شاہ کے معاہدے کی اصل شرح، دوسری طرف ہمارے اپنے نظام کی اندرونی کمزوری۔"

زین نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ باتیں تو تم نے ہمیں ہی بتائی تھیں؟ نور شاہ والا پورا خاکہ تو اسی کیفے میں ہم پانچوں کے بیچ کھلا تھا۔"

"ہاں۔ نور شاہ کے معاہدے کے بارے میں تفصیل میں نے تم چاروں کے ساتھ چائے پر شیئر کی تھی۔ اور دوسری بات، ٹرکوں اور ڈرائیوروں والی، میں نے وہ بس مشعل کے ساتھ الگ سے ذکر کی تھی، اِس خیال سے کہ اسے سمجھ آ جائے کہ کاروبار کی تصویر صرف چمک دمک نہیں، کمزور پہلو بھی ہیں۔"

مشعل نے شرمندگی بھرے لہجے میں کہا۔ "وہ بات میں نے مہوش اور شمع سے شیئر کی تھی۔"

سب کی نظریں اس کی طرف مڑ گئیں۔

چند لمحوں کو مکمل سکوت چھا گیا۔ مہوش کی آنکھیں خود بخود نیچے جھک گئیں۔ حماس نے پوچھا۔ "سوال یہ ہے کہ ہمارے ان دونوں راز، نور شاہ کے نرخ اور اندرونی کمزوری، کس کے ذریعے اُس طرف گئے جہاں انہیں نہیں جانا چاہیے تھا؟"

مہوش نے خود کو فوراً سنبھالنے کی کوشش کی، مگر اس کے چہرے پر ہلکی سی شرمندگی، اور آنکھوں میں ایک انجانی الجھن صاف نظر آ رہی تھی۔

"میں۔۔۔ میں نے تو بس یونہی اسجد سے عام سی گفتگو میں یہ باتیں شیئر کی تھیں۔ وہ اکثر میرے گاؤں کے بارے میں بھی پوچھتا تھا، بیچ میں یونہی کبھی راہبر لاجسٹکس کے بارے میں بھی پوچھ لیتا۔ مجھے بس یہی لگا کہ ان کا بھی لاجسٹکس کا کام ہے تو اسے ذرا دلچسپی ہے۔ مجھے اُس وقت اندازہ نہیں ہوا کہ یہ سب اس کے لیے کتنی اہم معلومات بن سکتی ہیں۔"

حماس بولا تو لہجے میں نرمی نمایاں تھی۔ "جو ہوا، انجانے میں ہوا۔ اس میں تمہارا قصور نہیں، بس آئندہ احتیاط برتنا۔"

مہوش نے سر جھکا کر دھیمی آواز میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے۔۔۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ میں اُس کے ہاتھ میں ہتھیار تھما رہی ہوں۔ مجھے اس کی دلچسپی فطری لگی تھی۔"

شمع اور مشعل نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کو اندازہ ہوا کہ غلطی صرف ایک کی نہیں، سب کی ہے۔ کسی نے بات کو ہلکا لیا، کسی نے دوستی پر حد سے زیادہ بھروسا کیا، تو کسی نے وقت پر سوال نہیں کیا۔

حماس نے بات کو نرم انداز میں سمیٹا۔ "اب افسوس سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ جو ہو گیا، اُس پر ماتم نہیں کر سکتے، لیکن آئندہ کے لیے ایک لکیر کھینچ سکتے ہیں۔ اسجد کے ساتھ تمہارا جو بھی معاملہ ہے، وہ اپنی جگہ۔ مگر کاروبار کی اندرونی باتیں، ہمارے بزرگوں کی محنت، یہ سب امانت ہیں۔ انہیں کبھی بھی اُس کے ساتھ شیئر نہ کرنا، نہ ہی کسی اور کے ساتھ۔"

کمرے میں فضا بوجھل ضرور تھی، مگر اس بوجھ کے ساتھ ایک نئی سمجھ بھی جنم لے چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

تجھ میں پا کر اپنا مرکز، اب میں خود میں ٹھہر گیا ہوں

بھٹکا سکے جو مجھ کو، اب ایسی کوئی کشش نہیں

یونیورسٹی کا جم اس وقت کچھ خالی خالی سا تھا مگر اندر مشینوں کی دھیمی آوازیں اور تنہائی کا احساس مل کر ایک خاص فضا بنا رہی تھیں۔ حماس سلطان نے سانس گہری لی اور میٹ پر جھک گیا۔ آج وہ پش اپس میں پہلے کی نسبت زیادہ تیز تھا، بازوؤں میں زور اور سینے میں تناؤ واضح تھا۔ ہر ریپ کے ساتھ اس کے کندھوں کے عضلات ابھرتے اور نرم ہوتے رہے۔ چند ریپ کے بعد اسے یوں لگا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہو۔ وہ رکا، گردن موڑی، چاروں طرف نظر دوڑائی — کسی کا نام و نشان نہ تھا۔ اس نے ہلکا سا سانس چھوڑا اور دوبارہ پش اپس شروع کر دیے۔

پھر وہ ٹریڈمل پر آیا۔ رفتار بڑھائی، قدم تیز کیے، اور دوڑ شروع ہو گئی۔ وہ اپنے ہی دائرے میں تھا، آنکھیں سامنے جمی ہوئیں، ذہن صرف رفتار اور سانسوں کے تال میں بندھا ہوا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا، شرٹ آہستہ آہستہ بھیگنے لگی۔ پانچ منٹ بعد پھر وہی احساس — جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہو۔ وہ نگاہ اٹھا کر شیشے کی دیواروں اور مشینوں کے بیچ جھانکنے لگا، مگر کہیں کوئی نہیں تھا۔ وہ دوبارہ اپنی رفتار میں ڈھل گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ٹریڈمل سے اترا اور قریبی بینچ پر بیٹھ گیا۔ سانس تیز چل رہی تھی، پسینے کے ایک نمکین قطرہ، خمدار ابرو سے پھسلتے ہوئے اس کی سیاہ آنکھ میں جا گرا، لمحے بھر کو جلن سی ہوئی۔ اس نے آنکھ جھپک کر پسینہ

صاف کیااور پانی کی بوتل سے لمبا گھونٹ لیا۔شرٹ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی۔دل میں خیال آیا کہ لیکچرز ختم ہو چکے ہیں،اپارٹمنٹ واپس جا کر نہاؤں، کپڑے بدلوں، پھر باہر نکلوں۔

وہ اٹھااور باہر کی طرف بڑھا۔دروازے کے قریب پہنچا تو دو لڑکیوں کی ہنسی کی آواز آئی۔وہ باہر نکلا، بے اختیار پلٹ کر دیکھا—راہداری خالی تھی،آواز جیسے ہوا میں گھل گئی ہو۔وہ لمحہ بھر رکا، پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

حماس سلطان ٹریڈ مل پر تھا۔اس کے بازوؤں کی لکیریں اور پسینے میں بھیگی شرٹ کے نیچے ابھرتے ایبز، گویا کسی خاموش مجسمے کی طرح نمایاں تھے۔دروازے سے دو قدم پیچھے، دو لڑکیاں رکیں۔ایک نے چپکے سے دوسری کے ہاتھ پر انگلی رکھی، جیسے کوئی شرط باندھی جا رہی ہو۔دوسری ہنس کر سر ہلانے لگی۔دونوں نے اپنی آوازیں سرگوشی میں بدل دیں جیسے شرط کو راز رکھنا مقصود ہو۔

"اگر وہ دیکھے تو تم ہار جاؤ گی۔"ایک نے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

"اور اگر نہ دیکھے تو؟"

پہلی نے اپنے بالوں کو بہت سلیقے سے کندھے پر پھیلایا۔"تو میں مانوں گی کہ یہ واقعی بے نیاز ہے۔"

"تم نے ان لڑکیوں کو بھی دیکھ رکھا ہے۔"دوسری نے جیسے کچھ یاد دلایا۔

"ہاں، بہت اچھے سے۔ایمانداری سے کہو، تھی کوئی مجھ سی؟"پہلی نے خاص ادا سے بال جھٹکے۔

دوسری نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

حماس جم سے باہر نکلااور جیسے ہی راہداری میں دائیں سمت مڑا، اچانک کوئی اس سے ٹکرایا تھا۔ خوشبو کا ایک جھونکا اس سے آکر لپٹ گیا۔

پانی کی ایک بوتل نیچے گری، سرخ آنچل ہوا میں لہرایا۔

اس کا سفید جوتا بوتل سے ہلکا سا ٹکرایا۔

سوری!" لڑکی نے جلدی کہا۔ اس کے بال سیاہ اور لمبے تھے، آنکھیں شوخ۔ وہ جھک کر بوتل اٹھانے لگی۔

حماس نے خود ہی بوتل اٹھا کر اس کی طرف بڑھادی۔ نظریں سامنے کو اٹھیں تو دیکھا وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی—ایک ان کہا سوال۔ حماس نے ایک ہی بار دیکھا۔ وہ پہلی نگاہِ بے نیاز، جو بے ارادہ اٹھتی ہے۔

دوسری جو دلچسپی اور تجسس کا اظہار کرتی ہے۔۔۔ اس تک بات نہ گئی۔

"شکریہ۔" لڑکی نے کہا اور بغور اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا جو کسی بھی طرح کے تاثرات سے خالی تھا۔

وہ گزر گیا۔

اس نے تو شاید دو قدم کے فاصلے پر کھڑی اس کی سہیلی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

"دیکھا؟" دوسری لڑکی نے اپنی ساتھی کا بازو پکڑا۔ "تم شرط ہار گئی۔"

"ہاں مگر۔۔۔" پہلی لڑکی، جس کی آنکھیں ابھی بھی اس راستے کو دیکھ رہی تھیں جہاں وہ قدموں کی آہٹ" چھوڑ کر گیا تھا، سوچتے ہوئے بولی۔ "بہت عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔

"محسوس تو مجھے بھی بہت کچھ ہوا۔" دوسری نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "قریب سے نظارہ زیادہ جان لیوا تھا!"

""اس کی نظریں تو ویسی ہیں ہی نہیں جیسی لڑکوں کی ہوتی ہیں۔"

"تو پھر کیسی ہیں؟"

جیسے اس کے اندر کی دنیا ہی اتنی بھرپور ہو کہ اسے ارد گرد کی پرواہ ہی نہ ہو۔ ورنہ تم بھی مانو گی—— میں اس" "یونیورسٹی کی سب سے حسین لڑکی ہوں۔

واقعی، اس میں تو کوئی شک نہیں۔" دوسری لڑکی ہنسنے لگی۔ "اب تو یہ فائزہ اور باقی سب کو بھی بتا دینا" "چاہیے، تاکہ وہ امید رکھنا چھوڑ دیں۔

دونوں قہقہے لگاتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

حماس، زین کے ساتھ کیفے ٹیریا میں بیٹھا تھا، ہاتھ میں چائے کا کپ لیے۔

دوسرے سرے سے دو لڑکیاں اس جانب آتی دکھائی دیں۔ ایک کی آنکھیں گہری سبز تھیں، چہرے پر سنجیدہ اعتماد جھلک رہا تھا۔ دوسری اس کی سہیلی تھی، خاموش، مگر نظر بار بار حماس پر ٹھہرتی۔

"میں سمیرہ ہوں، شعبہ نفسیات میں مہوش کی کلاس فیلو۔ یہ میری سہیلی رُمی ہے۔" اس نے ذرا سا توقف کیا۔ "ہم یونیورسٹی کے مختلف طلبہ کے لائف اسٹائل پر ریسرچ کر رہی ہیں، خاص طور پر ہاسٹل اور اپارٹمنٹ لائف کے نفسیاتی اثرات پر۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایک مختصر سا انٹرویو کرنا ہے۔"

زین نے فوراً لقمہ دیا۔ "حماس سے پوچھو تو جواب کم، مگر سچے ملیں گے۔"

حماس نے مختصر سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے، ریسرچ کی حد تک پوچھ لیں۔"

وہ دونوں میز کی دوسری جانب بیٹھ گئیں۔ سمیرہ نے موبائل پر ریکارڈر کا بٹن دبایا اور میز پر رکھ دیا۔

پہلا سوال باقاعدہ اور محفوظ تھا۔

"ہاسٹل لائف اور اپارٹمنٹ لائف میں آپ کو سب سے بڑا فرق کیا لگا؟"

حماس نے ایک لمحہ سوچا، پھر بولا۔ "ہاسٹل میں زندگی اجتماعی ہوتی ہے، لوگ زیادہ قریب رہتے ہیں، اور یہ اجتماعی رہائش کی عادت اور سماجی مہارتیں بڑھاتی ہے۔ لیکن کبھی کبھار ذاتی وقت کم میسر ہوتا ہے۔ اپارٹمنٹ میں زندگی زیادہ خود مختاری دیتی ہے، اپنی روٹین اور خاموشی سنبھالنے کا موقع ملتا ہے۔ ذہنی سکون اور خود شناسی بہتر ہوتی ہے۔"

سمیرہ کی آنکھیں دلچسپی سے چمک اُٹھیں۔ وہ علم نفسیات کی بنیاد پر فوراً تجزیہ کرنے لگی۔

"تو کیا آپ اکیلے رہنا پسند کرتے ہیں؟" اس نے ذرا نرمی سے پوچھا۔

"اکیلا نہیں۔" حماس نے اصلاح کی۔ "منتخب ساتھ۔"

رُمی، جواب تک خاموش تھی، اچانک بول پڑی۔ "یہ بات دلچسپ ہے۔ اکثر لوگ اکیلے پن سے ڈرتے ہیں، لیکن منتخب ساتھ ذہنی سکون دیتا ہے۔"

حماس نے اس کی طرف بس ایک سرسری سی نظر ڈالی۔ "اکیلا پن اور تنہائی ایک جیسی چیزیں نہیں ہوتیں۔ بعض اوقات اکیلا پن آپ کو خود کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے، تنہائی صرف خالی پن ہے۔"

سمیرہ نے نوٹ کیا کہ یہ جملہ محض جواب نہیں، ایک موقف تھا۔

وہ ذرا سا آگے کو جھک کر بولی۔ "اور گھر؟ آپ کے گھر کا ماحول کیسا رہا؟"

حماس نے نظر نیچے کی۔ "میں بچپن سے اپنے تایا کے گھر پلا بڑھا ہوں، بچپن کا کافی حصہ اپنی دادی کے ساتھ بھی گزارا۔"

"والدین؟" سمیرہ نے آہستہ سے پوچھا، جیسے جانتی ہو کہ یہ سوال حساس ہے۔

شاید وہ جواب اور اس کے پیچھے چھپے حقائق سے بھی واقف تھی، یہ سوال جواب محض بات کرنے کا ذریعہ تھے۔

حماس کا چہرہ بے تاثر رہا۔ "وہ نہیں رہے۔"

سمیرہ نے فوراً موضوع بدل دیا۔

"آپ اینتھروپولوجی میں سب سے زیادہ کس پہلو میں دلچسپی رکھتے ہیں؟"

اس بار حماس نے پوری طرح نظریں اٹھائیں۔ "انسانی رویے اور ان کے پیچھے چھپے محرکات۔ خاص طور پر وہ رشتے جو بچپن میں بنتے ہیں۔"

سمیرہ چونکی۔ "بچپن کی دوستی! آپ اسے کیسے دیکھتے ہیں؟"

حماس نے لمحہ بھر توقف کیا، جیسے درست الفاظ چن رہا ہو۔ "بچپن کی دوستی ہماری جذباتی لغت تیار کرتی ہے۔ وہ بنیادیں جو وہاں بنتی ہیں، بعد میں ہمارے تعلقات میں محبت، اعتماد اور دیکھ بھال کے احساسات کو شکل دیتی ہیں۔ یہ خوبصورت اثرات پیدا کرتی ہیں، بس ہمارے لیے اپنے رد عمل اور توقعات کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔"

رُمی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ "یعنی۔۔۔ بچپن کی یادیں اور دوستی ہماری مستقبل کی قربتوں میں مثبت رہنمائی کرتی ہیں؟"

حماس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل۔ یہ وہ نقشہ ہے جو ہمیں محبت اور تعلقات کے بارے میں بنیادی رہنمائی دیتا ہے۔"

عائشہ نے ریکارڈر بند کیا، مگر اس کی دلچسپی ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ اس کے سامنے بیٹھا لڑکا آدم بیزار نہیں—بس کسی اور حقیقت سے بندھا ہوا ہے۔ اور شاید یہی بات، اسے باقی سب سے زیادہ منفرد بناتی تھی۔

"ہم سبھی اسے پسند کرتے ہیں!" سمیرہ نے بعد میں رُمی سے کہا۔ "ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کے پارکنگ ایریا میں گاڑیوں کا رش کم ہونے لگا تھا۔ درختوں کے پیچھے ڈھلتا سورج آسمان کو نارنجی رنگ دے رہا تھا۔ شمع ہاتھ میں فائل پکڑے تیزی سے چلتی ہوئی زین کی گاڑی کے پاس آئی، جو ابھی سیٹ بیلٹ لگا رہا تھا۔

شمع نے شیشہ بجا کر آواز دی۔ "زین!"

زین نے شیشہ نیچے کیا اور کہا۔ "یس میم، حکم؟"

شمع نے سانس سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ "آج گاڑی نہیں لائی، ابو دفتر جاتے ہوئے اپنی گاڑی سے ہی ڈراپ کر گئے تھے، واپسی پر تم مجھے چھوڑ دو گے؟"

زین نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا۔ "مشروط لفٹ۔ شرط یہ ہے کہ سڑک پر میرا نقشہ تمہاری زبان ہو گی۔ دائیں بائیں صحیح گائیڈ کرنا، ورنہ ہم کسی نالے میں جا گریں گے۔"

شمع ہنسی اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

گاڑی یونیورسٹی کی حدود سے نکل کر مرکزی سڑک پر آ گئی۔ شام کی روشنی مدھم ہو رہی تھی، دائیں بائیں دکانوں کے بورڈ جلنے لگے تھے۔

زین نے سوال کیا۔ "کہاں چھوڑوں تمہیں؟ سیدھا گھر؟"

شمع نے کھڑکی کے ساتھ سر ٹکا کر کہا، "سیدھا گھر۔۔۔ لیکن پہلے اگر تمہارا دل چاہے تو ایک آئسکریم ہو جائے؟ آج ابو نے صبح صبح اتنی نصیحتیں کر دیں کہ دل میٹھا لیے بغیر نہیں مانے گا۔"

زین نے فوراً انڈیکیٹر دیا۔ "بس، یہ ہوئی نا بات۔ ایم ایم عالم روڈ پر جو مشہور آئسکریم کی دکان ہے، وہیں چلتے ہیں۔ لاہور کی شام اور آئسکریم، اِس سے اچھی مصالحت زندگی سے نہیں ہو سکتی۔"

کچھ ہی دیر بعد گاڑی ایم ایم عالم روڈ کے رش میں داخل ہو گئی۔ سڑک کے کنارے روشنیوں کی قطار، ریسٹورنٹس کے بورڈ اور چلتے پھرتے لوگ۔ زین نے ایک معروف آئسکریم شاپ کے سامنے گاڑی روک دی۔

دونوں نے گاڑی سے اتر کر آئسکریم لی۔ شمع نے سادہ ونیلا، زین نے چاکلیٹ فلیور منتخب کیا۔ وہ دکان کے سامنے فٹ پاتھ پر بنی چھوٹی سی ریلنگ کے ساتھ کھڑے آئسکریم کھا رہے تھے۔ گفتگو کبھی ہنسی میں بدل جاتی، کبھی خاموشی کے ساتھ سڑک کا نظارہ کرنے لگتے۔

اسی دوران شمع کی نظر سڑک کے اُس پار گئی۔ ایک گلی کے موڑ پر تین جوان لڑکے کھڑے تھے۔ دو کے چہرے آدھے ماسک سے ڈھکے ہوئے تھے—ایک نے سنہری رنگ کا ماسک پہنا ہوا تھا، دوسرے نے سیاہ ماسک۔ تیسرا لڑکا سیدھا کھڑا موبائل دیکھ رہا تھا۔

سنہری ماسک والا ہنستے ہوئے کسی بات پر جھکا، اُس کی ہنسی کی لے اور انداز نے شمع کے دل میں جیسے کوئی پرانی گونج جگا دی۔ اُس نے بے ساختہ آئسکریم کا نوالہ روک لیا۔ کچھ الفاظ ہوا میں تیرتے ہوئے اس کے کانوں تک آئے۔

شمع کے ہاتھ میں کپ تھوڑا سا کانپا۔ اس نے نیم سرگوشی میں کہا۔ "زین! سڑک کے اُس پار دیکھو۔"

زین نے نگاہ اٹھا کر ادھر دیکھا۔ "کیا ہوا؟"

شمع بولی تو لہجے سے بے چینی چھلک رہی تھی۔ "یہ دو ماسک والے۔۔۔ انہوں نے ہمیں اغوا کیا تھا۔" وہ رکی، غور کیا، پھر سر نفی میں ہلایا۔ "مجھے یقین ہے یہ وہی ہیں۔"

زین نے چند لمحے غور سے دیکھا، پھر کہا۔ "انہوں نے ماسک پہنے ہیں اس لیے؟ یہ شناخت کے لیے کافی نہیں۔"

ان کی باڈی لینگویج، زین۔ ہنسنے کا انداز۔۔۔ یہ وہی ہیں۔ قد و قامت بھی میری یادداشت سے میچ کرتی ہے۔"

زین سنجیدہ ہو گیا۔ "غور سے دیکھو شاید کوئی اور نشانی بھی مل جائے۔"

شمع نے سچائی سے کہا۔ "شک کی تو گنجائش ہی نہیں، سو فیصد یہ وہی ہیں۔"

"اتنے احمق ہیں کہ سڑک کے کنارے وہی ماسک پہنے کھڑے ہیں؟" زین حیرت سے بولا۔

"وہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے، زین۔ پھر یہ بھی تو سوچو، وہ بآسانی انکار کر سکتے ہیں۔ کسی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ وہی بندے ہیں جنہوں نے رات کے اندھیرے میں وہ بھیانک چال چلی تھی؟ اور یہ بالکل سڑک کے کنارے بھی تو نہیں کھڑے، گلی کے موڑ پر ہیں۔ شاید اس وقت بھی کسی سے اپنی شناخت چھپانے کے لیے ماسک پہن رکھے ہوں۔"

ابھی دونوں اُنہیں دیکھ ہی رہے تھے کہ اسی سمت سے ایک گاڑی آ کر آہستگی سے ان بندوں کے قریب رکی۔ سرمئی رنگ، جانا پہچانا نمبر۔ دروازہ کھلا، اسجد کامران آرام سے نیچے اترا۔ اُس کے چہرے پر وہی مخصوص ، مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔

وہ سیدھا ان تینوں لڑکوں کی طرف بڑھا۔ سیاہ ماسک والے نے آگے بڑھ کر اُس سے ہاتھ ملایا، سنہری ماسک والے نے قہقہہ لگا کر اُس کے کندھے پر ہاتھ مارا، جیسے پرانے دوست مل رہے ہوں۔ چاروں کے درمیان

چھوٹا سا دائرہ بن گیا، جس میں اُن کی ہنسی، سرگوشیاں اور معمولی سے اشارے صاف دکھائی دے رہے تھے، آواز بس ٹکڑوں میں ادھر اُدھر ہو کر سڑک کے شور میں مل رہی تھی۔

زین نے کہا۔ "یہ تو سیدھا اسجد کے دوست نکلے۔۔۔ یا شاید کارندے۔"

اسجد نے چند لمحے اُن کے ساتھ کھڑے ہو کر باتیں کیں، پھر سب ایک ساتھ اُس کی گاڑی کی طرف بڑھے۔ سیاہ ماسک والے نے ماسک تھوڑا سا نیچے کھسکا کر کچھ کہا، مگر چہرہ اُن کی طرف نہیں تھا، زاویہ ایسا تھا کہ نقاب کا باقی حصہ انہیں پورا چہرہ دکھانے سے روک رہا تھا۔ چاروں ہنستے بولتے گاڑی میں بیٹھے، دروازے بند ہوئے، انجن اسٹارٹ ہوا اور گاڑی تیزی سے ٹریفک میں گم ہو گئی۔

شمع نے ہاتھ میں پکڑا کپ دیکھا، آئسکریم تقریباً پگھل چکی تھی۔ مدھم آواز میں بولی۔ "اب تو یہ بھی اتفاق نہیں رہا، زین۔ گودام کے باہر دو ماسک والے، یہاں دو ماسک والے، اور ان دونوں مناظر کے بیچ ایک ہی شخص۔"

زین نے نظریں دور سڑک پر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "کم از کم اتنا تو سامنے آیا کہ جس کھیل کے کنارے ہم نے پہلے صرف سائے دیکھے تھے، اُس کے بیچوں بیچ اسجد کھڑا ہے۔ باقی پوری تصویر۔۔۔ ہمیں خود جوڑنی ہو گی۔"

گاڑی کی طرف لوٹتے ہوئے دونوں خاموش تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈائننگ ٹیبل پر تین پلیٹیں سجی تھیں۔ وارث ابھی تک نہیں لوٹے تھے، ان کی کرسی خالی تھی۔ کمرے کی خاموشی میں صرف چمچ کانٹے کی ہلکی سی آواز گونج رہی تھی۔ کومل نے

کچھ ہی دیر پہلے علی کو سلا کر کمرہ بند کیا تھا، اب وہ سامنے والی کرسی پر سیدھی پشت کے ساتھ بیٹھی تھی، چاول کی پلیٹ میں چمچ گھماتے ہوئے بھی چہرے پر معمولی سا تناؤ نمایاں تھا۔

شمع دائیں طرف بیٹھی تھی اور آہستگی سے کھانا کھا رہی تھی، نظر کبھی پلیٹ پر، کبھی کومل اور حسن کے درمیان۔

حسن کرسی پر نیم ساکت بیٹھا، کھانے سے زیادہ ماحول کو تولتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے نوالہ منہ میں رکھا، پانی کا گھونٹ لیا، پھر اچانک جیسے کسی اور یاد میں جا کر بولا۔

"تمہیں پتا ہے شمع، ہمارے گھر میں ایک زمانے میں بڑی فلمی سی کہانی چلی تھی۔ میرے بڑے بھائی کو اپنی ایک کزن سے محبت ہو گئی تھی۔ بہت شوق سے رشتہ مانگا، انہوں نے بھی خوشی سے ہاں کی، منگنی ہو گئی۔۔۔ پورا خاندان خوش تھا کہ چلو اپنوں میں رشتے مضبوط ہونے چلے ہیں۔"

شمع نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "پھر؟"

حسن نے کانٹا ہلکا سا پلیٹ کے کنارے سے ٹکرایا، آواز مدھم سی بجی۔ "پھر کہانی میں دوسرا 'ہیرو' آ گیا۔ اُس کے پاس پیسہ زیادہ تھا، نام بڑا تھا، اور کاروبار مضبوط۔ اچانک سب کو لگا کہ پہلی پسند تھوڑی پرانی ہو گئی ہے، نئی چمک زیادہ اُجلی ہے۔"

کومل کا ہاتھ جس سے وہ سالن اٹھانے والی تھی، لمحہ بھر کے لیے رُک گیا۔ پھر اس نے بنا کچھ کہے چمچ سے دوبارہ چاولوں کو ہلکا سا الٹ پلٹ کرنا شروع کر دیا، جیسے کوئی عام سی بات ہو۔

حسن نے جیسے خود سے بات آگے بڑھائی۔ "اس کزن نے آخر کار میرے بھائی کا دل توڑ دیا۔ منگنی ختم کر کے خود سے کافی بڑی عمر کے آدمی سے شادی کر لی۔ سب نے کہا 'تقدیر تھی' لیکن میں نے اُس فیصلے سے صرف ایک بات سیکھی۔۔۔ کہ اکثر تقدیر کے نام پر بہت سیدھا سا حساب چل رہا ہوتا ہے، روپے پیسے والا حساب۔"

کومل پہلی بار بولی۔ "اچھا؟ لیکن اب تو تمہارے بھائی کی شادی بھی ہو چکی ہے۔ اب تو وہ بھی ایک خوشگوار زندگی گزار رہا ہو گا۔"

حسن کے لبوں پر ایک ترچھی سی مسکراہٹ آئی۔ "ہاں، شادی تو ہو گئی ہے۔ گھر، بیوی، بچے۔۔۔ سب کاغذ پر مکمل۔ لیکن خوش؟ نہیں! جو آدمی ایک بار دل لگا کر ہارتا ہے، وہ بعد میں آدھا ہی جیت پاتا ہے۔ بس گزارہ کرتا ہے، خوشی کا ڈھونگ اُس سے نہیں جمتا۔"

"وہ کسی کو خوش رکھ بھی نہیں سکتا۔ ٹِک کر کوئی کام نہیں ہوتا۔ کبھی کاروبار کا شوق، یہاں انویسٹمنٹ کی، وہاں پیسہ ڈبویا، کبھی کسی دوسرے ملک نکل جانا۔ جس کا اپنا دل کہیں نہ جمتا ہو، وہ کسی اور کو کیا خوشی دے پائے گا۔"

حسن نے نوالہ منہ میں رکھا، آہستگی سے چبا کر پانی پیا، پھر نگاہ شمع کی طرف پھیر کر ایک آنکھ ہلکی سی دبا دی۔ "کہا تھا نا، پیسہ۔۔۔ آخر میں پیسہ ہی سب کچھ ٹھہرتا ہے۔ محبت، منگنی، وعدے۔۔۔ سب اُس کے سامنے پانی کی طرح بہہ جاتے ہیں۔"

شمع نے الجھن سے دونوں کے چہروں کی طرف دیکھا۔اُسے کہانی سمجھ آ رہی تھی، کردار نہیں۔ کومل نے پلیٹ میں کھانے کو تھوڑا اور ادھر اُدھر کیا، مگر پورے منظر میں اُس کے چہرے کا تناؤ اور حسن کی باتوں میں چھپا ہوا پرانا شکوہ، کمرے کی فضا میں صاف محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کی صبح غیر معمولی حد تک خاموش تھی۔ نہ علی کی شرارتوں کی آواز، نہ کومل کے تیز قدموں کا شور۔ گھر میں صرف کچن سے برتنوں کی ہلکی سی کھنک آ رہی تھی۔

شمع نے سوچا، آج شاید سکون کا دن ہو۔ کتابیں سنبھال لوں، نوٹس مکمل کر لوں۔

وہ ابھی سیڑھیوں سے نیچے اتر ہی رہی تھی کہ نیچے لاؤنج میں حسن نے اُسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ جینز، ہلکی بھوری قمیض، سیاہ جوگر، بال معمول سے ذرا زیادہ ترتیب سے جمے ہوئے۔ ہاتھ میں گاڑی کی چابی گھما رہا تھا۔

حسن نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ "اچھا ہوا تم مل گئیں۔ آج اتوار ہے اور میں نے خود سے وعدہ کیا ہے کہ کتابیں، میٹنگز، فون کالز۔۔۔ سب بعد میں۔ مجھے لاہور دیکھنا ہے، اصلی لاہور، اور گائیڈ تم ہو۔"

شمع نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ "میں؟ میں تو خود ابھی لاہور کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

حسن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "تو پھر دو طالب علم ساتھ نکلتے ہیں، ایک شہر کا، دوسرا انسانوں کا۔ ویسے بھی، اگر میں کومل سے کہوں گا لاہور دکھاؤ، تو وہ مجھے کہیں شوروم اور نمائش بازار لے جائے گی، میں وہاں پہلے ہی آدھی زندگی گزار چکا ہوں۔ تم مجھے وہ لاہور دکھاؤ، جس میں تم رہتی ہو۔"

شمع نے دوپٹہ کندھے پر درست کیا۔ "مام سے پوچھ لیا آپ نے؟"

حسن نے بے پرواانداز میں کہا۔ "ہاں، میں نے کہا شمع کے ساتھ باہر جارہاہوں، مجھے شہر گھمائے گی۔اس نے بس اتنا کہا: 'وقت پر واپس آجانا،اور شمع کو بگاڑ نہ دینا۔'اسے ڈر ہے کہیں تمہیں اپنے جیسانہ کر دوں۔"

شمع نے لمحے بھر کو سوچا، پھر سر ہلا دیا۔ "ٹھیک ہے، لیکن ایک شرط پر۔ جہاں میں کہوں گی، وہاں گاڑی روکنی ہو گی۔"

حسن نے چابی اونچی کر کے کہا۔ "منظور۔ چلو پھر، لاہور کا پہلا سبق۔"

گاڑی مال روڈ پر آنکلی۔ سڑک کے دونوں طرف پرانی عمارتوں کی قطار تھی، کہیں کہیں ریڈ برِک کا حسن، درختوں کے سائے،اور روشنی کے ہالے۔ حسن آہستگی سے گاڑی چلا رہا تھا، شمع کھڑکی کے شیشے سے باہر اشارے کر رہی تھی۔

شمع نے ایک عمارت کی طرف اشارہ کیااور کہا۔ "یہ دیکھیں، یہ ہائی کورٹ ہے،اور ادھر اسمبلی۔۔۔ یہاں فیصلے بھی ہوتے ہیں اور تقریریں بھی، دونوں کا شور ایک جیسا ہوتا ہے۔"

حسن نے سر ہلایا۔ "ہاں، یہ شور میں نے بچپن میں دادا کے ساتھ دس مرتبہ سنا ہو گا۔تب سمجھ نہیں آتا تھا لوگ اتنا زور سے کیوں بولتے ہیں۔اب سمجھ آئی کہ جن کی بات میں وزن نہ ہو، وہ آواز اونچی رکھتے ہیں۔"

شمع نے ہنسی دبالی۔ "آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ ہر جگہ 'اندر کا کھاتہ' نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی بس دیوار دیکھ کر دیوار رہنے دیا کریں۔"

حسن نے مسکرا کر جواب دیا۔ "تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم ہر دیوار کے پیچھے انسان تلاش کرنے لگتی ہو۔ خیر، سیر تم کرا رہی ہو، آگے کہاں جانا ہے؟"

"انار کلی کی طرف۔ اصل لاہور تو اندر ہے، شیشے کی دیواروں والے مالز میں نہیں۔"

حسن نے گاڑی کا رخ پرانی سڑکوں کی طرف موڑ دیا۔

گاڑی انار کلی کے قریب ایک مناسب جگہ پارک کر کے وہ پیدل چلنے لگے۔

دکانوں کے بورڈ، مصالحوں اور تیل کی ملی جلی خوشبو، رنگ برنگے کپڑے، جوتے، کتابوں کے سٹال، سب اکٹھے شور کر رہے تھے۔

حسن نے ارد گرد دیکھ کر کہا۔ "یہاں ہر چیز اتنی نزدیک ہے کہ آدمی کو خود سے بھی بچ کر چلنا پڑتا ہے۔"

شمع ہنسی۔ "یہاں انسان ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو معذرت بھی کر لیتے ہیں، مالز میں ٹکرائیں تو بس غصہ آتا ہے۔ مجھے یہ بھیڑ زیادہ سچی لگتی ہے۔"

وہ ایک پرانی کتابوں والے سٹال کے آگے رک گئی۔ "یہاں اکثر پرانی کتابیں مل جاتی ہیں۔ کبھی کسی اور کے نوٹس، حاشیے، یہاں تک کہ فون نمبر بھی نکل آتے ہیں۔ کسی اور کی زندگی کی جھلک۔"

حسن نے ایک موٹی سی کتاب اٹھائی، چند صفحات پلٹے، پھر زیرِ لب مسکرایا۔ "جوا کھیلنے والوں کی ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ وہ ہر چیز میں قسمت کا حساب لگانے لگتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر میں یہ کتاب خرید لوں تو شاید اس میں سے کوئی خفیہ خزانہ نکل آئے۔"

شمع نے فوراً پلٹ کر پوچھا۔ "آپ۔۔۔ جوا کھیلتے ہیں؟"

حسن ہنس دیا۔ "تمہاری آنکھوں میں کتنی جلدی شک آ گیا۔ میں نے ایک مثال دی تھی۔ لیکن ہاں، امریکہ میں کچھ برس ایسے بھی گزرے کہ پتا ہی نہیں تھا پیسے کام سے آ رہے ہیں یا جوئے سے۔ راتوں کو تاش کی میزوں پر آدمی اپنی عقل بھی ہار بیٹھتا ہے، صرف پیسہ نہیں۔"

"چلیں، ورنہ آپ کسی کتاب میں بھی ہار جیت ڈھونڈنے لگیں گے۔ آگے چلتے ہیں۔"

دوپہر کے بعد وہ موچی گیٹ سے نکلتے ہوئے بادشاہی مسجد کے صحن کے قریب جا پہنچے۔ سورج تھوڑا نرم ہو چکا تھا، اینٹوں کی سرخی اور گنبدوں کا تناسب دل میں ایک الگ سی گھمبیرتا پیدا کر رہا تھا۔ وہ مسجد کے صحن میں نہیں گئے، صرف باہر بیٹھک سی لگالی۔

شمع نے در و دیوار کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ جگہ مجھے ہمیشہ یہ احساس دلاتی ہے کہ انسان کتنا چھوٹا ہوتا ہے، اور پھر بھی خود کو کتنا بڑا سمجھ لیتا ہے۔"

حسن نے گردن پیچھے جھکا کر گنبدوں کو اوپر تک دیکھا۔ "مجھے یہاں آ کر اپنے دادا یاد آتے ہیں۔ وہ ہر جمعے مجھے ہاتھ پکڑ کر یہاں لے آتے تھے، کہتے تھے، 'اصل طاقت یہ ہے، باہر کا پیسہ، کاروبار، سیاست سب جھوٹ ہے'۔ پھر خود اِسی طاقت کو استعمال کر کے خاندان کے فیصلے کرتے تھے۔"

آخر وہ جیلانی پارک کی طرف مڑ گئے۔ سبزہ، فوارے، دوڑتے بچے، دوپہر کا نرم سا سکون۔ وہ ایک بنچ پر بیٹھ گئے، سامنے درختوں کی قطار تھی۔

حسن نے شمع کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ، اگر تمہیں اختیار دیا جائے کہ دنیا کا کوئی ایک شہر چن لو، رہنے کے لیے، تو کون سا ہو گا؟"

شمع نے سوچ کر جواب دیا۔ "شہر نہیں، شہر کا مزاج چنوں گی۔ وہ جگہ جہاں رات کو شور ہو سکتا ہے لیکن صبح اذان اور پرندوں کی آواز بھی ہو۔ جہاں سمندر ہو یا دریا، اور ساتھ کوئی پرانا بازار بھی۔ شاید کراچی، استنبول، یا شاید۔۔۔ کوئی نام ابھی پورا نہیں۔"

حسن نے کہا۔ "تم ہمیشہ آدھے جواب دیتی ہو۔ میں پوچھوں گا لاہور پسند ہے یا نہیں، تم کہو گی: 'کچھ حصے پسند ہیں، کچھ نہیں'۔"

"آپ کو پورے جوابوں کی عادت ہے، اس لیے آدھے کھٹکتے ہیں۔ آدھے جواب سچے ہوتے ہیں، پورے اکثر بنائے جاتے ہیں۔"

حسن نے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ "ٹھیک ہے۔ تم جیت گئیں، میں تمہیں نہیں ہرا سکتا۔ لیکن مجھے آج کے دن کی ایک بات پورے جواب کے ساتھ یاد رہے گی: تم نے مجھے وہ لاہور دکھایا جو میں شاید خود کبھی نہ دیکھ پاتا۔"

شمع نے سر جھکا کر کہا۔ "اور میں نے آپ میں وہ بات دیکھی جو شاید کومل کبھی نہیں بتاتی۔۔۔ کہ حسن صرف نفیس کپڑوں اور مہنگی گھڑی کا نام نہیں، کچھ گہری باتیں بھی ساتھ ہیں۔"

سورج ڈوبنے لگا تو وہ گاڑی واپس کینٹ کی طرف موڑنے لگے۔ پورا دن بات چیت، چلنے پھرنے، کھانے پینے، ہنسی اور گہرے سوالوں میں گزر گیا۔

حسن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ اتوار میری پوری ہفتہ بھر کی تھکن کے لیے کافی تھا، اور تم نے مجھے لاہور کے وہ حصے دکھائے جہاں پیسے کی بولی کم اور لوگوں کی آواز زیادہ تھی۔ امید ہے کومل کو یہ بات پسند نہیں آئے گی۔"

شمع نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے تو گئی تھی آپ کے ساتھ۔ کبھی کبھی مجھے بھی ان کے 'دشمنوں' کے ساتھ چلنے میں عجیب سی آزادی محسوس ہوتی ہے۔"

حسن نے ایک نظر اس پر ڈالی، پھر سڑک پر دھیان دیتے ہوئے بس اتنا کہا۔ "آزادی، شمع۔۔۔ سب سے خطرناک چیز ہے، خاص طور پر جب دشمن اور دوست کے بیچ کی لکیر دھندلی ہونے لگے۔ یاد رکھو، میں کومل کا مخالف ہوں، اُس کا دشمن نہیں۔ اور تمہارے لیے کیا ہوں؟ یہ تم خود طے کرو گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

وہ اک طلسم ہے، جس میں بلا کی حدت ہے

سوال جس کا شعور اور کھوج فطرت ہے

وہ جس کے پاس سے گزرا، وہیں ٹھہر گیا وقت

زوالِ نقش سے نکھری، نئی یہ صورت ہے

لاہور سے تقریباً گھنٹے بھر کے فاصلے پر، ہیڈ بلوکی کے قریب زین کے رشتہ داروں کی ایک حویلی تھی، جہاں پیچھے کی طرف اُن کے اپنے کھیت اور اُن کے پار گھنا سا جھاڑیوں والا جنگل پھیلا ہوا تھا۔

سڑک ذرا تنگ اور سنجیدہ ہونے لگی تھی۔ دائیں بائیں پکی آبادی کم ہو کر کھیتوں اور درختوں میں بدل گئی تھی۔

زین کی گاڑی جب اُس کچے راستے پر مڑی جس کے آخر میں وہ قلعہ نما حویلی تھی، تو حماس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر گہری سانس لی۔ "واہ، یہ لوگ تو سچ میں، حویلی میں رہتے ہیں۔"

سامنے اونچی دیواریں تھیں، پختہ اینٹوں کی، اوپر کنگرے بنے ہوئے، درمیان میں بڑا سا لوہے کا دروازہ جس پر پرانی طرز کی کیلیں لگی تھیں۔ دروازے کے دونوں طرف اونچے درخت، جن کی شاخیں دیوار کے اوپر سے جھانک رہی تھیں۔ جیسے ہی گاڑی قریب پہنچی، اندر سے دروازہ چرچراتا ہوا کھلا۔ ایک عمر رسیدہ ملازم نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ماتھے کی جانب لے جا کر سلام کیا۔

اس نے زین کو دیکھ کر کہا۔ "آ گئے میاں جی، کافی دنوں بعد تشریف لائے ہیں، شکار کا موسم ہے نا، اسی لیے اپنی زمین یاد آ گئی۔"

اندر داخل ہوتے ہی وسیع صحن تھا، جس کے ایک طرف لمبا برآمدہ اور کمرے، دوسری طرف گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ۔ پیچھے کی سمت حویلی کی پشت سے لگ کر دور تک کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ کھیتوں کے پیچھے جھاڑیوں اور درختوں کا جھنڈ تھا، جو شام کی روشنی میں گہرے سائے کی صورت دکھائی دے رہا تھا۔ دور کہیں پرندوں کی واپسی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

زین نے گاڑی سے اترتے ہی پوچھا۔ "گھر کچھ سُونا لگ رہا ہے۔"

ملازم نے ایک طائرانہ نگاہ سامنے کھڑی عمارت پر ڈالی۔ "سب لوگ تو عمرے پر گئے ہیں، بس آپ کے کزن رہ گئے ہیں اور۔۔۔اِس قلعے کے رکھوالے، ہم ملازمین۔ اسی لیے تو صاحبزادوں نے آپ کو پیغام بھیجا تھا کہ شکار کا لطف مل کر اُٹھایا جائے۔"

حماس نے مسکرا کر زین کو کہنی ماری۔ "پورا لشکر صرف لڑکوں کے حوالے ہے؟"

زین ہنسا۔ "ہاں بھائی، یہی تین بھائی، اور ہم دو، سب مل کر آج پوری ریاست سنبھالیں گے۔"

زین کے تینوں کزن—فہد، اسد اور عیسیٰ—حویلی کے اندرونی حصے سے باہر نکل آئے۔ اسد کے ہاتھ پچھلے ماہ ہی گریجویشن کی ڈگری آئی تھی جبکہ فہد اور عیسیٰ دونوں کچھ عرصہ پہلے تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔ عیسیٰ شادی شدہ، ایک بچے کا باپ تھا، جبکہ اسد کی منگنی ہو چکی تھی اور جلد ہی شادی متوقع تھی۔ یہ ایک زمیندار گھرانہ تھا ، جہاں اپنی فصلوں کا حساب کتاب رکھنا ہی ان کا اولین فریضہ تھا۔

فہد نے آگے بڑھ کر کہا۔ "حماس سلطان، بہت سن رکھا ہے تمہارے بارے میں۔" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ "دیکھتے ہیں، شکاری کتنے اچھے ہو، نشانہ کیسا لیتے ہو۔"

حماس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اب ذرا بہتر ہونے لگا ہے۔"

شام کا باقی حصہ گپ شپ، چائے، اور اگلے دن کے منصوبے میں گزر گیا۔ حویلی کے عقب سے نکلنے والا بڑا سا دروازہ سیدھا کھیتوں کی طرف کھلتا تھا۔ مغرب کے بعد حویلی کے صحن میں صرف برقی روشنیاں رہ گئیں، پیچھے کی طرف اندھیرا گہرا ہوتا چلا گیا۔ دور کھیتوں کی ہوا میں خنکی بڑھ رہی تھی۔

سب نے خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا، اور طے ہوا کہ صبح اندھیرے میں ہی نکلنا ہے۔

"ہمارے پاس لائسنس ہے۔" عیسیٰ نے ڈائننگ ٹیبل سے اٹھتے ہوئے اطلاع دی۔ "غیر قانونی شکار کرتے ہیں، نہ ہی اناڑی ہیں۔"

"میں نے اسے بتایا تھا۔" زین نے ایک نظر حماس پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "شکار اور اسلحہ دونوں لائسنسڈ ہیں۔"

ہنوز آسمان پر ستارے مدھم تھے، جب حویلی کے صحن میں ہلچل شروع ہو گئی۔ بڑے برآمدے کے سامنے والی جگہ پر ایک مضبوط ڈبل کیبن گاڑی کھڑی تھی۔ پیچھے والے حصے میں لکڑی کے تختے بچھے تھے، اُن کے

ساتھ دو صحتمند شکاری کتے زنجیروں سے بندھے ہوئے بیٹھے تھے—ایک سیاہ اور سفید دھبوں والا، دوسرا بھورا چشمے دار۔ دونوں کے کان ہل رہے تھے، جیسے وہ بھی جانتے ہوں کہ آج کوئی سرگرمی ہونے والی ہے۔

ملازم کارتوسوں کی پیٹیاں، پانی کے ڈبے، کچھ خشک خوراک کے پیکٹ گاڑی میں رکھ رہے تھے۔ رائفلیں پہلے ہی صاف کر کے ایک طرف رکھ دی گئی تھیں۔ حماس نے ایک رائفل ہاتھ میں لے کر احتیاط سے چیک کی، نالی میں روشنی ڈالی، سیفٹی لاک دھیان سے دیکھا۔

فہد نے سیٹی بجا کر کہا۔ "دیکھو، لاہور والا لڑکا ہمارے گاؤں کی رائفل سے بھی زیادہ چمک رہا ہے۔"

زین پاس آ کر، نیم سرگوشی میں حماس کے کان میں بولا۔ "یہ نہیں جانتے ہمارا شیر فُل فارم میں ہے، کبھی کبھار کی پلز لینا بھی ترک کر چکا ہے۔" مسکراتے ہوئے آنکھ دبائی۔ "کچھ بھی ہو سکتا ہے!"

حماس نے خالی زمین پر کھڑے ہو کر دو تین بار ہدف پر خالی نشانہ باندھا، سانس روکنے اور چھوڑنے کی ترتیب خود کو یاد دلاتے ہوئے۔

حرکات میں اب وہ لڑکپن والی جلدی نہیں تھی، ایک عجیب سا اطمینان تھا۔

کچھ ہی دیر میں سب گاڑی میں سوار ہوئے، کتے پیچھے، ملازم ساتھ۔ گاڑی حویلی کے پچھلے دروازے سے نکل کر کچی سڑک پر چلنے لگی۔ دونوں اطراف میں پھیلے ہوئے وسیع کھیت، اور آخری سرے پر پھیلے ہوئے درختوں کے جھنڈ، سامنے دور ہلکے نیلے اجالے میں افق کی لکیر۔ ہوا میں مٹی اور گیلی گھاس کی ملی جلی خوشبو تھی۔ سورج ابھی پوری طرح نہیں نکلا تھا، جب گاڑی کھیتوں کے پاس رکی۔ سامنے ایک لمبا قطعہ تھا، جہاں

جھاڑیاں اور لمبی گھاس ملی جلی اُگی ہوئی تھی۔ ملازموں نے کتوں کی زنجیریں کھولیں، مگر لگام ہاتھ میں ہی رکھی، تاکہ وہ حکم کے بغیر نہ دوڑیں۔

زین نے سرگوشی میں بتایا۔ "یہ علاقہ تیتر کے لیے مشہور ہے، صبح کے وقت گھاس میں چھپے ہوتے ہیں۔ بس ایک بار اڑتے نظر آ جائیں، پھر ہاتھ اور آنکھ پر منحصر ہے۔"

سب نے اپنی رائفلیں سنبھالیں۔ اسد آگے، زین اور حماس درمیان میں، عیسیٰ اور فہد دونوں پیچھے۔ یہ صف آہستہ آہستہ جھاڑیوں کے کنارے کے ساتھ چلنے لگی۔ ہر قدم کے ساتھ گھاس میں ہلکی سی سرسراہٹ، کہیں دور کوے کی آواز، اور کتے وقفے وقفے سے سونگھتے ہوئے، سانس بھرتے۔

اچانک دائیں طرف کی جھاڑی میں پھڑ پھڑاہٹ کے ساتھ ایک پرندہ بھاگا۔ عیسیٰ نے گھبرا کر رائفل اٹھائی، گولی چلی مگر پرندہ آگے نکل گیا، شوٹنگ سے زیادہ دھواں اٹھا۔ ہنسی کی مدھم لہر سب میں دوڑ گئی۔

فہد نے چھیڑا۔ "اوئے، تم نے تو صرف نیند اُڑائی ہے اُس کی، جان نہیں۔"

چند قدم اور آگے بڑھے تو سامنے والی جھاڑی سے اچانک ایک تیتر تیزی سے اوپر اُٹھا، پَر پھڑ پھڑاتے، سیدھا اوپر جا کر ایک طرف کو جھک گیا۔ اس بار کسی نے کچھ کہنے کی مہلت نہیں دی؛ حماس نے رائفل اوپر کی، ایک لمحے کو سانس روکی، انگلی نے نرمی سے ٹریگر کو دبایا۔ گولی کی آواز صبح کی خاموشی کو چیرتی ہوئی نکلی اور پرندہ ہوا میں ہلکا سا لڑھک کر نیچے گرتا گیا۔

سب کے قدم ایک ساتھ رُک گئے۔ ملازم دوڑ کر آگے گیا، تیتر کو اٹھایا، واپس لا کر حماس کی طرف بڑھایا۔ پرندے کے سینے میں چھوٹا سا سوراخ، خون کی ہلکی سی لکیر، مگر جسم پورا سلامت۔

ملازم کی زبان پر احترام آمیز حیرت آ گئی۔ "اوئے باجی نوں ویکھو، بلکل درمیان وچ لگا اے۔"

زین نے بے ساختہ کہا۔ "لگتا ہے، آج کے باقی حساب میں بھی حماس ہی آگے رہے گا۔"

مزید چند منٹوں میں سب نے اپنی اپنی قسمت آزمائی، کچھ نشانے چُوکے، کچھ لگے، مگر مجموعی طور پر سب کی باتوں، قہقہوں اور چلنے پھرنے میں ایک جوش سا تھا۔ البتہ حماس کے ہاتھ میں جو رائفل تھی، اُس کے ہر وار میں ایک طرح کی خاموشی اور یقین محسوس ہو رہا تھا، جیسے وہ باہر کے ہدف پر کم، اندر کے توازن پر زیادہ دھیان دے رہا ہو۔

شام ڈھلتے ہی حویلی میں واپسی ہوئی، مختصر آرام، ڈنر، پھر رات کا منصوبہ۔

آج رات کھیتوں کے اُس حصے پر بیٹھنا تھا جہاں کچھ دنوں سے جنگلی سور رات کو آ کر فصل اُجاڑ رہے تھے۔ یہ محض شکار نہیں، کاشت کی حفاظت بھی تھی۔

اندھیرا خوب گہرا ہو چکا تھا، جب سب نے ہلکی گرم جیکٹیں پہنیں، دوبارہ رائفلیں سنبھالیں۔ کتے اس بار زیادہ چوکنے لگ رہے تھے۔ فہد نے سمجھایا۔ "جنگلی سور بڑی ضدی مخلوق ہے۔ سیدھا کھیت میں آتا ہے، کچھ بھی سامنے آئے، روند کر نکل جاتا ہے۔ فاصلے سے ٹھیک نشانہ لینا ضروری ہے، ورنہ الٹا ہمارے لیے مسئلہ بن جائے گا۔"

کھیتوں کے کنارے مٹی کے بڑے تھڑے تھے، جہاں بیٹھنے کے لیے چٹائیاں ڈال دی گئیں۔ چاند نکلا ہوا تھا، روشنی مدھم مگر کافی تھی۔ دور کہیں جھینگروں کی مسلسل آواز، کبھی کتے کی سرگوشی جیسی بھونک، اور ہوا کے ساتھ ہلکی سی ٹھنڈک۔

سب تھڑوں پر بیٹھ گئے، رائفلیں گھٹنوں پر، آنکھیں اندھیرے میں سائے تلاش کرتی ہوئیں۔ وقت آہستہ آہستہ سرک رہا تھا۔ کبھی کوئی کسی دوسرے کو دھیرے سے چھیڑ دیتا۔ کوئی لطیفہ، کوئی پرانی یاد۔۔۔ پھر سارے ہنس کر دوبارہ خاموش ہو جاتے۔

یکایک دائیں طرف سے جھاڑیوں میں زور سے کھسر پھسر ہوئی، ساتھ ہی گندم کی بالیاں ایک ساتھ ہلتی دکھائی دیں۔ کتے ہلکا سا گرجے، اسد نے فوراً ان کی لگام مضبوطی سے تھام لی۔ عیسیٰ نے آہستہ سے سمجھانے کی کوشش کی۔ "سش۔۔۔ آرام سے، پہلے دیکھو پھر دوڑو۔"

تھوڑی ہی دیر میں تاریکی میں سے ایک بھاری بھرکم سایہ نمودار ہوا۔

جنگلی سور تھا—سیاہ، جسم پر موٹے بال، ناک زمین کے قریب، کھیت کی جڑوں کو سونگھتا ہوا، آگے بڑھتا ہوا۔ وہ سیدھا گندم والے حصے کی طرف آ رہا تھا۔

فہد نے سانس روک لیا، اسد نے رائفل اوپر کی، مگر ہاتھ کانپ رہے تھے۔

حماس اپنے تھڑے پر بیٹھا پوری توجہ سے اُس کے چلنے کا زاویہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے رائفل کا اگلا حصہ تھوڑا سا اوپر کیا، آنکھ دوربین نما نشانے پر لائی، سانس اندر اور باہر، پھر ایک لمحہ مکمل سکون۔

دل میں کہا۔ "اب!"

گولی کی آواز اندھیرے میں تیز گونجی۔ لمحے بھر کو جنگلی سور نے دھڑکا سا کھایا، پھر دو تین قدم ڈگمگا کر زمین پر گر گیا، ٹانگیں کسی بے نور لکڑی کی طرح ایک طرف جھٹک گئیں۔ تھوڑی دیر تک اُس کے جسم میں ہلکی سی جنبش رہی، پھر وہ ساکت ہو گیا۔

کچھ لمحوں کے لیے سب سناٹے میں آ گئے۔ پھر ملازم نے آہستہ سے سبحان اللہ کہا۔ اسد نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ "یہ فاصلہ۔۔۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی دور سے صاف لگ سکتا ہے۔"

رات کی ہوا میں کھیتوں کی خوشبو، خون کی ہلکی سی بُو، اور گولی کی بازگشت ابھی تک موجود تھی۔ ملازموں نے مل کر اُس جانور کو گھسیٹ کر کھیت سے باہر نکالا، فصل بچ گئی تھی۔

واپسی پر حویلی کی طرف چلتے ہوئے حماس کے قدم باقی سب کی نسبت کچھ زیادہ مضبوط لگ رہے تھے۔ جیسے اُس نے جنگلی سور سے زیادہ، اپنے اندر کے کسی خوف یا انتشار پر گولی چلائی ہو اور پہلی بار اُسے گر کر ساکت ہوتے دیکھا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

اینتھروپولوجی کی کلاس کا وہ وقت تھا جب خاموشی کو بھی معنی مل جاتے۔ پروفیسر فرحانہ قیصر نے آج آتے ہی بنا کچھ کہے بورڈ پر ایک سوال لکھ دیا تھا۔

"کیا آپ کی ثقافت آپ کو بولنے دیتی ہے، یا وہ خود بولتی ہے؟"

"آج ہم ایک تجربہ کریں گے۔" اُنہوں نے کہا، چائے کا کپ ہاتھ میں لیے بغیر —— یہ خود ایک اشارہ تھا کہ آج کچھ الگ ہونا ہے۔ "ہر جوڑی ایک دوسرے کی زبان میں ایک لفظ منتخب کرے گی —— وہ لفظ جو ان کی ثقافت کی آواز ہو۔ پھر وہ لفظ، اس کے معنی بتائے بغیر، دوسرے جوڑے کے سامنے صرف ادا کرنے کی کوشش کرے گی۔"

زین نے فوراً شمع کی طرف دیکھا۔

شمع نے کتاب اُٹھالی، جیسے یہ کوئی امتحان ہو۔

"میں اور مشعل 'آہ' لیں گے۔" حماس نے کہا۔ پروفیسر نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "دادو کہا کرتی تھیں؛ آہ ، یہ بچے تو میرا سر گھمادیں گے۔ یہ وہ لفظ ہے جو ہم بچپن سے سنتے آرہے ہیں۔"

"بہت اچھے۔" فرحانہ نے سر ہلایا۔

شمع نے کچھ دیر سوچا، پھر بولی۔ "بس۔ یہ ہمارا لفظ ہوگا۔"

"بس؟" کوئی پوچھنے لگا۔

"جی ہاں۔" شمع بولی، آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لیے۔ "ہمارے گھر میں جب کوئی کچھ کہنا چاہتا ہے مگر کہہ نہیں سکتا، تو وہ صرف کہتا ہے 'بس'۔ اس ایک لفظ میں درد، رضامندی اور خاموشی تینوں ہوتے ہیں۔"

"بس۔" زین نے کچھ نہیں کہا، لیکن اُس کی انگلیاں میز پر وہی لفظ لکھ رہی تھیں جو شمع نے کہا تھا۔ جیسے وہ اُس کی خاموشی کو اپنے اندر اتار رہا ہو۔

"اب تم، حماس۔" پروفیسر نے کہا۔ "تمہیں شمع اور زین کا لفظ بغیر معنی بتائے ادا کرنا ہے۔"

حماس نے گہری سانس لی، پھر آہستہ سے بولا۔

"بس۔"

پروفیسر اور طلبہ کے بیچ کافی دیر یہی مشق چلتی رہی۔

کلاس کے اختتام پر شمع پوری طرح زین کی جانب گھوم گئی۔

"تم نے ہمارا لفظ کیوں نہیں منتخب کیا؟"

زین نے کندھے اُچکائے۔ "میں نے سوچا—— تم ویسے ہی بہت کچھ کہہ چکی ہو۔"

"لیکن میں نے کبھی تمہیں نہیں کہا—— زین، بس۔"

زین چُپ رہا۔

پروفیسر فرحانہ قیصر نے کچھ فاصلے سے ان کے بیچ ہوتا تبادلہ دیکھا، اور اپنی ڈائری میں لکھا۔

"ثقافت صرف وہیں ختم ہوتی ہے جہاں انسان خاموش ہو جاتا ہے۔
لیکن جب خاموشی بھی معانی بانٹنے لگے، تو وہیں سے نئی ثقافت کا آغاز ہوتا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کلب میں آج غیر معمولی چہل پہل تھی۔ ایک طرف شیشے کی دیواروں کے پیچھے اسکواش کورٹ روشن تھے، دوسری طرف کھلے میدان میں آرچری اور شوٹنگ رینج لگے ہوئے تھے۔ اندرونی اطلاع کے مطابق آج کلب کا سالانہ 'اسپورٹس ڈے' تھا، جس میں ممبران کے درمیان مختلف مقابلے ہو رہے تھے۔

شمع، مشعل اور مہوش تینوں مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئیں۔ زین نے پیغام بھیجا تھا: "آج میرا بھی میچ ہے، اور حماس بھی آرچری اور شوٹنگ میں سب کو ٹکر دینے والا ہے۔ تم لوگ آؤ تو مزا آئے گا۔"

انہوں نے ناموں کی فہرست والے بورڈ پر نظر دوڑائی۔اسکواش کے حصے میں 'زین سلمان 'اور 'اسجد کامران' کے نام سیمی فائنل کے خانے میں درج تھے،اور نیچے فائنل کے لیے پہلے سے کوالیفائیڈ شمشیر خان اور دوسرے متوقع کھلاڑی کے نام کے لیے خالی جگہ تھی۔

جو بھی سیمی فائنل جیتتا،اس کا مقابلہ فائنلسٹ سے طے پاتا۔

دوسری طرف آرچری اور شوٹنگ کی فہرست میں 'حماس سلطان 'کا نام نمایاں تھا۔

مشعل نے بے اختیار دل میں دعا سی کی۔

شیشے کی دیوار والے کورٹ کے باہر لوگ قطار در قطار کرسیوں پر بیٹھے تھے۔اندر زین اور اسجد وارم اپ کر رہے تھے۔دونوں نے سفید ٹی شرٹ، شارٹس اور کھیلوں کے جوتے پہنے ہوئے تھے،ہاتھ میں ریکٹ،ماتھے پر پسینے کی پہلی بوندیں۔

شمع نے قریب ہوتے ہی سرگوشی کی۔"زین کے چہرے پر آج عجیب سا اطمینان ہے۔"

میچ شروع ہوا۔پہلی گیم میں دونوں نے برابر کا مقابلہ کیا۔گیند دیواروں سے ٹکراتی،ہوا کو چیرتی،اور دونوں کھلاڑی کمر سے جھکے دوڑتے،رک کر وار کرتے،پھر دوڑتے۔شمع نے زیرِلب 'واہ' کہا جب زین نے ایک مشکل بال کو دیوار سے مڑوا کر کارنر میں گرا دیا،اسجد وہاں تک پہنچ نہ سکا۔

پہلی گیم زین کے نام ہوئی۔دوسری میں اسجد نے حکمت عملی بدلی،زین کو آگے پیچھے دوڑاتے ہوئے،اُس کی سانس پھُلانے کی کوشش کی۔کچھ دیر کے لیے وہ کامیاب بھی ہوا،دوسری گیم اُس کے نام گئی۔

تیسری فیصلہ کن گیم میں تماشائیوں کی بے چینی بڑھنے لگی،اور ایکسائٹمنٹ بھی۔زین کے چہرے پر تھکن کے باوجود عزم تھا،اسجد کے چہرے پر وہی ٹھہری ہوئی سنجیدگی۔ایک لمبی ریل میں گیند کئی بار دیواروں سے ٹکرائی،دونوں کبھی آگے، کبھی پیچھے دوڑتے رہے۔

آخر کار زین نے ایسا شاٹ کھیلا جس پر اسجد سے غلطی ہو گئی۔گیند بہت نیچے رہی،اسجد نے ریکٹ آگے بڑھایا تو گیند سامنے والی دیوار کی نچلی لکیر سے ذرا نیچے جا لگی اور سیدھی فرش پر آ گری۔

"آؤٹ!"امپائر نے بلند آواز میں اعلان کیا۔

امپائر نے فوراً پوائنٹ زین کے حق میں دے دیا۔آخری دو پوائنٹس میں زین نے پوری طاقت جھونک دی؛ ایک بار گیند کو دیوار کے ساتھ ساتھ پھسلا کر اسجد کی پہنچ سے باہر کر دیا،دوسری بار اُسے غلط سمت دوڑا کر خالی کونے میں گیند گرا دی۔

سیٹی بجی اور میچ ختم ہو گیا۔

زین نے دونوں بازو اوپر اٹھا کر سانس بھری،اسجد نے رسمی مصافحہ کیا، مگر آنکھوں میں چبھن واضح تھی۔باہر کھڑی شمع نے تالیاں بجائیں، مشعل اور مہوش نے بھی ساتھ دیا۔

"زین نے اسجد کو ہرایا!"مہوش نے حیرت سے کہا۔

فائنل میں،تاہم،زین ایک اور تجربہ کار ممبر کے سامنے آ گیا۔طول پکڑتی گیم، پچھلے میچ کی تھکن،اور حریف کی تکنیک—تینوں نے مل کر زین کو پیچھے دھکیل دیا۔اُس کا دل چاہے جتنا لڑے، جسم ساتھ نہ دے سکا۔ فائنل وہ ہار گیا، لیکن جب باہر آیا تو شمع کی آنکھوں میں فخر تھا، شکست کا افسوس نہیں۔

شمع نے پانی کی بوتل دیتے ہوئے کہا۔ "سیمی فائنل میں تم نے جس کو ہرایا ہے نا، وہ اصل جیت تھی۔ باقی تو صرف تسلی کے میچ تھے۔"

زین نے بے اختیار ہنستے ہوئے کہا۔ "میرے لیے اتنا کافی ہے کہ میری تکنیک پہلے سے بہتر ہو گئی۔ اب چلتے ہیں، اصلی تماشا ادھر ہے۔۔۔ تیر اور گولی والا۔"

کھلے میدان میں لکڑی کے تختوں پر دائرہ دار نشانے لگے ہوئے تھے۔ ہر نشانے کے بیچ میں سنہری رنگ کا چھوٹا سا گول دائرہ، اُس کے گرد سرخ، پھر نیلا، پھر سیاہ اور سفید حلقے۔ چند قدم پیچھے موٹی نشان زدہ لکیر تھی، جہاں سے شرکاء کو تیر چلانے تھے۔ رینج کے بعد حفاظتی لکڑی کی باڑھ، اُس کے پیچھے تماشائیوں کے لیے بنچیں۔

حماس تیر کمان ہاتھ میں لیے، دوسرے شرکاء کے ساتھ کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر پر سکون سنجیدگی تھی۔ بے صبری نہ بے جا اعتماد۔

مشعل نے دور سے اُسے دیکھا تو دل میں عجیب سا فخر ابھرا، جسے اُس نے فوراً کسی اور خیال میں دبا دیا۔

زین، ابھی بھی پسینے میں بھیگے ہوئے، شمع اور مہوش کے ساتھ پیچھے والی بنچ پر آ بیٹھا۔ سانس سیدھی کرتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔ "اب دیکھنا میرے شیر کا کمال۔"

اس وقت حماس کے ذہن میں کوچ کی ہدایت گونج رہی تھی: "یاد رکھنا، الٹا ہاتھ مضبوط، سیدھا ہاتھ نرم۔ نشانہ ہلتا ہوا ہاتھ نہیں، بھاگتا ہوا دماغ ہوتا ہے۔ جب دماغ ایک نقطے پر آ جائے، تیر خود راستہ چن لیتا ہے۔ سانس اندر۔۔۔ روک۔۔۔ پھینک۔"

پہلے راؤنڈ میں سب نے تین تین تیر چلانے تھے۔ایک کے بعد ایک شرکاء آگے بڑھتے، نشانہ لیتے، تیر چلتا، کہیں نیلے، کہیں سرخ، کہیں باہر کے حلقوں میں جا کر گڑتا۔تالیاں کبھی زور سے، کبھی آہستہ بجتیں۔

حماس کی باری آئی۔اُس نے آہستگی سے تیر کمان پر چڑھایا، پیروں کو مضبوطی سے زمین پر جمائے، آنکھ دائرے کے بیچ والے چھوٹے سنہری نقطے پر گاڑ دی۔ کوچ کی بات دماغ میں گونجنے لگی۔"جب دماغ ایک نقطے پر آجائے۔۔۔"

اس نے سانس اندر کھینچی، روک لی، ہاتھ پیچھے کھینچا، کمان کی ڈور میں تناؤ آیا، پھر انگلی نے نرمی سے چھوڑا۔

تیر سنّاکر کے فضا میں گیا، نشانے کے عین سرخ حلقے میں جا کر گڑا۔

زین نے سرگوشی میں کہا۔"پہلا وار بس وارم اپ ہے۔"

دوسرا تیر اُس نے کچھ دیر بعد چلایا۔اس بار اُس نے پہلے چند ثانیے آنکھیں بند کیں، جیسے ذہن کی ساری بھاگ دوڑ سمیٹ رہا ہو، پھر آنکھیں کھول کر سیدھا نقطے پر فوکس کیا۔ تیر چھوٹا، جا کر سنہری دائرے کے کنارے پر گڑا۔ کوچ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

تیسرا تیر سب کے لیے فیصلہ کن تھا۔ باقی شرکاء کے پوائنٹس ملی جلی سطح پر تھے، مگر حماس اگر یہ تیر مرکز میں لگا دیتا تو راؤنڈ واضح طور پر اُس کے نام ہو جاتا۔اُس نے کمان اٹھائی، اس بار ہاتھوں کی حرکت پہلے سے بھی نرم اور یقینی تھی۔ دماغ میں صرف ایک ہی جملہ تھا۔"بھرتی سانس، ٹھہرا دماغ، سیدھا راستہ۔"

تیر فضا میں نکلا، سیدھا مرکز کے بیچ والے سنہری دائرے میں جا کر پیوست ہو گیا۔ رینج پر کھڑے ریفری نے سیٹی بجائی، اور تماشائیوں نے واضح طور پر زور سے تالیاں بجائیں۔

زین نے دبی آواز میں کہا۔ "جو پہلے اندر سے لڑکھڑاتا تھا، اب تیر اس کے ہاتھ سے نہیں لڑکھڑاتا۔"

اگلے راؤنڈز میں بھی حماس نے اپنی برتری برقرار رکھی۔ آخر میں اُس کا نام "آرچری چیمپئن" کے طور پر پکارا گیا۔

آرچری کے فوراً بعد شوٹنگ کا مقابلہ تھا۔ اس بار ایئر رائفل سے مقررہ فاصلے پر لٹکے ہوئے کاغذی نشانے لگے تھے، جن پر گول گول دائرے بنے تھے، مرکز پر چھوٹا سا سیاہ نقطہ۔ سب شرکاء کو حفاظتی عینکیں اور کانوں کے لیے نرم بند دیے گئے تھے۔

حماس نے عینک لگائی، رائفل ہاتھ میں لی اور اپنے بوٹوں کے نیچے زمین کی سختی محسوس کی۔

کوچ کی آواز پھر ذہن میں گونجی: "گولی ہاتھ سے نہیں چلتی، فیصلہ دماغ کے اندر کہیں ہوتا ہے۔ ہاتھ سیدھا کرنے سے پہلے، ذہن کو سیدھ میں کرنا ضروری ہے۔"

پہلا شاٹ اُس نے بیٹھے بیٹھے لگایا۔ رائفل کندھے سے لگی، گال ہلکا سا اسٹاک پر ٹکا، آنکھ مرکز پر، سانس مدھم۔ ٹریگر دبایا، آواز گونجی، چند لمحے بعد ریفری نے بتایا، "نو۔" یعنی دائرے کے اندر، مرکز سے ذرا سا باہر۔

دوسرا شاٹ کھڑے ہو کر لگایا۔ گولی چلی، نشانے کے عین سیاہ نقطے کے اندر سوراخ بن گیا۔

آخری شاٹ میں، جب باقی شرکاء کسی نا کسی حد تک ڈگمگا چکے تھے، حماس نے رائفل پھر سنبھالی، لیکن اس بار اس کے چہرے پر زیادہ نرم تاثر تھا۔

جیسے اب وہ خود کو آزمانے کے لیے نہیں، بس عمل مکمل کرنے کے لیے فائر کر رہا ہو۔ گولی چلی اور نشانے کے اندر جا کر پیوست ہو گئی۔

مجموعی پوائنٹس کا اعلان ہوا تو شوٹنگ میں بھی حماس کا نام سب سے اوپر تھا۔ آرچری اور شوٹنگ دونوں میں پہلی پوزیشن۔ لوگ تالیاں بجاتے ہوئے اُس کا نام پکار رہے تھے، آخر میں منعقد کی گئی چھوٹی سی تقریب میں، انعامی کپ اُس کے ہاتھ میں تھمایا گیا۔

شمع نے زین کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اب سمجھ آیا کیوں تم اسے 'شیر' کہتے ہو۔"

زین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "شیر اب خود کو مانے یا نہ مانے، میں تو کافی دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اس کا شکار پہلے اندر شروع ہوا ہے، باہر تو بس نتیجہ ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

"میرا ایک کزن ہے، اس کا دوست بزنس سٹڈیز میں اسجد کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔" اسجد ان سے نا صرف سینیئر تھا، ڈپارٹمنٹ بھی مختلف تھے۔

اس وقت زین اور شمع یونیورسٹی کی کیفے ٹیریا میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شمع نے جواباً اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

زین نے وضاحت کی۔ "میں نے اسے کہا کہ کسی طرح اسجد کا ایڈریس معلوم کروا دو۔"

"ویری گُڈ!" شمع نے جوش سے ہاتھ میز کی سطح پر مارا۔ "آگے کا کیا پلان ہے؟"

"میں رات میں وہاں جاؤں گا۔"

"جاسوسی کرو گے؟" شمع کے لہجے میں ایکسائٹمنٹ تھی۔

"مشاہدہ، ڈئیر فرینڈ۔"

"ضروری تو نہیں کہ ان کے گھر کے باہر بیٹھنے سے کوئی سراغ ہاتھ لگ ہی جائے۔" ٹھوڑی کے نیچے ہتھیلی رکھے وہ سوچ میں ڈوبے انداز میں گویا ہوئی۔ "وہ بہت شاطر ہے، ایسے لوگ ضرورت سے زیادہ محتاط ہوتے ہیں۔"

"تمہارے پاس کوئی بہتر پلان ہے تو وہ بتادو؟" زین چڑ کر بولا۔

زین نے گاڑی سڑک کے کونے پر، ہلکے اندھیرے میں کھڑی کی۔ یہ ایک پوش رہائشی علاقہ تھا۔ اس کا ہدف سڑک کے دوسری طرف کھڑا، دو منزلہ سفید بنگلہ تھا۔ اونچا گیٹ،

دونوں طرف بڑی دیواریں، جبکہ اندر لگے دو تین اونچے درختوں کے سرے ان دیواروں سے بھی بلند تھے۔ اس سڑک سے کبھی کبھار ایک آدھ گاڑی گزرتی، ورنہ ہر شے ساکت تھی۔

اس نے گھڑی دیکھی، ساڑھے دس بج رہے تھے۔ خود سے کہا۔ "چلو دیکھتے ہیں۔"

اس نے سیٹ پیچھے کر کے لمبا سانس لیا، اور گاڑی کی لائٹس بند کر دیں۔

ایک گھنٹہ، دو گھنٹے۔۔۔ کبھی گیٹ کے اندر سے روشنی جھلملاتی، کبھی زین گھڑی پر نظر ڈالتا اور وقت ٹھہرا ہوا محسوس ہوتا۔

کوئی غیر معمولی حرکت نہ ہوئی۔ جیسے جیسے رات گہری ہوئی، رستہ مزید سنسان ہوتا گیا۔

زین کی پلکیں بھاری ہونے لگیں۔

بارہ بجے کے قریب اس نے موبائل نکالا، شمع کو تھکی ہوئی آواز میں بتایا۔ "کچھ بھی نہیں ہوا۔ بس ایک ٹھہری ہوئی رات ہے اور میں ہوں، درخت پر اُلٹی لٹکی ہوئی چمکادڑ کی طرح، ہوا میں معلق۔ شاید ہم فضول شک کر رہے ہیں، یونہی وقت برباد ہو رہا ہے۔"

شمع نے فون کی دوسری طرف سے پُر سکون لہجے میں جواب دیا۔ "پہلی رات میں ہی سب کچھ مل جائے تو جرم کہانی نہیں، خواب ہوتا ہے۔ تم واپس آ جاؤ؛ کل میں بھی ساتھ چلوں گی۔ بارہ تک کا محدود وقت رکھیں گے۔ دو راتوں کا پیٹرن دیکھے بغیر فیصلہ نہ کرو۔" وہ رکی۔ "ویسے بھی بہتر آپشن یہ ہے کہ گاڑی میں ایک کی بجائے دو لوگ ہوں۔ کوئی قریب آیا تو ہم کوئی قابلِ یقین بہانہ بنا سکیں گے۔"

اگلی رات وہ دونوں ایک ساتھ تھے۔ وہی سڑک، گیٹ اور اونچی دیواریں۔ گاڑی پھر نسبتاً اندھیری جگہ پر کھڑی تھی، لائٹس بند تھیں۔

دونوں نے خود کو ذرا نیچے سرکا لیا تھا۔

گیارہ بجے کے کچھ ہی منٹ بعد پہلی گاڑی آئی۔ عام سی چمکتی ہوئی کار، آہستگی سے گیٹ کے سامنے رُکی۔ اندر سے کوئی اُترا نہیں، بس ڈرائیور نے فوراً موبائل نکالا اور شاید کوئی پیغام بھیجا۔ چند لمحوں بعد گیٹ کے اندر سے ملازم نمودار ہوا، ہاتھ میں درمیانے سائز کا کالا تھیلا، یا بیگ تھا۔ بغیر ایک لفظ کہے وہ بیگ کھڑکی سے گاڑی والے کے حوالے کیا۔ گاڑی فوراً آگے چل دی، گیٹ بند ہو گیا۔

تقریباً بیس منٹ بعد دوسری گاڑی آئی۔ اس بار انداز الگ تھا؛ گاڑی سیدھی اندر چلی گئی، اور گیٹ بند ہو گیا۔ دس منٹ بعد گاڑی واپس باہر نکلی۔ جب وہ گاڑی جانے لگی تو شمع نے دیکھا کہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر کوئی شخص سر جھکائے بیٹھا ہے، جس نے کھڑکی کے شیشے سے اندر کی طرف ہاتھ ہلایا، جیسے الوداع کہہ رہا ہو۔ چہرہ صاف دکھائی نہیں دیا۔

پونے بارہ کے قریب تیسری گاڑی آئی۔ یہ نسبتاً پرانی مگر مضبوط گاڑی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ سے ایک بندہ نیچے اترا، گیٹ پر نمودار ہونے والے ملازم کے ساتھ دو تین سرگوشی بھرے جملوں کا تبادلہ ہوا، پھر دونوں اندر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد وہی بندہ باہر نکلا، ہاتھ میں ایک درمیانے سائز کا بیگ تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر بیگ پچھلی سیٹ پر پھینکا، ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، اور یہ جا وہ جا۔

بارہ بج گئے، تو زین نے سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ "تینوں لوگوں کا انداز الگ ہے، لیکن ایک بات مشترک ہے: کوئی بھی یہاں لمبے وقت کے لیے نہیں رکتا۔ نہ کوئی عام خاندانی انداز میں آتا جاتا ہے۔ ہر کام دس، پندرہ منٹ کے اندر طے پاتا ہے۔"

شمع نے سر کھڑکی سے ٹکا کر کہا۔ "ہاں، اب اتنا تو طے ہے کہ رات کے اوقات میں یہ گھر عام سا گھر نہیں رہتا۔ کیا ہو رہا ہے، فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتے۔ لیکن یہ کوئی معمول کا آنا جانا نہیں۔"

اگلی رات وہ دونوں حسبِ معمول گیارہ بجے سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ فضا میں آج معمول سے زیادہ سکون تھا، جیسے سب کچھ تھما ہوا ہو، مگر زین اور شمع دونوں اب معمولی سی آہٹ پر بھی دھیان دے رہے تھے۔

گیارہ بجنے کے فوراً بعد پہلی گاڑی آئی، وہی کل والی سفید کار۔ وہی عمل دہرایا گیا۔ آہستہ سے آ کر رُکی، اندر پیغام گیا، ملازم بیگ لے کر آیا، کھڑکی سے اندر دیا، اور گاڑی چلی گئی۔ زین اور شمع نے اب بس ایک دوسرے کی طرف دیکھا؛ یہ پیٹرن اب واضح ہو چکا تھا۔

پندرہ منٹ بعد دوسری گاڑی اندر گئی، دس منٹ بعد نکلی۔ اس بار بھی کچھ ایسا خاص نہ ہوا جو انہیں کوئی نئی خبر دے سکتا، بس رات کا دھاگہ پچھلی رات کی طرح ہی چلتا رہا۔

تقریباً گیارہ بج کر چالیس منٹ پر، جب گلی میں دوبارہ خاموشی چھا چکی تھی، گیٹ کے اندر سے ہلکی سی ہلچل سنائی دی۔ ایک گاڑی باہر نکلی اور جیسے ہی گیٹ بند ہونے لگا، اندر سے دو نوجوان پیدل باہر آئے۔

دونوں کے کندھوں پر کالی پٹی والے سادہ بیگ لٹک رہے تھے، یوں جیسے طالب علم کتابیں لئے پھرتے ہیں، مگر انداز کچھ اور ہی تھا۔

شمع نے عجلت بھری سرگوشی کی۔ "دیکھو۔"

زین انہیں دیکھتے ہی چونکا۔ "یہ دائیں والا۔۔۔ یہ وہی لڑکا ہے جس سے حماس نے پِلزلی تھیں۔"

وہ دونوں فوراً گیٹ سے نکل کر سڑک کے موڑ کی طرف بڑھنے لگے۔

یہ وہی لڑکا تھا، جو دو تین بار یونیورسٹی کی پارکنگ میں حماس کے پاس کھڑا دکھائی دیا تھا۔

دوسرے لڑکے کا چہرہ بھی یونیورسٹی کی راہداریوں میں کئی بار دیکھا ہوا تھا۔ دونوں کے بیگ معمولی نہیں، خاصے وزنی لگ رہے تھے۔

وہ دونوں وہاں پہنچے جہاں سے سڑک بائیں جانب کو مڑتی تھی، اسی لمحے اس موڑ پر ایک کار آ کر رکی۔ کسی نے اندر سے پچھلا دروازہ کھولا، دونوں اندر بیٹھ گئے۔ گاڑی تیزی سے مڑ کر اندھیرے میں گم ہو گئی۔

کچھ دیر گاڑی میں مکمل خاموشی رہی، پھر زین نے کہا۔ "یہ محض اتفاق نہیں، شمع۔ وہی پلز والا لڑکا، رات کے وقت یہاں سے بیگ لے کر نکل رہا ہے۔ راتوں میں مختلف پارٹیوں کا ایک ہی انداز میں آنا جانا اور آج یہ دو یونیورسٹی سٹوڈنٹس۔۔۔ یہ سیدھی یونیورسٹی تک جانے والی لائن لگ رہی ہے۔"

شمع نے سر کو سیٹ کی پشت سے ٹکایا، نگاہ سامنے گیٹ پر ٹکی ہوئی تھی۔ "یہاں اندر کچھ ایسا ہے جو باہر کی منڈی نہیں، اندر کے حلقوں تک جاتا ہے۔ پلز شاید، اور ڈر گز بھی۔۔۔ یونیورسٹی کے اندر تک جو نشہ پہنچتا ہے اُس کے دھاگے شاید یہیں سے بندھے ہیں۔"

زین نے مضبوطی سے اسٹیئرنگ تھاما۔ "ابھی ہمارے پاس صرف کڑیاں ہیں، ثبوت نہیں۔ اتنا تو واضح ہے کہ یہ سیدھا سادھا گھریلو بنگلہ نہیں۔ اسجد خود کہاں کھڑا ہے، یہ ابھی نہیں پتہ، لیکن اُس کے دائرے میں کون لوگ آ رہے ہیں، یہ ان راتوں نے ہمیں صاف دکھا دیا ہے۔"

شمع نے نظریں گیٹ سے ہٹاتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا۔ "یہ بات حماس کو بھی پتہ ہونی چاہیے، لیکن فی الحال اسے اندھیرے میں رکھنا ہو گا۔"

"وہ کیوں؟"

"ابھی مہوش کو نہیں بتا سکتے، وہ اسجد کو پسند کرتی ہے اور یہ بہت بڑا الزام ہے، جو بغیر کسی ثبوت کے اسے مزید کنفیوز کر دے گا۔" وہ پُرسوچ انداز میں بولی۔ "چونکہ ہم مہوش کو نہیں بتا سکتے، حماس یا مشعل کو بتانا بھی

مہوش کے ساتھ زیادتی جیسا ہے۔" زین نے جواباً سر اثبات میں ہلا دیا۔" جیسے ہی ہمارے ہاتھ کوئی ٹھوس ثبوت آیا، ہم مہوش کو بتا دیں گے۔"

گاڑی آہستگی سے اس علاقے سے نکلی اور مرکزی سڑک کی جانب مڑ گئی۔ پیچھے رہ جانے والا دروازہ بظاہر عام سا تھا، لیکن شمع اور زین دونوں جان چکے تھے کہ اُس پار کوئی اور ہی کھیل کھیلا جاتا ہے، جس کا دائرہ شاید یونیورسٹی کے اندر تک پھیلا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

درختوں کے نیچے بنچوں پر چند طلبہ بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ کھانا کھا رہے تھے اور کچھ موبائل پر جھکے ہوئے تھے۔

شمع بھی ایک بنچ پر کتاب کھولے بیٹھی تھی، لیکن صفحہ پلٹنے کے باوجود اُس کی نظر بار بار سامنے ایک مخصوص کونے کی طرف جا رہی تھی۔ زین نے اُسے جاتے ہوئے صرف اتنا کہا تھا: "قریب مت آنا، بس دیکھتی رہنا۔ اگر معاملہ الٹ ہو جائے، تو کم از کم تمہارا نام نہ آئے۔"

زین نے گراؤنڈ کے کونے میں کھڑے اُس لڑکے کو دیکھ لیا تھا، وہی لڑکا جس سے حماس بِلز لیا کرتا تھا۔ لڑکا تنہا کھڑا موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا، ساتھ ہی اطراف پر ایک سرسری سی نگاہ بھی ڈال لیتا۔

زین عام سے انداز میں ادھر چلا آیا۔ وہ آ کر اُس کے برابر میں کھڑا ہوا، جیسے یونہی جان پہچان رکھتا ہو، پھر آہستہ آواز میں بولا: "یار، سنا ہے تمہارے پاس وہ 'نیند بھگانے والی' گولیاں ہوتی ہیں۔۔۔ رات بھر جاگ کر پڑھائی کرنی ہو تو آدمی کا سر سیدھا رکھتی ہیں۔"

لڑکے نے فوراً اُسے سر سے پیر تک دیکھا؛ وہ تولنے والی نظر تھی۔ پھر قدرے سخت لہجے میں کہا: "کون بولا، میرے پاس ایسی کوئی گولیاں ہیں؟"

زین نے کندھے اچکا دیے: "میرا ایک دوست تم سے لیتا رہا ہے۔ اسی نے بتایا کہ خالص چیز دیتے ہو، باہر والوں کے پاس تو ملی جلی ہوتی ہیں، ٹھیک سے اثر بھی نہیں کرتیں۔"

لڑکے کے چہرے کا زاویہ ذرا نرم پڑا۔ "کیا چاہیے؟"

زین نے سوچ کر کہا: "تھوڑی سی، دس بارہ گولیاں۔ قسم کوئی بھی ہو، بس ایسی ہوں کہ دماغ تیز رہے۔ سستی بھی نہ آئے اور اگلا دن بھی گزار لوں۔ کوئی آج کل چل رہی ہے نا، جسے لوگ پڑھائی کے ساتھ ملاتے ہیں۔"

لڑکے کی آنکھ میں تھوڑی سی چمک آ گئی۔ اُس نے ادھر ادھر دیکھا، پھر آہستہ سے ہاتھ بڑھایا: "پیسہ پہلے، مال بعد میں۔ میں فوراً ہاتھ میں چیز نہیں دیتا۔ دیواریں بے اعتبار ہیں، صرف کان ہی نہیں، آنکھیں بھی رکھتی ہیں۔"

زین نے جیب سے تہہ کیے ہوئے نوٹ نکال کر اُس کی ہتھیلی میں دبائے۔ لڑکے نے ایک تیز نگاہ ان پر ڈالتے ہوئے فوراً مٹھی بند کی، نوٹ جیب میں ڈالے اور سر ہلا کر بس اتنا کہا: "ڈلیوری کا وقت میں ہی طے کرتا ہوں۔"

وہ مڑا اور بھیڑ میں گم ہو گیا۔ شمع نے دور بیٹھے یہ سب دیکھا؛ اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ زین نے وہ گولیاں محض ثبوت کے لیے خریدنی ہیں، مگر پھر بھی یہ کھیل خطرے سے خالی ہر گز نہیں تھا۔

شام ڈھلے کلاسیں ختم ہو چکی تھیں۔ یونیورسٹی کی پارکنگ میں گاڑیوں کی قطار خالی ہو رہی تھی۔

زین اپنی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا، انجن چلا ہوا تھا۔

چند لمحوں بعد وہی لڑکا دور سے تیز قدموں سے آتا دکھائی دیا۔ وہ سیدھا زین کی گاڑی تک آیا، شیشے پر دو ہتھکیاں سی دیں۔ زین نے فوراً شیشہ نیچے کر دیا۔

لڑکے نے الفاظ پر وقت ضائع کیے بغیر جیب سے چھوٹا سا خاکی پیکٹ نکالا اور نہایت تیزی سے اس کی گود میں پھینک دیا۔ پھر اتنی ہی تیزی سے مڑ کر دوسری طرف چلتا بنا، جیسے کبھی پاس آیا ہی نہ ہو۔

زین نے صرف اتنا دیکھا کہ اُس کی رفتار نارمل نہیں تھی، جیسے کام کر کے فوراً دور ہو جانا چاہتا ہو۔

پارکنگ کے کنارے پر کھڑی شمع، یہ سب دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی لڑکا نظروں سے اوجھل ہوا، زین نے گولیوں والا پیکٹ اٹھایا، اسے احتیاط سے اندرونی جیب میں رکھا اور گہری سانس لی۔

زین اور شمع، دونوں جانتے تھے کہ اس ایک چھوٹے سے پیکٹ میں صرف گولیاں نہیں، بلکہ اس نیٹ ورک کا پہلا ٹھوس سراغ بھی بند ہے۔

اگلے دن دوپہر میں شعبہ نفسیات کی راہداری میں معمول کا رش تھا۔ کلاسیں بدلنے کا وقت تھا، لڑکے لڑکیاں ہاتھوں میں کتابیں لئے ایک کمرے سے دوسرے کی طرف جا رہے تھے۔ شمع دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد اس کمرے کی طرف دیکھتی، جہاں مہوش کی کلاس چل رہی تھی۔

کلاس ختم ہوئی، دروازہ کھلا اور لڑکے لڑکیاں باہر نکلنے لگے۔ مہوش بھی کتاب سینے سے لگائے باہر آئی، تو شمع کو وہاں کھڑا دیکھ کر چونک گئی۔ "تم یہاں؟ خیر تو ہے؟"

شمع نے نرمی سے اُس کا ہاتھ تھاما۔ "آؤ، ایک دو باتیں کرنی ہیں۔ یہاں نہیں، ذرا ادھر بینچ پر بیٹھتے ہیں۔"

وہ سامنے گراؤنڈ میں ایک ایسے بنچ پر آ بیٹھیں، جس کے اوپر درخت کا سایہ تھا۔ مہوش کے چہرے پر ہلکی سی الجھن، تھکن اور تجسس تینوں ملے جلے تھے۔

"میں گھما پھرا کر بات نہیں کروں گی۔" شمع نے زین سے تفصیلی بات کی تھی، وہ دونوں اب ایک بند گلی میں کھڑے تھے۔ بِنا ثبوت اسجد کامران پر ہاتھ ڈالنا ناممکن تھا۔ وہ اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کر کے دیکھ چکے تھے۔

وہ محتاط انداز میں مہوش کو آئسکریم والی شام سے لے کر راتوں کی جاسوسی تک۔۔۔ سب بتانے لگی۔

مہوش کو اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ "تمہیں یقین ہے؟"

شمع نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "یقین، اتنا ہی جتنا اپنی آنکھوں کا دیکھا! پھر ہم نے فیصلہ کیا کہ صرف دیکھنے سے بات نہیں بنے گی۔ زین نے کل خود اُس لڑکے کے پاس جا کر گولیوں کی خریداری کی۔"

شمع نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ صرف حُسنِ اتفاق نہیں کہ وہی لڑکا اسجد کے تایا کے گھر سے آدھی رات کو بیگ لے کر نکلتا ہے، جو یونیورسٹی میں نشہ تقسیم کر رہا ہے۔ یہ سب بہت پہلے سے چل رہا ہے، مہوش۔ وہ لڑکا ہر طرح کا نشہ فراہم کرتا ہے، لیکن محتاط ہے۔ زین کو حماس کے دوست کے طور پر جانتا ہے، اس لیے نام لیے بغیر بھی سودا کر لیا، ورنہ بنا ریفرینس انجان بن جاتا۔ خود کو ایک بے ضرر سا شاگرد ظاہر کرتا ہے۔"

مہوش کی آنکھوں کے سامنے جیسے ساری تصویریں گھوم گئیں: اسجد کے ساتھ کافی، جھوٹے لائبریری کے بہانے، اُس کی حد سے زیادہ حفاظت، پھر شمع کی آنکھوں دیکھی داستان، زین کا پِلز خریدنے کا احوال۔۔۔ ہر چیز ایک دوسرے سے جڑنے لگی، لیکن دل ابھی بھی کسی ایک نتیجے پر رُکنے کو تیار نہیں تھا۔

"کیا معلوم یہ صرف اسجد کے تایا کا کھیل ہو؟ اسجد کو اس بارے میں کچھ علم نہ ہو۔" اس نے شمع سے زیادہ جیسے خود کو تسلی دینی چاہی۔

"ماسک والے بندوں کو میں نے اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے دیکھا تھا۔ اسی نے ہمیں اس کمرے میں لاک کیا یا کروایا تاکہ بعد میں دروازہ کھول کر ہمارے سامنے ہیرو بن سکے۔ وہ گودام کے باہر گولیاں چلانا۔۔۔ خود سوچو کیا یہ سب ایک ڈرامہ نہیں لگتا؟ اس نے بہت سوچ سمجھ کر سکرپٹ لکھا تھا۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔" مہوش نے سر جھکاتے ہوئے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ ہم سب کو کڈنیپ کرنے کا ڈرامہ کیوں رچائے گا بھلا؟"

"ابھی کئی سوالوں کے جواب ادھورے ہیں۔" شمع نے سر جھٹکا۔ "حماس اور مشعل کو بھی بتا دیا ہے لیکن انہیں بھی فی الحال یہ سب راز رکھنے کو کہا ہے۔ ہو سکتا ہے اسجد اتنا انوالو نہ ہو جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔ عین ممکن ہے یہ سارا کھیل اس کے تایا کا رچایا ہوا ہو اور وہ محض ایک مہرے کے طور پر کام کر رہا ہو۔"

مہوش نے بمشکل الفاظ ترتیب دیے۔ "تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

شمع اُس کے مزید قریب ہو کر بیٹھی۔ "ہمیں تمہاری مدد چاہیے، مہوش۔ زین نے خود کو خطرے میں ڈال کر اُس نیٹ ورک میں قدم رکھا، میں نے گھر میں جھوٹ بول کر راتوں کو اس گھر کا باہر سے مشاہدہ کیا۔ یہ سب ایک شروعات کی حد تک تو ٹھیک تھا لیکن اصل کام اسجد کا کوئی قریبی بندہ ہی کر سکتا ہے۔ ہمیں ثبوت چاہیے اور اُس تک پہنچنے کا سب سے سیدھا راستہ تم ہو۔"

مہوش سر جھکائے سنتی رہی۔

"اگر کوئی یونیورسٹی کے لڑکے لڑکیوں کو نشے کے اندھیروں میں دھکیل کر اپنی دنیا بنا رہا ہے، تو اسے بے نقاب ہونا چاہیے۔ تمہاری ہاں یا نہ، ہمارے اگلے قدم کا فیصلہ کرے گی۔"

مہوش نے اپنا منہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا، گھٹن بڑھنے لگی تھی۔

"میں۔۔۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جو تم نے بتایا، اُس سے میرا دل بھی ہل گیا ہے، میرا یقین بھی۔ لیکن یہ فیصلہ آسان نہیں، کہ میں اُس کے خلاف کھڑی ہو جاؤں جسے میں چاہنے لگی ہوں۔ مجھے وقت دو، شمع۔۔۔ پلیز۔"

"ہم تمہیں وقت دیں گے، لیکن یاد رکھو۔۔۔ جب تک تم خاموش ہو، کھیل جاری ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

رات کافی ہو چکی تھی۔ باہر راہداری میں کبھی کسی کے قدموں کی آہٹ آتی، پھر خاموشی لوٹ آتی۔

مشعل سو چکی تھی لیکن مہوش کروٹیں بدل بدل کر سوچوں پر بند ھ باند ھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ شمع کا پُر زور اصرار، اسجد کا مسکراتا چہرہ، کئی مناظر آگے پیچھے دوڑنے لگے۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ کچھ دنوں سے اُس کی نمازیں بے ترتیب ہونے لگی ہیں۔ کبھی قضا، کبھی بے دلی اور سستی سے ادا کرنا۔ دل میں عجیب سی شرمندگی نے سر اٹھایا۔ وہ آہستگی سے اُٹھی کہ مشعل کی نیند نہ ٹوٹے، چپل پہنی اور دھیمی قدموں سے واش روم کی طرف چل دی۔

ٹھنڈے پانی سے وضو کیا تو جیسے دماغ کی گرمی کچھ کم ہونے لگی۔ واپس آئی، کمرے کے ایک کونے میں جائے نماز بچھائی، چھوٹا سا سائیڈ لیمپ آن کیا اور کھڑی ہو گئی۔ رکعتوں کے بیچ وہ نہایت ہولے سے الفاظ ادا کر رہی تھی، مگر دل کی چیخ بہت تیز تھی۔

نماز کے بعد اُس نے ہاتھ اُٹھا لیے۔

آنکھوں سے آنسو خود بخود بہنے لگے۔

لب کانپنے لگے۔ "یا اللہ۔۔۔ میری راہنمائی فرما۔ نہیں جانتی کیا کرنا بہتر ہے۔ کس پر یقین کروں، کس سے منہ موڑوں۔ میرے لیے چناؤ آسان کر دے۔ جو راستہ تیرے نزدیک سیدھا ہے، مجھے اُس پر چلا دے۔ اگر میں کسی برے کھیل کا حصہ بن رہی ہوں، تو مجھے وہاں سے نکال لے اور اگر کسی کو بے قصور سمجھ کر اُس پر ظلم کرنے والی ہوں، تو اُس سے بھی بچا لے۔ میں کمزور ہوں، تُو قوی ہے۔ میری عقل محدود، تیری حکمت، تیرا علم لامحدود ہے۔ بس میرا ہاتھ تھام لے۔"

اگلے دن کیفے ٹیریا کی ایک میز پر شمع اور مشعل بیٹھی تھیں، دونوں کی نظر بار بار دروازے کی طرف جا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد مہوش ہاتھ میں ٹرے لیے اس طرف آئی، اُس کے چہرے پر جاگتی رات کے نشان صاف تھے۔ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شمع نے بلا توقف پوچھا۔ "سوچا کچھ؟"

مہوش نے نگاہیں نیچی کر کے سانس کھینچی۔ "سوچا تو بہت ہے، ساری رات۔ لیکن میں تمہیں ابھی کوئی صاف جواب نہیں دے سکتی، حتمی فیصلہ کرنا باقی ہے۔"

شمع کے چہرے پر بے چینی جھلکی۔ "وقت کم ہے، مہوش۔ ہر دن جو گزر رہا ہے، وہ ان لڑکے لڑکیوں کی تعداد بڑھا رہا ہے جو اُس نیٹ ورک کے ہاتھ میں جا رہے ہیں۔"

مہوش کی آنکھوں میں دعا کی نمی پھر اُبھر آئی، مگر اس بار وہ ٹوٹی نہیں۔ دھیمی مگر پختہ آواز میں بولی۔ "مجھے دو ، تین دن دو۔ میں نے رات اللہ سے مدد مانگی ہے، میں اُس کا اشارہ دیکھے بغیر ہاں یا نہ نہیں کہنا چاہتی۔ اگر میں نے جذبات میں آ کر فیصلہ کیا، تو شاید عمر بھر پچھتاؤں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن یہ جان لو کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھیں گے۔ ہم اپنی طرف سے کڑیاں جوڑتے ''رہیں گے۔ جب تم تیار ہو جاؤ، تو اگلا قدم ایک ساتھ اٹھائیں گے۔"

مشعل نے دونوں کے درمیان دیکھتے ہوئے کہا۔ "فیصلے میں جلدی یا زیادہ دیر، دونوں نہیں کی جا سکتی۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں، مہوش، لیکن خود اپنے ساتھ بھی انصاف کرنا۔"

اُس دن کے بعد سے جب بھی مہوش کو ذرا سا بھی فارغ وقت ملتا، اُس کے ہاتھ خود بخود بیگ میں یا تکیے کے نیچے پڑی چھوٹی سی تسبیح کی طرف بڑھ جاتے۔ کبھی گراؤنڈ کے کسی سنسان گوشے میں، کبھی ہاسٹل کے کمرے کے دریچے کے پاس، یا لائبریری کے ایک خالی حصے میں۔۔۔اس کی انگلیاں ایک ایک دانہ گنتیں اور لب درود پاک پڑھتے۔

لگاتار، دل کے اندر کی تھرتھراہٹ کے ساتھ۔ ہر تسبیح مکمل ہونے پر وہ ذہن میں صرف ایک جملہ دہراتی۔"یا اللہ، دل کو سیدھا کر دے، راستہ دکھا دے۔"

اسجد کے پیغامات آتے رہے۔ کبھی واٹس ایپ پر، کبھی ایس ایم ایس کے طور پر۔

"آج کہاں تھی؟"

"تم غائب کیوں ہو؟"

"میں تمہیں بہت مس کر رہا ہوں، بات کرو تھوڑی سی۔"

مہوش ہر پیغام پڑھ کر ایک آہ بھرتی، آخر کار ایک مختصر سا پیغام بھیجا۔"ابھی مصروف ہوں، بعد میں بات ہو گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

خلوصِ دل سے جو مانگا، تو حق روشن ہوا مجھ پر

جسے میں راستہ سمجھی، وہی اک سانحہ نکلا

رات کے کھانے کے بعد دونوں کمرے میں واپس آئی تھیں۔ مشعل نے تمام وقت غیر معمولی خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔ عادت کے برخلاف اُس نے نہ کوئی ہلکا پھلکا جملہ کہا، نہ کسی معاملے پر تبصرہ کیا۔

مہوش نے دو تین بار اُس کی طرف دیکھا، مگر وہ نظریں چُرا کر سامنے دیکھتی رہی۔

کمرے میں داخل ہو کر مشعل نے جوتے اتارے، ہینڈ بیگ ایک طرف رکھا اور بس یونہی مصروف ہونے کے انداز میں کتابیں سیدھی کرنے لگی۔

مہوش کے دل کے کسی کونے میں انجانا سا خوف سر سرانے لگا، مشعل کی یہ خاموشی کسی معمولی بات کا اشارہ نہیں تھی۔

مشعل ابھی بیٹھی نہیں تھی۔ چند لمحے وہ کھڑی رہی، پھر اچانک آ کر مہوش کے بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔

چہرہ سنجیدہ تھا، آنکھوں میں عجیب سی نرمی۔

"مہوش، مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے، لیکن تمہیں دل کڑا کر کے سننا ہو گا۔"

مہوش کا ہاتھ ہوا میں رُک گیا۔ "سن رہی ہوں، بولو۔"

مشعل اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "آج حماس نے مجھ سے ایک اہم بات شیئر کی ہے۔ بابا نے اسے اسجد کے متعلق ایک خبر دی ہے، بابا کو لگا ہم پہلے سے باخبر ہوں گے۔"

مہوش کا دل جیسے سینے سے نکل کر حلق تک آ گیا۔

اسے لگا سب کچھ بدلنے والا ہے۔

ہاتھ بے اختیار دل پر گیا۔

"کیسی خبر؟"

مشعل نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے، پھر بہت نرم لہجے میں بولی۔ "حماس نے معمول کی بات چیت کے دوران بابا سے ذکر کیا کہ 'اسجد ہماری ایک دوست کو پسند کرتا ہے' تو بابا کو شاک لگا۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا، 'تم لوگ اتنے بے خبر ہو؟ اسجد کا تو نکاح ہو چکا ہے، ابھی ایک مہینہ پہلے'۔"

مہوش کی سانس تھم سی گئی۔

آنکھیں یک دم خالی ہو گئیں، جیسے کسی نے اندر کی ساری روشنی بجھا دی ہو۔

مشعل نے بات جاری رکھی۔ "منگنی تو اُس کی بچپن سے ہی طے تھی، اُسکے اپنے خاندان میں۔ بابا کے ایک پرانے دوست نے انہیں بتایا تھا کہ نکاح کی تقریب بھی گھر میں ہی، صرف چند قریبی رشتے داروں کے درمیان، بہت خاموشی سے ہوئی تھی۔"

کمرے میں جیسے ہوا رُک گئی۔ مہوش کے لب کپکپانے لگے، آنسو گرنے کو بے تاب ہوئے۔ اُس نے ہاتھ چھڑوا کر چہرہ ڈھانپ لیا، مگر آواز روکے نہ رُکی۔ ہچکی سی بندھ گئی۔

مہوش کے منہ سے ٹوٹے ہوئے لفظ نکلے۔ "منگنی، نکاح۔۔۔ یعنی۔۔۔ میں سارا وقت؟"

"جانتی ہوں، یہ تمہارے لیے بہت بڑا دھچکا ہے۔ اسی لیے میں نے سوچا یہ میں خود تمہیں بتاؤں، کسی اور کے منہ سے نہ سنو۔"

مہوش کے آنسو اب کھل کر بہنے لگے تھے۔اُس کے بدن میں ہلکی سی کپکپی تھی۔ جیسے زمین ایک دم نیچے سے ہٹ گئی ہو اور وہ صرف مشعل کے بازوؤں کے سہارے ہوا میں جھول رہی ہو۔

کمرے میں صرف اُس کی رندھی ہوئی آواز تھی اور مشعل کے دل کی دھڑکن۔ باقی سب لفظ اندر ہی رہ گئے۔

یہ وہ لمحہ تھا جب مہوش کو پہلی بار سمجھ آیا کہ اللہ نے جس سچائی کی رہنمائی کے لیے اُس کے ہاتھ اٹھوائے تھے، وہ اب پوری شدت کے ساتھ اُس کے سامنے کھڑی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈیڈھ ماہ قبل

رات کا وقت تھا۔اسجد کھڑکی کے پاس، موبائل کان سے لگائے کھڑا تھا۔

فون پر کامران محمود کی بھاری آواز آئی۔ "مجھے خبر ملی ہے کہ تم اس لڑکی کے پیچھے کچھ زیادہ ہی باؤلے ہوئے جا رہے ہو۔ ہر وقت اس کی جاسوسی۔ کہاں جاتی ہے، کس سے ملتی ہے، کیا کرتی ہے۔۔۔ کیا تماشہ ہے یہ؟"

اسجد نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "بابا، میں اسے پسند کرتا ہوں۔"

کامران محمود کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "پاگل مت بنو۔ مشعل اور حماس کے دائرے تک پہنچنے کا راستہ تھا وہ، پلان بھی تمہارا تھا۔ تم نے خود کہا تھا 'سادہ سی لڑکی ہے'، اُس کے ذریعے ہی ان تک پہنچا جا سکتا ہے۔ میں نے حامی اس لیے بھری تھی کہ تم کام کرو گے، عشق نہیں۔"

اسجد نے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے ہی کہا تھا، مانتا ہوں کہ میرا پلان تھا۔ لیکن سب کچھ ہماری مرضی سے نہیں ہوتا، ڈیڈ!"

کامران محمود نے تلخی سے جواب دیا۔ "میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم مجنوں بن جاؤ۔ منصوبہ ایک طرف، تمہاری ذاتی دیوانگی دوسری طرف۔ میں تمہیں واضح کہہ رہا ہوں، اس لڑکی کا پیچھا چھوڑ دو، ان سب سے دور ہو جاؤ۔"

اسجد کے لہجے میں ضد در آئی۔ "نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تمہارا دل بعد میں، ہمارا کام پہلے۔ جو میں نے سوچا ہے، وہ سُن لو۔ اگلے ماہ تمہارا نکاح کرا رہا ہوں، وردہ کے ساتھ۔ بچپن کی منگنی ہے، اب وقت آ گیا ہے کہ بات انجام تک پہنچے۔"

اسجد نے پلٹ کر کھڑکی سے باہر دیکھا، سڑک پر جلتی بجھتی روشنیوں میں خود کا عکس سا دکھائی دیا۔ "اُس کے ساتھ میرا نام پہلے ہی جڑا ہوا ہے، اس سے تو شادی ضرور کروں گا۔ لیکن مہوش سے بھی کروں گا۔"

فون پر خاموشی گہری ہو گئی، پھر کامران محمود قدرے نرمی سے گویا ہوئے۔ "ٹھیک ہے۔ نکاح وردہ سے کر لو، وہ ہماری ذمہ داری اور گھر کا فیصلہ ہے۔ ڈگری مکمل ہوتے ہی شادی ہو گی۔ رہی مہوش۔۔۔ تو اُن کے ہاں جا کر رشتہ مانگیں گے، عزت سے بیاہ لائیں گے۔ وردہ کے گھر والوں کو میں قائل کر لوں گا، اُنہیں سمجھ ہے کہ اصل نام اور شناخت کسے ملنی ہے۔" پھر لحظہ بھر کو رکے۔ "کیا مہوش تمہاری دوسری بیوی بننے پر راضی ہو جائے گی؟"

اسجد نے آنکھیں بند کر کے موبائل کان سے مزید قریب کیا، جیسے خود کو تسلی دے رہا ہو۔ "اس کا تو باپ بھی مان جائے گا۔ بس یاد رکھیے گا، میں مہوش کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔"

کامران محمود نے سخت لہجے میں بات سمیٹی۔ "پلان میں جذبات کم رکھو، عقل زیادہ۔ باقی وقت تمہیں سکھا دے گا کہ کون سا پتہ کب کھیلنا ہے۔"

فون کٹ گیا۔ کمرے میں دوبارہ سکوت چھا گیا۔ اسجد نے موبائل نیچے کر کے چند گہرے سانس لیے، پھر کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ اندھیرے میں دور کہیں ایک ہلکی سی بتی جل رہی تھی، جس کی روشنی کے گرد اندھیرا اور گہرا لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلے تین دن مہوش کو اپنا آپ ایک روبوٹ سا لگا۔

صبح اٹھتی، تیار ہو کر کلاسز اٹینڈ کرنے چلی جاتی۔ لیکچر ہال میں صرف جسم موجود ہوتا تھا۔ استاد کی آواز اس کے کانوں تک تو پہنچتی، مگر الفاظ کا کوئی مطلب سمجھ میں نہ آتا۔ وہ نوٹس بنانے کا ڈھونگ رچاتی۔ کبھی خالی رجسٹر پر پین گھماتی، کبھی سامنے بورڈ پر نظریں گاڑ کر اندر ہی اندر اپنے خیالات میں ڈوبتی ابھرتی رہتی۔

مشعل نے پہلی صبح اس کی آنکھوں کے گرد سوجی ہوئی لالی اور چپ چاپ سا چہرہ دیکھ لیا تھا۔ اگلے دنوں میں وہ اس کے پیچھے یوں لگی رہی جیسے چھوٹی بہن پر سختی کرنے والی بڑی بہن ہو۔ میس ہال میں بیٹھتی تو زبردستی اس کے سامنے پلیٹ رکھ دیتی۔ "بس دو نوالے کھا لو، پھر جو چاہے کرنا۔" مہوش منہ بنا کر، بنا چکھے، بمشکل چند لقمے نگل لیتی۔ بس اتنا کہ معدے میں کچھ چلا جائے اور مشعل کو تسلی ہو جائے۔ ورنہ بھوک تو جیسے اس کے وجود سے غائب ہو گئی تھی۔

اسجد کو اس نے اسی پہلی رات میسج بھیج دیا تھا۔

موبائل کی سکرین تاریک کمرے میں چمک رہی تھی، انگلیاں کانپ رہی تھیں، مگر الفاظ اس نے ٹھہر ٹھہر کر ٹائپ کیے۔

"خاندان میں ایک فوتگی ہو گئی ہے، بہت اپ سیٹ ہوں۔ دو تین دن پلیز نہ میسج کریں، نہ ہی ملنے پر اصرار۔"

تھوڑی دیر بعد اسجد کا مختصر سا جواب آیا تھا۔ "اوکے، اپنا خیال رکھو۔ ریڈی ہو تو بس ایک میسج کر دینا۔"

چوتھے دن یونیورسٹی کی کلاسز ختم ہوئیں تو شام جھکنے کو تھی۔ کیمپس میں ہلکی سی ہوا چل رہی تھی، طلبہ جھرمٹوں کی صورت پارکنگ ایریا کی طرف جا رہے تھے۔ مہوش اپنے بیگ کا سٹریپ مضبوطی سے تھامے، محتاط قدم اٹھاتی، پارکنگ ایریا کی طرف آئی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے حلقے گہرے ہو چکے تھے، مگر چہرے پر ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا، جیسے وہ اندر ہی اندر کوئی فیصلہ کر چکی ہو۔

زین دور سے اپنی کار کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ اس نے ریموٹ سے گاڑی کا لاک کھولنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا، کہ مہوش پر نظر پڑی۔ بازو سینے کے گرد لپیٹے، نظریں جھکی ہوئیں۔

"مہوش؟ طبیعت کیسی ہے؟ مجھے تم کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔"

مہوش نے سر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں عجیب سی سنجیدگی تھی۔ بغیر تمہید کے، اس نے صاف الفاظ میں کہا۔ "مجھے بتاؤ، کیا کرنا ہو گا۔"

زین کے قدم جیسے وہیں جم گئے۔ اس کے دل میں ایک لمحے کو شدید افسوس کی لہر اٹھی۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "جو ہوا، بُرا ہوا۔ اسے یوں تمہیں دھوکہ نہیں دینا چاہیے تھا۔"

مہوش نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، اس نے مجھے دھوکہ نہیں دیا۔ مجھے استعمال کیا۔ اسے کاروباری راز جاننے تھے، ورنہ۔۔۔ اور کچھ نہ سہی، وہ مجھ سے منگنی اور نکاح تو نہ چھپاتا۔"

"تم۔۔۔ اس سے ویسے ہی ملتی رہو، جیسے پہلے ملا کرتی تھیں۔" وہ ذرا سا رکا، پھر مزید جھک کر، آواز نیچی کرتے ہوئے بولا۔ "کسی طرح اس کا موبائل لے کر چیک کرنے کی کوشش کرو۔ کسی بھی بہانے اس گھر تک جانے کی کوشش کرو، جہاں وہ رہتا ہے۔ وہیں یہ سب چل رہا ہے۔"

مہوش بغور اسے دیکھتی رہی، پھر سنجیدگی سے پوچھا۔ "اور پھر؟"

"ہم کل جہانگیر کے مقبرے پر گئے تھے، وہاں ایک بات اور سمجھ آئی: کچھ جگہیں انسان سے سچ اگلوا لیتی ہیں، کیونکہ وہ سجاوٹ نہیں- آئینہ ہوتی ہیں۔ تم اسجد کے لیے

آئینہ بن جانا۔ سوال بھی کم کرنا اور ردعمل بھی کم ہی دینا۔ بس اس کے جملے اسے واپس لوٹا دینا۔ آدمی اپنے ہی الفاظ کے تعاقب میں وہ راز بھی کہہ جاتا ہے جو وہ کسی تفتیش میں نہیں بتاتا۔"

زین نے ایک پل کو آس پاس نظر دوڑائی۔ طلبہ اب بھی آ جا رہے تھے، گاڑیاں اسٹارٹ ہو رہی تھیں، کسی نے دور سے ہانک لگائی، کسی اور نے ہنستے ہوئے دوست کو پکارا۔ اسے احساس ہوا کہ ایسی باتیں، یہاں کھڑے ہو کر کرنا مناسب نہیں۔

زین نے سیدھا ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ سب باتیں یہاں کرنے کی نہیں۔ چلو، کسی اور جگہ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

زین نے ہاتھ سے سمت کی طرف اشارہ کیا۔ "اینتھروپولوجی کے عقبی لان میں، ادھر کم رش ہوتا ہے۔ وہاں بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں۔"

دونوں ساتھ چلتے ہوئے اس حصے کی طرف بڑھ گئے، جہاں بڑا سا لان تھا، چند بینچ، اور درختوں کے سائے میں نسبتاً سنسان سی فضا تھی۔

وہ ایک کونے کی بینچ پر آ کر بیٹھ گئے۔ قریب ہی دو تین لڑکے کسی پروجیکٹ پر بحث کرتے سنائی دے رہے تھے، مگر ان کی سمت کوئی متوجہ نہیں تھا۔ یہاں ہوا کچھ ٹھنڈی تھی، اور شور نسبتاً کم۔

زین نے بات شروع کی۔ "دیکھو، جو میں کہہ رہا ہوں، وہ آسان نہیں ہے۔ اگر تم خود کو اس سب کے لیے تیار سمجھتی ہو، تو حامی بھرو۔"

مہوش نے سیدھی نگاہ سے اسے دیکھا۔ "میں پہلے ہی بہت کچھ کھو چکی ہوں، اب کم از کم سچ تو جاننا ہے مجھے۔ تم بس بتاؤ، پلان کیا ہے۔"

"تم اس سے عام روٹین میں بات کرو، یوں ظاہر کرو جیسے تمہیں کچھ نہیں معلوم۔ وہ تم پر اعتبار کرتا ہے، اسی پر کھیلنا ہے۔ جب موقع ملے، اس کے موبائل میں موجود پیغامات دیکھو۔ کال لاگ، چیٹ باکس، جو بھی چیز مشکوک لگے۔ اہم فائلز بھی ہو سکتی ہیں۔" وہ تھوڑا رکا، پھر بولا۔ "خود سے کوئی بہانہ بنا کر اس کے گھر تک پہنچنے کی کوشش کرو، وہاں تم جو بھی غیر معمولی چیز دیکھو، جو بھی محسوس ہو، وہ سب مجھے بتانا۔ وہیں سے اصل کہانی کھلے گی۔"

مہوش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

زین نے قدرے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "لیکن پہلے تم یہ بتاؤ، تم کس حد تک جا سکتی ہو؟ کہیں یہ سب تمہارے لیے بہت رسکی تو نہیں ہو جائے گا؟"

مہوش کے لبوں پر پہلی بار ایک ہلکی سی کڑوی مسکراہٹ آئی۔ "نہیں، میرے پاس کھونے کو اب زیادہ کچھ نہیں بچا۔ بس تم مجھے اپنا پلان بتاؤ۔ میں خود فیصلہ کر لوں گی کہ کہاں رکنا ہے اور کہاں نہیں۔"

"ہم تمہارے موبائل میں ٹریکر بھی لگا دیں گے۔" زین نے جیسے خود کو بھی تسلی دی تھی۔

آخر کار جب سورج ڈھل گیا اور لان میں سایہ گہرا ہونے لگا تو مہوش نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ "مجھے ہاسٹل جانا چاہیے۔"

زین کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے۔ اگر کچھ بھی عجیب لگے، فوراً مجھے بتا دینا۔ اور۔۔۔ احتیاط سے، پلیز۔"

مہوش نے صرف سر ہلایا، پھر بیگ کا پٹہ کندھے پر درست کرتے ہوئے لان سے باہر نکل آئی۔ کیمپس کی روشنیاں اب ایک ایک کر کے جل رہی تھیں، ہوا میں شام کی خنکی بڑھ گئی تھی۔ وہ تیز قدموں سے ہاسٹل کی طرف چل پڑی۔

اچانک اس کے موبائل نے بیگ میں ہلکی سی لرزش کی۔ اس نے چلتے ہوئے فون نکالا، سکرین پر اسجد کا نام چمک رہا تھا۔ اس کا دل ایک لمحے کو زور سے دھڑکا۔ تھوڑا ٹھہر کر اس نے میسج کھولا۔

"اداس تو تم آج کل لگ رہی ہو، اس لیے یقین کر لیتا ہوں کہ واقعی کوئی مر گیا ہے۔ سمجھ یہ نہیں آئی کہ تم زین سے کس راز و نیاز میں مصروف ہو۔"

مہوش کے قدم خود بخود سست ہو گئے۔اس کے اندر ایک لمحے کو گھبراہٹ کی لہر دوڑی۔اس نے بے اختیار گردن گھما کر پیچھے دیکھا، یوں جیسے کوئی اسے دور سے دیکھ رہا ہو۔راہداریاں معمول کے مطابق تھیں، چند لڑکیاں آگے پیچھے گزر رہی تھیں، کسی نے اس پر دھیان نہیں دیا۔

اس نے گہرا سانس لیا اور وہیں کھڑے کھڑے جواب ٹائپ کرنے لگی۔"میرا موڈ خراب تھا، اس لیے شمع سے جھگڑا ہو گیا۔وہ مجھے راضی کر رہا تھا کہ صلح کر لوں۔"

اس نے میسج بھیجا، کچھ لمحے سکرین کو دیکھتی رہی، پھر فون لاک کر کے آہستہ سے دوبارہ بیگ میں رکھ دیا۔دل اب بھی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ہاسٹل کے گیٹ سے اندر جاتے ہوئے اسے یوں لگا جیسے وہ ایک نئی، خطرناک کہانی کے دروازے میں قدم رکھ رہی ہو۔

"I am going to beat him at his own game!"

(میں اسے اس کے اپنے ہی کھیل میں ہراؤں گی۔)

☆☆☆☆☆☆☆

کھانے کی میز پر چار پلیٹیں سجی تھیں۔وارث ہمیشہ کی طرح سربراہی کرسی پر براجمان تھے، دائیں جانب کومل، ساتھ میں شمع اور بائیں طرف حسن بیٹھا ہوا تھا۔لاؤنج میں ٹی وی چل رہا تھا مگر آواز بند تھی؛ ڈائننگ ایریا میں صرف چمچ، کانٹوں کی ہلکی آواز اور کبھی کبھار برتنوں کی کھنک سنائی دیتی۔کومل چھوٹے چھوٹے نوالے بے دلی سے کھا رہی تھی، اور معمول سے زیادہ خاموش بھی تھی۔

وارث نے سالن ڈالتے ہوئے بے دھیانی میں پوچھا۔ "تو حسن میاں، امریکہ سے آئے ہو، وہاں کیا کرتے رہے تم؟ ڈاکٹر تو نہیں بنے امی ابو کی طرح؟"

حسن نے مسکرا کر نوالہ منہ میں رکھا، آرام سے چبا کر پانی کا چھوٹا سا گھونٹ لیا، پھر بولا۔ "نہیں، لوگوں کے دل تو پہلے ہی اُن دونوں کے قبضے میں تھے، میں نے سوچا لوہے اور رفتار سے دوستی کر لوں۔ میرا اصل شوق گاڑیوں کا رہا ہے۔"

وارث کی دلچسپی فوراً جاگ گئی۔ "گاڑیوں کا؟"

حسن نے اپنا رخ وارث کی طرف موڑا۔ "جی ہاں۔ پہلے گاڑیاں کرائے پر دینے والی کمپنی میں کام کیا، پھر سمجھ آیا کہ اصل کھیل چلانے کا نہیں، خریدنے اور بیچنے کا ہے۔ شروع میں تو دوستوں کے ساتھ مل کر پرانی کاریں منگواتے تھے، اُن پر تھوڑا خرچ کر کے بیچتے، پھر دھیرے دھیرے نئے ماڈل، اچھے نام، اور الگ سے پرزے۔۔۔ یہ سب بھی شروع کر دیا۔"

شمع نے آہستگی سے سر اٹھایا؛ وارث کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی تھی۔

وارث نے پہلی بار واضح دلچسپی سے کہا۔ "یہاں تو ہم بھی کچھ ملتا جلتا کرتے ہیں۔ گاڑیاں منگواتے ہیں، کچھ جوں کی توں بیچ دیتے ہیں، کچھ میں اندر کے پرزے بہتر لگا کر بیچتے ہیں۔ لیکن یہاں کے خریدار بس اوپر سے چمک دیکھتے ہیں، اندر کو کم ہی جانچتے ہیں۔"

حسن نے فوراً بات پکڑ لی۔ "یہی تو موقع ہوتا ہے۔ باہر میں نے دیکھا کہ جو لوگ صرف بمپر اور رنگ بدل کر گاڑی بیچ دیتے ہیں، اُن کی ساکھ دو ماہ میں ختم ہو جاتی ہے۔ اصل مزہ تب ہے جب آپ انجن، دھچکا روکنے والا

نظام اور بریک کا پورا نظام صاف رکھتے ہوں، اوپر صرف اتنا سا ہاتھ لگاؤ کہ گاڑی دیکھتے ہی خریدار کو لگے یہ عام درآمد نہیں، خاص گاڑی ہے۔"

وارث نے چمچ رکھتے ہوئے پوری توجہ اُس کی طرف کر دی۔ "تم نے کون کون سی گاڑیوں پر کام کیا ہے؟"

حسن نے اطمینان سے جواب دیا۔ "زیادہ کام ہم نے جرمنی اور جاپان والی کمپنیوں کی گاڑیوں پر کیا۔ ایک پرانی کار آئی، ظاہر میں اچھی تھی، لیکن اندر گیر بکس اور دھچکا روکنے والا نظام کمزور تھا۔ ہم نے سستا دوسرا ہاتھ پرزہ نہیں لگایا، سیدھا بہتر معیار والا پرزہ ڈھونڈا، اوپر سے سائلنسر اور پہیے بدلے، اندرونی حصے میں نیا چمڑا لگایا، نیا اسٹیئرنگ۔۔۔ خریدار کو لگا وہ نئی گاڑی لے رہا ہے۔ ہم نے اسے پوری تفصیل بھی دی، اُس نے مزید دو گاہک خود ہمارے پاس بھیج دیے۔"

وارث کے چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ متاثر ہوئے ہیں۔ "یہاں ہمارے کچھ کاریگر تو بس بمپر بدل کر اور چمک لگا کر 'کھیل والی خاص گاڑی' کا لیبل لگا دیتے ہیں۔ میں ہمیشہ کہتا ہوں انجن کی عزت کرو، تو خریدار تمہاری عزت کرے گا۔"

حسن نے ہنس کر کہا۔ "بالکل، میں تو اپنے مکینکوں سے کہتا تھا کہ 'گاڑی کو ایسے تیار کرو، جیسے تم خود چلانے والے ہو'، نہ کہ یوں کہ بس اگلے کو بیچنی ہے، خواہ کیسی بھی ہو۔ تھوڑا خرچ بڑھتا ہے، مگر نام بن جاتا ہے۔"

شمع خاموشی سے دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ اسے پہلی بار لگا کہ وارث کے چہرے پر حسن کے لیے ناپسندیدگی کے بجائے احترام کی سی جھلک آ رہی ہے۔ کومل نے ایک جانچتی ہوئی نگاہ حسن پر ڈالی، لیکن بولی کچھ نہیں۔

وارث نے پھر سوال کیا۔ "تم نے کبھی پرزے الگ سے منگوائے؟ یا بس تیار گاڑیاں ہی اٹھاتے رہے؟"

حسن نے ہلکی سی چمک کے ساتھ جواب دیا۔ "شروع میں تو تیار گاڑیاں ہی منگواتے رہے لیکن جب منافع سمجھ آ گیا تو پرزے الگ سے منگوانے شروع کر دیے۔ کچھ چیزیں ہم ایک ساتھ زیادہ مقدار میں لیتے تھے، جیسے بریک کے پیڈ، تیل چھاننے والے پرزے، دھچکا روکنے والے سیٹ۔۔۔ انہیں ہم وہاں کی مقامی منڈی میں بھیجتے تھے۔ باقی خاص پرزے صرف اُن گاڑیوں کے لیے، جو ہم خود تیار کرتے۔ یوں دو طرف سے کمائی ہو جاتی تھی، ایک تو پرزوں کی اپنی فروخت، دوسرا وہی پرزے ہماری گاڑیوں کی قیمت بڑھا دیتے تھے۔"

وارث نے سر ہلایا۔ "یہی تو یہاں کا مسئلہ ہے، لوگ صرف ایک زاویے سے دیکھتے ہیں۔ یا تو پوری گاڑی منگوا کر بیٹھ جاتے ہیں، یا صرف پرزے بیچنے میں لگ جاتے ہیں۔ تمہاری باتوں سے لگتا ہے تم دونوں کا حساب رکھتے رہے ہو۔"

حسن نے ہلکا سا جھک کر کہا۔ "کام وہی اچھا ہوتا ہے جس میں آدمی کو لطف بھی ملے اور عقل بھی استعمال ہو۔ گاڑی ہو یا کاروبار، اگر صرف نفع دیکھو تو نقصان جلدی آتا ہے، اگر صرف شوق دیکھو تو جیب خالی رہتی ہے۔ توازن پکڑنے والا ہی آگے نکلتا ہے۔"

کھانا ختم ہونے کے بعد جب میز سے برتن اٹھائے جا رہے تھے، حسن نے کُرسی سے اٹھتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ "اچھا لگا، آج آپ سے گاڑیوں کی بات کر کے۔ کم از کم یہاں کوئی تو ہے جسے طاقت، رفتار اور انجَن کی زبان آتی ہے۔"

وارث نے بس اتنا کہا۔ "آؤ کبھی مستری خانے، پھر دیکھتے ہیں کس کو کتنی زبان آتی ہے۔"

شمع نے اندر ہی اندر سوچا کہ حسن نے آج ایک اور دروازہ کھول لیا ہے—وارث کے دل کا دروازہ!

☆☆☆☆☆☆☆

شام کا وقت تھا۔ شمع صوفے کی سطح پر نوٹس پھیلائے، قلم ہاتھ میں لیے، کچھ لکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر دھیان کئی بار بٹا۔

کونے میں علی قالین پر بیٹھا کھلونا کاروں کے ماڈل سجا رہا تھا۔ پہلے خود سے باتیں کرتا رہا، پھر اچانک ایک کار الٹ کر گر گئی، پہیہ الگ ہو کر لڑھک گیا۔ علی نے پہلے اُسے جوڑنے کی کوشش کی، نہ جڑا تو چہرہ بگڑ گیا۔

علی نے زور سے پکارا۔ "ممی۔۔۔ ممی، ٹائر ٹوٹ گیا۔ میری فیورٹ کار خراب ہو گئی۔ بیکار ہو گئی۔"

کومل کچن میں ملازمہ کو رات کے کھانے سے متعلق اہم ہدایات دے رہی تھی۔ پہلے تو ان سنی کرتی رہی، پھر دوسری مرتبہ علی نے اونچی آواز میں پکارا۔ "ممی، سنیں نا۔"

کومل جھنجھلاتی، تیز قدموں سے چلتی ہوئی، کچن سے لاؤنج تک آئی۔ "بس کرو علی، ہر بات پر رونا مت شروع کر دیا کرو۔ کھلونوں کے لیے ڈرامے مت کیا کرو۔ پڑھائی بھی تو کرنی ہے، سارا دن یہی گاڑیاں، یہی شور۔"

علی کے ہونٹ لرزے، آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ "میں نے ڈرامہ نہیں کیا، وہ خود ٹوٹ گئی۔۔۔ آپ کبھی نہیں سنتیں میری بات۔" وہ منہ دیوار کی جانب پھیرتا، وہیں بیٹھ گیا۔ اب آواز دب گئی تھی، بس سسکیوں کی صورت اداسی کا اظہار ہو رہا تھا۔

شمع نے نوٹس سے سر اٹھایا، علی کے چہرے کی طرف دیکھا، پھر کومل کی جانب۔ دل میں کچھ کہنے کا خیال آیا، مگر لبوں تک نہ لا سکی۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت کومل کا موڈ ایسا نہیں کہ نرمی سے بھی بات سمجھے۔

اسی وقت اوپر سے کسی کے قدم نیچے اترتے سنائی دیے۔ حسن لاؤنج میں داخل ہوا، ہاتھ میں موبائل، آنکھوں میں دن بھر کی ہلکی سی تھکن، لیکن چہرے پر حسبِ معمول وہی ترچھی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔

اس نے پہلے شمع کے سامنے پھیلے نوٹس پر نظر ڈالی، پھر کمرے کے کونے میں سہم کر بیٹھے ہوئے، اداس سے علی پر۔ قدم خود بخود اُس سمت مڑ گئے۔

حسن نے، علی کے برابر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "یہ ہماری چھوٹی سی ورکشاپ میں آج کون سی گاڑی کا حادثہ ہو گیا؟ مجھے بھی تو کچھ بتاؤ، میں بھی تو مکینک ہوں۔"

علی نے آنسو پونچھتے ہوئے ہچکیوں کے بیچ بات کی۔ "میری سب سے فاسٹ ریسنگ کار کا ٹائر ٹوٹ گیا۔ ممی کہتی ہیں، ڈرامہ مت کرو۔"

حسن نے بے ساختہ ہاتھ بڑھا کر علی کی کار اٹھائی، پہیے کو غور سے دیکھا، پھر ہلکی سی سیٹی بجائی۔ "یہ تو بہت اہم مسئلہ ہے، اس پر تو باقاعدہ میٹنگ ہونی چاہیے۔ آؤ، ایک معاہدہ کرتے ہیں۔"

وہ صوفے پر بیٹھا اور علی کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ علی پہلے جھجکا، پھر اُس کے قریب چلا آیا۔ حسن نے اسے اپنے ساتھ لگا کر بٹھا لیا۔

حسن نے سنجیدہ سا چہرہ بنا کر کہا۔ "معاہدہ نمبر ایک، تم مرد ہو، رو تو سکتے ہو، لیکن ساری توانائی رونے میں ضائع نہیں کرنی۔ تھوڑا سا رونا، باقی طاقت حل نکالنے میں۔"

علی نے ناک سکیڑی۔

شمع نے غیر ارادی طور پر قلم روک لیا، اب وہ مکمل توجہ ان دونوں پر مرکوز کیے بیٹھی تھی۔

حسن نے کار کا پہیہ اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "معاہدہ نمبر دو یہ کہ اس گھر میں اگر کسی چیز کی مرمت ناممکن لگے، تو پہلے حسن ماموں سے مشورہ لیا جائے گا۔ دیکھو، یہ ٹوٹا ہے تو یا دوبارہ جوڑ دیں گے، یا ہم اسے اتار کر کچھ اور بنالیں گے۔ مثلاً۔۔۔ چھوٹی موٹی کار سے بڑا جہاز۔"

علی کے چہرے پر حیرت اور اشتیاق کا ملا جلا سا تاثر تھا۔ "جہاز؟"

حسن نے انگلی کار کے ڈھانچے پر پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہاں، ہم اس کو یوں بدلیں گے کہ اس پر لکھا ہو گا' علی ایئرلائنز'۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو کم از کم یہ ٹائر ہم کسی اور کام میں استعمال کر لیں گے۔ کوئی چیز دنیا میں پوری طرح بیکار نہیں ہوتی، بس اُس کا استعمال بدل جاتا ہے۔"

حسن کھڑا ہوا، کار کو ہاتھ میں لے کر کچن کے دروازے کے پاس گیا۔ "کومل، پلیز چھوٹا سا فیور کرو، مجھے صمد بانڈ اور ٹیپ مل سکتی ہے؟ علی کی کمپنی کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے، ہمیں اسے بچانا ہے۔"

کومل نے ہلکی سی ناگواری کے ساتھ اوپر والے کیبنٹ سے صمد بانڈ اور ایک ٹیپ کا رول نکالا اور کچن کے کاؤنٹر پر پھینکنے کے سے انداز میں حسن کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ لو، اور تم دونوں مل کر اپنا نیا کاروبار شروع کرو۔ بس مجھے دوبارہ ڈسٹرب نہ کرنا۔"

حسن نے دونوں چیزیں سمیٹیں اور واپس لاؤنج میں آ گیا۔ نیچے کارپٹ پر بیٹھ کر، بہت مہارت کے ساتھ اُس نے پہیہ کار کے ساتھ دوبارہ جوڑنا شروع کیا، درمیان میں علی سے باتیں بھی کرتا رہا۔ علی بہت دلچسپی سے اپنی کار کی 'مرمت' ہوتے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے اپنی پہلی گاڑی تمہاری عمر میں ہی توڑی تھی۔ دادا نے مجھے ڈانٹا نہیں، بس کہا، 'ٹوٹنے سے پہلے آدمی چیزوں سے پیار کرتا ہے اور ٹوٹنے کے بعد چیزیں آدمی کو عقل دیتی ہیں'۔ انہوں نے خود میرے ساتھ بیٹھ کر اسے جوڑا تھا۔"

علی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "آپ کے دادا جی بھی گاڑیاں ٹھیک کرتے تھے؟"

حسن کے لہجے سے محبت جھلکنے لگی۔ "دادا جی سب کچھ ٹھیک کرتے تھے۔ میرا دماغ بھی، دل بھی اور میرے نمبر بھی۔ کبھی کبھی لگتا ہے میں ابھی تک اندر سے انہی کا بچہ ہوں، بظاہر قد لمبا ہو گیا ہے اور چہرہ بدل گیا ہے۔"

شمع نے یہ جملہ سنا تو دل میں عجب سی ٹھنڈک اور کسک ایک ساتھ اُتری۔

چند منٹ کی محنت کے بعد، عارضی سہی، پہیہ واپس اپنی جگہ پر جم گیا۔ حسن نے کار علی کو تھماتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو، اب یہ 'پہلی ٹیسٹ رائڈ' کے لیے تیار ہے۔ لیکن شرط یاد رہے، اگلی بار رونا کم، کوشش زیادہ کرنا۔"

علی نے خوشی سے کار کو دوڑایا، پھر فوراً پلٹ کر حسن کے گلے سے لپٹ گیا۔ "تھینک یو۔"

حسن نے ہلکے سے اُس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ "کیا یاد رکھو گے آج والا سبق؟"

"ٹوٹنے کے بعد چیزیں بدل جاتی ہیں۔ اور یہ کہ۔۔۔ پہلے آپ سے پوچھوں گا، پھر روؤں گا۔"

شمع کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔اُس نے محسوس کیا کہ وہ صرف علی کو ہی نہیں، حسن کو بھی نئے زاویے سے دیکھ رہی ہے۔یہ وہی شخص تھا جو مہنگی گھڑیوں، گاڑیوں،اور خطروں کی باتیں کرتا تھا لیکن اسی کے ہاتھوں میں ابھی ایک ننھے بچے کا دل بڑی احتیاط سے سنبھلتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

شمع نے سوچا۔"یہ آدمی صرف شور اور چمک نہیں۔۔۔ بچپن کی کمیوں سے بھرا ہوا بڑا سا بچہ بھی ہے، جو دوسروں کے بچوں کے لیے اچانک باپ جیسا ہو سکتا ہے۔"اور شاید پہلی بار،اسے اپنے دل میں حسن کے لیے ایک واضح، گرم سی کشش محسوس ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

گاڑی شاپنگ مال کے سامنے رکی تو شمع نے شیشہ نیچے کر کے ایک نظر آس پاس ڈالی۔ جگہ نئی نہیں تھی، وہ پہلے بھی کئی بار آ چکی تھی—وہی چمکتی دکانیں، شیشے کی دیواریں، مہنگے برینڈز کے بورڈ۔

وہ دونوں اندر آئے تو سنگ مرمر کے فرش پر چلتی نرم روشنی،اوپر چھت سے لٹکتی لائٹس اور دائیں بائیں برینڈڈ دکانوں کے شوکیس، سب مل کر ایک دلفریب منظر بنا رہے تھے۔

شمع نے حسبِ عادت اپنا پرس کندھے سے ذرا آگے کیا، دوپٹہ ترتیب سے رکھا ہوا تھا، ہاتھ میں نفیس سا کڑا تھا، پیروں میں خوبصورت سینڈل تھے۔

حسن نے ایک لمحے کے لیے اُس پر نظر ڈالی، پھر ہلکی سی سرگوشی کے انداز میں بولا۔"یہ بیگ تم پر بہت جچتا ہے۔اور گھڑی بھی۔۔۔ تم نے شاید کبھی سوچا نہیں ہو گا، لیکن تم خود بھی پورا 'برینڈ' لگتی ہو۔ فرق یہ ہے کہ کچھ لوگ نام پہن کر بڑے لگتے ہیں، تم پر چیزیں بڑی لگنے لگتی ہیں۔"

وہ اوپر والے فلور پر ایک پر سکون کیفے میں آ کر بیٹھ گئے۔ کھڑکی کے پاس میز ملی، نیچے سے باہر سڑک کی روشنی اور اوپر سے چھت کی مدھم سی لو دونوں کے چہرے ایک ساتھ روشن کر رہی تھیں۔

ویٹر مینیو رکھ کر چلا گیا تو حسن نے مینیو پر ایک نظر ڈال کر کہا۔ "تم دیکھ لو، مجھے تو پتہ ہے یہاں ہر چیز کی قیمت زیادہ اور سائز چھوٹا ہوتا ہے۔ تم اپنے مزاج کے حساب سے انتخاب کرو۔"

شمع نے چند لمحے مینیو پر نگاہ دوڑائی۔ "میرے مزاج کے حساب سے تو سادہ چائے بہتر ہے، لیکن یہاں شاید ملے گی نہیں۔ چلیں، آپ جو لیں گے، وہی میرے لیے بھی ٹھیک ہے۔"

حسن نے ویٹر کو بلا کر دو کافی اور ایک درآمدی میٹھا آرڈر کر دیا۔

"کچھ اپنی وہاں کی زندگی، اپنی دنیا کے بارے میں بتائیں؟"

حسن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میری دنیا تین حصوں میں بٹی رہتی ہے۔ تھوڑا سا باقاعدہ کاروبار، کچھ سرمایہ کاری، اور تھوڑا سا کھیل۔"

شمع نے سوالیہ نگاہ سے دیکھا۔ "کھیل؟"

"سرمایہ کاری والا کھیل۔ میں نے تین جگہ پیسہ لگایا ہوا ہے۔ ایک دو معمولی سی حصص میں، ایک آن لائن تجارت میں، اور ایک۔۔۔ بس یوں سمجھ لو کہ رات کے وقت چلنے والے حساب کتاب میں۔ کبھی کاغذ پر نظر رکھنی ہوتی ہے، کبھی سکرین پر، اور کبھی صرف دل کی دھڑکن پر۔"

"کہیں جوا تو نہیں کھیلتے؟"

"بالکل بھی نہیں۔" اس نے احتجاجی انداز میں دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ "میں تمہیں اتنا بیوقوف لگتا ہوں؟"

"مجھے لگا شاید۔۔۔"

کچھ کام رِسکی ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھے باقاعدہ 'جواری' کا ٹائٹل دے دو۔ میں ایسے کاموں سے کوسوں دور رہنا پسند کرتا ہوں جو مجھے کبھی بھی سڑک پر لے آئیں۔ پیسہ سنبھال کر رکھنا بھی ایک فن ہے اور میں۔۔۔ ایک ماہر فنکار کہلانا چاہوں گا۔" وہ کچھ ایسے خود ستائشی انداز میں بولا کہ دونوں ہی ہنس دیے۔

کافی آگئی۔ پیالوں سے ہلکی خوشبو اٹھنے لگی۔ شمع نے کپ اٹھایا، پہلا گھونٹ لیا، ذائقہ اچھا تھا۔

کافی دیر بعد۔۔۔ ویٹر بل لے کر آیا۔ حسن نے ہاتھ بڑھا کر والٹ سے نوٹوں کی موٹی تہہ نکالی، بل کے اوپر رکھی اور ساتھ خاصی بھاری ٹپ بھی دی۔

ویٹر کے وہاں سے رخصت ہوتے ہی شمع نے قدرے محتاط انداز میں کہا۔ "یہ۔۔۔ کچھ زیادہ نہیں ہو گیا؟"

حسن نے سادگی سے جواب دیا۔ "زیادہ میرے لیے ہے، اُن کے لیے نہیں۔ یہ لڑکے پورا دن دوسروں کے موڈ کے مطابق مسکراتے رہتے ہیں، کبھی کسی نے سوچا ہو گا کہ اُن پر کوئی ہاتھ کھول کر بھی خرچ کرے؟"

وہ اٹھ کر باہر نکلے تو شاپنگ مال کی روشنیوں میں شمع نے خود کو پہلی بار اُس کے 'چمکدار دائرے' کے اندر محسوس کیا۔ وہ خود بھی برینڈڈ، پیسے والی دنیا سے تھی۔ اس کے لیے مہنگی کافی، اچھے کپڑے، خاندانی آسودگی کوئی نئی شے نہ تھی، لیکن حسن کے انداز میں ایک اور طرح کی بے فکری تھی، جیسے پیسہ اُس کا کھیل ہو، پناہ نہیں۔

پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے حسن نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ "تم سوچ رہی ہو گی یہ آدمی پیسہ بھی پھینکتا ہے، جملے بھی، اور شاید خود کو بھی۔ لیکن یاد رکھو، میں جو بھی کرتا ہوں، اپنے بل خود ادا کرتا ہوں۔ کسی اور کو نہیں کہتا کہ میرے داؤ کے پیچھے کھڑا ہو۔"

"فی الحال تو میں صرف مشاہدہ کر رہی ہوں، حتمی رائے کے لیے پورا تجربہ درکار ہوتا ہے۔"

گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ باہر رات گہری ہو رہی تھی اور شمع کو صاف محسوس ہوا کہ یہ دن اُس کے لیے حسن کی ایک نئی پرت کھول کر گیا ہے، جس میں کشش بھی تھی، خطرہ بھی، اور پیسے کا وہ کھیل جس کا ذائقہ شاید ابھی پوری طرح سمجھ نہیں آیا تھا، مگر اس کی بو ضرور محسوس ہونے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

نہ وہ جنونِ وفا ہے، نہ اب ملالِ ستم

ترا وجود مری روح سے اتر ہی گیا

حیاتِ نو کی ضرورت ہے اب فقط اتنی

ترا معاملہ بس عدل کی نظر میں رہے

بزنس بلاک کی کونے والی سیڑھیاں ہمیشہ کی طرح سنّاٹے میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اوپر نیچے جانے والوں کا شور سامنے والے ہال وے میں رہ جاتا، یہاں بس ہوا کی ہلکی سرسراہٹ اور دور کہیں کلاسز ختم ہونے کی گھنٹی کی بازگشت ہوتی تھی۔ مہوش سیڑھیوں کے موڑ تک آئی تو رُک گئی۔

چند سیڑھیاں اوپر، دیوار سے ٹیک لگا کر، وہی مانوس سا سایہ بیٹھا تھا۔

اسجد موبائل ہاتھ میں لیے کچھ ٹائپ کر رہا تھا، گردن ذرا سی جھکی ہوئی، بال معمولی سے بکھرے ہوئے۔ مہوش چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہو کر چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔ وہی چہرہ، وہی مسکراہٹ کی ہلکی سی لکیر جو اکثر مہوش کے سامنے آتے ہی لبوں پر آجاتی تھی، وہی انداز۔۔۔ لیکن آج اسے سب کچھ اجنبی سا لگ رہا تھا۔

اسجد نے اچانک نظر اٹھائی تو اسے سامنے پایا۔ ذرا سا چونکا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر دَر آئی، موبائل جیب میں رکھتے ہوئے، ذرا شوخ لہجے میں بولا۔ "کیا ہوا؟ یوں دیکھ رہی ہو، جیسے پہلی بار دیکھا ہو"۔

مہوش نے نظریں اس کے چہرے سے نہ ہٹائیں، لمحے بھر کو سانس روکے رکھا، پھر آہستگی سے بولی۔ "ہاں، یونہی لگ رہا ہے، جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔"

اسجد نے بھنویں سکیڑیں۔ "کیا بات ہے؟ تم نے ابھی جو کہا۔۔۔ ایسا کیوں کہا؟"

مہوش زبردستی چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے، ایک سیڑھی اوپر بیٹھ گئی۔ "بہت دنوں بعد دیکھا ہے شاید اس لیے۔۔۔ تم جانتے ہو نا، میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں۔"

اسجد کے چہرے پر ایک لمحے کو حیرت سی چھا گئی۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، نظریں اس پر جم گئیں۔ "نہیں، اس سے پہلے تو تم نے کبھی یہ نہیں کہا۔"

مہوش نے اپنا رخ اس کی طرف موڑ لیا، گھٹنوں پر کہنیاں ٹکا لیں۔ اس کی آنکھیں سیدھا اسجد کی آنکھوں پر جمی ہوئی تھیں۔ "تمہیں نہیں معلوم کیا؟" پھر اس کے ردِ عمل کا انتظار کیے بغیر، ایک ادا سے بولی۔ "کیا میں نے کبھی گلہ کیا، کہ تم نے مجھے ابھی تک آئی لو یو کیوں نہیں کہا؟"

اسجد ایک لمحے کو ٹھٹک سا گیا۔ پھر جیسے خود کو سنبھالا، ہاتھ سے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ "کہنے کی کیا ضرورت ہے، مہوش؟ میرا ہر وقت دھیان ہی تم میں رہتا ہے، یہ کم ہے کیا؟"

"ہاں، شاید۔ بس کبھی کبھار دل چاہتا ہے کہ جو باتیں ہم خود سے اخذ کر لیتے ہیں، سامنے والا بھی ان کی تصدیق کرے۔"

اسجد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کا فون وائبریٹ ہوا۔ اسجد نے فوراً جیب سے فون نکالا۔ مہوش نے نگاہیں چپ چاپ اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔ اس نے دیکھا، سکرین پر نظر پڑتے ہی اسجد کی رنگت معمولی سی بدلی تھی، وہ عجلت بھرے انداز میں بولا۔ "ایک منٹ، میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ فوری طور پر اٹھا اور سیڑھیاں تیزی سے اتر کر راہداری کی جانب چل دیا۔ مہوش نے اس کی پشت کو دور جاتے دیکھا، پھر نظریں جھکا کر سیڑھیوں کے کنارے کو دیکھنے لگی۔ ان کے بیچ فاصلہ اتنا بڑھ گیا کہ اسجد کی آواز دھیمے سُروں میں اس تک پہنچی، لیکن گفتگو کو کوئی سرا ہاتھ نہ آیا۔

پانچ منٹ بعد وہ واپس آیا تو چہرے کے تاثرات کو معمول پر لانے کی کوشش کی، مگر ہلکی سی کشیدگی ابھی باقی تھی۔

"سوری، اہم کال تھی۔"

مہوش ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔ "چلو اچھا ہوا تم واپس آ تو گئے۔ اب بتاؤ، کھانے کے لیے کیا منگوایا ہے؟ مجھے تو آج بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

اسجد نے اس کے لہجے کو پرکھتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈالی، پھر تھوڑا جھک کر کہا۔ "آج کچھ نہیں منگوا سکا، میرے ساتھ کہیں باہر چلو۔"

مہوش نے فوراً جواب دینے کے بجائے چند لمحے اسے دیکھا، پھر بڑے سکون سے کہا۔ "ٹھیک ہے، آج پھر ایک کام اور کر لیتے ہیں۔ مجھے اپنے تایا سے ملوانے لے چلو۔"

اسجد کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا، آنکھوں میں حیرت اور تھوڑی محتاط سی الجھن تھی۔ "آج؟ ہو کیا گیا ہے تمہیں؟ محبت کا ذکر، تایا سے ملنے کی خواہش؟ اعتبار نہیں رہا یا کوئی اور بات ہے؟"

مہوش نے سامنے دیکھتے ہوئے عجیب سے انداز میں کہا۔ "میں تو شادی بھی کرنا چاہتی ہوں۔ اب تم کہو گے شادی کا ہمارے بیچ کیا کام؟"

وہ پھر اس کی طرف مڑی، آنکھوں میں عجیب سا طنز اور تلخی ملی جلی تھی۔ اسجد چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر سیڑھی پر تھوڑا پیچھے ہو کر بیٹھ گیا، جیسے اسے سمجھ نہ آ رہا ہو کہ گفتگو کس سمت چل پڑی ہے۔ "آج تم کچھ۔۔۔ الگ سی لگ رہی ہو۔"

مہوش کو لگا جیسے دل نے ایک بیٹ مِس کی ہو، وہ اس سیشن میں بُری طرح فیل ہونے والی تھی۔ "میری کزن کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔" اس نے لمحہ بھر کو رُک کر اس کی طرف دیکھا، پھر نگاہیں نیچی کرتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنے کلاس فیلو کو بہت چاہتی تھی، لڑکا بے وفا نکلا۔ اسے چھوڑ کر کسی اور سے منگنی رچا لی۔ میری کزن ایسی بیمار پڑی کہ بستر سے اٹھ ہی نہ پائی۔۔۔ وہی بستر اس کا آخری ٹھکانہ بن گیا۔ "اسے بروقت کہانیاں بنانی بھی آتی تھیں۔

اسجد خاموشی سے سنتا رہا، چہرے پر ہلکی سی سنجیدگی اُتر آئی۔ مہوش نے سر اٹھا کر براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا، انداز ٹٹولنے والا تھا۔ "ڈرتی ہوں، کہیں ہماری محبت کا بھی یہی انجام نہ ہو۔"

اسجد نے ہونٹ بھینچ لیے، نظریں ایک پل کو جھکیں، پھر اس نے جیسے خود کو سنبھالا۔ "ایسا نہیں ہوگا، میں بات تو کر لوں۔" تمہیں تایا سے بھی ملوا دوں گا۔ بس، مجھے کچھ دن دو۔ پہلے ان سے

مہوش نے بظاہر مطمئن ہونے کا تاثر دینے کے لیے ہلکی سی اثبات میں گردن ہلائی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات گئے اس نے زین کو فون کیا اور سیڑھیوں والی ملاقات کے متعلق سب بتا دیا، آخر میں زین نے صرف اتنا کہا۔ "اگلی بار جب ملو، کسی طرح اس کا موبائل ہاتھ میں لینا۔ کم از کم پیغام رسانی تک پہنچو، ایک جھلک ہی سہی، شاید وہیں سے کوئی سراغ ہاتھ آئے۔"

اگلے دن پھر وہی کاروباری بلاک کی سیڑھیاں۔۔۔ ان دونوں کا پوشیدہ ٹھکانہ بنیں۔ لیکچر کے بعد مہوش نے پیغام بھیج کر اسے بلایا، اسجد حسبِ معمول چند منٹ پہلے آ کر اسی درمیان والی سیڑھی پر بیٹھ چکا تھا۔ آج وہ پہلے سے زیادہ خوش مزاج نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا، جیسے پچھلے دن کی سنجیدگی کو خود بھی ہضم کر چکا ہو۔

مہوش نیچے سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی آئی، اس بار چہرے پر ہلکی سی شرارت کی جھلک تھی۔ اس کے ہاتھ میں اپنا فون بھی تھا، جسے وہ بے دلی سے گھماتی آ رہی تھی، مگر نظر اسجد کے ہاتھ میں پکڑے فون پر رہی۔

اسجد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اتنی دیر لگا دی؟ میں تو ڈر گیا تھا کہ کوئی فوتگی نہ نکل آئے۔"

"آج تو خوش خبری ہے۔ میرے موڈ میں تھوڑی سی بہتری آئی ہے، سوچا تم پر بھی مہربانی کی جائے۔" وہ آکر اس سے ایک سیڑھی اوپر بیٹھ گئی۔ جھک کر اس کے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھا، پھر فوراً شوخ لہجے میں بولی۔ "آؤ، آج تمہارے موبائل سے ایک اچھی سی تصویر لیتے ہیں۔ کبھی ساتھ میں کوئی تصویر ہی نہیں لی۔"

اسجد نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "میرے فون سے؟ کیوں؟"

"یادگار رہے گا۔" بات کرتے ہوئے مہوش جھکی، ایک سیڑھی اوپر بیٹھنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک ہاتھ بڑھایا اور اسجد کے ہاتھ سے فون جھپٹ لیا۔ "بس، اب یہ میرے قبضے میں ہے، حضور۔"

اسجد چونکا۔ ہاتھ بڑھایا، مگر پھر خود کو سنبھال کر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "اچھا بھئی، رکھو۔ لیکن زیادہ دیر کے لیے نہیں، میری اہم کالز آتی ہیں۔"

مہوش نے فون کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ سکرین روشن کرتے ہوئے بڑی معصومیت سے کہا۔ "سکرین لاک کھول کر دو میں نے تو صرف کیمرہ استعمال کرنا ہے۔"

اسجد نے ایک پل کے لیے اسے دیکھا، پھر جیسے سوچ کر موبائل اس کے ہاتھ سے لیا اور پاس ورڈ ٹائپ کر دیا۔ سکرین روشن ہو کر کھلتے ہی اس نے کیمرے کے نشان کو چھونا چاہا، مگر مہوش نے فوراً موبائل اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ "بہنوں سے چیزیں ہتھیانے کا فائدہ رہتا ہے، پریکٹس ہو جاتی ہے۔"

مہوش نے فون کو اپنے چہرے اور اس کے درمیان زاویہ بنا کر پکڑا۔ چونکہ وہ ایک سیڑھی اوپر بیٹھی تھی، اس کے لیے اسجد کو تصویر کے خانے میں لانا تھا۔ "قریب آؤ کہ فریم میں آسکو۔"

وہ ہنستا ہوا تھوڑا سا اس کے قریب سرک آیا۔ کیمرا روشن ہوا، سامنے کے پردے پر دونوں کے چہرے دکھائی دیے۔

مہوش نے انگلی سے بٹن دبایا، ایک تصویر بن گئی۔ اسجد نے فون لینے کو ہاتھ آگے بڑھایا۔ "چلو اب دو، میں دیکھوں کیسی آئی ہے؟"

اسی لمحے مہوش نے بائیں ہاتھ سے نرمی سے اسجد کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما۔ "ذرا رُکو۔" آواز میں معمولی سا شکوہ بھرا پیار۔ "اتنا سا بھروسا بھی نہیں؟ بس ایک تصویر لی ہے، ابھی تو ذرا اطمینان سے دیکھوں گی۔"

اسجد اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کچھ لمحوں کو رُک گیا، اس کا ہاتھ مہوش کی نرم گرفت میں تھا۔ "بھروسا ہے، اسی لیے تو دے رکھا ہے۔ بس۔۔۔ تم ہو ذرا شریر۔"

مہوش نے کہا۔ "دیکھو تو سہی۔ روشنی کم ہے، شاید فلٹر استعمال کرنا پڑے۔"

پیغام رسانی (واٹس ایپ) کے نشان پر ابھی ابھی نیا پیغام آنے کی چھوٹی سی نشانی چمک رہی تھی، مگر اسے کھولنے سے پہلے وہ ہلکا سی جھجک گئی۔ کال کے بعد اسجد نے موبائل سائلنٹ موڈ پر لگا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پیغام موصول ہونے پر موبائل خاموش ہی رہا۔ "اپنے نمبر پر بھیج دوں کہ میرے فون میں بھی آ جائے۔" شرارت سے اسے دیکھا۔

"بعد میں مٹا دینا، اگر تمہیں اپنی شکل پسند نہ آئے تو۔"

یہ کہہ کر اس نے برق رفتاری سے پیغام رسانی کھول دی، جیسے صرف بھیجنے کے لیے ناموں کی فہرست دیکھ رہی ہو۔ ابھی ایک ہی پیغام 'ڈیڈ' کی جانب سے آیا تھا باقی چیٹ باکس خالی تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو

گفتگو کے سلسلے سنبھال کر نہیں رکھتے، اسی لیے اس نے مہوش کو موبائل لینے دیا۔ اس نے فوراً 'ڈیڈ' کا پیغام دیکھا۔

"راہبر لا جسٹکس کے متعلق کوئی نئی خبر ملی یا اب محبت کا جال پھیلانے کا مزید کوئی فائدہ نہیں ہونے والا؟"

ایک لمحے کے لیے اس کے ہاتھوں میں پکڑا ہوا فون بوجھل سا ہو گیا۔ سینے میں کچھ ٹوٹ کر گرا، لیکن اس نے چہرے پر تاثر بدلنے نہ دیا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی گرفت اسجد کے ہاتھ پر ذرا سی مضبوط ہوئی، جیسے اسے مزید روکنے کا بہانہ ہو۔

مہوش مصنوعی جھنجلاہٹ سے بولی۔ "ارے، رُکو ذرا۔ انٹرنیٹ سست ہے، شاید یہاں سگنلز کم ہیں۔" 'ڈیڈ' کا چیٹ باکس مٹاتے ہوئے تصویر جلدی سے اپنے نمبر پر بھیجی۔۔۔ پھر فون کو ذرا اوپر اٹھا کر ہوا میں لہرایا۔ جیسے اس کا اصل مسئلہ سگنلز کی کمزوری ہو، اور کچھ نہیں۔

پھر اس نے خود کو فوراً سنبھالا، دوبارہ کیمرا روشن کیا، جلدی سے دونوں کی تین مزید تصویریں مختلف انداز سے بنائیں۔ "ایک تو بھیج چکی ہوں، باقی تم بھیج دینا۔" پھر کہنے لگی۔ "چلو، رہنے دو۔ میں بعد میں خود ہی تم سے لے لوں گی۔ تم تو ویسے بھی آج کل مصروف کاروباری آدمی لگتے ہو، ابھی کہیں اور جانا ہو گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون فوراً بند کر کے اس کے ہاتھ میں تھمایا اور چند لمحوں سے تھاما ہوا ہاتھ آہستگی سے چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کلاسز ختم ہوتے ہی راہداری میں وہی مانوس سا شور پھیل گیا—بیگز کے زِپ بند ہونے کی آوازیں، جوتوں کی ٹھک ٹھک، اور گروپس کی شکل میں نکلتے ہوئے لڑکے لڑکیاں، جو اگلی کلاس یا اگلے کوئز کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔

مہوش بھی اسی ہجوم کے ساتھ باہر نکلی تو ایک لمحے کو اس کے قدم ٹھٹھک کر رک گئے۔ کلاس روم کے بالکل باہر، راہداری کی دیوار کے ساتھ، وہ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

یوں۔۔۔سب کے سامنے؟

اسجد کی موجودگی ایسی تھی جیسے کسی نے اچانک سٹیج سے پردہ کھینچ دیا ہو۔

آج اسے کیا ہوا؟

مہوش کو دیکھتے ہی۔۔۔اسجد سیدھا اس کی طرف بڑھا۔ اس کے ہر انداز سے ایک بے چینی سی چھلکتی تھی، جیسے وقت کم ہو اور فیصلہ پہلے سے طے۔

عجلت بھرے انداز میں بولا۔ "چلو۔"

مہوش نے چونک کر پوچھا۔ "کیا؟ کہاں؟" ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا۔ "اور تم۔۔۔۔یہاں کیسے؟"

"بس، میرے ساتھ چلو۔" اسجد اس کے آگے چلنے لگا، جیسے یہ گفتگو بھی چلتی رہے گی اور راستہ بھی ساتھ میں طے ہو گا۔

وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے پیچھے چل دی، اسجد نے مڑ کر دیکھا بھی نہیں۔ جیسے وہ جانتا ہو کہ مہوش اس کا حکم نہیں ٹالے گی۔ "میرے ساتھ یوں اچانک؟ مجھے بتاؤ کہاں لے جا رہے ہو۔ ہاسٹل میں بھی تو بتانا ہو گا۔"

اسجد نے فوراً کہا۔ "ہاں، مشعل کو بتادو۔ وہ سمجھدار ہے۔"

مہوش کے قدم سست ہوئے۔ "بات مشعل کی نہیں، وارڈن کو بتانا ضروری ہے۔"

اسی لمحے اسجد چلتے ہوئے یکدم رکا۔ مہوش بھی بے اختیار رک گئی۔ راہداری میں لوگ گزرتے رہے، کسی نے پلٹ کر نہیں دیکھا مگر مہوش کو یوں لگا جیسے فضا ایک دم تنگ ہو گئی ہو۔ وہ اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اتنا قریب کہ مہوش کو اس کی سانسوں کی گرمی محسوس ہوئی—اور پہلی بار اس کی آنکھوں میں وہ سایہ دکھائی دیا جو مہوش نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ غصہ۔۔۔ یا کنٹرول کی خواہش۔

اسجد نے ایک پل اسے دیکھا، جیسے اس کی جرات ناپ رہا ہو۔ پھر اس کے الفاظ صاف، کٹے ہوئے نکلے۔ "وہ میں دیکھ لوں گا، تم ہاسٹل کی فکر چھوڑو۔"

مہوش کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "کیا مطلب۔۔۔ کیسے؟"

اسجد نے ذرا سا جھک کر کہا۔ "تم میرے ساتھ چلو، مہوش۔ ابھی!"

"تم ایسے کیوں کر رہے ہو؟"

اسجد نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

یہ ہاتھ پکڑنا پہلے کبھی مہوش کو سہارا لگتا تھا—آج پہلی بار وہ گرفت محسوس ہوئی۔۔۔ ایک ایسی گرفت جو اجازت نہیں مانگتی۔ اسجد نے کہا۔ "رِیلیکس ہو جاؤ۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ ڈر کیوں رہی ہو؟ اعتبار نہیں ہے مجھ پر؟"

مہوش نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی، مگر اس کے کندھے تن گئے۔ "ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

اسجد نے اسے اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے چلنا شروع کر دیا۔ راہداری کا موڑ آیا، وہ اسے تیزی سے نکال لے گیا، جیسے اسے کیمپس کی نظر سے نکالنا مقصد ہو۔

اسجد نے یکدم کہا۔ "تایا کے ہاں جا رہے ہیں۔"

مہوش کے قدم ڈگمگائے۔ "ابھی؟"

اسجد نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ بس اس کا ہاتھ تھامے ہوئے پارکنگ ایریا کی جانب بڑھنے لگا۔

پارکنگ ایریا کی ہوا میں شام کی ہلکی سی دھول اور گرم دھوپ کی بو ملی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے دروازے بند ہونے کی آوازیں، کسی کا ہارن، اور دور کسی لڑکے کی ہنسی—سب کچھ اپنی جگہ تھا مگر مہوش کے لیے جیسے وقت ایک دوسرے دھاگے پر چلنے لگا تھا۔

اسجد اسے سیدھا گاڑی کے پاس لے آیا۔ ریموٹ سے لاک کھولا، دروازہ کھینچ کر کھولا، پھر ایک لمحے کو ایسی احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھا جیسے اسے لوگوں کی نظریں تیر کی طرح لگتی ہوں۔ "بیٹھو۔"

مہوش نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا۔ دل ابھی بھی تیز دھڑک رہا تھا، مگر چہرے پر اس نے بے نیازی کا ایک ہلکا سا پردہ کھینچ لیا۔ دروازہ بند ہوا تو باہر کا شور ایک دم دب سا گیا، جیسے گاڑی کے بند شیشوں نے پوری دنیا کو پیچھے چھوڑ دیا ہو۔

اسجد نے سیٹ بیلٹ لگائی، پھر ایک نظر مہوش کی طرف دیکھی۔ وہی پہلا سا نرم انداز، جیسے راہداری والا لمحہ محض غلط فہمی ہو۔

مہوش نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں وارننگ دی۔ "تم نے پوچھے بغیر میرا ہاتھ پکڑا، مجھے اچھا نہیں لگا۔ آئندہ دھیان رکھنا، ایسی حرکت دوبارہ نہ ہو۔"

پل بھر کو اسجد کی مسکراہٹ سمٹی، پھر اس نے جیسے خود کو سنبھال لیا۔ "میں بس۔۔۔ تمہیں ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ لوگوں کی نظروں میں آئے بغیر۔"

مہوش تیز انگلیوں سے میسج ٹائپ کرنے لگی۔ اسے مشعل کو بتانا تھا، باقی وہ خود ہی حماس اور زین تک بات پہنچا دیتی۔

'موبائل میں ٹریکر تو ہے ہی' اس نے جیسے خود کو تسلی دی۔

کچھ دیر بعد وہ ایک پوش علاقے میں آ گئے۔ گھر کی بیرونی دیواریں سادہ مگر باوقار تھیں—جیسے یہ مکان دکھاوے کے لیے نہیں، چھپانے کے لیے بنایا گیا ہو۔ زین نے اسے ایڈریس کے بارے میں سب بتا دیا تھا، تاکہ اسے پہچاننے میں آسانی ہو کہ حقیقتاً وہ تایا کے ہاں ہی لائی گئی ہے۔

اندر داخل ہوئے تو لاؤنج پوری طرح روشن تھا۔ فرنیچر پرانا مگر قیمتی، پردے بھاری، اور فضا میں کسی مہنگی خوشبو کی ہلکی سی تہہ۔ مہوش نے اپنے قدم خود تول کر رکھے، جیسے ہر قدم کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکن بھی گنی جا رہی ہو۔

سیاہ شلوار سوٹ میں ملبوس تایا اچانک سامنے آ گئے۔ ایک لمبا سا، چوکس آدمی—سفید بال، چہرے پر عمر کی لکیر نہیں، اختیار کی مہر تھی۔ آنکھیں۔۔۔ بہت شاطر۔

آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا، رسمی سی علیک سلیک ہوئی۔

مہوش نے دوپٹہ درست کیااور صوفے کے کونے میں بیٹھ گئی۔اسجد اس کے برابر کچھ فاصلے پر بیٹھا تھا—— مؤدب اور شائستہ۔ایک ملازم ٹرالی دھکیلتا ہوا آیا۔جوس کے گلاس اور چائے کے ساتھ دیگر لوازمات تھے۔

تایا نے اپنا نام رؤف بتایا تھا۔رؤف نامی اس شخص نے مہوش سے خاصے مہذب انداز میں فیملی، گاؤں اور تعلیم کو لے کر بنیادی سوالات کیے۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ مہوش کو شدت سے احساس ہوا کہ یہ شخص محض ایک کردار ادا کرنے کے لیے اس کے سامنے بیٹھا ہے۔

'یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، ہو سکتا ہے یہ واقعی اسجد کے تایا ہوں'۔وہ سوچ کر رہ گئی۔

چائے کے بعد اچانک تایا نے اعلان کیا۔"مجھے ایک ضروری کام ہے، جانا ہوگا۔"ایک بار پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور باہر کو نکل گئے۔

چند لمحوں بعد باہر پورچ سے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی——اور پھر گاڑی کے نکل جانے کا ہلکا سا شور۔

"انکل کی شادی نہیں ہوئی؟"اس نے رخ اسجد کی سمت کیا۔

"تایا کافی عرصہ جاپان میں رہے، ملک لوٹے کچھ ہی عرصہ ہوا ہے۔"

"مجھے گھر تو دِکھاؤ۔"

اسجد نے چونک کر اسے دیکھا۔"گھر؟"

مہوش نے لگاوٹ بھرے انداز میں کہا۔"ہاں، میں نے کبھی دیکھا نہیں نا۔جہاں تم رہتے ہو، اس جگہ میں دلچسپی نہیں ہوگی، تو کس میں ہوگی؟"

اسجد فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "آؤ۔"

مہوش نے جھٹ بیگ سے اپنا موبائل نکالا اور کیمرہ کھول لیا۔ گردن ذرا سی ترچھی کر کے ایک ادا سے بولی۔ "جانتے ہو، میں نے کبھی کسی کے گھر کی تصویریں نہیں بنائیں۔"

"اب بھی بنا کر کیا کرو گی؟" وہ بیزار سا ہو گیا۔ "یہ سب پرائیویٹ ہوتا ہے، اچھا نہیں لگتا کہ تم ہمارے گھر کی تصاویر شمع اور مشعل کو دکھاؤ۔"

"میں بس۔۔۔ دیکھنا چاہتی ہوں کہ تمہارے گھر میں کیا کیا ہے۔ تاکہ بعد میں جب تم اپنے گھر کا ذکر کرو تو میں بھی کہہ سکوں 'ہاں بھئی، میں نے تو سب دیکھ رکھا ہے'۔ کسی کو نہیں دکھاؤں گی، وعدہ۔"

اسجد اس کی بات پر ہلکا سا مسکرایا، مگر مسکراہٹ پوری طرح آنکھوں تک نہیں پہنچی۔ "کیا ضرورت ہے تصویروں کی؟"

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی، جیسے اسے موقع دینا چاہتی ہو۔ کر لو فیصلہ۔۔۔ میری ناراضگی یا۔۔۔ احتیاط۔

اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولا۔

مہوش نے لاؤنج کی طرف اشارہ کیا۔

اسجد نے سانس لیا، جیسے جھنجھلاہٹ کو اندر ہی اندر دبا رہا ہو۔ "ٹھیک ہے۔ بس، زیادہ نہ کرنا۔"

مہوش کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔ "اوکے سر——" پھر کچھ سوچ کر ہنس دی۔ "ویسے سچ کہوں، تو تمہی میرے استاد ہو۔"

مہوش نے پہلا شاٹ لیا—لاؤنج کی ایک عام سی تصویر، جس میں پردے، صوفے، اور سامنے رکھی ٹرالی کا ایک کونا سا آ گیا۔ پھر سکرین دیکھ کر بولی۔ "واہ، پردے تو اچھے ہیں۔" موبائل نیچے کر دیا۔ "تم کسی کام سے روکو۔۔۔ تو اور شدت سے وہی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ تصویریں لینا بھی ایک ضد سے کم نہیں۔" انداز کچھ ایسا تھا کہ اسجد مسکرائے بنا رہ نہ پایا۔

"میں ایک اور لوں؟ یہ لائٹ میں رنگ اچھا آ رہا ہے۔" جواب کا انتظار کیے بغیر، اس نے پردوں کے قریب جا کر ایک اور تصویر لے لی۔

اسجد نے بغور اسے دیکھا۔ "تمہیں واقعی اتنی دلچسپی ہے؟"

"مجھے تم میں دلچسپی ہے، اس لیے تم سے جڑی ہر چیز میں ہے۔"

جواب میں اسجد خاموش رہا، پھر اس نے نظریں چرا لیں۔

کمرے بدلتے گئے۔ مہوش ہر جگہ، ہر چیز کو دیکھتی گئی۔ کبھی کسی پینٹنگ کی تعریف، کبھی کسی شوکیس کے سامنے رک کر 'اچھا ہے' کہنا۔

ایک جگہ ایک ان ڈور پلانٹ رکھا تھا، پتوں پر ہلکی سی چمک تھی۔ مہوش نے فوراً موبائل اٹھایا۔ "میں اس کے ساتھ ایک تصویر بناؤں؟"

اسجد حیران ہوا۔ "پودے کے ساتھ؟"

مہوش نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "ہاں! تمہیں کیا لگتا ہے، صرف لوگ ہی فوٹو کے قابل ہوتے ہیں؟"

اسجد نے نیم رضامندی سے اجازت دی۔ "یہ بھی کر لو۔"

مہوش نے تصویر لی، پھر سکرین پر خود کو دیکھ کر ناک سکیڑی۔"ہائے، میں اچھی نہیں آ رہی۔ تم بنا دو۔"اس نے فوراً موبائل اس کی طرف بڑھایا۔

اسجد ایک لمحے کو رکا، پھر موبائل لے لیا۔ مہوش نے پودے کے پاس کھڑے ہو کر دوپٹہ درست کیا، بال سنوارے۔ اسجد نے نیم جھنجھلاہٹ میں کہا۔"تم اتنی پرفیکشنسٹ کب سے ہو گئیں؟"

مہوش نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔"میں پہلی سی نہیں رہی۔ تمہاری محبت کئی تبدیلیاں لائی ہے مجھ میں، انہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔"

اسجد ایک لمحے کو جیسے نرم پڑا۔"اچھا، اب مسکراؤ۔"کلک۔ پھر ایک اور۔

پھر وہ لمبی گیلری کے آخری حصے میں آ گئے۔ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا، جس کے کنڈے میں تالا لگا ہوا تھا۔

مہوش پُراشتیاق لہجے میں گویا ہوئی۔"یہ لاکڈ کیوں ہے؟"مقصد اس کے تاثرات بھانپنا تھا۔

اسجد فوراً بولا۔"سٹور ہے۔"

مہوش نے بھنویں ہلکی سی اٹھائیں۔"سٹور؟ اس میں کیا رکھا ہے؟"

اسجد نے کندھے اچکا کر کہا۔"پرانا فرنیچر، بیکار اشیا۔"

مہوش نے بے اختیار دروازے کے سائز کی طرف دیکھا، پھر دوبارہ اس کی جانب۔ اب وہ اسے باقاعدہ چھیڑنا چاہتی تھی۔"اتنی چھوٹی سی جگہ میں کون سا فرنیچر آ جاتا ہے؟ اور بھلا تالے کی کیا ضرورت تھی؟"یہاں کچھ خاص تھا اور۔۔۔ اس کا ثبوت تھا اسجد کا ردِ عمل۔

ایک لمحے کو اسجد کے جبڑے کی لکیر سخت ہوئی، پھر سختی سے بولا۔ "مجھے زیادہ سوال کرنے والی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں، مہوش۔"

☆☆☆☆☆☆☆

شام کے وقت شمع کے گھر کی اوپری بالکونی میں ہوا نسبتاً خوشگوار تھی۔ نیچے سڑک پر کبھی کسی موٹر سائیکل کی آواز آتی، یا دور کسی گھر سے ٹی وی کی مدھم آواز، مگر بالکونی کے اندر ایک الگ سا سکوت تھا—وہ سکوت جو اس وقت آتا ہے جب لوگ ہنسی مذاق کے لیے نہیں، فیصلہ کرنے بیٹھیں۔

بالکونی شمع کے کمرے سے منسلک تھی۔ پردے آدھے کھنچے ہوئے تھے، روشنی بس اتنی کہ چہروں کے تاثرات دکھائی دیں، باتیں دیواروں تک محدود رہیں۔ ایک گول میز کے گرد کرسیاں تھیں۔ شمع اور مشعل، مہوش کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں، دونوں کے چہروں پر تشویش تھی۔ مہوش موبائل دونوں ہاتھوں میں تھامے کچھ یوں بیٹھی تھی جیسے وہ کسی کیمرے کی نہیں—عدالت کی فائل کھولنے والی ہو۔

زین اور حماس اس کے پیچھے کھڑے تھے۔ دونوں کی نظریں سکرین پر تھیں، لیکن انداز الگ: زین کی نظروں میں سوال زیادہ تھے، حماس کی آنکھوں میں ایک چبھتا ہوا یقین۔

"زین کے مشورے کے عین مطابق، میں تصویریں لیتی گئی کہ شاید کچھ نظر آ جائے۔"

مہوش نے گیلری کھولی۔ پہلی تصویر سامنے آئی—لاؤنج کی ایک بظاہر عام سی تصویر: صوفہ، پردے، اور ٹرالی کا ایک کونا۔ مہوش نے انگلی اور انگوٹھے سے زوم کیا۔ تصویر کے کنارے پر، ٹرالی کے پیچھے، فرش کے قریب ایک کارٹن سا جھلکا—آدھا پردے کی تہ کے پیچھے، آدھا کمرے کی دیوار کے ساتھ ٹکا ہوا۔

زین نے فوراً جھک کر دیکھا۔ "یہ زوم کر کے۔۔۔ادھر۔" مہوش نے مزید زوم کیا۔ کارٹن کے کونے پر ایک اسٹیکر تھا۔ پورا پڑھا نہیں جا رہا تھا، مگر چند الفاظ اور ایک چھوٹا سا نشان واضح ہو رہا تھا—ایک سادہ سا لوگو، جیسے کسی نے دو لکیروں اور ایک دائرے سے علامت بنا دی ہو۔

حماس کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو بدلا۔ "رکو۔"

مشعل نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ "کیا ہوا؟"

حماس نے سکرین پر انگلی رکھ دی، جیسے کسی چیز کو فرار ہونے سے روک رہا ہو۔ "یہ لوگو۔۔۔میں نے جب بھی پلز خریدیں، وہ ایک خاکی لفافے میں دی جاتی تھیں، اور اس لفافے کے کونے پر یہی نشان ہوا کرتا تھا۔"

زین نے آہستہ سے سر ہلایا۔ "میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ میں نے جو لی تھیں، ان کے لفافے پر بھی کچھ ایسا ہی نشان تھا۔ میں نے اُس وقت دھیان نہیں دیا تھا، بس اسے ایک عام سا نشان سمجھا تھا۔"

مہوش نے فوراً دوسری تصویر کھولی—پردوں کے قریب والی۔ بظاہر صرف رنگ، کپڑا اور روشنی۔ مگر زوم کرنے پر پردے کے آخری سرے پر، کونے میں، ایک چھوٹا سا لکڑی کی میز تھی، جس پر کئی گولیوں کے پیکٹ رکھے ہوئے تھے کچھ سیرپ کی بوتلیں بھی تھیں۔ ایک ڈھیر سا تھا۔ کچھ کے نام زوم کرنے پر صاف پڑھے جا سکتے تھے۔ نیند کی گولیاں، اینٹی ڈیپریسنٹس، اور کئی ایسی ممنوع ادویات جو کوئی یوں گھر پر رکھنے کا حقدار نہ تھا ۔چونکہ یہ کمرے کے کونے میں نسبتاً ایک تاریک کونے میں تھیں، اس وقت مہوش کی آنکھوں سے بھی اوجھل رہیں۔

زین نے آنکھیں سکوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ 'گھر کی عام چیزیں' نہیں لگ رہیں۔ یہ بتا رہا ہے کہ وہاں کچھ رکھا جاتا ہے، چھپایا جاتا ہے۔" پھر رکا۔ "یہ شاید عجلت یا بے دھیانی میں غلطی کر گئے، ورنہ یوں سامنے ایسی میز نہ رکھی ہوتی۔ یہ اشیا کہیں اور سٹور کرتے ہوں گے۔"

"ہاں، سٹور!" مہوش ہلکا سے چلائی۔ "وہاں ایک سٹور تھا، جس پر کافی بھاری تالا ڈالا گیا تھا۔ ظاہر ہے اس نے مجھے کھول کر وہ جگہ نہیں دکھائی، پر میں یقین سے کہہ سکتی ہوں یہ ایسا سارا سامان وہیں رکھتے ہوں گے۔"

مہوش نے تیسری تصویر کھولی—ان ڈور پلانٹ والی۔ جس گول میز پر وہ پودا رکھا گیا تھا وہیں ایک چھوٹی سی چِٹ دکھائی دی، جس پر سیاہی کے چند الفاظ ٹوٹے ہوئے دکھتے تھے—جیسے "سٹاک' یا 'خرید' جیسے الفاظ کا کوئی حصہ۔ شمع نے بے اختیار کہا۔ "یہ تو کوئی تحریری حساب کتاب لگتا ہے۔"

مہوش نے چوتھی تصویر کھولی—اسجد کے ساتھ سیلفی۔ بیک گراؤنڈ میں، بہت پیچھے، کوئی اور ڈبہ سا نظر آیا۔ اور اس کے اوپر بھی وہی چھوٹا سا نشان—وہی لوگو تھا۔ حماس نے دانت بھینچ لیے۔ "یہ اتفاق نہیں ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

سامنے والے کوریڈور میں طلبہ کے قدموں اور باتوں کی آوازیں آتی جاتی رہتیں، مگر یہاں—سیڑھیوں کے موڑ پر—ہوا میں ایک الگ سا ٹھہراؤ تھا۔ جیسے یہ جگہ صرف چھپی ہوئی باتوں کے لیے بنی ہو۔

مہوش آ کر درمیانی سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ دوپٹہ سنبھالا، بیگ اپنے برابر رکھا اور چند لمحے یوں خاموش رہی جیسے وہ اپنے ہی اندر سے کچھ سمیٹ رہی ہو۔ بظاہر نارمل لگ رہی تھی لیکن آنکھوں سے تھکاوٹ چھلک رہی تھی۔

اسجد چند قدم اوپر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا—ایک ہاتھ گھٹنے پر، دوسرا ہاتھ مہوش کے بیگ سے لٹکے چھوٹے سے دل والے چارم کے ساتھ کھیلتا ہوا۔

کچھ دیر وہ یونہی باتیں کرتے رہے۔

اسجد اسی بے ساختگی سے چارم کے ساتھ کھیلتا رہا۔اس کے انگوٹھے نے دل کے کنارے پر ایک چھوٹا سا حلقہ محسوس کیا، پھر انگلیاں عادتاً اسی جگہ پر رک گئیں جہاں تالا کنندہ تھا۔

"کہاں سے لیا تھا؟"

اسجد نے بنا سوچے، چارم کو ہلاتے ہوئے کہا۔"لیا نہیں تھا، بنوایا تھا۔"

جملہ ابھی پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی آئی، جیسے اسے اپنی زبان کی لغزش کا احساس ہو گیا ہو۔وہ ایک لمحے کو بالکل ساکت ہو گیا، انگلیاں چارم پر رک گئیں۔

مہوش عجیب سے انداز میں مسکرائی جیسے دروازے کے نیچے سے روشنی کی لکیر دیکھ لی ہو۔"بنوایا تھا؟"

اسجد نے جلدی سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔"میرا مطلب ہے۔۔۔میں نے بس۔۔۔یونہی کہہ دیا۔"وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔"ایک چھوٹا سا چارم ہی تو ہے۔"

مہوش نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔"چھوٹی چیزیں ہی تو بڑے راز کھولتی ہیں، اسجد۔"

اس کا نام مہوش نے بہت آہستہ لیا تھا لیکن اس کے بعد سیڑھیوں کا سنّاٹا اور گہرا ہو گیا۔اسجد نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔"ویسے کل کا دن اچھا گزرا۔مجھے تمہارا گھر آنا بہت اچھا لگا، تمہارے جانے کے بعد وہی گھر سُونا ہو گیا تھا۔"

مہوش کی نظر اس دل والے چارم پر اٹکی رہی۔ وہ دل۔۔۔ اور اس کے بیچ میں ننھا سا تالا۔ "اس دل پر یہ تالا کیوں ہے؟"

اسجد چند لمحے جواب نہیں دے سکا۔ جیسے جواب تالے میں نہیں، اس کے اندر کسی بند کمرے میں پڑا ہو۔ اس کی انگلیاں چارم کے کنارے پر پھسلیں، پھر تالے کے ننھے سے حلقے پر ٹھہر گئیں۔ سر ذرا سا جھکایا اور مہوش کو اوپر سے نیچے تک ایسی نظر سے دیکھا، جس میں تسلط کا احساس نمایاں تھا۔

پھر اسجد نے پوچھا۔ "تمہیں واقعی سمجھ نہیں آئی؟"

"نہیں، اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں۔"

اسجد نے پلکیں آہستہ سے جھپکائیں۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر اس مسکراہٹ میں گرمجوشی نہیں تھی—اس میں کچھ ٹھنڈا، کچھ خطرناک سا تھا۔ اسجد نے چارم کو انگلیوں کے بیچ ہلکا سا گھمایا۔ "یہ تالا۔۔۔ اس لیے ہے کہ دل کھلا نہ رہے۔"

مہوش کی بھنویں ذرا سی اٹھیں۔ "دل کھلا نہ رہے؟ کس کے لیے؟"

اسجد نے اس بار نظریں نہیں چرائیں، اس کی آنکھیں مہوش پر تھیں اور آواز میں عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔ "میرے علاوہ کسی کے لیے بھی۔"

"مطلب۔۔۔ تم نے میرے دل پر تالا لگا دیا؟"

اسجد نے بہت آہستگی سے سر ہلایا۔ "میں نے۔۔۔ نشان لگا دیا تھا۔ کچھ چیزیں زبان سے نہیں کہی جاتیں، مہوش۔ کچھ چیزیں۔۔۔ رکھی جاتی ہیں۔"

مہوش نے چارم کو اپنی انگلیوں کے بیچ پکڑا اور ذرا سا اوپر اٹھایا، جیسے روشنی میں دیکھ رہی ہو۔ "اور چابی؟"

یہ لفظ سنتے ہی اسجد کے چہرے پر ایک لمحے کو کچھ چمکا۔ "چابی صرف میرے پاس ہے۔"

مہوش نے ہنستے ہوئے بات کو مذاق کی شکل دینا چاہی۔ "واہ بھئی، ویری رومینٹک۔"

"یہ رومینس نہیں، یقین ہے۔"

"کس بات کا یقین؟"

اسجد نے جھک کر، اتنا قریب آ کر کہا کہ مہوش کو اس کے لفظوں کی حرارت محسوس ہوئی۔ "اس بات کا کہ تم۔۔۔ باہر نہیں جاؤ گی۔"

مہوش کے اندر سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ وہ فوراً سیدھی ہوئی، مگر چہرے پر مسکراہٹ قائم رکھی—اب وہ مسکراہٹ دفاع تھی۔ "باہر۔۔ کہاں نہیں جاؤں گی؟"

اسجد نے اس بار مہوش کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیسے کچھ جتایا تھا۔ "میرے دائرے سے باہر۔"

مہوش نے دل والے چارم کو آہستہ سے واپس چھوڑ دیا، جیسے وہ دل اچانک بھاری ہو گیا ہو۔ "تمہیں لگتا ہے کہ تم کسی کے دل پر تالا لگا سکتے ہو؟"

اسجد کے ہونٹوں پر پھر وہی سرد سی مسکراہٹ آئی—اس بار اس میں غرور بھی تھا اور بے باکی بھی۔ "اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔۔۔ تم ہو گی تو میرے ساتھ، بس۔ اس سے آگے میری سوچ کے دروازے بند ہیں۔"

مہوش نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا، جیسے کوئی مشکل کتاب پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ "یہ محبت ہے؟"

اسجد نے ایک لمحے کے لیے نظریں جھکائیں، پھر دوبارہ اٹھا کر اس کے چہرے پر جما دیں۔ "میں تمہیں چاہتا ہوں، مہوش۔ لیکن جس طرح میں چاہتا ہوں، وہ تمہاری سمجھ میں آنے والی محبت نہیں ہے۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔ "میرے لیے تم ایک خیال نہیں، حقیقت ہو۔ میری حقیقت! اور اپنی حقیقت کو آدمی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔"

مہوش نے پہلی بار اپنی مسکراہٹ کو مکمل طور پر مرنے دیا۔ اس کی آواز اب بھی نرم تھی، مگر اس میں ایک احتیاط آ گئی تھی۔ "تو یہ تالا یاد دہانی ہے؟"

اسجد نے سر اثبات میں ہلا دیا اور ایک لمحے کو اس کی نظر دل پر نہیں—مہوش کے ہاتھ پر جا ٹھہری۔ "یاد دہانی بھی، اور اعلان بھی۔"

مہوش نے دہرایا۔ "اعلان؟"

اسجد کا لہجہ بے لچک تھا۔ "کہ تم میری ہو—اور میری ہی رہو گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

بارش اس دن جیسے یونیورسٹی پر جان بوجھ کر آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔ نہ تیز، نہ رکنے والی—بس مسلسل، سرگوشیوں کی طرح۔ درختوں کے پتے بھیگ کر گہرے ہو چکے تھے، فرش پر پانی کی باریک تہہ روشنی کو دھندلا رہی تھی اور لائبریری کی عمارت دور سے کسی خاموش جہاز کی طرح لگ رہی تھی، جو شور سے کٹ کر

اپنی ہی دنیا میں کھڑا ہو۔ مہوش نے روہن کو لائبریری کی جانب مڑتے دیکھا تو دل کی دھڑکن ذرا تیز ہوئی۔ وہ بھی ذرا فاصلہ رکھتے ہوئے اس کے پیچھے چل دی۔ وہ دونوں تیز قدموں سے نہیں، کچھ یوں چل رہے تھے، جیسے بارش نے انہیں بھی آہستگی سکھا دی ہو۔

لائبریری کے اندر فضا اور بھی مدھم تھی۔ شیشوں پر بارش کی بوندیں چھوٹی چھوٹی لکیروں کی صورت پھسل رہی تھیں، کمرے میں پرانی کتابوں، اور نم کاغذ کی ملی جلی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اکا دکا طالب علم، کسی کونے میں سر جھکائے، یا کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر دیکھ رہا تھا۔ مہوش نے خود کو دروازے کے قریب ہی ایک شیلف کے پیچھے کر لیا—ایسا زاویہ جہاں سے وہ دیکھ بھی سکتی تھی اور دکھائی بھی نہ دیتی۔ اسجد اور روہن لائبریری کے پچھلے حصے میں، ایک کونے والے ٹیبل پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ درمیان میں دو تین موٹی کتابیں رکھی تھیں۔

صاف ظاہر تھا کہ اسجد وہاں پہلے سے موجود، غالباً اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

ان کی آوازیں بہت دھیمی تھیں، لفظ پورے یہاں تک نہیں آتے تھے—بس لہجے، وقفے اور جملوں کے سائے۔

وہ چھپتی چھپاتی دبے پیر چلتی ہوئی۔۔۔ نسبتاً قریبی شیلف تک جا پہنچی۔

"حالات ٹھیک نہیں لگ رہے۔" روہن نے کہا، آواز میں گھبراہٹ کی ہلکی سی لرزش تھی۔ "کچھ لوگوں پر اثرات۔۔۔ واضح دکھائی دینے لگے ہیں۔"

اسجد نے کرسی پر ذرا سا پیچھے ہو کر جواب دیا: "اثر لوگوں کے اپنے فیصلوں کا ہوتا ہے۔ ہم صرف چیزیں مہیا کرتے ہیں، راستہ نہیں چنتے۔"

"لیکن یونیورسٹی میں باتیں ہو رہی ہیں۔" لڑکا بولا۔ "کچھ نام گردش میں ہیں۔"

اسجد نے میز پر رکھی کتاب کے کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے احتیاط ضروری ہے۔ شور سے کام خراب ہوتا ہے۔"

بارش کی ایک تیز بوند کھڑکی سے ٹکرائی، اندر ہلکی سی آواز گونجی۔

تمہیں یاد ہے پچھلے سمسٹر کا وہ مسئلہ؟ جب تم نے فیس کے پیسے غلط جگہ لگا دیے تھے۔ وہ میں ہی تھا، جس نے "تمہیں مشکل سے نکالا۔"

لڑکے نے نظریں جھکا لیں۔ "یاد ہے۔۔۔ اگر آپ نہ ہوتے تو۔۔۔"

"بس پھر۔" اسجد نے بات کاٹ دی، ''وہی بات۔ ہوش سے رہو۔ کسی کو وجہ نہ دو۔" پھر قدرے توقف سے بولا۔ "میں نے کبھی تمہیں محض ایک کارندہ نہیں سمجھا، اجرت کے علاوہ بھی کبھی دینے میں کمی نہیں کی۔ روپے پیسے کا کوئی حساب نہیں رکھا۔ بدلے میں صرف وفاداری اور خلوص۔ اس کے علاوہ کچھ مانگا؟"

لڑکا سر ہلا کر رہ گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ کاغذ پلٹنے کی آواز، کہیں دور کرسی کی چرچراہٹ۔ مہوش کے ذہن میں تصویر صاف ہونے لگی—یہ محض اندازے نہیں تھے، ایک تسلسل تھا۔ مدد کے نام پر بندھا ہوا، احسان کی ڈور سے جڑا ہوا۔ اسجد نے کتابیں سمیٹیں، کرسی پیچھے کی اور اٹھتے ہوئے بس اتنا کہا۔ "بارش میں قدم پھسلتے ہیں، سیدھے چلا کرو۔"

وہ دونوں الگ سمتوں میں نکل گئے۔ مہوش نے شیلف کے پیچھے کھڑے ہو کر بارش کی آواز سنی، جواب پہلے سے ذرا تیز ہو گئی تھی۔

اس کے لیے اب کوئی ابہام باقی نہیں رہا تھا—— باتوں کے بیچ جو خلا تھا، وہی سب سے بڑا ثبوت بن چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

موسم ہلکا سا ٹھنڈا تھا، آسمان تھوڑا دھندلا۔ کیمپس میں ابھی زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔

ایک چھوٹی سی سفید وین کیمپس کے مرکزی گیٹ سے اندر آئی، جس پر "نیٹ لنک سولیوشنز—آئی ٹی اور نیٹ ورک کی خدمات" لکھا ہوا تھا۔ گارڈ نے اسے روکا، اور ایک آدمی نیچے اترا۔ عدیل ملک۔ عمر تیس سال، رنگ گہرا، سادہ سفید قمیض، گہرے رنگ کی پتلون، کندھے پر ایک بیگ اور ایک ٹول بیگ۔ چشمے کے پیچھے آنکھیں تیز تھیں، لیکن چہرے پر ایک عجیب سا سکون اور ٹھہراؤ۔ اس کے ساتھ ایک فہیم نامی شخص تھا، جس کے بارے میں یونیورسٹی والوں کو بتایا گیا تھا کہ وہ "صرف مددگار ہے۔ ڈگری نہیں ہے، صرف تاریں جوڑتا ہے۔"

گارڈ نے ایڈمن کو فون کیا اور چند منٹ بعد ایک نوجوان اسسٹنٹ (جو خود ایک سینئر طالب علم تھا اور تبادلہ پروگرام کے تحت کام کر رہا تھا) آ کر انہیں اندر لے گیا۔

ایڈمن نے فون پر غیر رسمی انداز میں کہا تھا۔ "یہ لوگ اہم ہیں، چپ چاپ کام کرنے دو۔ ہمارا وائی فائی خراب ہے، لیکن انہیں خواہ ایک ہفتہ لگ جائے—— کوئی بھی ان کے کسی کام میں مداخلت نہ کرے۔"

قریب سے گزرتے ہوئے حماس نے بھی وین پر لکھے الفاظ پڑھے، گارڈ کی بات چیت سنی۔ اس نے عدیل کو بس ایک ہی نظر دیکھا۔

اسے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا، کچھ خاص بھی نہیں لگا۔

صرف ایک اور باہر سے آیا ہوا ٹیکنیشن، جو شاید کیمپس کا نظام مزید خراب کر دے گا۔

عدیل کا کام—دن کا پہلا حصہ: "ظاہر میں مرمت، اندر چھپی تلاش۔"

پہلا مرحلہ: کیفے ٹیریا کا وائی فائی (8:55–9:30 بجے)

عدیل اور فہیم کیفے ٹیریا کے ایک کونے والے کمرے میں گئے، جہاں ایک چھوٹا سا سرور روم تھا—جس کے دروازے کو اکثر تالا بھی نہیں لگتا تھا۔

انہوں نے وہاں ایک نیا راؤٹر لگایا، جس پر لکھا ہوا تھا: "نیٹ لنک—کیمپس کے لیے محفوظ وائی فائی ورژن 2.1"۔

لیکن اس راؤٹر کے اندر ایک چھوٹا سا کمپیوٹر چھپا ہوا تھا—جو پورے کیفے ٹیریا، ایڈمن بلاک اور سائنس بلاک کے کچھ حصوں میں موجود سبھی موبائل اور ڈیوائسز کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتا رہتا۔

عدیل نے راؤٹر لگاتے ہی ایک چھوٹا لیپ ٹاپ نکالا، جس پر ایک سادہ سا سافٹ ویئر چل رہا تھا جو نئی ڈیوائسز کا پتہ لگاتا تھا۔ اسکرین پر ہر نئی ڈیوائس کا نام، پتہ اور سگنل کی طاقت دکھائی دیتی تھی۔

جیسے ہی مہوش نے کیفے ٹیریا میں آ کر چائے لی، اس کا موبائل خود بخود وائی فائی سے جُڑ گیا۔

عدیل کی اسکرین پر ایک لائن ظاہر ہوئی۔

"MAC: A4:C7:2B:91:F3:0E | نام: Mehwish_S23 | سگنل: بہت

"مضبوط

"فعال، معمول کے مطابق۔ — S23"

اس نے خاموشی سے اسے اپنی نوٹ بک میں محفوظ کر لیا۔

دوسرا مرحلہ: لائبریری کی جانچ (10:15–11:00 بجے)

ایڈمن والوں نے کہا تھا کہ لائبریری میں صرف پروفیسروں کا انٹرنیٹ چلتا ہے، طلبہ کا یا تو چلتا نہیں تھا، یا پھر بہت آہستہ۔

عدیل وہاں ایک پرانے سوئچ بورڈ کے پاس گیا اور ایک چھوٹا سا آلہ لگایا — جو باہر سے صرف "ٹیسٹنگ" کا لگتا تھا۔

لیکن اس کے ذریعے وہ لائبریری میں چلنے والی تمام ڈیوائسز کا ڈیٹا دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد اسے ایک عجیب سی ٹریفک نظر آئی۔ یہ ایک گمنام نیٹ ورک (ٹور) پر موجود، چھپی ہوئی ویب سائٹ تھی۔

عدیل نے فوراً اسکرین شاٹ لے لیا اور پورٹ فارورڈنگ کا راستہ نوٹ کر لیا۔

تیسرا مرحلہ: سائنس بلاک کے کمروں کی جانچ (11:30–12:15 بجے)

عدیل نے ایڈمن سے کہا کہ اسے ہر کمرے کا وائی فائی سگنل چیک کرنا ہے، خاص کر جہاں پروفیسروں کی ویڈیو کالز ہوتی ہیں۔

ایڈمن نے اسے تین کمرے دکھائے۔

لیکن ان میں سے ایک کمرے میں جب وہ گیا، تو اس کا آلہ اچانک بہت زیادہ سگنل دکھانے لگا—جیسے وہاں کوئی راؤٹر ہو۔

اس نے فرش کے کنارے جھک کر دیکھا اور ایک چھوٹا سا کالا باکس دیکھا، جو بجلی کے ساکٹ سے جُڑا ہوا تھا اور اس سے ایک تار چھت کی طرف جا رہی تھی۔

اس نے فہیم کی طرف دیکھا اور فہیم نے ایک چھوٹا سا ریڈیو آلہ نکالا۔

یوں اسے معلوم ہوا کہ ایک چھپا ہوا کیمرہ اس کمرے میں لگا ہوا تھا، جس کی ویڈیو اس کالے باکس میں جا رہی تھی—اور وہ باکس اسے خفیہ طریقے سے بیرون ملک بھیج رہا تھا۔

عدیل نے خاموشی سے کچھ تصویریں لیں۔ بغیر فلیش کے، صرف موبائل کے آگے والے کیمرے سے۔

"اس کمرے کا سگنل بہت اچھا ہے۔ ہمیں یہاں کچھ نہیں کرنا۔"

دن کا اختتام: عدیل کی رپورٹ

شام کو عدیل ایک چھوٹے سے گیسٹ ہاؤس (کیمپس سے دو کلو میٹر دور) میں اپنے کمرے میں تھا۔

اس نے ایک خفیہ میسج گروپ میں صرف چار لکیریں بھیجیں۔

1234

کوئی براہ راست رابطہ ابھی تک نہیں کیا گیا۔ فاصلہ برقرار رکھنا ہے۔

جواب آیا: انہیں کچھ پتا نہیں چلنا چاہیے۔

زین کیفے ٹیریا میں بیٹھے عدیل کو دیکھ کر بولا۔ "یہ نئے ٹیک والے بھی ویسے ہی ہیں—ایک دن میں کچھ نہیں ٹھیک کریں گے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

لائبریری کی فضا میں اوراق پلٹنے کی آوازیں تھیں، جیسے پرانی کتابیں اپنے راز بول رہی ہوں۔ دھوپ کی ایک کرن کھڑکی سے چھن کر اسجد کی میز پر پڑ رہی تھی، جہاں وہ اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔

اسجد کامران—ہینڈسم، بالکل ویسا جیسا کہ لڑکیاں کیفے میں چُپکے سے بیان کرتی تھیں: وجیہہ چہرہ، گھنے بال، گہری آنکھیں جن میں اکثر ایک عجیب سی بے چینی دکھائی دیتی۔ وہ ایک گرے شرٹ پہنے ہوئے تھا، جس کے دو بٹن کھلے تھے اور نیچے سیاہ پینٹ، جس پر ہلکی سی سلوٹیں نمایاں ہو رہی تھیں، جیسے وہ ابھی کوئی کلاس اٹینڈ کر کے آیا ہو، یا کسی اور سے ملاقات کر کے۔

وہ کتاب پر نظر جمائے ہوئے تھا لیکن اس کا دماغ کہیں اور تھا۔

پھر ایک لڑکی آئی—نام نہیں، صرف ایک سایہ سا۔ اس نے بغیر کچھ کہے، اسجد کی میز کے سامنے والی سیٹ کھینچی اور ایک کتاب کھول کر بیٹھ گئی۔ وہ کتاب کے صفحات پلٹنے لگی، لیکن آوازیں اُس کے ہاتھوں سے نہیں، اُس کی زبان سے آ رہی تھیں۔

تمہاری گرمیوں والی چائے، وہ جو ہائی واک پر ملتی تھی؟" وہ بولی، بغیر اس کی طرف دیکھے۔ "اب وہ نہیں ملتی۔"

اسجد نے کتاب سے نظر اٹھائی، مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "چائے تو ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ لیکن اب برف کے پھول مل رہے ہیں۔ صاف، شفاف، دماغ کو چمکا دینے والے۔"

لڑکی نے ایک صفحہ پلٹا اور آہستہ سے بولی۔ "اور وہ دوسری چیز؟ جو دل کو ناچنے پر مجبور کر دے؟"

وہ تو ہمیشہ ملتی ہے۔" اسجد نے کہا اور اپنی انگلی سے کتاب کے کنارے پر ایک چھوٹا سا دائرہ بنایا۔ "بس تعداد "کا سوال ہے۔ تین، یا پانچ؟

"جمع کو۔۔۔ تین کافی ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "لیکن اگلی بار پانچ چاہیے ہوں گے۔"

اسجد نے سر ہلایا اور کتاب پر نظر دوبارہ جمالی، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

لڑکی نے کتاب بند کی، اُٹھی اور بغیر ایک لفظ کہے، چلی گئی۔

لائبریری میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔ صرف ہوا کی سرگوشی سی آواز اور اسجد کے دل کی دھڑکنیں—— جو اب بھی کسی دوسرے ردھم پر دھڑک رہی تھیں۔

لیکن جس کونے میں وہ دونوں باتیں کر رہے تھے، اُسی کونے کی دوسری طرف، شیلف کے پیچھے، ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

ایک نیا چہرہ—— جسے کوئی نہیں جانتا تھا۔

ماتھے پر پی کیپ سر کا یا ہوا، چہرہ سایے میں، لیپ ٹاپ کھلا ہوا، اور آنکھیں—— وہاں، جہاں کچھ دیر پہلے دو افراد محوِ گفتگو تھے۔

وہ کچھ نوٹس لے رہا تھا۔

صورتیں، الفاظ، اشارے—سب کچھ۔

☆☆☆☆☆☆☆

دوپہر کا کھانا ختم ہو چکا تھا، اور کیمپس تقریباً خالی ہو گیا تھا۔ عدیل اور فہیم دوبارہ اندر آ گئے—اب کسی کام کے بہانے کے بغیر، جیسے وہ محض چہل قدمی کر رہے ہوں۔

عدیل لائبریری کے باہر کھڑا ہوا اور پھر اندر چلا گیا۔ کچھ طلبہ پڑھ رہے تھے لیکن زیادہ تر میزیں خالی تھیں۔ وہ ایک کونے میں بیٹھ گیا، اپنا لیپ ٹاپ کھولا، اور کچھ منٹ تک ویسے ہی بیٹھا رہا جیسے کوئی عام سا مہمان ہو۔ اس کی اسکرین پر ایک چھوٹی سی ونڈو چل رہی تھی—جو یہ دکھا رہی تھی کہ ابھی لائبریری میں کتنے موبائلز موجود ہیں، اور کون سا کس نیٹ ورک سے جُڑا ہوا ہے۔

تھوڑی دیر بعد، اس نے دیکھا کہ ایک موبائل نے اچانک ایک چھپے ہوئے نیٹ ورک سے رابطہ کیا—جو نہ تو یونیورسٹی کا تھا، نہ عدیل کا۔

اس نے بغیر کچھ کہے، اس بات کو اپنی نوٹ بُک میں ایک علامت سے نوٹ کر لیا۔

اسی وقت، فہیم سائنس بلاک کے پیچھے ایک پرانی فائر اسکیڑی کے قریب تھا۔ وہاں کی دیوار کے پاس، ایک جھاڑی کے پیچھے، اس نے دیکھا کہ ایک تار دیوار سے نکل کر ہوا میں لٹک رہی تھی—جیسے کسی نے جلدی میں کچھ جوڑا ہو۔

وہ فوراً وہاں سے ہٹ گیا لیکن اپنے موبائل سے دو تصویریں لے لیں۔

شام ڈھلنے سے پہلے، دونوں پارکنگ ایریا میں کھڑی اپنی وین میں آکر بیٹھ گئے۔

عدیل نے لیپ ٹاپ بند کیا اور فہیم سے کہا۔ "آج کی رپورٹ میں صرف دو لفظ لکھیں گے۔ 'نیلا راستہ'۔"

فہیم نے پوچھا۔ "اور باقی؟"

"باقی وہ جانیں، جنہیں جاننا چاہیے۔" عدیل نے کہا اور لیپ ٹاپ فہیم کو پکڑا دیا، جس نے احتیاط سے اسے پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔

عدیل نے وین چلا دی۔

کیمپس کے باہر، شام کی پہلی چمک نمودار ہو رہی تھی۔

اندر، کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ دونوں کون تھے۔

اور یہی، ان کے لیے سب سے بڑی کامیابی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اینتھروپولوجی ڈپارٹمنٹ کے قدیمی، غیر استعمال شدہ حصے میں ہمیشہ سناٹا رہتا تھا۔

گرا ہوا دیو ہیکل تنا، بڑھی ہوئی جھاڑیاں، اور پرانے درخت۔

وہاں کوئی نہیں آتا تھا، اسی لیے آج وہ دونوں یہاں چلے آئے۔

مہوش اس تنے پر بیٹھی ہوئی تھی، ہاتھ میں نفسیات کی کتاب، لیکن نظریں کتاب پر نہیں—اسجد پر تھیں۔

وہ سامنے مٹی پر ٹپکتی ہوئی دھوپ دیکھ رہا تھا، جیسے کوئی فیصلہ کر رہا ہو۔

"بچپن میں میرے پاس ایک کبوتر تھا۔" اسجد نے کہا، آواز میں ایک عجیب سی نرمی تھی، جیسے کوئی پیاری یاد تازہ کر رہا ہو۔ "میں نے اسے اُڑنے کی مشق کروائی۔۔۔ ہر دن۔ وہ صبح سے شام تک میرے ساتھ رہتا۔"

مہوش نے سر اُٹھایا۔ "تم اسے باندھتے تھے؟"

نہیں۔" اسجد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ خود ہی میرے پاس واپس آ جایا کرتا تھا۔ میں نے اسے سکھایا تھا" "کہ آزادی ملنے کا مطلب یہ نہیں کہ کہیں اور جایا جائے۔

"اور اگر وہ کہیں اور چلا جاتا؟" مہوش نے پوچھا۔

اسجد کے چہرے پر ایک سخت سا تاثر آیا۔ "ایک دن اس نے ایسا ہی کیا، دوسرے لڑکے کی چھت پر جا بیٹھا۔ میں نے دیکھا، وہاں سے اُسے بلایا، اشارہ کیا، آوازیں دیں۔۔۔ لیکن وہ نہیں آیا۔"

"پھر تم نے کیا کیا؟"

"جب وہ ہاتھ آیا۔۔۔ میں نے اُس کے پر کاٹ دیے۔"

ایک لمحہ کو ان کے بیچ سناٹا آ بیٹھا۔

پھر اسجد بولا۔ "کچھ عرصہ یونہی میں نے اسے پروں سے محروم رکھا۔ جب اس نے سبق سیکھ لیا، تو میں نے پر بڑھنے دیے۔ پھر وہ میرے پاس ہی رہا، لیکن صرف میرے دائرے میں۔ بس، زیادہ عرصہ نہیں جیا۔"

ایک جھرجھری سی مہوش کے بدن میں دوڑ گئی۔

وہ جانتی تھی—— یہ کہانی کبوتر کی نہیں۔

"وہ خوش تھا؟" اس نے پوچھا۔

اسجد نے کندھے اچکائے۔ "اس کی خوشی کا فیصلہ میرے ہاتھ میں تھا۔ وہ میرے پاس تھا، محفوظ تھا۔ باقی کچھ بھی ہو، وہ میرے لیے معنی نہیں رکھتا۔"

مہوش دیر تک چپ رہی۔ "تم نے نہیں سوچا کہ شاید وہ اُڑنا چاہتا تھا۔۔۔ صرف اُڑنا؟ بغیر کسی دائرے کے؟"

اسجد نے اسے بغور دیکھا۔

"اگر وہ" اسجد نے ان دو پھولوں سے ڈھکے پرانے کمروں کی جانب ایک نظر ڈالی۔ "اور میں کبھی نہیں ہارتا۔" اُڑ کر کسی اور کے پاس جاتا، واپس ہی نہ آتا۔۔۔ تو میں ہار جاتا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے۔۔۔ محبت میں وفاداری کیا ہوتی ہے؟" مہوش نے پوچھا، نیچی آواز میں، جیسے کوئی خاموشی توڑ رہی ہو۔

اسجد نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک تیز سی چمک تھی، جیسے وہ جانتا ہو کہ یہ سوال صرف سوال نہیں۔

"امتحان ہے۔"

وفاداری؟" اس نے دہرایا۔ "بہترین ساتھ میسر ہونے کے باوجود، میں اپنا وہ حصہ کسی دوسرے کو نہ دے"

"پاؤں جو تمہارے نام ہو چکا ہے۔

"تم میری ہر حرکت کی خبر رکھتے ہو؟" مہوش نے سیدھا سوال کیا۔

اسجد نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اس کی انگلیاں تنے کے آخری سرے پر رینگ رہی تھیں، جیسے وہ کوئی نقشہ چھو رہا ہو۔

"محبت کا مطلب ہی باخبر رہنا ہے۔"

وہ جانتی تھی——وہ پیچھا کرتا ہے۔ کرواتا بھی ہے۔

وہ چپکے سے دیکھتا ہے۔

ہر قدم کا ریکارڈ رکھتا ہے۔

اور اب وہ اعتراف بھی کر رہا تھا، کہہ رہا تھا کہ یہی محبت ہے۔

"یہ محبت نہیں ہے، اسجد۔" مہوش نے دھیمی، مگر مضبوط آواز میں کہا۔ "یہ کنٹرول ہے۔"

اسجد کا چہرہ پتھریلا ہو گیا۔ لیکن اس نے غصہ نہیں دکھایا۔ اس کی آواز میں صرف ایک عجیب سی یقینیت تھی۔

تم غلط سمجھ رہی ہو۔ محبت کبھی آزاد نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ حفاظت مانگتی ہے۔ اور جب تم میری ہو، تو تمہیں"

"باہر کی دنیا کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

"محبت غلامی بھی تو نہیں۔"

اسجد کی آنکھوں میں کچھ ٹھنڈا سا چمکا۔

"تمہیں لگتا ہے تالا تمہیں روکتا ہے؟" عجیب منطقی انداز تھا۔ "نہیں، مہوش۔ تالا تمہیں محفوظ رکھتا"

ہے، اور مجھے باخبر۔

مہوش اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اور چابی، وہ صرف میرے پاس ہے۔"

شعبہ نفسیات کی عمارت ذرا فاصلے پر دائیں جانب سر اٹھائے کھڑی تھی۔اس قدیمی حصے کی جانب اس عمارت کی پشت تھی۔ایک کلاس روم کی کھڑکی دھیرے سے ذرا سی کھلی۔

صرف اِتنی کہ ایک موبائل فون باہر نکل سکے۔

ایک ہاتھ نے موبائل کو سنبھالا ہوا تھا۔

ویڈیو ریکارڈ ہو رہی تھی۔

پھر ایک فوٹو کے شٹر کی آواز—— گونج ہلکی تھی۔

کھڑکی فوراً بند ہو گئی۔

کون تھا۔ کوئی نہیں دیکھ سکا۔

صرف ایک سایہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رؤف،اسجد کے تایا، کا گھر——وہی سفید بنگلہ جہاں مہوش نے کبھی فوٹو لیے تھے——آج یہاں کالا ؤنج ، گولڈن غباروں، چمکتے کنفیٹی اور دیوار پر لکھے "ہیپی برتھ ڈے،اسجد!" کے الفاظ سے سجایا گیا تھا۔ سینٹرل میز پر کیک رکھا تھا، موم بتیاں جل رہی تھیں اور اسجد مسکرا رہا تھا——وہی مسکراہٹ جو کبھی مہوش کو محفوظ محسوس کراتی تھی۔

"ایک سالگرہ وہ ہو گی جو ہم۔۔۔ہمارے گھر میں منائیں گے۔"اسجد نے کیک کا پہلا پیس مہوش کی جانب بڑھایا۔

مہوش نے کیک لیا، لیکن اُس کی نظریں ان سیڑھیوں پر تھیں جو دوسری منزل کو جاتی تھیں۔

"تم مجھے پچھلی بار وہاں نہیں لے کر گئے، وہ کمرہ جہاں تم رہتے ہو۔" لہجے سے شکوہ جھلکنے لگا۔

اسجد نے کچھ لمحے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا، پھر بولا۔

"چلو، دکھاتا ہوں۔"

اسجد کا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔ مہوش نے فون نکالا، اور بغیر کچھ کہے، کمرے کی تصویریں بنانی شروع کر دیں۔

اسجد نے کچھ نہیں کہا—— صرف دروازے کے پاس کھڑا دیکھتا رہا۔

"اب ہماری سیلفی؟" اسجد نے جیسے فرمائش کی۔

مہوش اُس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

"میرا قد لمبا ہے، مجھے موبائل پکڑاؤ۔"

جواز معقول تھا، مہوش نے فون اسے تھما دیا۔

اسجد نے اپنا بازو اُس کے کندھوں کے گرد ڈال دیا—— اتنے قریب کہ وہ اُس کی سانس محسوس کر سکتی تھی۔

مہوش کے اعصاب تن سے گئے۔

فلیش چمکا۔

"گُڈ۔" اسجد نے کہا اور فوراً فون پکڑے باہر نکل گیا۔

"ذرا کام ہے، ابھی آتا ہوں۔"

"موبائل تو دیتے جاؤ!" مہوش نے آواز لگائی لیکن اسجد سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے چلا گیا۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے بھی، اس نے انگلی موبائل کی سکرین پر جمائے رکھی تاکہ سکرین آف نہ ہو، ورنہ پاس ورڈ مانگا جاتا، جو اسے معلوم نہ تھا۔ نیچے پہنچتے ہی اس نے واٹس ایپ کھولا۔ شمع، مشعل، حماس اور زین۔ ان سب سے وقتاً فوقتاً ہوئی گفتگو سامنے آئی، تو سب پردے اٹھتے چلے گئے۔

اسجد کا ہاتھ کانپ گیا۔

نکاح؟

لاجسٹکس؟

ڈرگز؟

وہ سمجھ گیا—اس تعلق میں ایک لمحہ ایسا آیا تھا، جب مہوش کے لیے اسجد سے ملاقاتیں محبت کے بجائے۔۔۔ایک مہم بن کر رہ گئی تھیں۔

وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوا، مہوش کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔

اسجد نے دروازہ نہایت آہستگی سے بند کیا۔

"فریبِ محبت۔"

کیا" مہوش نے پلٹ کر اس کے ہاتھوں کی جانب دیکھا جہاں ابھی بھی اس کے موبائل کی سکرین آن تھی۔

"مطلب؟

وہ قریب آیا—اب اُس کی آنکھوں میں صرف ایک ٹھنڈا سا سوال تھا۔"کیا واقعی کبھی تمہارا دل میرے لیے دھڑکا تھا؟"

"گِلوں شکوؤں پر آؤں تو فہرست لمبی ہو جائے گی، لیکن اسے کیا کہا جائے جو موت بیچتا ہے!"

"کب سے کھیل رہی ہو میرے ساتھ؟"

"جب سے تمہیں میدان میں اُترے دیکھا۔"

"چاہوں تو یہیں قید کر لوں تمہیں۔"

"ان چاروں کو پتہ ہے میں یہاں ہوں۔"وہ مطمئن تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"مجھے وہاں نہیں جانا چاہیے تھا، مشعل۔"

رات وہ دونوں سونے کی غرض سے لیٹیں، تو اچانک اندھیرے میں مہوش کی آواز گونجی۔

"حماس شروع سے نہیں چاہتا تھا کہ تم اسجد کے ہاں جاؤ۔"مشعل نے بھی جیسے تائید کی۔

"آئندہ زندگی میں کبھی خود کو یوں خطرے میں نہیں ڈالوں گی۔"مہوش نے مصمم ارادہ کیا۔

آنکھیں موندنے سے پہلے آخری خیال اس کے دل میں یہی تھا کہ صرف نماز قائم کر لینا کافی نہیں، اچھائی برائی کا جو پیمانہ اس کے خالق نے قائم کر دیا ہے۔۔۔اس پر پورا اترنے کی کوشش کرنی ہو گی۔ تنہائی میں کسی غیر محرم سے ملنا، گناہ کی جانب پہلا قدم ہے۔ خواہ اپنی نیت صاف ہو، دوسرے کا ارادہ بدلتے دیر نہیں لگتی۔

☆☆☆☆☆☆☆

عدیل اور فہیم شام کو دوبارہ کیمپس میں تھے—اب کوئی بہانہ نہیں بچا تھا، صرف 'چیکنگ' کے نام پر گھوم رہے تھے۔

حماس کو ان پر شک سا ہونے لگا تھا۔ نتیجتاً۔۔۔وہ ان پر نظر رکھنے لگا۔

وہ ان دنوں کسی پر بھی آسانی سے یقین نہیں کرتا تھا۔ خصوصاً جب کوئی باہر سے آکر 'وائی فائی ٹھیک کرنے' کا دعویٰ کرے، لیکن ہر کمرے کی تاریں چھوئے، ہر سرور روم میں اکیلا ہو جائے، اور کسی سے بھی بات کرنے سے بچے۔

اس نے دیکھا تھا کہ عدیل نے لائبریری کے سرور روم میں وہ راؤٹر لگایا تھا جس پر کوئی سرٹیفیکیشن نہیں تھی، اور فہیم نے سائنس بلاک میں ایک ڈیوائس لگائی تھی جو کسی بھی ٹیسٹنگ کے کام نہیں آتی تھی۔

شام کا سایہ سائنس بلاک کے پیچھے والے کونے کو چھپا چکا تھا، جہاں صرف ایک پرانی فائر اسکیڑی، ایک ٹوٹی ہوئی لائٹ، اور ایک چپ چاپ ہوا کا سرگوشی والا راستہ تھا۔

عدیل اور فہیم وہیں کھڑے تھے—باہر سے "ٹیسٹنگ" کے لیے، لیکن ان کے ہاتھوں میں وہ ڈیوائسیں تھیں، جو کسی عام ٹیکنیشن کے کام نہیں آتی تھیں۔

اس نے دیکھا کہ عدیل نے فہیم کو ایک چھوٹا سا سیاہ باکس دیا، جس پر کوئی نشان نہیں تھا، صرف ایک ہلکی سی سرخ روشنی چمک رہی تھی۔

فہیم نے وہ باکس فائر اسکیڑی کے پاس ایک ہوا کے نلی (ڈکٹ) کے اندر دھنسا دیا۔ اس کے بعد وہ (غالباً کسی

اہم کام سے) وہاں سے رخصت ہو گیا۔

اب عدیل اپنے موبائل سے کسی کو فون کر رہا تھا لیکن آواز نہیں آ رہی تھی، کیونکہ وہ اینکر پیڈ کال پر تھا۔

حماس نے دیر نہ کی۔

وہ چھپ کر قریب پہنچ گیا—— جیسے کوئی سایہ۔

عدیل کی آواز بس اسے اتنا ہی بتا پائی۔ "ہاں، سب کچھ واضح ہو رہا ہے، جو سمجھنا تھا وہ سامنے آ رہا ہے۔"

حماس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ یہ کیسی مبہم گفتگو تھی؟

اس نے اپنا فون نکالا، اور عدیل کی کال کی آواز ریکارڈ کرنے لگا۔

عدیل نے کال ختم کی ہی تھی کہ حماس اچانک سامنے آ گیا۔

"یہاں کیا چل رہا ہے؟" حماس نے تیز آواز میں کہا۔

عدیل چونک گیا، اس کی انگلیاں فون پر جم گئیں۔

"میں صرف ٹیسٹ کر رہا تھا۔"

"نہیں، تمہارا اس یونیورسٹی میں آنے کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔" حماس نے ایک نظر سر سے پیر تک دوڑائی۔ "جانتے ہو یہ کتنا حساس معاملہ ہے؟ میں ابھی فیکلٹی کو مطلع کروں تو جانتے ہو تمہارے ساتھ کیا ہو گا؟"

عدیل کی آنکھوں میں ایک لمحے کو حیرت، پھر معاملہ فہمی دَر آئی۔

وہ جانتا تھا—— اس سے چُوک ہوئی ہے۔

"ایسا کیا دیکھ لیا تم نے؟" عدیل نے جانچنے کی کوشش کی۔

"تمہیں دیکھا۔ تمہاری ہر چال دیکھی۔ اب تم بتاؤ—— تم کون ہو؟"

عدیل نے اسے ہاتھ سے تسلی دینے کا اشارہ کیا اور اپنا فون دوبارہ اُٹھایا۔ ایک میسج بھیجا۔

1234

کچھ ہی دیر بعد عدیل کے فون پر ایک اینکر پٹڈ کال آئی۔

اس نے حماس کے سامنے ہی فون پر بات کی—— آواز آہستہ لیکن الفاظ واضح تھے۔

"ہاں، ایک طالب علم ہمارے ساتھ ہے۔ نام؟ حماس سلطان۔"

عدیل نے فون ہٹایا اور حماس کی طرف دیکھا۔

"اب تمہیں سب سمجھ آجائے گا۔"

عدیل نے حماس کی فون پر بات کروائی۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند ہفتے قبل۔

ڈی ایس پی عمران حیدر کا ڈرائنگ روم ایک قدیم، سایہ دار گھر میں تھا—— ایک طرف کھڑکیوں سے چاندنی رات کا سکون داخل ہو رہا تھا، دوسری طرف دیوار پر لٹکا ہوا پرانا گھڑا اپنی آواز میں وقت کی گہرائی بتا رہا تھا۔

کمرے کے دائیں جانب سنگل صوفے پر عمران بیٹھے ہوئے تھے۔ہاتھ میں موبائل تھا،اور اسکرین پر اسجد کے تایا کے گھر کی لی گئی تصاویر تھیں۔

"یہ کافی نہیں، حماس۔"ان کی آواز میں ایک عجیب سی تھکن تھی۔

"مہوش نے اسجد کو منشیات فروخت کرنے والے لڑکے کے ساتھ سرگوشیاں کرتے سنا تھا۔"حماس نے کہا۔وہ ان کے سامنے کھڑا تھا،ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے۔

عمران نے موبائل کو میز پر رکھ دیا۔"سننا کافی نہیں۔ قانون کے ہاتھ بندھے ہوتے ہیں،بِنا ثبوت ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

حماس دیر تک چپ رہا۔بولا تو لہجہ بہت کچھ جتا رہا تھا۔"سنا تھا،آپ میرے والد کے بہت قریبی دوست تھے۔"

عمران کی آنکھیں اس کی سمت اُٹھ گئیں۔ایک لمحے کو وہ خاموش رہے، جیسے کوئی پرانا زخم چھیڑ دیا گیا ہو۔پھر بولے۔"یہ جذباتی بلیک میل ہے، حماس۔"

"یہی سمجھ لیں۔"حماس نے کہا،آواز میں اب وہ سکون تھا جو صرف انتہائی یقین دلاتا ہے۔

عمران نے گہری سانس لی،اُٹھ کر کھڑکی کی طرف گئے،چاندنی نے اپنی دودھیا روشنی سے ان کے خدوخال کی سختی کو نمایاں کر دیا۔

"میں کچھ کرتا ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ضمیر بیچ کے لائے ہیں بے کلی کا عذاب

وقارِ ذات گنوا کر، اب زہر بانٹتے ہیں وہ

روہن جب لاہور کی اس یونیورسٹی میں آیا تو وہ کسی فلمی ولن جیسا نہیں تھا۔ درمیانہ قد، ذرا سا جھکے ہوئے کندھے، بات کرتے وقت نظریں سیدھی نہ رکھنے کی عادت—وہ ان لڑکوں میں سے تھا جو کمرے میں موجود ہوتے ہیں، مگر مرکز نہیں بنتے۔ اس کا تعلق فیصل آباد کے ایک ایسے گھر سے تھا جہاں تعلیم کو 'اخراجات' سمجھا جاتا تھا اور خاموشی کو 'تہذیب'۔

پہلا سمسٹر اس نے جیسے تیسے گزار لیا۔

ہاسٹل کا کمرا، مشترکہ الماری، ایک پنکھا جو پوری رفتار پر بھی گرمی پوری طرح نہیں توڑ پاتا—یہ سب اس کے لیے نیا تھا، مگر ناقابلِ برداشت نہیں۔ وہ زیادہ بولتا نہیں تھا، مگر سنتا بہت تھا۔ کلاس میں پچھلی قطار، نوٹس صاف، سوال ذہن میں—مگر ہاتھ شاذ ہی اٹھتا۔

مسئلہ دوسرے سمسٹر کے آغاز پر کھڑا ہوا۔

گھر سے فون آیا تو باپ کی آواز میں وہ ٹھہراؤ نہیں تھا جو پہلے ہوا کرتا تھا۔ پرنٹنگ شاپ کی بڑی مشین خراب ہو گئی تھی، مرمت میں پیسے لگ گئے تھے۔

"اس بار فیس ذرا لیٹ ہو جائے گی۔" یہ جملہ کہا نہیں گیا، مگر روہن نے سمجھ لیا۔

اس دن کے بعد اس کے معمول میں ایک فرق آ گیا۔

وہ لائبریری میں زیادہ دیر رکنے لگا،

کھانے کے وقت کم بولنے لگا،

اور رات کو سوتے ہوئے چھت کو گھورتا رہتا—— جیسے وہاں کوئی حساب لکھا ہو۔

اسی دوران اس کی جان پہچان یونیورسٹی کے ایک سینئر لڑکے سے ہوئی۔ باتیں عام تھیں—— کلاس، اسائنمنٹس، اساتذہ۔ پھر ایک دن، غیر ارادی طور پر، بات پیسوں پر آ گئی۔

روہن نے شکایت نہیں کی تھی، بس ایک آدھا جملہ کہا تھا۔ "فیس کا ٹائم بڑا ٹائٹ ہوتا جا رہا ہے۔"

جواب فوراً نہیں آیا۔

چند دن بعد، کیفے ٹیریا میں، اسی لڑکے نے یونہی کہا۔ "اگر کبھی واقعی مسئلہ ہو، تو ایک دو نئے راستے بھی ہیں۔"

یہاں سے سب کچھ ایک دم نہیں بدلا۔

نہ کوئی زبردستی، نہ کوئی دھمکی۔

بس آہستہ آہستہ روہن کو ایسے لوگوں سے ملوایا گیا جو بات 'مدد' سے شروع کرتے اور 'ذمہ داری' پر ختم کرتے تھے۔

شروع میں اس نے خود کو یقین دلایا کہ وہ کچھ غلط نہیں کر رہا۔

وہ نہ مارکیٹنگ رہا تھا،

نہ کسی کو مجبور کر رہا تھا۔

بس قیمت بتانا، وقت دینا، اور اتنا کہ "اصلی ہے، کوئی ملاوٹ نہیں۔"

پیسے آئے تو اس نے خود کو قائل کیا،

یہ عارضی ہے۔بس اس سمسٹر کے آخر تک۔

فیس وقت پر جمع ہو گئی۔

گھر فون کیا تو ماں کی آواز میں سکون تھا۔

اور یہی وہ لمحہ تھا جب روہن پہلی بار ٹھہر کر نہیں سوچ سکا۔

وقت کے ساتھ چیزیں بدلنے لگیں۔

اس نے کچھ چہرے بدلے ہوئے دیکھے۔

کچھ آنکھوں میں وہ چمک نہیں رہی، جو پہلے ہوا کرتی تھی۔

کچھ لوگ امتحان کے دنوں میں عجیب بے چینی میں مبتلا نظر آنے لگے۔

دل میں ایک بوجھ سا بیٹھ گیا،

مگر پیچھے ہٹنے کا راستہ اب سیدھا نہیں رہا تھا۔

اسجد اس سارے منظر نامے میں عجیب حد تک پُر سکون تھا۔

وہ زیادہ حکم نہیں دیتا تھا، بس اتنا کہتا۔"ہم کسی کو مائل نہیں کرتے، روہن۔لوگ خود آتے ہیں۔"

یہ جملہ روہن نے کئی بار اپنے دل کو سمجھانے کے لیے استعمال کیا۔

پھر ایک دن، اس نے خود کو آئینے میں دیکھا اور پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ پہلے جیسا نہیں رہا۔

وہ اب نظریں زیادہ چرانے لگا ہے۔

کچھ نام سن کر چونک جاتا ہے۔

اور جب یونیورسٹی کے گیٹ کے پاس اس کی نظر زین اور حماس پر پڑتی، تو دل بلاوجہ تیز دھڑکنے لگتا۔

یہ خوف پولیس کا نہیں تھا،

یہ خوف پکڑے جانے کا بھی نہیں تھا۔

یہ خوف پہچان لیے جانے کا تھا۔

روہن اب جان چکا تھا کہ وہ اس کہانی کا ہیرو نہیں،

مگر اتنا معمولی بھی نہیں کہ اس کے فیصلوں کا اثر نہ ہو۔

اور یہی احساس،

اسے سب سے زیادہ ڈرانے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اس کا نام عالیہ تھا—— لیکن یونیورسٹی میں یہ نام کسی کو زیادہ یاد نہیں رہا۔ وہ پہلے دن سے ہی ایسی تھی جیسے جگہ کے اندر موجود ہو، مگر جگہ اس کی اپنی نہ ہو۔ وہ کلاس میں بیٹھی ہوتی، لیکچر سنتی، نوٹس بناتی، مگر اس کی موجودگی میں ایک ہلکی سی غیر حاضری بسی رہتی۔ جیسے وہ یہاں اپنی مرضی سے نہ آئی ہو، بلکہ کسی فیصلے کے تسلسل میں دھکیل دی گئی ہو۔

داخلہ اس نے خود نہیں لیا تھا۔ فارم اس کے ہاتھ میں ضرور آیا لیکن فیصلے کہیں اور ہوئے تھے۔ اس کا تعلق جنوبی پنجاب کے ایک قصبے سے تھا، جہاں لڑکیوں کے لیے تعلیم ہمیشہ شرطوں کے ساتھ دی جاتی ہے۔ ماں بیمار تھی، باپ برسوں پہلے فوت ہو چکا تھا۔ ماموں واحد سہارا تھے، جن کے سہارے گھر چلتا تھا۔ وہی ماموں جو باتوں میں ہمیشہ 'حفاظت' اور 'مستقبل' کا ذکر کرتے اور فیصلوں میں ہمیشہ عجلت دکھاتے تھے۔

"لاہور کی ایک اچھی یونیورسٹی ہے۔" ماموں اس دن بہت خوش دکھائی دیے۔ "ہاسٹل بھی ہے، فیس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ تم بس پڑھائی پر دھیان دینا۔"

عالیہ نے سوال نہیں کیا۔ اسے سوال کرنے کی عادت بھی نہیں تھی۔

یونیورسٹی آ کر اسے احساس ہوا کہ اس کا داخلہ باقی لڑکیوں جیسا نہیں تھا۔ ڈپارٹمنٹ وہی تھا، کلاسز بھی معمول کے مطابق، مگر ایک چیز شروع سے مختلف تھی—اس کے اخراجات۔ فیس وقت پر جمع ہو جاتی، کتابیں خود بخود مل جاتیں، ٹرپس کے چارجز بھی ادا ہو جاتے۔ کسی نے اس سے کچھ مانگا نہیں تھا، بس کچھ سمجھا دیا گیا تھا۔

شروع میں اس کا کردار بہت محدود تھا۔ اسے بس لوگوں سے بات کرنی تھی۔ یونیورسٹی میں نئی آنے والی لڑکیاں، جو اکیلی ہوتیں، جو دباؤ میں ہوتیں، یا گھبراہٹ میں کسی سہارے کی تلاش میں ہوتیں—عالیہ ان کے پاس بیٹھتی، سنتی، سر ہلاتی اور کبھی ایک سادہ سا جملہ کہہ دیتی۔

"مسئلوں کے آسان حل بھی ہوا کرتے ہیں۔"

وہ کسی کو مجبور نہیں کرتی تھی، نا ہی کبھی کسی سے جا کر کوئی درخواست یا التجا کرتی۔ وہ خود کو یہی کہہ کر مطمئن رکھتی کہ وہ صرف ایک رابطہ ہے، ایک ذریعہ —— فیصلہ کسی اور کا ہے۔ خواہش تو۔۔۔ خریدنے والے کی پوری کی جاتی ہے۔

وقت کے ساتھ اس کی ذمہ داری بدلنے لگی۔ اب اسے مخصوص لوگوں کے قریب رہنے کو کہا جاتا، کچھ نام ذہن میں رکھنے ہوتے، کچھ باتیں یاد رکھنی ہوتیں۔ بدلے میں زندگی آسان ہوتی جا رہی تھی۔ امتحان کا دباؤ کم، مالی خوف کم، مستقبل کی فکر بھی کم۔ مگر اس آسانی کے ساتھ ایک اور چیز بھی بڑھ رہی تھی —— خاموشی۔

وہ اب کم بولتی تھی، ہنسی اس کے چہرے پر آتی تو دیر تک نہ ٹھہرتی۔ جب کبھی آئینے میں خود کو دیکھتی، اسے یوں لگتا جیسے وہ خود سے ایک آدھ قدم پیچھے چل رہی ہو۔ جیسے اصل عالیہ کہیں اور رہ گئی ہو۔

اسجد اس کے لیے افسر نہیں تھا۔ وہ اسے سمجھانے والا لگتا تھا، ہمیشہ نرم لہجے میں بات کرنے والا، ہمیشہ ایک ہی جملہ دہرانے والا۔

"ہم دوسروں پر کچھ بھی مسلط نہیں کرتے، عالیہ۔ لوگ خود مانگتے ہیں۔"

یہ جملہ اسے وقتی طور پر محفوظ محسوس کراتا تھا، ذمہ داری جیسے کسی اور کے کندھوں پر رکھ دی گئی ہو۔ مگر پھر اس نے کچھ چہرے بدلتے دیکھے۔ وہ لڑکیاں جو پہلے ہنستی تھیں، اب کلاس میں خاموش بیٹھی رہتیں۔ آنکھوں کی چمک ماند پڑنے لگی، چہرے زرد، بے رنگ۔ زندہ ہوتے ہوئے بھی غیر حاضر سی لگتیں۔

ایک دن لائبریری کے شیشے میں عالیہ نے اپنا عکس دیکھا اور پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ صاف نہیں رہے۔ وہ پھنسی ہوئی نہیں تھی، مگر آزاد بھی نہیں تھی۔ یہی اس کی کہانی کا سب سے خطرناک پہلو تھا۔

وہ جانتی تھی کہ اگر یہ سلسلہ ٹوٹا تو اس کا نام کسی فہرست میں نہیں آئے گا، کوئی اسے سرخیوں میں نہیں لائے گا، مگر اس کا ضمیر سب سے پہلے اس کے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ اور وہ اب اسی لمحے سے ڈرنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

شیزو کا اصل نام شبیر تھا، لیکن کوئی بھی اسے اس نام سے نہیں پکارتا تھا—گھر والے نہ دوست، نہ یونیورسٹی میں کوئی۔ 'شیزو' چھوٹی سی عمر سے اس کا اُلٹا نام بنایا گیا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ سست، اداس، اور دنیا سے الگ رہتا تھا —جیسے ہر چیز اس کے لیے بے مطلب، بے معنی ہو۔

اس کے والد لاہور کے ایک بڑے ٹیکسٹائل برینڈ کے مالک تھے۔ گھر ڈیفنس فیز 5 میں تھا، گاڑی نئی تھی، ہر سال موبائل کا جدید ماڈل لیا جاتا۔ لیکن جب وہ یونیورسٹی لائف کا حصہ بنا۔۔۔ تو اس کے پاس صرف ایک چیز تھی جو اسے زندہ محسوس کراتی تھی، خطرہ۔

پہلی بار اس نے ایک ایکسٹسی صرف اس لیے لی تھی کہ وہ 'اصل دنیا کی حرارت کو محسوس کر سکے۔'

دوسرا پیکٹ اس نے دوستوں کے سامنے ڈرامائی انداز میں نکالا—صرف دیکھنا تھا کہ کون ہے جو اس کے ساتھ چلے گا۔

جب اُس نے کلاس فیلو کو دیوار کے پیچھے اُسی پیکٹ کا آدھا حصہ دیتے ہوئے دیکھا، تو اس کے اندر کچھ چمک اٹھا —تھرل، ایکسائٹمنٹ، کنٹرول کی خواہش۔

پھر وہ خود ہی دینے والا بن گیا۔

جب اس سے پوچھا جاتا۔ "تمہیں پیسے کی کیا ضرورت ہے؟"

وہ ہنس کر کہتا۔ "میں تو تمہارے چہرے کا رنگ بدلنا چاہتا ہوں۔ تمہیں ایک سیکنڈ کے لیے واقعی۔۔۔ زندہ دیکھنا ہے۔"

اس کے گھر والے سمجھتے تھے کہ وہ کانفرنسوں میں شریک ہوتا ہے۔

اس کے دوست سمجھتے تھے کہ وہ ایک سوشل فعالیت کا حصہ ہے۔

حقیقت یہ تھی کہ وہ ہر رات اپنے بستر پر یہ سوچتا کہ کتنے لوگ اس کی وجہ سے اگلے دن اپنا آپ کھو چکے ہوں گے۔

اور یہی خیال اسے گہری نیند دیتا تھا۔

ایک دن اس نے مہوش کو دیکھا—وہ لائبریری میں کتابیں چھان رہی تھی، جیسے کسی کی سوچ کو پکڑنا چاہتی ہو۔

شیزو نے سوچا، شاید وہ اگلا ہدف ہو۔

لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ اسجد کے پیچھے چل رہی ہے، تو اسے پہلی بار کوئی ہار محسوس ہوئی۔

کیونکہ وہ جانتا تھا۔

"اسجد وہ کنٹرول رکھتا ہے، جو میں صرف بانٹتا ہوں۔"

اور اس کے اندر کچھ ٹوٹ گیا۔

اُس رات اُس نے ایک نیا شیڈول بنایا۔

زیادہ رِسک، زیادہ خطرہ، زیادہ تھرل۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے آدھے گھنٹے پچھلے تھے اور اس سفید بنگلے کے لاؤنج میں صرف ٹی وی کی نیلی روشنی تھی جو دیواروں پر اُچھل رہی تھی، جیسے کوئی بھوت خاموشی سے اندر گھُسا ہو۔ اسجد اور اس کے تایا دونوں صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں چائے کے کپ، چہروں پر وہ سرشاری جو صرف وہ رکھتے ہیں، جنہیں لگتا ہو کہ دنیا کا نظام ان کے قدموں تلے ہے۔

ٹی وی پر خبر چل رہی تھی اور نیوز کاسٹر کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

"اسلام آباد شہر میں (مخصوص) یونیورسٹی کے قریب ایک بڑے نارکوٹکس آپریشن میں چھ افراد گرفتار کیے گئے ہیں۔ جن کے قبضے سے 50 کلو چرس، 20 کلو آئس، اور بڑی مقدار میں ایکسٹیسی پیلیاں برآمد ہوئی ہیں۔ تفتیشی اہلکاروں کے مطابق یہ گروہ یونیورسٹیوں کے علاوہ کئی سرکاری اور نجی ہاسٹلز میں ڈرگز کی فراہمی کر رہا تھا۔"

اسجد نے ٹی وی کی طرف دیکھا، پھر مسکرا دیا—ایسی مسکراہٹ جس میں خوف تھا نہ ہمدردی، صرف ایک ماہر کا طنز تھا۔

"بھئی، یہ لوگ کیا سوچتے ہیں؟ 50 کلو؟ اور پھر اتنا اسٹاک اور بندے سب ایک ہی جگہ؟ اُنہیں پتا بھی ہے کہ اس طرح کتنی آسانی سے ٹریک کیا جا سکتا ہے!"

رؤف نے چائے کا ایک گھونٹ لیا۔ "یہ لوگ بازار والے ہیں، بیٹا۔ ہماری طرح نہیں۔"

اسجد نے سر ہلایا۔ "بالکل۔ ہم تو صرف آواز دیتے ہیں، باقی سب خود چل کر آتے ہیں۔"

"اور یہی ہماری طاقت ہے۔" رؤف نے آنکھوں میں مخصوص چمک لیے کہا۔ "ہم دکھائی دیتے ہیں، نہ پکڑے جاتے ہیں۔ ہم نظام کا حصہ ہیں۔"

"یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ منافع ہی مقصد ہے۔" اسجد نے کہا۔ "لیکن حقیقی کاروبار تو وہ ہے جہاں تمہارا مقصود ہو، نہ سامان، نہ موجودگی۔"

تایا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور ہم۔۔۔ ہم تو ہوا ہیں، بیٹا۔"

"ہماری موجودگی دکھائی نہیں دیتی، بس محسوس کی جاسکتی ہے۔" اسجد نے بات کو اختتام تک پہنچایا۔

باہر، بارش کی پہلی بوند درخت کے پتے سے ٹکرائی—اور اندر دونوں خاموش ہو گئے، جیسے ان کی گفتگو کا آخری لفظ دنیا کے تمام فیصلوں پر چھا گیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ خبر عالیہ تک کسی اعلان، شور یا ہنگامے کی صورت نہیں پہنچی تھی۔ یہ ویسے ہی آئی جیسے اکثر سچ آتے ہیں— آدھی باتوں میں، ہنسی کے بیچ، لاپرواہ لفظوں کے ساتھ۔

وہ کیفے ٹیریا کے باہر کھڑی تھی، ہاتھ میں چائے کا کپ جس کی بھاپ اب ٹھنڈی ہو رہی تھی، جب دو لڑکیاں اس کے برابر والی بنچ پر آ کر بیٹھ گئیں۔ بات کسی اسائنمنٹ سے شروع ہوئی، پھر ہنسی میں بدلی اور پھر اچانک ایک جملہ پھسل کر باہر آ گیا۔

عالیہ کا ہاتھ کپ کے گرد لمحے بھر کو سخت ہو گیا۔ اس کے ذہن میں ایک چہرہ ابھرا ـــــ وہی لڑکی جو ہمیشہ ڈھیلے کپڑے پہنتی تھی، جو گروپ میں ہنسی کا حصہ تو بنتی، مگر اپنی ہنسی ذرا دیر سے شامل کرتی تھی، جو لائبریری میں بیٹھ کر کھانے کی ایپس دیکھتی رہتی تھی۔

اور پھر وہ سوال ـــــ ایک ہفتہ پہلے، سیڑھیوں کے پاس۔ عالیہ کو یاد آیا، اس وقت اس نے لڑکی کے چہرے کو غور سے نہیں دیکھا تھا، بس اتنا سوچا تھا۔۔۔ ایک اور ہے ـــــ ایک اور جو خود کو 'ٹھیک' کرنا چاہتی ہے، جلدی، خاموشی سے۔

اب عالیہ کے ذہن میں وہ سب جملے اکٹھے ہو رہے تھے ـــــ موٹی کہنے والے مذاق، وزن کم کرنے کی ضد، نیند نہ آنے کی شکایت اور وہ گولیاں جو مختلف مسئلوں کے لیے تھیں مگر بیک وقت ایک ہی جسم میں جا رہی تھیں۔

چائے اب واقعی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

عالیہ نے باقی جملہ نہیں سنا، یا شاید سننا نہیں چاہا۔ ایک لمحے کے لیے دل کے اندر کچھ ٹوٹا۔ ایسا نہیں کہ وہ خود کو مکمل طور پر قصوروار سمجھنے لگی ہو ـــــ لیکن ایک کانٹا سا چبھ گیا۔

اگر میں نے منع کیا ہوتا؟ ایک گولی کم دی ہوتی؟ پھر فوراً، اس سے بھی تیز ایک اور خیال آیا۔ وہ پہلے ہی اینٹی ڈیپریسنٹس لے رہی تھی، نیند کی گولیاں بھی۔ میں تو اس کی سہیلی بھی نہیں تھی اور میں تو ہاسٹل میں رہتی بھی نہیں ہوں۔

یہ جملے اس کے اندر کچھ یوں ترتیب سے جڑ گئے، جیسے کسی نے دفاعی دیوار کھڑی کر دی ہو۔ "سب اپنی حد پار کرتے ہیں۔" اس نے خود کو تسلی دی۔ "میں نے تو اسے غلط راستہ نہیں دکھایا، یہ اس کی اپنی چوائس تھی۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی، چائے کا ڈسپوزیبل کپ ڈسٹ بن میں پھینکا۔ آس پاس زندگی ویسے ہی چل رہی تھی—— ہنسی، شور، قدموں کی آوازیں، موبائل کی شوخ رِنگ ٹون۔ چلتے ہوئے اس نے ایک لمحے کو اسی لیڈیز واش روم کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا، عام سا دروازہ، جیسے اور کئی دروازے تھے۔

دل کے کسی کونے میں وہی باریک سی چبھن رہ گئی——اس بار ذرا زیادہ واضح، قدرے ذاتی۔ مگر عالیہ نے رفتار کم نہ کی۔ وہ جانتی تھی، اگر وہ اس لمحے میں رُکی، تو شاید خود سے وہ سوال پوچھ بیٹھے، جس کا جواب دینا وہ ابھی افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

وہ چلتی رہی——یہ سوچ کر کہ کبھی کبھار سب سے آسان راستہ خود کو الگ کر لینا ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ شب کی کوکھ سے نیا سویرا جنم لے گا

پلٹ کر آنے والوں کو، نئے رستے میسر ہیں

صبح کی دھوپ ابھی یونیورسٹی کے درختوں کے پیچھے چھپ رہی تھی جب مہوش نے اپنا کام شروع کر دیا۔ پہلے اس نے عالیہ کو اس کی کلاس کے باہر روکا۔ اچانک اس کے راستے میں رکاوٹ بن کر سامنے آن کھڑی ہوئی۔ عالیہ کے ہاتھ میں کتابیں تھیں، آنکھیں نیچی۔

اسجد نے لائبریری آنے کو کہا ہے۔" مہوش نے لائبریری کا مخصوص کونہ بتایا، جہاں اسے جانا تھا، آواز میں " "وہی پرانی پُراعتماد چمک تھی۔" فون فوراً آف کر دو۔

عالیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔" تمہیں کیوں بتایا؟" جیسے کہنا چاہتی ہو۔' تمہارا اس سب سے کیا لینا دینا؟'

"کیونکہ میں تمہاری طرح، تمہارے لیے فکر مند ہوں۔" مہوش نے جواب دیا، اور چلی گئی۔

عالیہ کا اسے حماس نے بتایا تھا، وہ اسے بھی اسجد کے ساتھ لائبریری میں 'میٹنگ' کرتے دیکھ چکا تھا۔

شبیر کو، اُس کے بلاک کے باہر۔ اسی دن، دوسرا پیغام۔

"اسجد نے لائبریری آنے کو کہا ہے۔ ابھی۔ فون آف کرو۔" کہتے ہی تیز قدموں سے دُور چلی گئی۔

روہن کو، کیفے ٹیریا میں۔ تیسرا پیغام۔

"تمہیں اکیلے آنا ہے، کسی کو مت بتانا۔"

کہتے ساتھ ہی۔۔۔ یہ جا وہ جا۔

لائبریری—— دوپہر 1:45

لائبریری کا وہ کونا جہاں قدیم، بوسیدہ کتابوں کی خوشبو تھی، اب تین غیر معمولی مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔

شبیر ایک میز کے پیچھے بیٹھا تھا، ہاتھ میں کوئی کتاب نہیں، صرف بے چینی تھی۔

روہن اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا، کتاب پر جھکا ہوا، جیسے کوئی اُسے دیکھ رہا ہو۔

عالیہ بیچ والی میز پر بیٹھی تھی، ہاتھوں میں اپنا فون لیے، جسے اُس نے بند کیا ہوا تھا۔

پہلے شبیر یہاں پہنچا تھا، پھر روہن۔ جب روہن کی نظر شبیر پر پڑی، تو دونوں کی آنکھوں میں ایک ہی سوال لہرایا تھا۔

"تم بھی؟"

آخر کار روہن، شبیر کے سامنے جا بیٹھا۔

"تمہیں کس نے بلایا؟" روہن نے پوچھا۔

"اسجد نے۔" "شبیر ابھی بھی قدرے الجھا ہوا لگ رہا تھا۔" "لیکن پیغام پہنچانے والی مہوش تھی۔"

"مجھے بھی مہوش نے بتایا—— کہ اسجد نے بلایا ہے۔" روہن نے جواب دیا۔

پھر دونوں نے عالیہ پر نگاہ ڈالی۔ اس فریم میں وہ مِس فٹ تھی کیونکہ وہ دونوں اس حقیقت سے بے خبر تھے۔۔۔ یا انہیں جانتے بوجھتے لاعلم رکھا گیا تھا کہ یہ لڑکی بھی وہی کام کرتی ہے جس میں وہ دونوں ملوث ہیں۔

ہاں، عالیہ ان کی اصلیت سے باخبر تھی۔

وہ ان دونوں کے بعد لائبریری کے اس کونے میں پہنچی تھی۔

اب وہ کیا کرتے۔۔۔ انہیں مہوش نے اسی مخصوص جگہ کا بتایا تھا۔

اور پھر دروازے سے حماس اندر آیا۔

وہ سیدھا ان دونوں کی میز کے پاس گیا اور سامنے والی کرسی سنبھال لی۔ اشارے سے عالیہ کو بھی اسی میز پر آنے کو کہا۔

"کیا تم سب جانتے ہو کہ میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے؟" سپاٹ چہرے کے ساتھ سادہ سا انداز۔

"کیا مہوش ہمارے خلاف ہے؟" عالیہ کی آواز میں واضح کپکپاہٹ تھی۔ اسے حماس کو یہاں دیکھ کر دھچکا لگا تھا جبکہ دونوں لڑکے مطمئن تھے۔ ایک سے تو وہ پلز بھی لیتا رہا تھا۔ دونوں جانتے تھے کہ حماس کوئی دودھ کا دھلا نہیں۔

نہیں۔" حماس ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔ "لیکن اسجد تمہیں خریدتا رہا ہے، اور" "اب تمہیں بیچنے والا ہے۔

تینوں نے الجھن زدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تمہاری کالز بھی سنی گئی ہیں۔" حماس آہستہ سے بولا۔ "اسجد جلد پکڑا جائے گا، اس کے خلاف گھیرا تنگ ہو رہا ہے۔ اور جو یہ میں۔۔۔" اس نے ذرا سا پیچھے ہوتے ہوئے، دونوں ہاتھوں سے اپنی جانب اشارہ کیا۔ "تم تینوں سے بات کر رہا ہوں، یہ اَن آفیشل کاروائی ہے۔ بہت بڑا رِسک ہے، جو میں لے رہا ہوں۔ تم میں سے کوئی بھی جا کر اسجد کو انفارم کر سکتا ہے۔ وہ باخبر ہوتے ہی بھاگ کھڑا ہو گا، آپریشن ناکام ہو سکتا ہے اور میں۔۔۔ مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا ہے۔"

"سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر تم اتنا سب داؤ پر کیوں لگا رہے ہو؟ جبکہ اس سب کے لیے۔۔۔" روہن نے ہاتھ سے تینوں کی طرف اشارہ کیا۔ "تمہیں وردی والوں کی پشت پناہی بھی حاصل نہیں۔"

"میں رِسک لینے سے نہیں ڈرتا۔" حماس بلا جھجک بولا۔ "خاص طور پر، اگر کسی کا بھلا ممکن ہو۔"

تینوں نے ایک بار پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تم تینوں کے پاس آخری موقع ہے خود کو بچانے کا۔ سلطانی گواہ بن جاؤ یا پھر۔۔۔"

"دوسری صورت میں؟"شبیر نے سرسراتی سرگوشی کی۔

"وہ تو بھاگ جائے گا، اسے بچانے والے بہت ہیں۔ قربانی کے بکرے بنو گے۔۔۔"اس نے انگلی اٹھاتے باری باری ان تینوں کی طرف اشارہ کیا۔"تم تین۔"

"ہمیں جیل ہو جائے گی؟"عالیہ کے سوال پر روہن اور شبیر نے تشویش بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"دیکھو، میری بات غور سے سنو۔"حماس رازدرانہ انداز لیے آگے کو جھکا۔"وہ کسی بڑے موقع کی تلاش میں ہیں کہ انہیں رنگے ہاتھوں پکڑا جاسکے۔ اب اگر اس سے پہلے ہی، تم تینوں سامنے آکر اسجد کے خلاف گواہی دیتے ہو، تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ تم تینوں کو بچالوں گا۔"

"ہم تمہاری بات نہ مانیں تو؟"شبیر نے جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اگر تم دوسرا راستہ چنتے ہو اور اسے جاکر سب بتادیتے ہو تو۔۔۔وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ جب اسے پتہ چلا کہ پولیس تمہارے کرتوتوں سے واقف ہو چکی ہے تو وہ تمہیں کام دینا بند کردے گا۔ تم اس کے کسی کام کے نہیں رہو گے۔ وہ جان جائے گا کہ پولیس کے اُس تک پہنچنے کا واحد ذریعہ تمہی ہو۔"

خواب سا سناٹا چھا گیا۔

عالیہ نے سر جھکاتے ہوئے سختی سے آنکھیں مینچ لیں۔

"میں سب کچھ بتاؤں گی، لیکن مجھے سیف ہونا ہو گا۔"

"تم لوگوں کے نام تب تک سامنے نہیں آئیں گے، جب تک وہ سلاخوں کے پیچھے نہیں پہنچ جاتا۔"

شبیر اور روہن نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہی بہتر آپشن ہے۔" روہن بولا تو شبیر نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

اسی لمحے ان تین زندگیوں کا رُخ بدلا۔

صرف سچ بولنے کی ہمت کی وجہ سے۔

"شبیر، کیفے ٹیریا کے باہر، تمہیں تمہارے چند دوست ڈھونڈ رہے تھے۔" حماس نے شبیر کو رخصت کرنے کا کوئی بہانہ تو بنانا ہی تھا۔ اس کے جاتے ہی وہ ان دونوں کی جانب مڑا۔ "میں جانتا ہوں تم لوگوں کے کچھ مالی مسائل ہیں، میں ہر طرح سے ساتھ دوں گا۔ کیریئر بنانے میں بھی میں تم لوگوں کے ساتھ کھڑا رہوں گا، لاہور ہو یا فیصل آباد، ہمارے کافی فیملی فرینڈز ہیں۔" دونوں کو بغور دیکھا۔ "بس، پیسے کی خاطر اب کسی کے جال میں نہ پھنسنا۔"

"آخری سمسٹر ہے، میں اس کے بعد فوراً فیصل آباد لوٹنا چاہوں گا۔" روہن فیصلہ کن انداز میں بولا۔ "وہاں مجھے جاب کا مسئلہ نہیں ہو گا۔"

"اور فیس؟" حماس نے پوچھا۔

"سمسٹر کی فیس ادا کر دی تھی، بس کچھ دیگر اخراجات۔۔"

"یہاں سے سیدھا میرے ساتھ چلو۔" حماس نے ٹیبل پر رکھے اس کے ہاتھ کو نرمی سے دبایا، جیسے تسلی دے رہا ہو۔ اسے احساس تھا، یوں ان کی آمدنی کا ذریعہ بند کروانا، انہیں کئی طرح کی مشکلات سے دوچار کر سکتا تھا۔

حماس کی سوالیہ نظریں عالیہ کی جانب اٹھیں تو جواب میں اس نے فوری وضاحت دی۔ "میرے پاس فی الحال تو ہیں، بس جب ڈگری مکمل ہونے پر کراچی واپس جاؤں گی تو۔۔"

"وہاں راہبر لا جسکٹس میں ایک اچھی جاب تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔" اس کے ہونٹوں پر ٹھہری مسکراہٹ حوصلہ افزاء تھی۔ جیب سے کمپنی کا کارڈ نکال کر اسے تھمایا اور اپنا موبائل نمبر بھی نوٹ کروانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کبھی لہجے کی تلخی بھی سراپا خیر ہوتی ہے

گمانِ مہر کی کائی، دل کے آنگن میں نہیں جمتی

حماس یونیورسٹی کی لائبریری میں کافی دیر سے بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے کھلی کتاب، ساتھ نوٹس کی فائل، اور ہاتھ میں پین—— مگر وہ لکھ کم رہا تھا، ٹھہر ٹھہر کر پڑھ رہا تھا، جیسے ہر سطر کو ذہن میں بٹھا رہا ہو۔ آس پاس کی خاموشی میں صفحات پلٹنے اور دور کہیں کرسی سرکنے کی مدھم آوازیں تھیں۔

کچھ دیر بعد کسی کے قدم اس کی میز کے پاس رکے۔

ایک لڑکی نے سامنے والی خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟ باقی میزیں فل ہیں۔"

حماس نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا، پھر ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جی، ضرور۔"

لڑکی بیٹھ گئی۔اس نے اپنا بیگ رکھا، کتاب کھولی—مگر نظریں بار بار حماس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔چند لمحوں بعد وہ بولی۔"آپ بھی سائیکالوجی ڈپارٹمنٹ سے ہیں نا؟ میں نے آپ کو پہلے بھی یہاں دیکھا ہے۔"

حماس نے نظر کتاب سے ہٹائے بغیر جواب دیا۔"نہیں، اینتھروپولوجی۔"

"اوہ۔"وہ ذرا سا مسکرائی۔"آپ لوگ کچھ زیادہ ہی مشاہدہ کرتے ہیں، ہے نا؟"

حماس نے قلم بند کیا، پھر شائستگی سے بولا۔"عادت بن جاتی ہے۔"

خاموشی کا ایک مختصر وقفہ آیا، جسے لڑکی نے فوراً توڑ دیا۔

"آپ بہت فوکسڈ لگتے ہیں۔ویسے۔۔۔آپ ہمیشہ اکیلے ہی پڑھتے ہیں؟"

یہ سوال سادہ تھا، مگر اس میں دعوت چھپی ہوئی تھی۔

حماس نے اس بار کتاب بند کی۔

پھر لڑکی کی طرف پوری توجہ سے دیکھا—چہرے پر سختی تھی نہ الجھن۔

اس نے اپنے چہرے کو بے تاثر رکھا۔

"جی، مجھے یہی بہتر لگتا ہے۔"

لڑکی نے ہاتھ کے پیچھے ہنسی چھپائی۔

"سمجھ گئی۔میں شاید زیادہ بول رہی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔"حماس نے فوراً کہا، پھر گھڑی پر نظر ڈالی۔"بس، مجھے اب جانا ہو گا۔"

وہ کرسی پیچھے کر کے کھڑا ہوا، فائل سمیٹی، اور کتاب کو احترام سے بند کیا۔

"آپ آرام سے یہاں بیٹھیں۔"

لڑکی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، جیسے یہ توقع نہیں تھی۔

"اوہ، ٹھیک ہے۔"

حماس نے ایک مختصر، مہذب سی مسکراہٹ دی، اور بغیر پیچھے دیکھے، لائبریری کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

لڑکی چند لمحے خالی کرسی کو دیکھتی رہی۔

"کچھ لوگ واقعی دستیاب نہیں ہوتے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

عمران حیدر کے سامنے میز پر وہی ریکارڈنگ چل رہی تھی، جبکہ عدیل اور فہیم دونوں سامنے کھڑے تھے۔ کمرے میں صرف کافی کی خوشبو اور کمپیوٹر کی ہلکی سی سرسراہٹ تھی۔

"یہ سب وارنٹ کے لیے کافی نہیں ہے۔" عمران نے کہا، آواز میں تھکن تھی۔

"لیکن ہم انٹرنیشنل نارکوٹکس کنٹرول ایکٹ سیکشن 12 کے تحت کارروائی کر سکتے ہیں۔" عدیل نے کہا۔

"اگر کوئی شخص دو یا زیادہ صوبوں/یونیورسٹیوں میں ڈرگز کی فراہمی کر رہا ہو، تو اسے 'انٹرسٹیل کریمنل نیٹ ورک' سمجھا جاتا ہے۔"

عمران نے دایاں کندھا اُچکایا۔ "اور گھر؟ یہ تو اسجد کا نہیں، اس کے تایا کا ہے۔"

"ایسا اسجد کا کہنا ہے۔" فہیم نے کہا۔ "یوٹیلیٹی بلز اور گاڑی کی رجسٹریشن سب اسجد کے نام پر ہیں۔ ہمیں شک ہوا تو معلوم کرایا، یہ گھر بھی اسی کے نام ہے—وہاں وہ رہتا ہے، وہی چلاتا ہے اور وہی کمانے والا بھی ہے۔ رؤف صرف شیل ہے۔"

"واقعی نیا سٹاک آنے والا ہے؟" عمران حیدر نے ٹھوڑی کھجاتے ہوئے پر سوچ انداز میں پوچھا۔

"آڈیو آپ سن چکے ہیں۔" عدیل پر جوش ہوا۔ "رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں گے۔ عام حالات میں۔۔۔ یقینی طور پر کچھ کہہ نہیں سکتے۔ چھاپہ مارنے پر ہو سکتا ہے قابلِ گرفت مقدار نہ ملے۔"

عمران نے کچھ لمحے خاموش رہ کر فون اٹھایا۔ دو تین اہم عہدیداروں سے بات چیت کی، پھر آخری فون ملایا۔

ڈیوٹی آفس؟ فوری ایکٹیویٹ کریں۔ گھر پر ریڈ ٹیم رات تین بجے کے لیے تیار کریں۔ کوڈ ریڈ: نیلا راستہ۔"

"سی یس، ڈی ایس پی عمران حیدر۔ ارجنٹ آپریشن 12

فون رکھ کر دونوں کی طرف دیکھا۔

خصوصاً اگر یونیورسٹیاں ہوں اور ثبوت ہوں کہ ڈرگز کا ٹریفک گھنٹوں کی ایمرجنسی اتھارٹی ملتی ہے۔ "

"نوجوانوں تک پہنچ رہا ہے، تو ہمیں 48

عدیل نے سر ہلایا۔ "ہم نے تین یونیورسٹیوں کے طلبہ کے فون ٹریس کیے ہیں۔ سب کے پاس وہی کوڈ تھا، نیلا راستہ۔"

☆☆☆☆☆☆

رات کے تین بج چکے تھے اور اس سفید بنگلے کے گرد ہوا میں وہ سکوت تھا جو صرف فوری آپریشن سے پہلے ہوتا ہے—جیسے ہر پرندہ، برگ، ہر سایہ بھی جانتا ہو کہ اب کچھ ٹوٹنے والا ہے۔ چاروں طرف سے—درختوں کے پیچھے، چھتوں، سڑک کے موڑ پر—چودہ اہلکار: سیاہ جیکٹیں، ہاتھوں میں غیر فلیش تھرمل رائفلز، کانوں میں کمشنرز—اپنی پوزیشن لے چکے تھے۔ ایک سینئر آفیسر نے ہاتھ اٹھایا۔ "ایکسٹرنل کلیئر۔ ویلز کلیئر۔ انٹرنل گو۔"

لاؤنج میں، اسجد اور رؤف دونوں صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے—چائے کے کپ ابھی گرم تھے، ٹی وی بند تھا اور درمیان میں سینٹرل ٹیبل پر تین بیگز رکھے ہوئے تھے۔ ہر ایک پر ایک نیلا نشان۔
ساتھ ہی مخصوص یونیورسٹیوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔

اچانک—کچن کے پچھلے دروازے کو ایک ہتھوڑے سے توڑا گیا۔

"ڈھاااک۔"

لکڑی کا فریم چکنا چور ہو گیا۔

چار اہلکار کچن میں داخل ہوئے اور فوراً دوڑتے ہوئے لاؤنج کی طرف بڑھے۔

"پولیس! ہاتھ اوپر! کوئی حرکت نہ کرے۔"

تایا کا چہرہ سفید پڑ گیا، وہ اُٹھنا چاہتے تھے لیکن ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔
اسجد نے برق رفتاری سے کمرے کی جانب بڑھنے کی کوشش کی، لیکن اُس سے پہلے ہی دو اہلکار اسے قابو کر چکے تھے—ایک نے اُس کا ہاتھ پیچھے کی طرف موڑ دیا، دوسرے نے گلے پر دباؤ ڈال کر دیوار سے لگا دیا۔

اس میں ابھی بھی دم خم باقی تھا، گرجدار لہجے میں "تمہیں کس نے آنے کی اجازت دی؟ یہ میرا گھر ہے۔"

بولا۔

نہیں، بیٹا، ایک بھاری آواز سنائی دی۔

ڈی ایس پی عمران حیدر کچن کے دروازے سے اندر داخل ہوئے، ہاتھ میں ایک فائل تھی۔

"یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔ یہ ایک کرمنل ہب ہے—اور اب یہ ہمارا ہے۔"

اُن کے پیچھے، ایک اہلکار نے بیگز کھولے—سب میں نیلے رنگ کے چھوٹے سے پیکٹس، ہر ایک پر ایک کوڈ، اور نیچے ایک چھوٹی سی لسٹ: طلبہ کے نام، یونیورسٹیاں، مہینے کی تاریخیں۔ سارا کام نہایت مفصل انداز میں کیا جاتا تھا۔

"یہ سب کچھ ہے، سر۔ ہر سٹوڈنٹ، یونیورسٹی، ہر نام۔۔۔ سب 'نیلا راستہ' سے جُڑا ہوا ہے۔"

رؤف نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں تو صرف۔۔۔ گھر سنبھال رہا تھا۔"

عمران حیدر نے اس کی طرف دیکھا، پھر اسجد کی طرف۔ "گھر سنبھال رہے تھے؟ یا کاروبار؟"

اسجد چُپ رہا۔

لیکن پھر اچانک، اُس نے اپنے بازو سے ایک اہلکار کو دھکا دیا، اور میز کی طرف بھاگا—شاید بیگز نوچنے کی کوشش یا کوئی فون نکالنا تھا۔

تین اہلکاروں نے اُسے زمین پر گرادیا۔اُس کا سر فرش سے ٹکرایا لیکن اُسے پرواہ نہ تھی، وہ چیخ رہا تھا۔

"تم سمجھتے ہو میں اکیلا تھا؟ تمہیں لگتا ہے یہ اختتام ہے؟"

عمران حیدر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔"نہیں، بیٹا۔یہ شروعات ہے۔"

باہر، چاند نے بادلوں کی اوٹ سے اپنا چہرہ دکھایا۔

تاریک رات میں ایک بار پھر دودھیا روشنی جلوہ گر ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسجد پرنار کو ٹکس کنٹرول ایکٹ 1997 کی دفعہ 9(بی) کے تحت کیس چلا تھا۔جس کے تحت 30 کلو سے زائد چرس یا آئس کی فراہمی کو "ڈیتھ پینلٹی یا زندگی کی سزا" کا قابلِ سزا جرم سمجھا جاتا ہے۔چونکہ اس کے گھر سے 40 کلو چرس، 10 کلو آئس، اور ہزاروں ایکسٹیسی پیلیاں برآمد ہوئی تھیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا تھا کہ یہ سامان کم از کم تین یونیورسٹیوں میں فراہم کیا جا رہا تھا۔اس لیے عدالت نے ضمانت کی درخواست مسترد کر دی۔ایسے کیسز میں عموماً 18 سے 24 ماہ کی سماعت چلتی ہے، لیکن اگر گواہ اور ثبوت مضبوط ہوں، جیسا کہ اس کیس میں تھے، تو فیصلہ 6 ماہ میں بھی سنایا جا سکتا ہے۔

اب وہ ریمانڈ ہاؤس میں تھا۔زیرِ عتاب، بغیر وکیل اور ویزٹ کے۔۔۔سوائے آج کے۔

ویزٹنگ روم میں سفید دیواروں کے درمیان ایک لوہے کی میز تھی اور اُس کے دونوں طرف کرسیاں۔اسجد کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں، چہرے پر وہ غرور اب بھی تھا لیکن آنکھوں میں کچھ اور تھا—پہلی بار کوئی کمزوری۔

اور پھر دروازہ کھلا۔

مہوش اندر آئی—سادہ سفید کپڑے، بال چوٹی میں بندھے ہوئے، ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے، لیکن کوئی فون نہیں۔ مہوش نے اس کی جانب دیکھا، پھر مسکرادی—وہی مسکراہٹ جو کبھی اُس کے دل کو پگھلاتی تھی۔

"تم آگئیں۔۔۔؟" اسجد نے لہجہ مضبوط رکھنے کی کوشش کی، وہ اس ملاقات کے لیے تیار نہیں تھا۔

"ہاں۔" مہوش نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں نے سنا ہے، تمہیں کچھ وکلاء مل رہے ہیں۔" پھر ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی۔ "بھئی تمہارے لیے کون سی کمی ہے۔ مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ ،روپیہ، اختیارات۔ ہماری محنت بآسانی مٹی میں ملا سکتے ہو۔"

مہوش نے اپنے ہاتھ میں تھامے کاغذات میز پر رکھ دیے—صرف ایک فہرست تھی، جس پر تین نام درج تھے۔ عالیہ، شبیر، روہن۔

"یہ لوگ تمہارے کارندے تھے، نا؟" اس نے پوچھا، آواز میں کوئی غصہ نہیں تھا۔

اسجد نے فہرست کی طرف دیکھا، پھر اُس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "وہ۔۔۔ وہ میرے خلاف نہیں بولیں گے۔"

"وہ پولیس کو پوری کہانی سنا چکے ہیں۔" مہوش نے کہا۔ "تینوں کے پاس کئی ثبوت ہیں تمہارے خلاف اور شاید۔۔۔ کچھ سٹوڈنٹس بھی گواہی دینے کو تیار ہو جائیں کہ انہی تینوں سے خریداری ہوتی تھی۔"

اسجد کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "تم۔۔۔ تم یہ سب کیسے جانتی ہو؟"

نام نہیں لوں گی، بس کسی نے انہیں اچھے سے قائل کر لیا۔ وہ سلطانی گواہ کے طور پر پیش ہو رہے ہیں۔"

"مہوش نے کہا۔ "تم نے تو ان کی روحیں خرید لی تھیں۔"

اسجد کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"انہیں کوئی نقصان پہنچا تو بات سیدھی تم پر آئے گی، یاد رکھنا۔" آگے کو جھک کر اس نے اسے مطلع کیا۔ "تمہارا جال اب ٹوٹ چکا ہے۔"

اسجد نے شکست خوردہ انداز میں سر جھکا لیا۔

مہوش نے دروازے سے باہر نکلتے ہی اپنے تاثرات کو سنبھالا۔ وہ آج تک ٹھیک سے سمجھ نہ پائی تھی کہ ان دونوں کے بیچ آخر تھا کیا؟ لیکن جو بھی ہو۔۔۔ اسے اسجد سے الگ ہونے کا پچھتاوا ہر گز نہیں تھا۔

اب وہ محبت کی تابع تھی، نہ خوف کی۔

وہ انصاف کی آواز بن چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

کیفے ٹیریا میں کچن کی جانب سے آتی اشتہا انگیز خوشبوئیں عروج پہ تھیں۔ طلبہ کی ہلچل نے معمول کی گرمجوشی پیدا کر رکھی تھی۔ کونے والی میز پر حماس، زین، شمع، مشعل اور مہوش بیٹھے تھے—— چاروں طرف باتیں چل رہی تھیں، لیکن ان کے درمیان ایک عجیب سی خاموشی تھی، جیسے کوئی بات ابھی کہی نہ گئی ہو۔ اتنے میں حماس کا فون گنگنایا۔ اس نے اپنا فون نکالا، وائس نوٹ پر ٹیپ کیا اور آواز کھول دی۔

وائس نوٹ سے ڈی ایس پی عمران حیدر کی آواز آئی—— تھکی ہوئی، لیکن پُر اطمینان۔

"ہیلو حماس، عمران حیدر سپیکنگ۔ ابھی عدالت کا فیصلہ آیا ہے۔ اسجد کو نارکوٹکس کنٹرول ایکٹ کی دفعہ 9 (بی) کے تحت 12 سال قید کی سزا ہوئی ہے۔ ان کا وکیل کچھ کم نہیں تھا۔ دعویٰ کیا گیا کہ سامان اُس کے تایا کا تھا۔ گھر بھی اسجد کے ہی نام پر ہے۔ گواہوں کی گواہی اور دیگر ثبوتوں نے معاملہ واضح کر دیا۔ اب وہ ریمانڈ ہاؤس سے ٹرینویلا جیل منتقل ہو رہا ہے۔ تم سب کو اس بات کا علم ہونا چاہیے۔۔۔ کہ تم سب کی محنت رنگ لائی ہے۔"

شمع نے اپنا چائے کا کپ رکھ دیا، مشعل نے بالوں کو پیچھے کیا، زین نے آنکھیں بند کر لیں۔

مہوش نے سوالیہ نظروں سے حماس کی طرف دیکھا۔

"یہ بارہ سال کافی ہیں؟"

"کافی نہیں۔" حماس ٹھہر کر بولا۔ "لیکن یہ آغاز ہے۔"

"اور اُس کے تایا؟" شمع نے پوچھا۔

"رؤف کو چھ سال ہوئے، وہ مصر رہا کہ وہ اس گھر کا مستقل مکین نہیں۔" حماس نے جواب دیا۔ "مجبور تھا، بدن میں کئی بیماریاں ڈیرہ ڈالے بیٹھی ہیں، وہ مالی طور پر اسجد پر منحصر رہا ہے۔ کئی بہانے بنائے جو اس کے کام آ گئے، شاید اس لیے بھی کہ گھر اس کے نام نہیں۔"

مہوش نے کچھ دیر کھڑکی سے باہر دیکھا، پھر بولی۔ "یہ صرف اسجد کی ہار نہیں، ہم سب کی جیت بھی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے تین بج رہے تھے۔گھر کے دالان میں ایک گہرا سکوت طاری تھا، جو زین کے کانوں میں اب بھی گونجتے ہوئے پارٹی میوزک سے یکسر مختلف تھا۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے قدموں کی چاپ فرش پر مدھم سا ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اس کی نظر خاور کے کمرے کے بند دروازے پر پڑی۔دروازے کی نچلی درز سے روشنی کی ایک پتلی سی زرد لکیر راہداری کے اندھیرے پر پڑ رہی تھی۔زین وہیں رک گیا۔اس نے گھڑی دیکھی، پھر کچھ سوچ کر بہت آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ زین۔" خاور کی آواز ہمیشہ کی طرح ہموار تھی۔

زین نے دروازہ کھولا، تو کمرے میں پھیلی عود کی دھیمی سی مہک نے اس کا استقبال کیا۔خاور اپنی اسٹڈی چیئر پر براجمان، آنکھوں پر چشمہ ٹکائے ہوئے، سامنے کھلی ضخیم کتاب کے مطالعے میں غرق تھا۔لیمپ کی روشنی صرف کتاب کے صفحات اور خاور کے چہرے کے ایک حصے کو روشن کر رہی تھی۔

زین دبے قدموں چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور سامنے بیڈ کے کونے پر بیٹھ گیا۔خاور نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، پھر دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم ابھی تک نہیں سوئے؟" زین نے سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا۔اس کی آواز میں پارٹی کی تھکن واضح تھی۔

خاور نے ایک لمبا سانس لیا اور سامنے رکھی کتاب کا ٹائٹل زین کی طرف موڑ دیا۔سنہری حروف میں لکھا تھا، 'صحیح مسلم۔جلد سوم'

"میں نے اپنا ایک معمول بنا رکھا ہے، زین۔" خاور نے عینک اتار کر میز پر رکھی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ "میں فجر کے بعد قرآن مجید کی چند آیات کی تفسیر پڑھتا ہوں، اور رات کو سونے سے پہلے چند احادیث کا مطالعہ کرتا ہوں۔۔۔تاکہ میرے دن کا آغاز بھی علم کے اضافے سے ہو اور اختتام بھی۔"

زین نے کچھ حیرت سے خاور کے پر سکون چہرے کو دیکھا۔ "لیکن بھائی، کیا یہ ضروری ہے؟ میرا مطلب ہے، کیا روزانہ کا یہ التزام تھکا نہیں دیتا؟"

خاور کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ دَر آئی۔ "تھکن تو وہ ہے جو تم باہر سے سمیٹ کر لائے ہو، یہ مطالعہ تو اس تھکن کا علاج ہے۔ دیکھو زین، ہدایت دو طرح کی ہوتی ہے، ہدایتِ علمی اور ہدایتِ عملی۔"

وہ چند لمحے رکا، جیسے زین کو ان الفاظ کی گہرائی سمجھنے کا موقع دے رہا ہو۔ پھر اس نے تسلسل برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "جب تک تمہارے پاس 'علمی ہدایت' نہیں ہو گی، تم 'عمل' کی سمت درست نہیں کر سکو گے۔ علم ہو گا، تبھی تو عمل کر سکیں گے۔ ہم اکثر عمل کی کوشش کرتے ہیں لیکن ہمیں یہ نہیں پتہ ہوتا کہ اس عمل کی بنیاد کیا ہے، اس کا طریقہ کیا ہے۔ ہمارے لیے سب سے اہم ہے یہ جاننا کہ اللہ کو کیا پسند ہے کیا نہیں۔ جو کرنا ہے وہ کیسے کرنا ہے، جس سے بچنا ہے اس طرف لے جانے والے دوسرے کن متشابہ کاموں سے بچنا ہے۔ یہ سب جاننا ضروری ہے۔"

زین نے میز کی عقبی دیوار پر لگے شیلف کو دیکھا جہاں تفسیر، حدیث اور دیگر اسلامی کتابیں بہت نفاست سے سجی ہوئی تھیں۔ "تو کیا اس کے لیے کسی خاص ترتیب کی ضرورت ہوتی ہے؟"

خاور نے سر ہلایا۔ "بالکل۔ علم کے اس سفر میں پہلے نمبر پر قرآن مجید ہے، جسے ہمیں ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سنت، جس کے لیے حدیث کی مستند کتب پڑھنی ہوتی ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے شروعات کرنی چاہیے۔ یہ وہ چشمے ہیں جہاں سے صاف اور شفاف علم ملتا ہے۔"

زین کچھ دیر خاموش رہا۔ کمرے میں موجود لیمپ کی روشنی اسے اب صرف ایک بلب کی روشنی نہیں، بلکہ ایک وسیع راستے کا نشان لگ رہی تھی۔

"رات میں جلدی سو گیا تھا، سوچا تہجد کے وقت چند احادیث پڑھوں گا۔"

اس پر زین نے کمرے کے کونے میں بچھے جائے نماز کو دیکھا، اسے بے ساختہ اپنے 'سیریس فیس' پر رشک آیا۔

"مجھے لگتا ہے میں بس سطح پر ہی تیر رہا ہوں۔" زین نے دھیمے لہجے میں اعتراف کیا۔

خاور نے اٹھ کر زین کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "گہرائی میں اترنے کے لیے بس ایک غوطہ لگانا پڑتا ہے، زین۔ اور وہ غوطہ اس 'کوشش' سے شروع ہوتا ہے، جو اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے انسان کو کرنی پڑتی ہے۔ اب جاؤ، سو جاؤ۔ تمہاری آنکھوں کی سرخی بتا رہی ہے کہ تمہارے جسم کو نیند کی ضرورت ہے، لیکن یاد رکھنا۔۔۔ روح کا علاج صرف اس علم میں چھپا ہے جو سچائی پر مبنی ہو۔"

زین اٹھا اور سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ جب اس نے دروازہ بند کیا، تو لیمپ کی وہ لکیر دوبارہ فرش پر سمٹ گئی، مگر خاور کے الفاظ اس کے ذہن کے بند کمروں میں روشنی کی طرح پھیل چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے گیارہ بج چکے تھے،اور مہوش ابھی تک جاگ رہی تھی۔وہ اپنی نفسیات کی کتابیں میز پر سنبھال رہی تھی،جب اچانک کتابوں سے نکل کر ایک سرخ رنگ کا چھوٹا سا رقعہ نیچے گرا۔اُس نے حیرت سے اسے اُٹھایا؛ کاغذ نرم تھا،لیکن بھاری، جیسے ہر لفظ اُس میں دبایا گیا ہو۔اُس نے رقعہ کھولا——اور اُس کا دل جیسے تھم سا گیا۔سنہری حروف اسی سے مخاطب تھے۔

"بارہ ماہ ہوں یا سال۔۔۔طویل نہیں ہوتے۔جلد تم مجھے اپنے سامنے پاؤ گی۔"

اسجد؟

لیکن وہ تو ریمانڈ ہاؤس میں تھا۔

بلکہ۔۔اب تک تو اسے جیل بھیجا جا چکا ہو گا۔

وہ تو سخت نگرانی میں تھا،ایسی جگہ جہاں ہر خط کی جانچ ہوتی تھی،ہر ویزٹ کی اجازت ضروری تھی۔

تو یہ رقعہ کیسے آیا؟اور کیوں؟اُس نے کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔

کیا کوئی دیکھ رہا تھا؟

اُس نے رقعہ کو مضبوطی سے تھام لیا، جیسے چھوڑا تو وہ ہوا میں غائب ہو جائے گا۔

"کیا ہوا مہوش؟"مشعل نے ابھی اس طرف کروٹ لی تھی۔

"اسجد کا پیغام ہے۔"وہ ابھی بھی ہاتھ میں تھامے رقعے کو دیکھ رہی تھی۔"باہر نکل کر،ملنے کی دھمکی دے رہا ہے۔"

"تم ٹھیک تو ہو؟" مشعل اٹھ کر بیٹھ گئی۔

یکایک مہوش کے تاثرات میں تغیر نمودار ہوا۔

اس نے رقعے کے پرزے کر ڈالے۔

"تب بھی دیکھ لوں گی! جیت ہر بار میری ہو گی، جانتی ہو کیوں؟" ابرو اٹھاتے ہوئے مشعل کو دیکھا۔ "کیونکہ میں اپنی غلطیاں سدھارنے کی خواہاں ہوں اور وہ اپنے گناہ جسٹِفائی کرنے میں مصروف ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

لیکچر ہال اس دن عام دنوں جیسا نہیں لگ رہا تھا۔ کرسیوں کی قطاریں جان بوجھ کر آدھی ٹیڑھی کر دی گئی تھیں، بورڈ صاف تھا، اور سر معیّز میز کے پیچھے کھڑے ہونے کے بجائے ہال کے عین بیچ میں آ کر رک گئے تھے، جیسے آج وہ پڑھانے کم اور کچھ کروانے زیادہ آئے ہوں۔ طلبہ کے چہروں پر وہی ملی جلی سی کیفیت تھی—یہ کلاس یا تو بہت یادگار ہونے والی تھی، یا حد سے زیادہ عجیب۔

مشعل، حماس، زین اور شمع ایک ہی قطار میں بیٹھے تھے۔ شمع کا رجسٹر کھلا ہوا تھا، مگر قلم صرف کناروں پر بے ربط لکیریں کھینچ رہا تھا۔ زین کرسی پر ذرا ترچھا ہو کر بیٹھا تھا، جیسے نظم و ضبط سے اس کی فطری دشمنی ہو۔ حماس سیدھا بیٹھا تھا، مگر آنکھوں میں وہ تجسس تھا جو کسی کھیل کے آغاز سے پہلے آتا ہے۔ مشعل خاموش تھی—پورا دھیان سننے پر تھا۔

سر معیّز نے تالی کی سی آواز میں دونوں ہاتھ بجائے۔

"آج کتابیں بند۔"

ہال میں ہلکی سی سرسراہٹ پھیل گئی۔

سر معیّز معنی خیز انداز میں بولے۔ "آج ہم اینتھروپولوجی پڑھیں گے نہیں، آج ہم اسے کریں گے۔"

زین فوراً شمع کی طرف جھک کر سرگوشی میں بولا۔ "خدا خیر کرے۔"

سر معیّز نے بورڈ پر ایک جملہ لکھا، پھر پیچھے ہٹ کر طلبہ کی طرف دیکھا۔ "روزمرہ زندگی بھی ایک مطالعے کی جگہ ہوتی ہے۔"

انہوں نے ہال میں نظریں گھمائیں۔ "تم سب کو دس منٹ ملیں گے۔ اسی کلاس میں، کسی ایک انسانی رویّے کا مشاہدہ کرنا ہے۔" پھر ان سب کے بیچ چلنے لگے۔ "نہ سوال، نہ بات چیت۔ صرف دیکھنا ہے، اور پھر یہ بھی لکھنا ہے کہ تم خود کہاں کھڑے ہو۔"

شمع کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "سر، اپنے ہی دوستوں کو دیکھ سکتے ہیں؟"

"سب سے مشکل یہی ہوتا ہے۔۔" سر معیّز نے نرمی سے کہا۔ "قریبی انسان کو غیر جانبداری سے دیکھنا۔"

زین نے فوراً اپنی نوٹ بک بند کر دی۔

"تو کیا میں خود کو بھی دیکھ سکتا ہوں؟"

"اگر ہمت ہے۔" سر معیّز کے لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ میں چیلنج تھا۔

چاروں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے —— اب دوست نہیں، مشاہدے کا موضوع۔

مشعل کی نگاہ حماس پر ٹھہر گئی۔ وہ قلم کو انگلیوں میں ایک خاص ردھم سے گھما رہا تھا، جیسے اس کا جسم اور دماغ خاموش گفتگو میں مصروف ہوں۔

شمع زین کو دیکھ رہی تھی، جواب جان بوجھ کر بڑھا چڑھا کر جمائیاں لے رہا تھا، جیسے خود کو نمایاں کرنا چاہتا ہو۔

زین کی نظریں شمع پر نہیں تھیں——وہ پورے ہال کو ایک ساتھ دیکھ رہا تھا، جیسے سب کو ایک ہی نقشے میں سمیٹ رہا ہو۔

دس منٹ بعد سر معیّز نے دوبارہ ہاتھ بجائے۔

"وقت ختم، اب بتاؤ۔"

اس کے بعد باری باری سب سٹوڈنٹس سے سوال جواب ہونے لگے۔

آخر کار زین نے بھی ہاتھ اٹھایا۔

"سر، میں نے دیکھا کہ شمع گھبرائی ہوئی ہو تو وہ قلم کی ٹوپی بار بار کھولتی، بند کرتی ہے۔ اور جب پُراعتماد ہوتی ہے تو کاپی کے کنارے سیدھی لائن کھینچتی ہے۔"

شمع اس کی طرف مڑی۔ "یہ مشاہدہ ہے یا بے جا نظر رکھنا؟"

پورا ہال ہنسی سے گونج اٹھا۔

مشعل نے کہا۔ "میں نے دیکھا کہ حماس کم بولتا ہے لیکن جب کوئی فیصلہ قریب ہو، اس کے ہاتھ رک جاتے ہیں۔ جیسے وہ پہلے سب کچھ اندر ہی اندر تول لیتا ہو۔"

حماس نے نظریں جھکا لیں——نہ انکار، نہ تصدیق۔

سر معیّز نے شمع کی طرف دیکھا۔ "شمع؟"

شمع نے ایک لمحہ سانس لیا، پھر بولی۔ "میں نے دیکھا کہ زین اکثر خود کو مذاق میں چھپالیتا ہے، لیکن جب کوئی بات واقعی اہم ہو، تو وہ سب سے زیادہ سنجیدہ ہو جاتا ہے۔"

زین نے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ "سر، مجھے مائیکروسکوپ کے نیچے رکھ دیا گیا ہے۔"

اب سر معیّز کی نظر حماس پر جا ٹھہری۔ تقریباً سبھی نے محسوس کیا تھا، سر معیز اسے خاص اہمیت دیتے تھے۔ "حماس کا کیا کہنا ہے؟"

حماس نے کچھ لمحے سوچا، پھر بولا۔ "میں نے دیکھا کہ ہم چاروں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے بھی، اصل میں خود کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔"

ہال میں خاموشی چھا گئی—وہ خاموشی جو درست بات پر چھا جاتی ہے۔

سر معیّز مسکرائے۔

"یہی" سر معیز مسکرائے اور ایک طائرانہ نگاہ سب پر دوڑائی۔ "صرف انسانوں کا مطالعہ نہیں، خود کا بھی۔" اینتھروپولوجی ہے۔

گھنٹی بجی، مگر کوئی فوراً نہیں اٹھا۔ شمع نے سرگوشی کی۔ "یہ واحد کلاس ہے جس میں نمبر کم اور آئینہ زیادہ ملتا ہے۔"

زین نے ہنستے ہوئے بیگ کندھے پر ڈالا۔ "اور آئینہ کبھی کبھار بڑا بے رحم ہوتا ہے۔"

مشعل نے بیگ سنبھالا، حماس نے قلم جیب میں رکھا، اور چاروں ہال سے باہر نکل آئے۔

وہ صرف دوست نہیں تھے، ایک دوسرے کی زندگی کے خاموش شاہد بھی تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

نہ دن پوری طرح رخصت ہوا تھا، نہ رات نے ابھی دستک دی تھی۔ گھر غیر معمولی طور پر خاموش تھا—— وارث کسی میٹنگ میں تھے اور کومل، علی کو لے کر سہیلی کے ہاں گئی ہوئی تھی۔

یہ وہ خاموشی تھی جو خالی نہیں ہوتی، بس گواہ بن جاتی ہے۔

شمع اور حسن، دونوں اس وقت لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چائے کی بھاپ ہوا میں یوں تحلیل ہو رہی تھی جیسے کسی یاد کی سانس۔ شمع کے ہاتھ میں نہ کتاب تھی، نہ موبائل۔

"آج، آپ کچھ زیادہ ہی خاموش ہیں۔"

شمع کے ان الفاظ پر حسن نے چونک کر اسے دیکھا۔

حسن نے کپ اٹھایا، ایک گھونٹ لیا، پھر جیسے کسی یاد نے انگلی پکڑ لی۔ وہ اچانک اٹھا اور لان کے ایک کونے کی طرف چل دیا۔ پھر گملوں کے پیچھے رک کر کچھ ڈھونڈنے لگا تھا۔ چند لمحوں بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا کاغذی پیکٹ تھا—— پرانے کاغذ میں لپٹا ہوا، جیسے کسی نے جلدی میں نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر سمیٹا ہو۔

حسن نے پیکٹ اس کے سامنے رکھا، مگر ہاتھ فوراً پیچھے کر لیا، جیسے حد قائم رکھنا اس کی عادت ہو۔

"یہ کیا ہے؟" شمع نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔

تم نے کہا تھا نا۔" وہ دھیرے سے بولا۔ "کچھ چیزیں خاص تب ہوتی ہیں جب انہیں سلیقے سے رکھا جائے۔"

"یہ۔۔۔ بہت معمولی ہے۔ لیکن میرے لیے خاص ہے۔

شمع نے کاغذ آہستگی سے کھولا۔ اندر ایک چھوٹا سا پرانا لاکٹ تھا—سادہ، چاندی کے رنگ کا، جس پر باریک سی کندہ کاری تھی: ایک ننھا سا درخت، اور اس کی جڑیں۔

"یہ۔۔۔؟"

حسن نے نظریں کپ پر جما لیں۔

دادا نے دیا تھا۔ کہا تھا، 'آدمی کہیں بھی چلا جائے، جڑ کا نشان ساتھ رکھے۔' میں نے برسوں اسے دراز میں بند" "رکھا۔ شاید اس لیے کہ جڑ یاد آتی تھی، تو درد ہوتا تھا۔

وہ ذرا رکا، پھر جیسے الفاظ کو احتیاط سے رکھنے لگا۔ "تم سے بات کرتے ہوئے پہلی بار لگا کہ جڑ یاد آئے تو صرف درد نہیں ہوتا، کبھی کبھار آدمی کو راستہ بھی مل جاتا ہے۔"

شمع نے لاکٹ کو ہتھیلی میں بند کر لیا۔ جیسے وہ کوئی چیز نہیں، کسی کا اعتبار تھام رہی ہو۔

"آپ یہ مجھے کیوں دے رہے ہیں؟"

حسن کے ہونٹوں پر ہلکی سی ہنسی آئی، مگر اس میں شوخی نہیں تھی۔

"کیونکہ میں بہت عرصے بعد لوٹا ہوں، شمع۔ اور میں نہیں چاہتا کہ پھر سے بھاگ جاؤں۔ یہ لاکٹ میرے لیے یاد دہانی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ یہ یاد دہانی تمہارے پاس رہے۔"

شمع نے پوچھا۔ "آپ کو ڈر نہیں لگتا؟"

حسن نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اس بار وہ بات کو مذاق میں نہیں بدلنا چاہتا تھا۔

لگتا ہے۔"اس نے کہا۔"میں نے ایک بار کسی سے محبت کی کوشش کی تھی۔کوشش۔۔۔کیونکہ میں اُس "
"وقت محبت کو بھی ایک پراجیکٹ سمجھتا تھا۔

شمع نے سوال نہیں کیا،بس سنا۔یہ سننا حسن کے لیے نیا تھا——اور شاید ضروری بھی۔

"وہ امریکہ میں تھی۔"حسن نے بات جاری رکھی۔"بہت ذہین،بہت روشن خیال۔میں اس کے سامنے ہمیشہ دلچسپ بننے کی کوشش کرتا رہا۔جب خاموش ہوتا تو وہ کہتی تم اندر سے کہیں اور ہو۔میں ہنستا،پارٹیاں کرتا،دوست بدلتا۔۔۔تاکہ کسی کو پتا نہ چلے میں کتنا خالی ہوں۔کھوکھلا۔"

اس نے کپ میز پر رکھا۔

"ایک دن اس نے بس اتنا کہا۔'میں تمہاری زندگی میں جگہ نہیں ہوں،صرف وقفہ ہوں۔'اور وہ چلی گئی۔ میں نے روکا نہیں۔اس لیے نہیں کہ وہ غلط تھی،بلکہ اس لیے کہ میں اس قابل نہیں تھا کہ میرے لیے رکا جائے۔"

"اور اب؟"شمع کی آواز بہت نرم تھی۔

حسن نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اب میں پہلی بار کسی کو روکنا چاہتا ہوں۔مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں اس بار میں۔۔۔وقفہ ہی نہ ثابت ہوں۔"

شمع نے لاکٹ میز پر نہیں رکھا۔اسے اپنے ہاتھ میں ہی لیے رکھا،جیسے کسی اندرونی فیصلے کو تھام رہی ہو۔

"آپ وقفہ تب بنتے ہیں۔"اس نے کہا۔"جب آپ خود اپنی زندگی میں موجود نہیں ہوتے۔"

"اور اگر میں موجود رہنے کی کوشش کروں؟" حسن نے پوچھا۔

شمع نے اس کی طرف دیکھا، بِنا مسکرائے، نظریں چرائے۔

"تو پھر میں بھی کوشش کر سکتی ہوں۔"

ہوا نے لان کی گھاس کو ہلکی سی جنبش دی۔ حسن نے کوئی بڑا جملہ نہیں کہا، شمع نے بھی کوئی اعلان نہیں کیا۔ بس دونوں کے درمیان وہی خاموشی تھی—جو اس بار خالی نہیں تھی۔ پُر تھی۔ احترام سے، امکان سے، اور ایک ایسے نام سے جسے ابھی زبان پر آنا باقی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کی وہ دیر تھی، جب لاہور کی سانسیں آہستہ ہو جاتی ہیں۔ حماس کے فلیٹ میں صرف وہی دیوار گیر شیشہ تھا، جو شہر کو اندر لے آتا تھا—نیچے سڑکوں پر چلتی کاریں، دور مینارے، اور آسمان میں لٹکتے ستارے—سب کچھ ایک خاموشی کے سمندر میں غرق تھا۔

حماس صوفے پر نیم دراز تھا، ایک کتاب کھلی سامنے ہوئی تھی، مگر اس کی آنکھیں بند تھیں۔

زین شیشے کے پاس کھڑا تھا، ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سیاہ ڈبہ لیے—جیسے اس میں کوئی راز دفن ہو۔

"تم نے آج کچھ کہا نہیں۔" حماس نے آنکھیں کھول کر کہا۔

"اس بار۔۔۔ میں نے پکا ارادہ باندھا ہے۔" زین نے دھیرے سے جواب دیا، بِنا پلٹے۔ "اپنی بات رکھنی ہے۔"

"شمع سے؟"

زین نے اثبات میں سر ہلایا۔

حماس فوراً اُٹھ بیٹھا—چہرے پر وہی اپنائیت بھری مسکراہٹ، جو زین کے لیے مخصوص تھی۔

"میں چاہتا ہوں، وہ میری خاموشی کو بھی سن لے۔"

زین نے ڈبّہ کھولا۔

اندر ایک سادہ، میٹ وائٹ گولڈ کا لاکٹ تھا—نہ شوخ، نہ چمک دار، بس نرم سا۔

مرکز میں ایک ہلکے گلابی رنگ کا پتھر جڑا تھا۔

مورگنائٹ۔

"یہ کیا ہے؟" حماس نے پوچھا۔

"مورگنائٹ۔" زین نے لاکٹ کو ہتھیلی میں رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ عام پتھر نہیں۔ برازیل اور مڈغاسکر کی کانوں سے نکلتا ہے۔ قدرتی گلابی رنگ، جو زور سے نہیں بولتا، بس موجود رہتا ہے۔"

"یعنی؟"

"یعنی، یہ وہ محبت ہے جو شور نہیں کرتی۔" زین نے دھیرے سے کہا۔ "جو مالک بننے نہیں آتی، بس ساتھ رہنے کی اجازت مانگتی ہے۔ کہتے ہیں، یہ دل کے سچ کو ظاہر کرتا ہے—بغیر مطالبے کے۔"

وہ لاکٹ کو حماس کی طرف بڑھانے لگا۔

پیچھے خالی جگہ نہیں تھی—وہاں ایک باریک سی جڑ کندہ تھی، جیسے کسی زمین سے جڑنے کی خواہش ہو۔

"اور یہ؟"

"یہ وہ جڑ ہے جو میں نے کبھی اپنی نہیں بنائی۔" زین نے کہا۔ "بس چاہتا ہوں کہ اُس کی زمین میں جڑ پکڑ سکوں، اگر وہ اجازت دے۔"

"کیا یہ کھلتا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں اس کے دل کا راز جاننے نہیں آیا۔" زین نے ایک گہری سانس اندر کو کھینچی۔ "صرف اتنا چاہتا ہوں کہ وہ جان لے۔۔۔ میں بِناشور، بِناد عوے کے، ہر موسم میں موجود رہ سکتا ہوں۔"

حماس خاموش رہا۔

پھر بولا۔ "جانتے ہو، دوسری طرف سے انکار بھی ہو سکتا ہے؟"

"میں "میری سچائی کا ایک ہی موقع ہے، تو وہ اس کے سامنے ہونا چاہیے، نا کہ میرے اندر دفن رہ جائے۔" جانتا ہوں۔" زین نے شیشے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے کہا۔

حماس نے لاکٹ کو لمحہ بھر مٹھی میں بھینچا، پھر واپس کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کافی ہاؤس کا وہی کونا—— جہاں ہمیشہ ہلکا سا جاز میوزک پس منظر میں گونجتا رہتا تھا—— آج بھی خاموشی کو چیر رہا تھا۔ مگر یہ موسیقی صرف دیواروں اور کھڑکیوں کے اندر تک محدود تھی، میز کے گرد بیٹھے چھ لوگوں کے

درمیان نہیں۔ یہاں تو بس ایک بے نام سی کشید گی تھی۔ وہ بھی جیسے صرف زین کے سینے میں دھڑک رہی ہو۔

شمع، حسن کے ساتھ آئی تھی۔ چہرے پر پہلی بار والی وہ مسکراہٹ تھی، جس میں امید کی چمک صاف دکھائی دیتی ہے۔ مہوش، حماس اور مشعل—تینوں خاموشی سے دونوں کا جائزہ لے رہے تھے، جیسے کسی نئی کتاب کا ورق الٹ رہے ہوں۔

شمع نے ہلکی سی کھنکار کے ساتھ تعارف کروایا۔

"یہ حسن ہیں۔ مام کے کزن۔ امریکہ سے آئے ہوئے ہیں۔"

حسن نے سب کو سلام کیا—مؤدب، نپا تلا، مگر بے تکلفی کے بغیر۔ سلام کے بعد اُس کی نگاہ چند لمحے زین پر ٹھہر گئی۔ زین کے ہاتھ میں کپ تھا، اور اس کپ کے کنارے پر انگلیاں۔ وہ ایک پل کو کانپیں، پھر فوراً سنبھل گئیں۔ زین کے ذہن میں ایک ہی جملہ گونجا: یہ وہ آدمی ہے جو میری دنیا سے کچھ لے جائے گا۔

مہوش نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ "اتنے عرصے بعد یہاں آنا کیسا لگا؟"

حسن نے برجستہ جواب دیا۔ "شمع نے بتایا تو ہوگا، مجھے لاہور دکھاتی رہی ہے۔" پھر ایک مسکراہٹ شمع کی جانب اچھالتے ہوئے بولا۔ "جب بھی فری ہوا کرتی تھی، مجھے کہیں نا کہیں لے جاتی تھی۔"

حماس نے سیدھا سوال داغا۔ "امریکہ واپس جانے کا کوئی پلان؟" اس پر زین نے اسے تنبیہی نگاہوں سے دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو۔ 'دائرے میں رہنا۔'

حسن نے شمع کی طرف دیکھا، جیسے جواب اُس کی اجازت سے بندھا ہو۔ "ابھی نہیں۔"

مہوش نے بات آگے بڑھائی۔ "شمع نے بتایا تھا آپ امریکہ سے ہیں، ہمیں لگا تھا وہاں کے لوگ یہاں کی کافی پر یقین نہیں کرتے۔"

حسن نے کپ اٹھایا، گھونٹ لیا، اور پھر جیسے اپنی ہی بات کا لطف لیتے بولا۔ "میں بھی پہلے یقین نہیں کرتا تھا۔ لیکن پھر سوچا—اگر یہی کافی کسی کی آنکھیں کھول سکتی ہے، تو شاید مجھے بھی کچھ دکھائی دے جائے۔"

شمع نے نظریں جھکا لیں، جیسے کسی نے اس کے اندر کسی نرم جگہ کو چھو لیا ہو۔

پھر چند لمحات بے نام سے گزر گئے۔ مرکزی دروازہ کھلا، کوئی اندر آیا، کوئی باہر گیا۔ کافی مشین کے پیچھے برتنوں کی کھنک سنائی دی۔ مگر میز پر کوئی حرکت نہ ہوئی۔ بس زین کی انگلیاں کپ کے کنارے پر رینگتی رہیں، جیسے وہ کوئی لکیر کھینچ رہا ہو—ویسی ہی لکیر جو اُس نے ہمیشہ شمع کے نام کے گرد اپنے دل میں کھینچی تھی۔

پھر اُس نے جیب سے ایک چھوٹا سا سیاہ ڈبّہ نکالا، اور شمع کی جانب بڑھایا۔

"تمہارا اس بار رزلٹ بہت اچھا آیا۔۔۔اسی خوشی میں۔" اُس نے کہا۔ لہجے میں وہی پرانی سادگی تھی، جیسے یہ سب سے عام بات ہو۔

شمع حیران ہوئی۔ "لیکن رزلٹ آئے ہوئے تو عرصہ بیت چکا ہے، اب تو ہم آخری سمسٹر کے وسط میں کھڑے ہیں۔"

ہاں۔" زین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں نے سوچا، خوشی تو کبھی بھی دی جا سکتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس تحفے سے تمہارا حوصلہ بڑھے گا، فائنل ایگزام کے لیے زیادہ محنت کرو گی۔" آخر میں پھر وہی روایتی

زین ہنستے ہوئے، شرارت سے سب کو دیکھا۔ "ایسا میرا خیال ہے! دیکھ لو سب گواہ رہنا۔۔۔ میں نے اپنی سی کوشش کر لی کہ شمع لاسٹ سمسٹر میں پڑھ لے۔"

حماس نے گہری نظروں سے دوست کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی۔

شمع نے ڈبّہ کھولا۔ "یہ کون سا پتھر ہے؟"

"مورگنائٹ۔" جواب حسن کی طرف سے آیا تھا، جو اس کے بائیں جانب بیٹھا، اس کی ہتھیلی پر دھرے لاکٹ کو دیکھ رہا تھا۔ دوسری، ٹٹولتی نگاہ اس نے زین پر ڈالی۔ "خاصا نایاب پتھر ہے۔"

"Unconditional love, emotional balance and compassion."

حماس کے الفاظ پر چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ شمع نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"مورگنائٹ سے عموماً یہی صفات منسوب کی جاتی ہیں۔" حماس بے تاثر لہجے میں بولا۔

"یہ پتھر تبھی گفٹ کیا جاتا ہے، جب دینے والا جتانا چاہتا ہو کہ اس کی محبت اور جذباتی تعلق پائیدار ہے۔ جیسا کہ حماس نے بتایا، غیر مشروط۔" مشعل نے تائیدی نظروں سے زین کی جانب دیکھا۔ "میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

"یہ دوستی ہمیشہ قائم رہے گی۔" زین نے شمع کو یقین دلانے والے انداز میں کہا۔ "کبھی بھی، کہیں بھی، کیسے بھی۔۔۔ شمع کو زین کی ضرورت ہو، وہ اسے اپنے آس پاس پائے گی۔"

شمع جواباً کھل کر مسکرائی تھی۔"میں نے کبھی تمہارے تحفوں کے بدلے شکریہ نہیں ادا کیا۔" پھر اس نے ایک نظر ان سب کو دیکھا۔"شاید اس لیے کہ مجھے ان کی کچھ یوں عادت ہو گئی، جیسے یہ ایک قدرتی عمل ہو۔"

حسن نے لاکٹ کو دیکھا، پھر زین کو—لیکن کچھ نہیں بولا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈھلتی دوپہر تھی۔

اینتھروپولوجی ڈپارٹمنٹ کے عقب میں موجود وہی گراؤنڈ، جہاں دن بھر کی ہلچل کے بعد گھاس جیسے سانس لے رہی تھی۔

پانچوں ایک ہی بینچ کے گرد بیٹھے تھے۔

شمع لان کے آخری سرے پر چلتے سٹوڈنٹس کو دیکھ رہی تھی، زین ہاتھ میں کاغذ کا کپ لیے خاموش تھا، مشعل گھاس پر انگلی سے بے معنی شکلیں بنا رہی تھی، اور مہوش کسی آنے والے کوئز کا ذکر کر رہی تھی، جسے کوئی سن نہیں رہا تھا۔

حماس سب سے کم بول رہا تھا۔

اچانک مشعل نے اس کی طرف دیکھا، نظر حماس کے ہاتھ پر ٹھہر گئی—وہ اپنے والٹ کے کنارے کو انگلی سے بار بار چھو رہا تھا، جیسے کسی چیز کو پکڑے رکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

مشعل نے سرگوشی میں پوچھا۔"تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں۔"

لیکن یہ وہ 'ہاں' نہیں تھی جو بات ختم کر دے۔

کچھ دیر بعد اس نے والٹ کھولا۔

آہستگی سے، جیسے جلدی نہ ہو۔

اندر سے ایک چھوٹی سی، پرانی تصویر نکالی۔

ان میں سے کسی نے سوال نہیں کیا۔

سب نے بس دیکھنا شروع کر دیا۔

تصویر میں ایک کم عمر لڑکا تھا—شاید چھ یا سات سال کا۔

دھوپ میں کھڑا، ناک پر ہلکی سی مٹی، ہاتھ میں کاغذی جہاز۔

اس کے پیچھے ایک عورت جھکی ہوئی تھی، بال باندھے، مسکراتی ہوئی، اور ساتھ ایک وجیہہ شخص، جس سے حماس کی مشابہت غیر معمولی تھی—سفید قمیص، آستین چڑھی ہوئی، جیسے کیمرے کے پیچھے کھڑا ہو مگر فریم میں آ گیا ہو۔

حماس نے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ۔۔۔اس دن کی ہے، جب ابو نے مجھے جہاز اڑانا سکھایا تھا۔"

مشعل چونک گئی۔

اس نے تصویر کو پہچان لیا—یہ وہ تصویر تھی جو اس نے برسوں پہلے ایک بار دیکھی تھی، پھر کبھی نہیں۔

حماس کی آواز میں درد تھا، نہ شکوہ۔

بس یاد۔

"ہم چھت پر تھے۔"

وہ بولا۔

ماما بار بار کہہ رہی تھیں نیچے آجاؤ، گر جاؤ گے۔ابو ہنس رہے تھے۔کہنے لگے—'ڈر سکھانا ہو تو زمین پر رکھو، اُڑنا سکھانا ہو تو چھوڑ دو'۔"

زین نے نظریں تصویر سے نہیں ہٹائیں۔

شمع نے سانس روک لی۔

"۔۔۔وہ دن۔"حماس نے دھیمی مسکراہٹ لیے کہا۔"بہت عام تھا۔اور شاید اسی لیے اچھا تھا۔"

مہوش نے دھیرے سے پوچھا۔"تم یہ تصویر ہمیشہ اپنے پاس رکھتے ہو؟"

حماس نے سر ہلایا۔

"اس لیے کہ۔۔۔یہ یاد دلاتی ہے کہ میں صرف وہ لڑکا نہیں ہوں جس کے بارے میں سب جانتے ہیں۔"وہ رکا۔ایک نظر ان سب کو دیکھا۔"میں وہ بھی ہوں۔۔۔جسے کبھی کاغذی جہاز پسند تھے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

مشعل بینچ کے ایک کونے پر بیٹھی تھی،دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے، نظریں سامنے درخت کے لہلہاتے پتوں پر جمی ہوئی تھیں۔حماس اسی بینچ پر۔۔۔کچھ فاصلے پر بیٹھا تھا۔پچھلی شام شمع اور حسن کے بیچ ہونے والی گفتگو

ابھی تک دونوں کے کانوں میں گونج رہی تھی، خاص طور پر وہ جملے جو سیدھے نہیں تھے، مگر بہت کچھ کہہ گئے تھے۔

حماس نے آہستہ سے کہا۔ "تم نے بھی سنا، وہ جس طرح حسن نے بات کی تھی۔ جیسے سب کچھ طے شدہ ہو۔"

"ہاں۔ وہ بہت اعتماد سے بات کرتا ہے۔ جیسے شمع کا فیصلہ اس کی جیب میں رکھا ہو۔"

حماس کی آواز سے جھلکتی تشویش واضح تھی۔ "کیا شمع واقعی اس سے شادی کرنا چاہتی ہے؟ عمروں کا بھی فرق ہے اور۔۔۔"

"عمروں کا فرق معنی نہیں رکھتا۔"

"کچھ ہے اس میں۔" حماس کی آنکھیں سکڑیں۔

"حسن میں؟"

"ہاں۔ میں انگلی رکھ کر نہیں بتا سکتا کہ کیا، لیکن۔۔۔ کچھ کھٹک سا گیا ہوں۔"

"شمع حسن کو پسند کرتی ہے۔" مشعل نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "لیکن پسند اور اصل جگہ میں فرق ہوتا ہے۔"

حماس نے اس کی طرف دیکھا۔ "اصل جگہ؟"

مشعل نے ایک لمحہ آنکھیں بند کیں، جیسے لفظ اندر سے کھینچ کر لا رہی ہو۔ "حسن۔۔۔ زین نہیں ہے۔"

یہ نام آہستہ سے ادا ہوا، مگر لان میں پھیل گیا۔

وہ کنیکشن۔۔۔ وہ بنایا ہوا نہیں، جیا ہوا ہے۔ زین شمع کی زندگی کے کسی لمحے میں نہیں آیا، وہ ہمیشہ وہیں رہا"

"ہے۔

حماس نے سر ہلایا۔

"تم اس کے بارے میں کیا کہو گی جو شمع اور حسن کے بیچ ہے۔"

"رومینس چل رہا ہے۔"

"یہی سوال میں شمع اور زین کے متعلق کروں تو؟"

"ان دونوں کے بیچ جو بھی ہے۔۔۔ وہ اتنا گہرا ہے کہ وہ دونوں خود نہیں سمجھ پائے، ہم کیا سمجھیں گے۔"

حماس نے پوچھا۔"اور شمع؟ اس کا کیا ہو گا؟"

"جس دل میں پہلے سے کوئی ہو، وہاں دوسرا صرف عارضی ٹھکانہ بن سکتا ہے۔"

مشعل نے آسمان کی طرف دیکھا، جہاں بادل آہستہ آہستہ سرک رہے تھے۔"زین اس کی زندگی کا سچ ہے۔"

حماس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ آئی۔

"تمہیں نہیں لگتا زین کو اپنا پوائنٹ رکھنا چاہیے۔"

"نہیں۔" مشعل نے کہا۔"وہ خاموشی اختیار کرے گا، جیسے ہمیشہ کرتا آیا ہے۔ لیکن شمع۔۔۔ شمع کو ایک دن سمجھ آ جائے گی کہ کچھ لوگ ہمیں اس لیے چاہتے ہیں کہ ہم ان کی زندگی میں بہت اچھے سے فٹ ہو سکتے ہیں اور کچھ ہمیں صرف ہمارے ہونے پر چاہتے ہیں۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔

لان میں ہوا چلی، بینچ کے پیچھے درخت کے پتے سرسرائے، جیسے کوئی پرانا راز خود کو دہرانے لگا ہو۔

حماس نے آہستہ سے کہا۔

"کاش زندگی کے فیصلے بھی اتنے سیدھے ہوتے جتنے کہ الفاظ۔"

"سچ کو اپنانا آسان نہیں ہوتا۔ کبھی ہم اسے پہچان نہیں پاتے اور کبھی۔۔۔ ہماری زندگی میں ہمارے گرد اتنے جھوٹ بُن دیے گئے ہوتے ہیں کہ سچ کو چاہ کر بھی جگہ نہیں دی جا سکتی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کا کیفے ٹیریا اس وقت غیر معمولی طور پر خاموش تھی، دوپہر کا رش گزر چکا تھا، چند میزوں پر اکا دکا طالب علم بیٹھے تھے۔ زین ایک کونے والی میز پر بیٹھا تھا۔ کندھے ذرا جھکے ہوئے، آنکھوں کے نیچے ہلکی سی سیاہی، جیسے کئی راتیں نیند سے خالی گزری ہوں۔ اس کے سامنے چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی اور موبائل الٹا رکھا تھا، جیسے وہ کسی پکار سے خود کو بچا رہا ہو۔

مشعل اور مہوش اس کے سامنے آ کر بیٹھیں۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف مختصر سا دیکھا، جیسے طے کر رہی ہوں کہ بات کون شروع کرے۔

"زین۔" مشعل نے نرمی سے کہا۔ "ہم شمع سے بات کر لیتے ہیں، اسے سب کچھ صاف معلوم تو ہو۔"

زین نے نظریں نہیں اٹھائیں، بس چمچ کو آہستہ سے کپ کے کنارے پر رکھ دیا۔

"نہیں۔"

مہوش فوراً بولی۔ "یہ تمہارے ساتھ ناانصافی ہے، اسے معلوم ہی نہیں کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔"

زین کے لبوں تک مسکراہٹ آئی، مگر آنکھوں تک نہیں پہنچی۔

"میں نہیں چاہتا کہ وہ میری خاطر، میرا دل ٹوٹنے سے بچانے کی خاطر۔۔۔اپنا فیصلہ بدلے۔"

"لیکن حسن اس کے لیے تم سے بہتر نہیں ہے۔" مشعل کے لہجے میں دبی ہوئی جارحیت تھی۔

زین نے پہلی بار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟ محض اس لیے کہ میں تمہارا دوست ہوں، حسن نہیں۔"

مہوش نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، زین۔اس لیے کہہ رہی ہوں کہ حسن تم سا اس کا خیال نہیں رکھ سکتا۔"

زین نے کرسی سے ٹیک لگالی، جیسے یہ جملہ اس کے اندر کہیں لگ گیا ہو۔ "کیا معلوم شمع اس کے ساتھ زیادہ خوش رہے۔"

مشعل نے کچھ کہنا چاہا، مگر زین خود ہی بول اٹھا، آواز میں ایک ضد تھی۔

"اور ابھی اس نے کوئی اعلان بھی تو نہیں کیا۔ شادی حتمی نہیں ہے۔"

مشعل اور مہوش نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

'یہ حقیقت سے نظریں چرا رہا ہے، تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتا۔'

اگلے دن زین کلب نہیں آیا۔

اس سے اگلے دن بھی۔

نماز کے وقت اس کی جگہ خالی رہنے لگی۔

یونیورسٹی میں اس کی حاضری ٹوٹنے لگی اور پھر چند دن بعد اس کا آنا ہی بند ہو گیا۔

شمع نے پہلے مشعل سے پوچھا، پھر مہوش سے۔

"زین ٹھیک تو ہے؟"

کسی کے پاس مکمل جواب نہیں تھا۔

پھر اس نے خود میسج بھیجنے شروع کیے۔ایک دن، دو دن، تین دن۔

اس رات زین اپنے کمرے میں اندھیرا کیے، لیٹا ہوا تھا۔

پردے گرے ہوئے تھے، موبائل اس کے سینے پر رکھا تھا۔

اسکرین روشن ہوئی۔

شمع کا نام جگمگایا۔

"تم تین دن سے یونیورسٹی نہیں آئے۔آج گھر سے درخواست بھی بھیج دی کہ تم بیمار ہو۔میں ملنے آؤں؟"

زین نے میسج پڑھا۔

ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں۔

پھر تیزی سے ٹائپ کیا۔

"نہیں، فی الحال مجھے آرام کرنا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

رات لاہور پر اتر رہی تھی۔

لاؤنج میں ٹی وی کی مدھم آواز چل رہی تھی، خبریں تھیں مگر فضا میں کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔ وارث صوفے پر بیٹھے تھے، چشمہ ناک پر ذرا سا سرکا ہوا، ہاتھ میں ریموٹ، مگر نظریں اسکرین سے زیادہ خلا میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ دروازے کی طرف سے سبز قہوے کی ہلکی سی خوشبو آئی، تو انہوں نے سر کر دیکھا۔ شمع ٹرے اٹھائے اندر آئی۔ دو کپ رکھے، ایک اپنے سامنے، ایک ان کے لیے، پھر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

قہوے کا پہلا گھونٹ لیتے ہوئے وارث نے محسوس کیا کہ شمع غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہے۔ وہ کپ کے کنارے پر انگلی پھیر رہی تھی، جیسے بات شروع کرنے سے پہلے ذہن میں الفاظ کو ترتیب دے رہی ہو۔ ٹی وی پر اینکر کی آواز بہتی رہی، پھر شمع نے اچانک ریموٹ اٹھا کر آواز بند کر دی۔ کمرے میں یکدم سکوت چھا گیا۔

"ڈیڈ، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

وارث نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر نرمی سے سر ہلایا۔ "کہو، شمع۔"

شمع نے سانس لی، جیسے لفظوں کو اندر سے کھینچ کر لا رہی ہو۔ "میں حسن سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

چند لمحوں کے لیے وارث کے چہرے پر حیرت اُتر آئی۔ وہ ذرا سا پیچھے کو ہو کر بیٹھے، جیسے بات کو اپنے اندر بٹھانا چاہتے ہوں۔

"حسن؟" انہوں نے اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی۔ "وہ عمر میں تم سے دس سال بڑا ہے۔"

شمع بولی تو لہجے میں احتجاج نہیں، یقین تھا۔ "مام بھی تو آپ سے عمر میں بہت چھوٹی ہیں، ڈیڈ۔ پھر بھی آپ دونوں کی بہت اچھی انڈر سٹینڈ نگ ہے۔"

وارث نے آہستہ سے کپ میز پر رکھا۔ یہ جواب شاید انہیں متوقع نہیں تھا۔ "مجھے عمروں کے فرق سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے۔۔۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہ اس بات کا آغاز حسن کی جانب سے کیوں نہیں ہوا۔"

شمع ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

ہماری اس سلسلے میں بات ہوئی تھی، اس نے کہا کہ میں پہلے آپ کو منالوں، پھر وہ اپنے گھر والوں سے بات" "کرے گا۔

یہ سن کر وارث نے شمع کو غور سے دیکھا۔ اس نظر میں فکر بھی تھی اور تجزیہ بھی۔

"یہ لڑکا ہر بات کچھ زیادہ ہی سوچ سمجھ کر کرتا ہے۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں گویا ہوئے۔

شمع کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آئی، مگر اس میں بھی دفاع تھا۔ "اب کیا یہ بھی خامی ہے؟"

وارث نے جواب فوراً نہیں دیا۔ چند لمحے خاموش رہے، پھر بولے۔ "خامیاں نہیں گنوا رہا، شمع۔ بس چاہتا ہوں کہ تم اچھی طرح سوچ لو۔ کومل سے بھی بات کر لو۔"

شمع کے چہرے پر ناگواری ابھری۔ "ان سے کیوں پوچھوں؟"

"آخر اس نے حسن کے بھائی سے سالوں پرانی منگنی توڑی تھی۔"

شمع نے فوراً کہا۔ "وہ تو اس لیے توڑی تھی کہ آپ ان کی زندگی میں آ گئے تھے، ورنہ وہ تو ان سے بہت محبت کرتا تھا۔"

یہ سن کر وارث واقعی چونک گئے، بھنویں تن گئیں۔ "یہ تم سے کس نے کہا؟ حسن نے؟"

شمع کے لب کھلے، مگر آواز نہ نکلی۔ اس نے نظریں کپ پر جمائے رکھیں، جیسے سبز قہوے کی سطح پر کوئی جواب تیر رہا ہو۔ خاموشی اس بار زیادہ بھاری تھی۔ وارث نے اس خاموشی کو سمجھ لیا۔ بولے تو لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔ "شمع۔۔۔ بعض لوگ کہانیاں بہت خوبصورت بناتے ہیں۔ سوال یہ نہیں کہ وہ کتنی اچھی لگتی ہیں، سوال یہ ہے کہ وہ کتنی سچی ہیں۔"

انہوں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی آواز کھول دی۔

دونوں جانتے تھے کہ اس کمرے میں اصل بات ہو چکی ہے—اور اس کے اثرات سامنے آنا باقی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہی گراؤنڈ تھا جس کے بیچوں بیچ ایک پرانے گرے ہوئے درخت کا تنا برسوں سے پڑا تھا—وقت کی کسی تھکن زدہ یاد کی طرح۔ زین اسی تنے کے ایک سرے پر بیٹھا ہوا تھا۔ جیکٹ کے کالر میں چہرہ آدھا چھپا ہوا، نظریں سامنے گھاس پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہاں کچھ ایسا لکھا ہو جو وہ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

مہوش نے دور سے ہی زین کو دیکھ لیا تھا، لیکن پکارنا مناسب نہ جانا۔

وہ آکر تنے کے دوسرے سرے پر بیٹھ گئی۔

"شمع اور مشعل سمجھ رہی ہیں کہ تم پچھلے کئی دنوں کی طرح۔۔۔آج بھی نہیں آئے۔"

زین نے سر نہیں اٹھایا۔"آتو گیا تھا بس۔۔۔کلاس اٹینڈ نہیں کی۔"

"کون سی؟"

"کوئی بھی۔"

مہوش نے پلکیں جھپکیں۔"تم جانتے ہو، یہ آخری سمسٹر ہے۔"

زین لمحے بھر کو ساکت ہوا۔ جیسے یہ بات اسے معلوم تو ہو، مگر ماننے کا حوصلہ نہ ہو۔ پھر اس نے اچانک سوال بدل دیا—یا شاید اصل سوال پر آ گیا۔

"تم نے کیسے ہینڈل کیا؟"

مہوش نے اس کی طرف دیکھا۔"کیا؟"

"جب تمہیں پتا چلا کہ۔۔۔اسجد کا نکاح ہو چکا ہے۔"

ہوا میں نمی تھی، شاید لان کے پرانے درختوں کی، یا ان لفظوں کی۔ مہوش نے نظریں سامنے جمائے رکھیں۔

"ہم دونوں کی صورتحال مختلف ہے، زین۔ وہ ایک جھوٹا اور فریبی شخص ہے۔"

زین نے پہلی بار سر اٹھایا۔

"وہ تمہیں یاد آتا ہے؟"

مہوش نے فوراً جواب نہیں دیا۔اس نے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسالیں، جیسے خود کو تھام رہی ہو۔" کبھی یاد آئے بھی تو بس اتنا احساس ہوتا ہے کہ ۔۔۔ان یادوں سے مٹھاس رخصت ہو چکی،اب صرف تلخی رہ گئی ہے۔"

زین نے نظریں پھر گھاس پر گاڑ دیں۔

"اب بھی اُس لڑکی کو معاف کرنے کی کوشش کر رہی ہوں، جو اس کی سنگت میں بن گئی تھی۔"مہوش نے بات جاری رکھی۔"میں نے خود کو کھو دیا تھا۔"

کچھ دیر کو فضا میں پتوں کی سرسراہٹ رہی، پھر مہوش بولی۔"تم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، زین۔"

"سچ بھی تو نہیں کہا۔"

یہ جملہ ہوا میں ٹھہر گیا۔

کبھی کبھار ہم سچ اس لیے بھی نہیں کہتے کہ ہمیں ڈر ہوتا ہے، اگر وہ ٹھہر نہ سکا تو ہم خود بھی بکھر جائیں"

مہوش نے ہلکے سے سر ہلایا۔"گے۔

زین نے آنکھیں بند کر لیں۔

"میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میری خاطر اپنا فیصلہ بدلے۔"

"""تم یہ سب ہونے دو گے؟"

"وہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہے، میں اس کے راستے میں کھڑے ہونے کی جارحانہ نادانی نہیں کروں گا۔"

شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔

"فرق یہ ہے، زین۔" مہوش نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری محبت ایک سچ ہے اور۔۔۔ سچ دیر سے سہی راستہ بنا ہی لیتا ہے۔"

زین نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کلاس شروع ہو چکی تھی، جب دروازہ ہلکے سے کھلا۔ زین اندر آیا—نہ جلدی میں، نہ پوری طرح حاضر۔ کندھے پر بیگ کا وزن تھا، اور چہرے پر وہ تھکن جو نیند کی نہیں ہوتی۔ اس کی نظر ایک لمحے کو سامنے والی قطاروں پر ٹھہری—جہاں شمع، مشعل اور حماس بیٹھے تھے—بس ایک اچٹتی سی نگاہ، پھر وہ پیچھے کی طرف بڑھا۔ آخری قطار میں ایک خالی نشست پر بیٹھ گیا۔

چند منٹ گزرے۔ حماس نے قلم رکھا، کرسی آہستہ سے پیچھے کی، اور چپکے سے اٹھ کر زین کے پاس آ بیٹھا۔ اس نے سر جھکا کر پوچھا، جیسے کلاس میں نہیں، کسی کمرے میں بات کر رہا ہو۔ "طبیعت کیسی ہے؟"

"چل رہی ہے۔"

"چل رہی ہے یا گھسٹ رہی ہے؟" حماس نے لہجہ ہلکا پھلکا رکھنے کی اپنی سی کوشش کی۔

زین نے جواب نہیں دیا۔

حماس نے کندھے سے کندھا لگاتے ہوئے کہا۔ "آج کلاس کے بعد کہیں باہر چلتے ہیں۔ بس ایسے ہی۔"

زین نے کوئی جواب نہ دیا، جیسے اس پیشکش کو اندر کہیں رکھ لیا ہو۔

کلاس ختم ہوئی تو ہال خالی ہونے لگا۔ مشعل اور شمع اٹھ کر پیچھے آئیں، زین کے ارد گرد کی خالی کرسیوں پر جگہ بنانے لگیں۔ شمع نے ایک خالی کرسی زین کے سامنے کھینچی، ترچھی ہو کر بیٹھی، اس طرح کہ زین کو سیدھا اس کی طرف دیکھنا پڑے۔ پر اصرار انداز میں بولی۔ "میری طرف دیکھو۔"

زین نے نظر اٹھائی ـــــ اور جیسے وقت ایک لمحے کو رک گیا۔ شمع کی آنکھیں لائنر سے سجی ہوئی تھیں۔ وِنگڈ لائنر۔ نفیس، ترچھا، جیسے کسی نے پورے اعتماد سے لکیریں کھینچی ہوں۔ زین کے ذہن میں ایک منظر بجلی کی طرح لپکا۔

دسویں جماعت، اسکول کا فنکشن۔

بریک کے وقت کا ایک منظر۔

شمع گراؤنڈ میں نیچے گھاس پر اکیلی بیٹھی ہوئی تھی، اس کی سہیلی سموسے اور بوتلیں لینے کینٹین گئی ہوئی تھی۔ آج وہ پہلی بار وِنگڈ لائنر لگا کر آئی تھی۔

زین یونہی آ کر سامنے بیٹھ گیا۔ پھر چڑانے والے انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"یہ چالاک سی بلی کہاں سے آ گئی؟"

شمع نے برا مانا تھا۔

بلی؟ کوئی قابلِ یقین بات کہو۔ ٹھیک سے تعریف کرو۔ سب کہہ رہے ہیں، میں آج بہت خوبصورت لگ" "رہی ہوں۔

اگلے ہی لمحے اسے حال میں لوٹنا پڑا۔

زین کی نگاہ اب بھی اسی لائن پر ٹھہری ہوئی تھی۔ جیسے وہ لکیریں نہیں، کوئی پرانی بات ہو، جسے وہ پڑھ رہا تھا۔

شمع نے نرم لہجے میں اوپر تلے کئی سوال کر ڈالے۔ "بتاؤ کیا بات ہے؟ اتنے اپ سیٹ کیوں ہو؟ گھر میں کچھ ہوا ہے؟"

زین نے نظریں ہٹائیں۔ بولا تو چہرہ اور لہجہ۔۔۔ دونوں سپاٹ تھے۔

"جو بھی ہے۔۔۔ سب میرے کنٹرول میں ہے۔"

مشعل نے حماس کی طرف دیکھا۔ حماس خاموش رہا۔ شمع نے ایک لمحہ زین کو دیکھا—— جیسے جانتی ہو کہ یہ مکمل جواب نہیں—— مگر اس نے سوال آگے نہیں بڑھایا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کافی گزر چکی تھی۔ گھر کے اندر وہ خاموشی اتر آئی تھی جو صرف سوتے ہوئے گھروں میں ہوتی ہے—— جہاں ہر آواز ذرا سی بھی ہو، تو صاف سنائی دے۔ شمع اپنے کمرے میں بیڈ کے سرہانے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔ بال کھلے ہوئے، موبائل ایک طرف رکھا تھا، اور ذہن میں دن بھر کی باتیں ایک دوسرے سے الجھی ہوئی تھیں۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

شمع نے چونک کر سر اٹھایا۔

کومل قدرے محتاط انداز میں اندر آئی۔ دروازہ بند کیا، چند لمحے بنا کچھ کہے اسے دیکھا، پھر قریب آکر بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"وارث نے مجھے بتایا ہے۔" کومل نے بغیر تمہید کے کہا۔ "کہ تم حسن سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

شمع نے اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں حیرت تھی، نہ دفاع۔

جیسے کومل سے ایسی ہی کسی بات کی توقع کر رہی ہو۔

"جی، صحیح سنا ہے۔"

کومل نے قمیض پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے سلوٹیں ہٹانے کی کوشش کی، جیسے بولنے سے پہلے کچھ وقت درکار ہو۔

"مجھے نہیں لگتا، وہ تمہارے لیے بہتر چوائس ہے۔"

"کیوں؟" لہجہ نارمل سا تھا، جیسے وہ واقعی وجہ جاننا چاہتی ہو۔

کومل نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ "کیونکہ وہ میرے سابقہ منگیتر کا چھوٹا بھائی ہے۔ دوبارہ اسی فیملی سے جڑنا، ہم سب کے لیے بہت آکورڈ سا ہو جائے گا۔"

"آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ آپ کو غیر آرام دہ ہونے سے بچانے کی خاطر۔۔۔ حسن سے شادی نہ کروں؟"

"بات صرف اتنی نہیں۔"

"بات ہے کیا آخر؟ میں یہی سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔" شمع کا لہجہ قدرے تیکھا ہو گیا۔

"وہ اسی کا بھائی ہے جو میرے لیے غلط انتخاب ہوتا۔۔۔ اگر میں اس سے شادی کرتی۔"

"صرف اس لیے کہ وہ آپ کے سابقہ منگیتر کا بھائی۔۔۔"

کومل نے تیزی سے اس کی بات کاٹی "شمع، بات صرف بھائی ہونے کی نہیں ہے۔"

شمع نے آگے کو جھک کر، ان کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ "اگر ایک لمحے کو مان بھی لوں، کہ آپ کی منگنی ٹوٹنے کی وجہ کوئی دوسرا شخص یا اس کی ذات سے منسلک مالی سیکورٹی نہیں تھی۔" وہ ذرا رک کر بولی۔ "پھر بھی، اس سب سے حسن کا کیا تعلق؟ اس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ اس فیملی کا حصہ ہے جس سے آپ کی کچھ تلخ یادیں وابستہ ہیں؟"

کومل کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

اس کا باپ بھی ویسا ہی ہے، جیسا بڑا بھائی۔ یہ لوگ۔۔۔" وہ لفظ ڈھونڈنے لگی۔ "کچھ اور طرح کے لوگ ہیں، شمع۔"

شمع کی آواز میں اب ذرا سی سختی آ گئی۔ "حسن میں کیا برائی ہے؟"

میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔" پھر کومل ذرا سے توقف کے بعد بولی۔ "لیکن اتنا ضرور کہوں گی، ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔"

"آپ مجھے قائل نہیں کر پائیں۔" شمع اب لیٹنے کی تیاری کرنے لگی جو واضح اشارہ تھا کہ کومل چلی جائے۔

"حسن۔۔۔ مجھے ٹھیک نہیں لگتا، بس۔"

کہیں دور کچھ پٹاخے پھوٹنے کی سی آواز آئی، پردہ ہلکا سا ہلا۔

اور سب کچھ پھر سے ساکت ہو گیا۔

"مجھے ہمیشہ سکھایا گیا ہے کہ انسان کو اس کے اپنے عمل سے پہچانا جائے۔ میں حسن کو اسی طرح دیکھ رہی ہوں۔ اس کے بھائی کے آئینے میں، نہ اس کے باپ کے سائے میں۔"

کومل نے اس کی طرف دیکھا، اس بار ان آنکھوں میں ناراضی نہیں، ایک عجیب سی بے چینی تھی۔

"میں چاہتی ہوں تم خوش رہو، شمع۔"

"اور میں چاہتی ہوں کہ میرے فیصلے کو کھلے دل سے قبول کیا جائے۔" اس نے کومل کا ہاتھ نرمی سے تھاما۔ "اس سے ماضی میں کچھ غلطیاں ضرور ہوئی ہیں لیکن اب وہ 'پارٹی بوائے' نہیں رہا۔ میچور ہے، حساس ہے۔ اس نے مجھ سے بچپن کی، ماضی کی، کئی باتیں شیئر کیں۔ مجھے اس کے ساتھ ایک کنیکشن محسوس ہوا ، تبھی تو بات اتنی آگے بڑھی۔ میں اپنے فیصلے سے مطمئن ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ایگزام ہال کے باہر وہ مخصوص سی بے چینی تھی، جو صرف بڑے امتحان سے پہلے محسوس ہوتی ہے۔ لمبے برآمدے میں طلبہ کے جھنڈ تھے—کچھ آخری بار نوٹس پلٹ رہے تھے، کچھ آنکھیں بند کیے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے، اور کچھ بے سبب ہنس ہنس کر خود کو نارمل ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

زین اور مہوش ہال کے دروازے سے ذرا ہٹ کر کھڑے تھے۔ زین کے ہاتھ میں رول نمبر سلپ تھی، جسے وہ لاشعوری طور پر موڑ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکن تھی—وہ تھکن جو مسلسل خود کو سمجھانے سے آتی ہے۔

"مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ یہ عمران باتوں کی نہیں ہے۔" زین نے یوں کہا، جیسے خود سے بات کر رہا ہو۔

مہوش جواب میں خاموش رہی، جیسے اسے بولنے کا موقع دینا چاہتی ہو۔

یہ سننے کا وقت تھا۔

"جب شمع نے۔۔۔ ہمارے رشتے سے انکار کیا۔" زین نے جملہ پورا کرنے میں ایک لمحہ لیا۔ "تب ہم انٹر کے رزلٹ کا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے لگا شاید بات ہی غلط وقت پر چھیڑی گئی ہے۔ خود اس نے بھی کہا تھا کہ ہمارے والدین صرف دوستی کی وجہ سے ایسا چاہتے ہیں، اور یہ بات اسے چڑانے کو کافی تھی۔"

اس نے نگاہ سامنے گراؤنڈ میں پھیلے درختوں پر ڈال دی۔

"میں بس اتنا چاہتا تھا کہ پہلے ہم دونوں پڑھائی پر فوکس کریں، ڈگری ہاتھ میں آجائے۔ ویسے بھی، میرے بھائی کہتے ہیں مجھ میں آگے بڑھنے کی وہ لگن نہیں، جو دوسروں میں ہوتی ہے۔ جیسی ہمارے گھر کے دوسرے مردوں میں ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "لیکن ہاں، مجھے اپنے گریڈز بہت عزیز ہیں۔"

مہوش نے سر ہلا کر تائید کی۔ "مشعل کا کہنا ہے کہ اس عمر میں، تعلیمی دور میں، رومینس صرف کتابوں سے ہونا چاہیے۔"

زین نے فوراً بات تھام لی۔ "میں نے کچھ عرصہ پہلے ایک آرٹیکل پڑھا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ کالج اور یونیورسٹی کے سالوں میں ایسے تعلقات سے بچنا چاہیے۔ بالکل سنگل رہو، تاکہ پرفارم کر سکو، خود کو کچھ بنا سکو۔ ایسا تعلق خلفشار پیدا کرتا ہے۔"

"میرا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ، دونوں یہی کہتے ہیں کہ سنگل رہ کر انسان خود پر زیادہ فوکس کر پاتا ہے۔"

"اسی چکر میں شمع کی شادی فکس ہو گئی۔" زین نے جیسے خود کو یقین دلانے کی کوشش کی، پھر مضبوط لہجے میں بولا۔ "مجھے اپنے کسی فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہیں۔ میں ان اہم سالوں میں اس کے لیے کسی ذہنی خلفشار کا باعث نہیں بنا، یہی بہت ہے۔"

"تم نے جو کیا، وہ تم دونوں کے لیے صحیح تھا۔" مہوش اس سے پوری طرح متفق تھی۔

"ایگزام ختم ہونے کے دو ہفتے بعد کی ڈیٹ ہے۔" اس نے جیسے یونہی کہا، مگر آواز میں ہلکی سی دراڑ تھی۔

مہوش نے لمحہ بھر کو نظریں چرائیں، پھر بولی۔ "میں تو ایک دن پہلے آجاؤں گی، امی اور بابا کے ساتھ ہوٹل میں ٹھہروں گی۔" پھر ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔ "مشعل بھی اپنی فیملی کے ساتھ دو دن پہلے آجائے گی، شاید انہیں بھی ہوٹل میں ٹھہرنا پڑے، حماس کے فلیٹ میں تین اضافی لوگ نہیں ٹھہر سکتے۔"

"کم از کم وہاں وہ لوگ رات نہیں گزار پائیں گے۔ ایک ہی بیڈ روم ہے۔" زین ہنس دیا۔

مہوش نے اس کی طرف دیکھا۔ اس ہنسی میں کچھ ایسا تھا جو اسے کھٹک گیا۔

زین کی ہنسی اور اس کی باتوں میں ایک عجیب سا کھوکھلا پن تھا۔

اسی لمحے ہال کے اندر سے آواز آئی کہ طلبہ داخل ہونا شروع کریں۔

زین نے رول نمبر سلپ سیدھی کی، ایک گہری سانس لی، اور ہال کی طرف بڑھ گیا۔

یوں جیسے امتحان صرف پیپر کا نہیں،

بلکہ اُس سب کا تھا۔۔

جسے وہ دل میں دبائے چلا آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"Goodbye, But Not Forever"

ہال نمبر2، وہی پرانی جگہ جہاں کلاسیں ہوتی تھیں، آج پُر جوش، پُر شور، اور یادوں سے بھرا ہوا تھا۔ رنگین غبارے، کنفیٹی، اور ہر طرف کیمرے کی چمک۔

آج اینتھروپولوجی ڈپارٹمنٹ کی الوداعی پارٹی تھی—آخری سمسٹر کا آخری دن۔

حماس اور مشعل کونے میں کھڑے تھے، ایک گلاس لیمونیڈ کے ساتھ۔

"شمع ابھی تک نہیں آئی۔" حماس نے کہا، آواز میں وہی پرانی فکر۔

"ہو سکتا ہے حسن کو چھوڑ کر آئے۔" مشعل نے کہا، لہجہ شوخ تھا۔

"۔۔۔یا ساتھ لے کر۔" حماس بولا۔

"تم اور تمہارے خدشات! کیا پتا وہ آج خوش ہو؟ اداس ہو؟ یا بس فون چلاتی رہے؟"

اور پھر، ہال کے دروازے سے زین اور شمع اندر آئے۔

زین نے ایک جاندار مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آج بھرپور انداز میں انجوائے کرنا ہے۔ یہ اس یونیورسٹی میں ہماری آخری پارٹی ہے۔"

اس پارٹی میں ویسے تو سب کچھ تھا لیکن سب سے اچھی بات یہ تھی کہ ہر سٹوڈنٹ کو 'خاص' محسوس کروایا جانا تھا۔

سب کی خوب نقل اتاری گئی۔

"پہلا ایکٹ: "زین کی نقل

کلاس کا ایک لڑکا عمر سامنے آیا۔ گہری سبز رنگ کی شرٹ، سیاہ پینٹ۔

وہ چلنے لگا—— ترچھا، ہونٹوں پر مضحکہ خیز مسکراہٹ لیے، دیکھ بھال کر جیسے ہر قدم کے نیچے کوئی لطیفہ چھپا ہو۔

پھر زین کے سے انداز میں بولا۔

"تم نے کتاب پڑھی ہے؟ نہیں؟ تو پھر میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ دنیا کیسے کام کرتی ہے؟"

ہال میں ہنسی گونجی۔

زین پیچھے کھڑا تھا—— وہ مسکراہٹ لیے جواب آنکھوں تک آن پہنچی تھی۔

"دوسرا ایکٹ: "حماس کی نقل

ایک دوسرا لڑکا سامنے آیا جو ڈریس شرٹ۔۔۔ یعنی کافی فارمل وئیر میں تھا۔

اطراف کو ٹٹولتی گہری نظروں کی نقل، ہاتھوں میں کوئی نظریاتی کتاب۔

—— وہ ہر شخص کو آنکھیں سکوڑتے بغور دیکھ رہا تھا۔

"یہ لڑکا اتنی دیر سے باتھ روم میں کیوں ہے؟ کیا وہ کچھ چھپا رہا ہے؟"

"وہ لڑکا اس لڑکی کو کیوں اتنا گھور رہا ہے؟ کیا وہ اسے ہراساں کرنا چاہتا ہے؟"

"اور فلاں ٹیچر۔۔۔ کیا وہ مجھے ناپسند کرتی ہے؟ یا میں خود ہی کمزور ہوں؟"

ہر جملے کے بعد وہ ایک قدم پیچھے ہٹتا تھا، جیسے دنیا اُسے گھیر رہی ہو۔

حماس نے مسکرا کر دیکھا—اُس کی آنکھوں میں وہی بات تھی۔"تم نے میرے اندر کے شک کو دیکھ لیا۔"

"تیسرا ایکٹ:"زین کا ڈانس

ہاتھوں کو سینے سے لگائے، جسم سخت، لیکن پیر ہل رہے تھے۔ عمر اب ڈانس کر رہا تھا۔

— لیکن وہ صرف ڈانس نہیں کر رہا تھا۔

وہ ہر ایک کو دیکھ رہا تھا۔

جو تالی بجا رہا تھا،

جو فون چلا رہا تھا،

جو باتیں کر رہا تھا۔

ڈانس ختم ہوا۔

عمر عرف زین نے مائیک اُٹھایا۔

"تم نے میرے لیے تالیاں کیوں نہیں بجائیں۔۔۔ کیا تمہیں لگتا ہے میں تمہارے بغیر بھی ڈانس کر سکتا ہوں؟"

سب ہنسے— "تمہیں دکھائی نہیں دیتا میں کون ہوں؟ میں زین سلمان ہوں۔۔۔ اٹینشن سیکر۔ سب مل کر مجھے توجہ دو! صرف مجھے!" آخر میں اس نے دو انگلیوں سے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا، پھر ان سب کی طرف بھی اشارہ کیا۔

لیکن زین نے اُس لڑکے کو بعد میں پکڑ کر کہا۔

"اگلی بار تالی نہ بجانے والے کو نشانہ" لہجے میں خفگی تھی، اصلی یا نقلی۔۔۔یہ تو اصلی زین کو ہی معلوم ہو گا۔

بنانا، روٹھنے والے کو نہیں۔

"چوتھا ایکٹ: "مشعل کے ہائی لائٹر والا کردار

ایک لڑکی صبا آئی۔

سفید دوپٹہ، ہاتھ میں پیلا ہائی لائٹر، اور ایک نوٹ بُک۔

وہ عجلت بھرے انداز میں چلی آ رہی تھی، جیسے کوئی امتحان کا پیپر آنے والا ہو۔

"اف! کہیں فلاں کے نمبر مجھ سے زیادہ تو نہیں آ گئے؟"

پھر نوٹ بُک کھولی۔

"کلچر کا مطلب ہے—وہ چیز جو تم اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہو، یا جو تمہیں جبری پہنائی جاتی ہے؟"

مشعل کی آنکھوں میں اقرار تھا۔

"Yes, I'm competitive. I want to be ahead of everyone else."

(ہاں، میں مسابقتی ہوں۔ میں سب سے آگے رہنا چاہتی ہوں۔)

"پانچواں ایکٹ: "شمع والا لائنر

وِگ، ہلکی گلابی لپ اسٹک، اور آنکھوں پر گہرا سیاہ لائنر۔

ایک لڑکا عاصم یہ سب اوڑھ کر سامنے آیا۔

وہ آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے بولا۔

"مجھ جیسا لائنر کوئی نہیں لگا سکتا۔" بالوں کو جھٹکا دیا۔ "یہ تو ایک کلچرل سٹیٹمنٹ ہے۔"

شمع بھی یہ سب دیکھ رہی تھی—— حیران، شرمندہ، لیکن ہنس رہی تھی۔

ان کے علاوہ بھی کئی سٹوڈنٹس کو نشانہ بنایا گیا اور۔۔۔ ٹارگٹ کرنے والوں میں بذاتِ خود زین اور شمع بھی شامل تھے۔

"آخری لمحہ: "زین کا وداع

جب سب کچھ ختم ہوا، زین نے مائیک اُٹھایا اور کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم سب مجھے سننا چاہتے ہو، لیکن میں کچھ کہنے سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" ایک ترچھی مسکراہٹ۔ "بس اتنا کہوں گا کہ۔۔۔ تم سب میری یاداشت میں محفوظ رہو گے، چاہے میں تمہیں دیکھوں نا دیکھوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

زین کے کمرے کی کھڑکی آدھی کھلی تھی، باہر لگی سٹریٹ لائٹ دیوار پر ایک ٹیڑھا سا سایہ بنا رہی تھی۔ بستر پر کتابیں بے ترتیب پڑی تھیں، کرسی پر نیا سوٹ ہینگر سمیت ٹکا ہوا

تھا، جیسے کسی خاموش گواہ کی طرح سب کچھ دیکھ رہا ہو۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی، پھر بغیر جواب کا انتظار کیے وہ کھل گیا۔

حماس دوشاپر اٹھائے اندر داخل ہوا—ایک میں پیزا کا بڑا سا ڈبہ، دوسرے میں کولڈ ڈرنکس۔

"موووی نائٹ۔" اس نے اعلان کیا۔ "ایگزام کے علاوہ، عام دنوں میں ہفتے میں ہماری ایک رات موووی نائٹ ہوا کرتی تھی۔ آج وہی رات ہے۔"

وہ دونوں نیچے قالین پر بیٹھ گئے۔ حماس نے ڈبہ کھولا—باربی کیو چکن پیزا، جس سے مصالحوں کی مانوس خوشبو کمرے میں پھیل گئی۔ کولڈ ڈرنک کی بوتل کھلنے کی آواز اس خاموشی میں غیر ضروری حد تک بلند لگی۔

"اچھا ہے۔" زین نے ایک سلائس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مہندی، مایوں کے چکروں میں نہیں پڑے۔"

ہاں۔" حماس نے نوالہ لیتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں نے امریکہ بھی واپس جانا ہے۔ باقی فیملی تو چلی جائے" "گی، حسن اور شمع یہیں رہیں گے۔

کچھ لمحے صرف پیزا کھانے کی آوازیں رہیں۔ پھر حماس نے جیسے یونہی کہا۔

"عجیب بات نہیں؟ حسن امریکہ چھوڑ رہا ہے۔"

زین نے کندھے اچکائے۔ "کئی لوگ چھوڑتے ہیں۔"

"ہاں۔" حماس نے ذرا سا توقف کیا۔ "لیکن فی الحال یہاں بھی تو کچھ شروع نہیں کر رہا، جاب یا بزنس۔"

زین نے بلا توقف جواب دیا، جیسے یہ بات سوچنے کی نہ ہو۔ "نہیں یار، وہ بندہ اچھا ہے۔ اور تم بھی نا، ہر کسی کو شک کی نظر سے دیکھتے ہو۔"

حماس نے ڈرامائی انداز میں ہاتھ اٹھا دیے۔ "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ آج شک کا دن نہیں، آج کامیڈی موووی کا دن ہے۔ بلکہ رات ہے۔"

انہوں نے ٹی وی آن کیا، ایک ہلکی پھلکی سی کامیڈی فلم لگا دی—وہ والی جس میں کہانی سے زیادہ مکالمے اور بے وقت لطیفے ہوتے ہیں۔ فلم چل رہی تھی، مگر دونوں کی توجہ پوری طرح اسکرین پر نہیں تھی۔

کبھی کسی سین پر حماس زور سے ہنس پڑتا، کبھی زین بے وجہ کسی معمولی ڈائیلاگ پر۔

"یہ بندہ تم جیسا لگتا ہے۔" حماس نے ہینڈسم اداکار کی طرف اشارہ کیا۔

برا مت ماننا۔" زین نے برجستہ جواب دیا۔ "تمہیں دوست مانتا ہوں، لیکن تمہاری ہر بات پر یقین نہیں" "کرتا۔

کچھ دیر بعد حماس نے بوتل ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "ہر بار کی طرح، آج بھی یہیں سوؤں گا۔"

"اس میں نیا کیا ہے۔" زین نے کہا۔ "تمہاری جگہ تو یہی ہے۔"

حماس نے ذرا سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔ "پرسوں شادی ہے، تم جاؤ گے نا؟"

"ہاں۔" زین نے جواباً ہنستے ہوئے کہا۔ "نیا سوٹ بھی لے چکا ہوں۔"

اس کا انداز کچھ عجیب تھا—ذرا زیادہ ہنسی، زیادہ بے فکری۔ حماس نے کچھ نہ کہا، بس ایک لمحے کو اسے دیکھا، جیسے کچھ ایسا نوٹ کر رہا ہو جسے نام دینا مشکل ہو۔

اسکرین پر فلم کا ایک اور لطیفہ چلا، قہقہہ لگا، پیزا ختم ہونے کو تھا۔

—کمرے میں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔

بس زین کا ہنسنا،

تھوڑا سا زیادہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"شمع بلا رہی ہے۔"

مشعل کے اس پیغام پر زین نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ اسے وہاں لے جانے آئی تھی جہاں دلہن کچھ ہی دیر قبل پہنچی تھی۔

شادی ہال کی روشنیاں اور زرق برق کپڑوں میں ملبوس لوگ، ان سب سے ذرا فاصلے پر وہ اور حماس کھڑے تھے۔ اس نے حماس کو اشارہ کیا اور مشعل کے پیچھے چل پڑا۔ راہداری سے ہوتا ہوا اس کمرے کے سامنے پہنچا تو پل بھر کو رکا۔ ایک گہری سانس خارج کرتے، اپنے تنے ہوئے اعصاب کو ڈھیلا کرنے کی سعی کی۔ مشعل نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اندر چل دی۔

یہاں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سیدھا قد آور آئینے کے سامنے کھڑی شمع پر پڑی۔ اس نے آئینے میں نمودار ہوتے زین کے عکس کو دیکھا تو بے ساختہ مسکرا دی۔ سفید لہنگا جسے سفید موتیوں اور چاندی کے کام سے مزین کیا گیا تھا، شمع پر سج کر مزید خوبصورت لگ رہا تھا۔ ٹیکا، جھومر، جھمکے۔ آج اس کی چھب ہی نرالی تھی۔

زین کو لگا کہ آج کا دن اور یہ لمحہ، شمع کا روپ اور خوشی سے چمکتی اس کی آنکھیں۔۔۔ یہی۔۔۔ یہی۔۔۔ وہ آزمائش ہے جس پر پورا اترنا کٹھن ہو گا۔

زین نے فوراً نظریں ہٹا لیں۔

دائیں جانب صوفے پر مہوش اور مشعل بیٹھی ہوئی تھیں۔

شمع آئینے کے سامنے سے ہٹ کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔ لباس دونوں ہاتھوں میں تھاما اور گھوم گئی۔۔۔ لہنگے کا گھیر ساری طرف پھیل گیا۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟"

یہ سوال نہیں تھا۔

وہ خوش تھی۔ بے حد خوش۔

زین بے ساختہ مسکرا دیا۔

"تم نے مجھے ہمیشہ بہترین تحائف دیے ہیں، زین۔" وہ اب اسے نیم سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔ "آج کا دن بہت خاص ہے، تمہارا تحفہ میری توقع کے عین مطابق ہونا چاہیے۔"

پھر اس نے ایک ادا سے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی۔

زین نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو انگلیاں رک گئیں۔ وہ لمحہ جیسے اچانک کسی اور وقت میں کھنچ گیا۔ کمرے کی روشنی، شمع کا سفید لہنگا، لڑکیوں کی موجودگی—سب ایک دم دھندلا گیا۔

اسے گزری رات یاد آ گئی۔

ڈنر کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔

زین نے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے اس کی ماں کی آواز آئی۔ "آؤ، کھلا ہے۔"

وہ اندر گیا۔ تہمینہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی، چہرے پر لوشن لگا رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرا دیں۔

"آؤ، بیٹھو۔"

زین سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اس نے جیسے کہیں دور دیکھتے ہوئے کہا۔ "ماما، آپ نے مجھے ایک بار وہ کڑا دکھایا تھا۔"

تہمینہ کے ہاتھ لمحہ بھر کو رک گئے۔ "کون سا کڑا؟"

"وہ۔۔۔ جو دادی کو ان کی ساس نے دیا تھا۔ اور پھر دادی نے آپ کو۔"

"جو ہمارے خاندان میں ساس اپنی بہو کو دیتی ہے؟"

وہ آئینے سے مڑیں، اس کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ سب جانتی تھیں، شمع کی شادی، زین کی خاموشی۔

"لیکن زین، ابھی تمہاری شادی نہیں ہو رہی۔" وہ رکیں۔ "وہ کڑا تو میں اپنی بہو کو دوں گی، تمہارا اس سے کیا لینا دینا؟"

زین نے نظریں جھکا لیں، آواز کہیں کھو سی گئی۔ "اس کی شادی ہو رہی ہے۔"

وہ چونک گئیں۔ "زین، تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

زین نے پہلی بار سیدھا ان کی طرف دیکھا۔

"میں نے کبھی کسی اور کی بات کی ہے؟"

وہ لاجواب ہوئیں، مگر کمزور نہیں۔ پھر دھیرے سے بولیں۔ "دیکھو، تم نے خود کو بہت اچھے سے سنبھالا ہے۔ اب رفتہ رفتہ زندگی میں آگے بھی بڑھنا ہوگا۔"

زین نے سر اٹھایا۔ "ان باتوں کا کڑے سے کیا تعلق ہے؟"

"اسی سے تو تعلق ہے۔"

زین کے لہجے میں اچانک تلخی آگئی۔ "وہ یا تو شمع پہنے گی، یا کوئی نہیں۔"

تہمینہ کے چہرے پر درد اور سمجھ بوجھ دونوں ساتھ ابھرے۔ "تو تم شادی نہیں کرو گے؟ روگ اپنا لو گے؟"

"میں روگ اپنانے کے خلاف ہوں۔"

"پھر یہ سب کیا ہے، زین؟"

وہ اچانک کھڑا ہو گیا۔

"تو پھر میں اسے انکار سمجھوں؟"

انہوں نے اسے دیر تک دیکھا۔ پھر بغیر کچھ کہے الماری کی طرف بڑھیں۔ ایک چھوٹا سا مخملی کیس نکالا، اور واپس آ کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ لو۔"

زین نے کیس کھولا تو سانس رک سی گئی۔

وہ ایک چوڑا سنہری کڑا تھا—خالص سونے کا، مگر شوخ نہیں، منفرد سی نفاست لیے ہوئے۔اس پر مورگنائٹ کے چھوٹے چھوٹے پتھروں سے دو ہاتھ بنے ہوئے تھے،ایسے جیسے ایک دوسرے کو تھامے ہوئے ہوں—بالکل مصافحے کی طرح۔

تہمینہ بولیں۔"یہ خاص بنوایا گیا تھا، ہمارا خاندانی ورثہ ہے، زین۔ صرف بہو کو دیا جاتا ہے۔"

زین کڑے کو دیکھتا رہ گیا۔ مورگنائٹ کے پتھر روشنی میں ہلکے گلابی سے آڑوئی رنگ میں بدل رہے تھے۔ ایسا رنگ جو نہ چیختا ہے، نہ ماند پڑتا ہے۔

بلآخر تہمینہ نے کہا۔"کبھی کبھی محبت کو مان لینا،اسے پا لینے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔"

زین کی انگلیاں اب بھی جیب میں تھیں۔
شمع اس کے سامنے کھڑی تھی، ہتھیلی پھیلائے، مسکراتی ہوئی۔

اور زین کے دل میں وہ کڑا تھا، جو ورثہ بھی تھا، وعدہ بھی،

اور شاید۔۔۔الوداع بھی۔

کڑا نکالتے ہوئے اس کی نگاہیں شمع کی پھیلی ہوئی ہتھیلی کی لکیروں میں الجھ کر رہ گئیں۔

وہ لمحہ بھر کو رک گیا۔

اس کے دل میں ایک ٹھنڈی سی حقیقت اتر گئی۔

یہ ہاتھ۔۔۔اب کسی اور کی تقدیر میں لکھے جا چکے تھے۔

اس نے خود کو سنبھالا، اور کڑا نرمی سے شمع کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

کوئی لفظ نہیں کہا۔

بس رکھتے ہی پلٹا—اور ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔

شمع کو اس کے جانے کا فوراً احساس نہیں ہوا۔

وہ کڑے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

اس نے اسے اٹھا کر روشنی میں گھمایا، سنہری سطح پر پڑتی روشنیوں کے عکس کو دیکھا، پھر مورگنائٹ کے نرم رنگ میں ڈھلے ہوئے وہ دو ہاتھ—جو ایک دوسرے کو تھامے ہوئے تھے۔

اس کے چہرے پر حیرت اور خوشی ایک ساتھ ابھری۔

تبھی اس نے بے خیالی میں مشعل اور مہوش کی طرف رخ کیا۔

"ادھر دیکھو، ایسا کڑا تم نے کہیں دیکھا ہے؟"

مشعل اور مہوش نے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر کڑے کی طرف۔

دونوں کے لبوں پر ایک ایسی مسکراہٹ آئی جو خوشی سے زیادہ۔۔۔احترام لیے ہوئے تھی۔

شمع نے تب بھی زین کی غیر موجودگی کی طرف دھیان نہیں دیا۔

اس کے لیے وہ لمحہ ابھی ایک تحفہ تھا، الوداع نہیں۔

ادھر زین تیز قدموں سے ہال کی طرف بڑھا۔

روشنیوں، آوازوں اور لوگوں کے بیچ سے راستہ بناتا ہوا، وہ سیدھا حماس کے پاس جا کر رکا۔

"میں جارہاہوں۔"

حماس چونکا، مگر کچھ پوچھا نہیں۔

"کوئی بہانہ کر دینا۔"

حماس نے بس سر ہلا دیا۔

——اس کی نظر زین کی آنکھوں پر ٹھہر گئی۔

وہ سرخ تھیں،

شدید ضبط سے،

جیسے آنسو نہیں، فیصلہ روکے ہوئے ہوں۔

زین پلٹا اور ہال سے باہر نکل گیا۔

——پیچھے روشنی تھی، آگے اندھیرا

اور درمیان میں ایک محبت،

جو ورثہ بن کر کسی اور کی ہتھیلی میں رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

سٹیج پر روشنی نرم ہو چکی تھی، جیسے جان بوجھ کر تیز ہونے سے گریز کر رہی ہو۔ شمع سفید لہنگے میں تھی، برابر میں حسن بھی سفید شیروانی میں ملبوس، پوری شان سے بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے کی قطاروں میں وارث، کومل،

حسن کے والدین، رشتہ دار، دوست—— سبھی موجود تھے۔ صرف حسن کا بڑا بھائی اور بھابی نہیں آئے تھے بہانہ کوئی بھی ہو وجہ کو مل ہی تھی، یہ وہ سبھی جانتے تھے۔

لیکن وہ اس ہجوم میں ایک ہی چہرہ تلاش کر رہی تھی۔

حماس، مشعل، مہوش۔۔۔ سبھی موجود تھے۔

زین نہیں تھا۔

وہ ذرا سا پہلو بدل کر بیٹھ گئی۔

مشعل خاموشی سے اس کے پاس آکر بیٹھی۔

"زین کہاں ہے؟" شمع نے سرگوشی کی۔

مشعل نے لمحہ بھر توقف کیا، پھر آہستہ سے کہا۔ "اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، بہت معذرت کر کے گیا ہے۔"

شمع نے کچھ نہیں کہا۔ بس ہلکا سا سر ہلا دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شادی کی رات کمرہ گلابوں کی خوشبو سے بھرا ہوا تھا۔

سائیڈ ٹیبلز اور ڈریسنگ ٹیبل سے لپٹی فیری لائٹس، کمرے کے چاروں کونوں میں رکھے سفید گلابوں کے

بوکے،اور بیڈ کے گرد سفید اور گلابی پھولوں کی نفیس سجاوٹ——سب کچھ جیسے مل کر کسی خواب کو حقیقت بنانے کی کوشش کر رہا ہو۔

شمع بیڈ کے وسط میں بیٹھی تھی۔

لہنگا اس کے گرد پھیلا ہوا تھا،اور کلائی میں وہی کڑا۔۔۔

سنہری، چوڑا، مور گنائٹ کے ننھے پتھروں سے بنے دو ہاتھ، جو ایک دوسرے کو تھامے ہوئے تھے۔

وہ بے اختیار ان ہاتھوں پر انگلی پھیرتی رہی۔

دروازہ آہستگی سے کھلا۔

حسن اندر آیا۔

وہ رک گیا، جیسے منظر کو ایک سانس میں محفوظ کرنا چاہتا ہو۔

پھر مسکرا کر بولا۔"تمہاری موجودگی سے یہ فلیٹ سج گیا ہے۔"

شمع نے نگاہ اٹھائی، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ۔

حیا اس کے چہرے پر ایسے پھیلی جیسے گلابوں پر اوس۔

"یہ سب۔۔۔بہت خوبصورت ہے۔"حسن نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔"لیکن تم ان سب سے زیادہ!"

وہ قریب آ کر بیٹھا، جیب سے ایک چھوٹا سا مخملی ڈبہ نکالا۔

"میں چاہتا تھا، یہ تمہیں آج دوں۔"

شمع چونکی۔

—— ڈبہ کھلا تو اندر ایک انگوٹھی تھی۔

چمکتے ہوئے ہیرے کے مرکز کے گرد باریک ہیروں کا نفیس گھیر، سادہ مگر بے حد قیمتی۔

"یہ تو۔۔۔بہت خوبصورت ہے۔" شمع نے بے ساختہ کہا۔

"Salman Ateliers کی ہے۔" حسن نے انگوٹھی اس کی انگلی میں پہناتے ہوئے کہا۔

شمع کے ہاتھ جیسے ایک لمحے کو رک گئے۔

"مجھے یہ ڈیزائن پہلی نظر میں ہی بہت اچھا لگا۔" وہ فخریہ بولا۔

سلمان ایٹلیئرز! شمع نے آہستہ سے دہرایا، پھر حسن کی طرف دیکھا۔ "یہ تو زین کے ڈیڈ کی جیولری لائن ہے۔"

حسن چونک گیا۔ "اوہ——واقعی؟" وہ ہلکا سا ہنسا۔ "مجھے معلوم ہی نہیں تھا۔ عجیب بات ہے، میں ریاض انکل کے بارے میں اتنا تو جانتا تھا کہ وہ بہت بڑے جیولری ڈیزائنر ہیں، شادی میں بھی موجود تھے، مگر نام۔۔۔پوچھا ہی نہیں۔"

شمع نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس نے ایک نظر اپنی کلائی کے کڑے پر ڈالی،

پھر انگلی میں پہنائی جانے والی انگوٹھی پر۔

کڑا

خاموش تھا،

انگوٹھی۔۔۔روشن۔

حسن نے نرمی سے انگوٹھی میں لگے مرکزی ہیرے کو چھوا۔

وہ لگاوٹ بھرے انداز میں بولا۔"یہ ہماری شروعات ہے۔"

شمع مسکرائی۔

سر جھکایا،

شرمائی بھی۔

اور گلابوں کی خوشبو کے بیچ،

—— دو زیورات تھے

ایک ماضی کا،

ایک حال کا۔

۔۔۔اور مستقبل

ابھی خاموش تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ولیمہ بھی ہو گیا۔

ہوٹل کا بڑا ہال تھا مگر لوگوں کا ہجوم حد سے زیادہ نہیں تھا۔ شمع نے اس دن گہرے سبز رنگ کا لہنگا پہنا تھا، جس پر باریک سنہری کام تھا۔ حسن سنجیدہ اور پُر اعتماد دکھائی دے رہا تھا۔

زین بھی آیا تھا—— کریم رنگ کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس: دراز قد، پُر وقار، خاموش۔

اس نے قریب جا کر دونوں کو مبارک باد دی، زیادہ دیر نہیں رکا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح۔

زین دیر سے جاگا۔

کمرے میں دھوپ آ چکی تھی، پردے کے کناروں سے چھن کر نیچے کارپٹ پر پھیل رہی تھی۔ اس نے شاور لیا، کپڑے بدلے، آئینے میں خود کو ایک نظر دیکھا—— چہرہ وہی تھا، آنکھوں میں ٹھہری وحشت نئی تھی۔

ڈائننگ روم میں گیا تو سب ناشتہ کر رہے تھے۔

"آج ناشتہ باہر کروں گا۔"

کسی کے جواب کا انتظار کیے بغیر، وہ باہر نکل گیا۔

لاہور کی صبح جاگ چکی تھی۔

مین بلیوارڈ پر رش تھا۔ زین محتاط ڈرائیو کر رہا تھا—— اشارے، بریک، فاصلے—— سب درست۔

پھر اس نے گاڑی ایک ایسے روڈ پر موڑ دی جہاں درخت زیادہ تھے، گاڑیاں کم، اور۔۔۔ خاموشی میں رفتار آسانی سے گھل جاتی ہے۔

یہاں اس نے رفتار بڑھا دی۔

اسٹیئرنگ پر انگلیاں سخت ہو گئیں۔

ذہن میں آوازیں گونجنے لگیں—— بکھری ہوئی، ایک دوسرے پر چڑھتی ہوئی۔

"۔۔۔ یہ ہمارا خاندانی ورثہ ہے۔"

"یہ یا تو شمع پہنے گی یا کوئی نہیں۔"

اور پھر ولیمے کا وہ لمحہ،

حسن شمع کے قریب جھکا تھا، اس کے کان کے پاس کچھ کہہ رہا تھا۔

شمع کے گالوں پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی تھی۔

یہی منظر بار بار، تیز، بے قابو سا۔

زین نے اسٹیئرنگ پر گرفت مضبوط کی۔

اور اگلے ہی لمحے بائیں جانب لگا درخت بہت قریب آ گیا۔

ٹائر چیخے۔

ایک جھٹکا۔

دھات کی آواز۔

اور پھر خاموشی۔

☆☆☆☆☆☆☆

زین کو یوں لگا جیسے اس کے سر کے اندر کوئی بھاری چیز رکھ دی گئی ہو۔

آنکھیں بے حد بوجھل تھیں۔

سر کے اندر درد دھڑکتا نہیں تھا، پھوڑے کی طرح پھیلا ہوا تھا—— مسلسل، بے رحم۔اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تو سفید سیلنگ آنکھوں میں چبھ گئی۔ تیز روشنی نے پلکیں دوبارہ گرادیں۔ کہیں دور، کہیں قریب، ملی جلی آوازیں تھیں—— کسی مرد کی بھاری گفتگو، عورت کی دبی ہوئی ہدایت، قدموں کی ہلکی سی چاپ۔اسے لگا جیسے وہ لوگوں میں گھرا ہوا ہے، مگر آنکھیں کھول کر دیکھنے کا خیال ہی اسے تھکا دیتا۔

سب کچھ دھند میں لپٹا ہوا تھا،اور وہ خود اس سب کے بیچ بہہ رہا تھا۔

یوں محسوس ہوا جیسے کئی بھاری لمحات خاموشی سے بے ہوشی میں گزر گئے ہوں۔جب اس نے دوبارہ آنکھیں نیم وا کیں تو سامنے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ایک ہیولا دکھائی دیا۔کچھ دیر بعد اس نے شکل اختیار کی، حماس۔وہ اس کے بالکل قریب بیٹھا تھا، کندھے جھکے ہوئے، نظریں زین کے چہرے پر جمی ہوئیں۔

"شمع کو نہ بتانا۔"

آواز زین کی تھی، مگر خود اسے اپنی آواز اجنبی سی لگی—— اٹکتی ہوئی، کمزور۔

حماس نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا،انگلیاں ہلکے سے دبادیں، جیسے یقین دلانا چاہتا ہو کہ وہ سن رہا ہے۔

"پلیز میری بات سمجھو۔"

زین نے ضدی سی کمزوری کے ساتھ کہا، جیسے یہ جملہ کہنا اس کی آخری طاقت ہو۔ پھر پلکیں خود بخود بند ہو گئیں۔

جب آنکھیں دوبارہ کھلیں تو منظر بدلا ہوا تھا۔ حماس کے اطراف میں دو سائے کھڑے تھے—مہوش اور مشعل۔ ان کے چہرے سنجیدہ تھے، آنکھوں میں فکر جمی ہوئی تھی۔ زین نے ایک لمحے کے لیے ان سب کو دیکھا، پھر ہمت مجتمع کر کے بولا۔

"بہت کچھ کھو چکا ہوں۔۔۔ایک عزتِ نفس بچی" لفظ گلے میں اٹکنے لگے۔ "اسے میرے پاس رہنے دو۔"

ہے۔

الفاظ مکمل ہوئے، اور آنکھیں پھر بند ہو گئیں—اس بار جیسے اس نے خود بند کی ہوں۔

کچھ دیر بعد تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

ہسپتال کی روشنی، جراثیم کش دوا کی بو، اور دور کہیں ایمبولینس کا سائرن—سب پیچھے رہ گیا۔ پارکنگ ایریا میں حماس کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ تینوں اندر آ کر بیٹھ گئے۔ دروازہ بند ہوتے ہی ایک بھاری خاموشی گاڑی میں پھیل گئی۔

مشعل نے سب سے پہلے اسے توڑا۔ "میں نے تو شمع کو بتانے کی غرض سے فون کیا تھا، لیکن اس نے کال اٹھاتے ہی بتانا شروع کر دیا کہ وہ شمالی علاقہ جات کی سیر کو نکلنے والے ہیں۔"

مہوش نے سامنے دیکھتے ہوئے آہستہ سے سانس لی، جیسے کوئی بات اندر ہی دبی رہ گئی ہو۔

حماس نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے، آواز سنبھال کر بولا۔ "زین کے پیرنٹس بھی یہی چاہتے ہیں کہ ابھی وہاں خبر نہ پہنچے۔"

"شکر ہے چوٹیں زیادہ سیریس نہیں ہیں۔" مہوش بولی۔

"ریاض انکل کہہ رہے تھے—— وارث انکل زین سے بہت اٹیچ ہیں۔ یہ خبر پہنچی تو وہ بیٹی کی خوشی بھول جائیں گے۔" وہ ذرا رکا، پھر دھیرے سے کہا۔ "ان کی خوشیاں کیوں خراب کریں؟"

☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے کمرے میں ادویات کی مخصوص بو اور مانیٹر کی دھیمی بیپ ایک عجیب سا سکون پیدا کر رہی تھی۔

زین بیڈ پر لیٹا تھا، مگر چوٹیں ایسی نہ تھیں کہ ہوش و حواس پر غالب آتیں۔ اس نے آنکھیں موند رکھی تھیں جیسے وہ ان بند آنکھوں سے اپنے اندر کے انتشار کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا ہو۔

دروازہ کھلنے کی آہٹ ہوئی اور ریاض صاحب قدم بڑھاتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے سامنے پڑی کرسی کھینچی اور زین کے سرہانے بیٹھ گئے۔

زین نے آہٹ محسوس کرتے ہی بوجھل پلکیں اٹھائیں اور باپ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات ہمیشہ کی طرح سنجیدہ تھے مگر آنکھوں میں اجنبی سی نمی تھی۔

"آج رات میں تمہارے پاس رکوں گا زین، تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔"

ریاض صاحب کا لہجہ دھیما مگر حتمی تھا۔

زین نے انہیں غور سے دیکھا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ محض تیمار داری کے لیے نہیں بیٹھے، بلکہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

"یاد ہے زین؟ تم نے ایک بار مجھ سے پوچھا تھا کہ میں نے حسین چہرے پینٹ کرنا کیوں چھوڑ دیے؟"

ریاض صاحب نے خلا میں دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"آج تمہیں اس کی وجہ بتاتا ہوں۔"

وہ ماضی کے دریچے میں جھانکنے لگے۔

"برسوں پہلے کام کے سلسلے میں میرا تھائی لینڈ جانا ہوا۔ جس ہوٹل میں میرا قیام تھا، وہیں ساتھ والے کمرے میں ایک پاکستانی لڑکی ٹھہری ہوئی تھی۔ اس کی ماں تھائی تھی اور باپ پاکستانی۔ اس کے باپ سے علیحدگی ہونے کے بعد ماں واپس اپنے ملک لوٹ آئی تھی۔ وہ لڑکی اپنی ماں کی فوتگی پر وہاں آئی ہوئی تھی۔ راہداری میں آتے جاتے ایک دو بار سامنا ہوا، سرسری سی سلام دعا ہوئی مگر میں نے کبھی خاص دھیان نہیں دیا، حالانکہ وہ بے حد پرکشش تھی اور عمر میں مجھ سے کافی چھوٹی تھی۔"

ریاض صاحب تھوڑی دیر کے لیے رکے، جیسے اس منظر کو دوبارہ دیکھ رہے ہوں۔

"ایک رات میں ڈنر کے لیے نکل رہا تھا کہ وہ بھی اپنے کمرے سے باہر آئی۔ اس نے پوچھا، کیا میں بھی ڈنر کے لیے جا رہا ہوں؟ میرے مثبت جواب پر بولی، کیوں نا ساتھ چلیں۔ اس وقت ساتھ ڈنر کرنے کا فیصلہ مجھے بھی فطری سا لگا۔ بے ضرر، پرخلوص۔ دورانِ گفتگو میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اپنی ماں کے رشتہ داروں کے ہاں کیوں نہیں ٹھہری؟" ریاض صاحب کے لہجے میں اب وہ لڑکی بول رہی تھی۔ "وہ اتلخ سا ہنس دی اور بولی کہ وہ

اسے پرایا سمجھتے ہیں کیونکہ اس کا باپ پاکستانی ہے، جبکہ باپ کے رشتہ دار اسے 'فارنر' سمجھتے ہیں کیونکہ اس کی شکل ماں سے ملتی ہے۔اس نے بڑے دکھ سے کہا کہ 'میں دونوں خاندانوں میں مس فٹ ہوں'۔وہ بیوہ تھی اور اپنے بیٹے کو باپ اور سوتیلی ماں کے پاس چھوڑ کر آئی تھی۔اس کی اداسی اور تنہائی اسے مزید دلکش بنا رہی تھی۔"

کمرے میں سناٹا گہرا ہو گیا۔زین سانس روکے سن رہا تھا۔

"ہم ہر دوسرے دن ساتھ کھانا کھانے لگے، قربت بڑھنے لگی۔ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ چلیں میرے کمرے میں چل کر کوئی فلم دیکھتے ہیں۔میں بھی چل دیا۔وہ مجھے اچھی لگنے لگی تھی، زین۔فلم دیکھتے ہوئے جیسے شیطان کسی کونے کھدرے سے نکل آیا اور ہم پر غلبہ پا گیا۔شاید ہم سبھی حدود پار کر جاتے، کہ اچانک میز پر رکھے موبائل سے اذان کی آواز گونجنے لگی۔"

ریاض صاحب کی آواز میں تھرتھراہٹ آئی۔

"میں ٹھٹک کر پیچھے ہٹ گیا۔پورے جسم پر ایک کپکپی طاری ہو گئی۔اس اذان نے جیسے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔"

انہوں نے اپنی نظریں جھکا کر زین کی آنکھوں میں دیکھا۔"پرانی عادت ہے، ایسے ممالک میں جہاں اذان نہیں گونجتی، میں نماز کے اوقات پر اذان کا الارم لگا دیا کرتا ہوں۔مجھے بروقت گناہ سے بچا لیا گیا، زین۔ورنہ جانے میں کس راستے پر نکل پڑتا اور اس کے بعد کیا کچھ کرتا پھرتا۔اس دن کے بعد سے میں نے حسین چہروں کو کینوس پر اتارنا چھوڑ دیا۔"

زین نے اپنے باپ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔اس کے لہجے میں عقیدت جھلک رہی تھی۔

"مطلب ڈیڈ۔۔۔آپ کی ایک اچھی عادت نے آپ کو ایک بڑے گناہ سے بچا لیا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

شام مری کے مال روڈ پر اتر رہی تھی۔پہاڑوں کے گرد لپٹی ہلکی دھند، دکانوں کی روشنیاں، بھنے ہوئے مکئی کے دانوں اور کافی کی ملی جلی خوشبو، سیاحوں کی مدھم چہل پہل——سب کچھ ایک خوشگوار شور میں ڈھلا ہوا تھا۔ شمع اور حسن آہستہ آہستہ ساتھ چل رہے تھے۔ شمع نے ہلکی سی شال اوڑھ رکھی تھی اور اس کے چہرے پر وہ اطمینان تھا جو نئی شروعات کے ساتھ آتا ہے۔ حسن کے قدموں میں بھی بے فکری تھی، جیسے وہ واقعی پوری طرح اس لمحے میں موجود ہو۔

چلتے ہوئے شمع ایک دکان کے سامنے رکی، جہاں لکڑی کے فریم، ہاتھ سے بنے اسکارف، اور چھوٹے موٹے تحائف سجے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ کافی مطمئن دکھائی دی۔

"مشعل کے لیے شال، مہوش کے لیے چھوٹا سا وال ہینگنگ اور حماس کے لیے کافی مگ، سب کے گفٹس ہو گئے۔"

حسن نے ہنستے ہوئے بیگ سنبھالا۔"تم نے واقعی سب کے بارے میں سوچ رکھا ہے۔"

وہ چند قدم آگے بڑھے تو حسن نے یونہی پوچھ لیا۔"اور زین کا کیا؟اس کے لیے گفٹ نہیں لینا؟"

شمع کے قدم ایک لمحے کو سست پڑ گئے۔

"زین کا۔۔۔رہتا ہے۔"

حسن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔"ایسا کیوں؟"

شمع نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔"تمہارے سامنے سب کے لیے گفٹس لے لیے نا۔تم نے دیکھا کتنی آسانی سے لیے؟ان سب کے لیے لینا آسان ہے،زین کے لیے نہیں۔"

حسن نے بھنویں سکیڑیں۔"وہ کیوں بھلا؟"

وہ جواب دینے کے بجائے سامنے والی دکان میں داخل ہو گئی۔اندر چمڑے کے بٹوے،بیلٹس،اور سادہ سا ویسٹرز سجے تھے۔شمع نے ایک بٹوہ اٹھایا،الٹ پلٹ کر دیکھا،پھر واپس رکھ دیا۔ایک کلیدی چین دیکھی،ہلکی سی مسکراہٹ آئی،پھر وہ بھی رکھ دی۔

حسن خاموشی سے دیکھتا رہا۔

وہ اگلی دکان میں گئے۔وہاں لکڑی کے قلم،چھوٹے فریم،اور ہاتھ سے بنی ڈائریاں تھیں۔شمع نے ایک قلم اٹھایا،روشنی میں گھمایا،چند لمحے سوچا،پھر آہستہ سے رکھ دیا۔

تیسری دکان کے باہر حسن رک گیا۔"بھئی،کیا ہے زین؟اب لے بھی لو کوئی گفٹ۔"

شمع نے اس کی طرف دیکھا،اس بار اس کی آواز نرم تھی مگر وزن رکھتی تھی۔"تم نے وہ گفٹس نہیں دیکھے جو وہ مجھے دیتا رہا ہے،اسی لیے اتنی آسانی سے کہہ رہے ہو،لے لو۔"

حسن نے سنجیدگی سے پوچھا۔"کیوں؟اس کے گفٹس میں کیا خاص ہوتا ہے؟"

شمع نے لمحہ بھر سوچا، پھر بولی۔ "وہ منفرد ہوتے ہیں۔ایسی چیزیں، جو مجھے لگتا ہے میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہوں گی۔"

یہ کہتے ہوئے اس کی نگاہ کسی دکان پر نہیں ٹکی تھی، وہ بس چلتی رہی۔

مال روڈ کی روشنیاں مزید تیز ہو گئی تھیں۔لوگ ہنس رہے تھے، تصویریں بنا رہے تھے۔ شمع نے شال درست کی، حسن اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

یہ خوشی تھی——سادہ، موجود، سچی۔

بس کہیں، بہت اندر،

ایک تحفہ تھا جو ابھی منتخب نہیں ہو سکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

زین ہاسپٹل سے گھر آ چکا تھا اور اس کی ہدایت کے عین مطابق گھر والوں نے وارث فرحان اور دیگر جاننے والوں کو اس حادثے سے لاعلم رکھا۔ شہر میں مقیم دو تین قریبی رشتہ دار آئے اور دیکھ کر چلے گئے۔ شمع اور حسن چند دن میں لاہور لوٹ کر آنے والے تھے۔رات وہ لنگڑاتا ہوا ریاض کے سٹوڈیو چلا جاتا، کبھی چائے یا کافی بنا کر لے جاتا۔

آج رات وہ کچھ کٹا ہوا فروٹ لایا تھا۔

"اتنی پرسنل باتیں تمہیں بتا چکا ہوں جو میں نے اور کسی سے شیئر نہیں کیں، کچھ تم سے بھی پوچھ لوں؟" ریاض مرکزی کرسی پر براجمان تھے جبکہ وہ نیچے کارپٹ پر رکھے آدھ درجن کشنز سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

زین نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تمہیں کیا چیز زیادہ تنگ کر رہی ہے؟" یہ سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ زین انہیں ٹکر ٹکر دیکھنے لگا۔ "دیکھو، حقیقت سے انکار کرنا فضول ہے۔ باپ ہوں تمہارا۔ تم یہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرنا کہ اس لڑکی کی شادی سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑا۔"

زین نے فروٹ کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھا۔ اسے مہلت درکار تھی۔

"میں جو محسوس کر رہا ہوں اسے لفظوں میں ڈھالنا ناممکن ہے۔" اس نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کوشش کرو۔" ان کے لہجے سے ایسی شفقت ٹپک رہی تھی کہ زین یک لخت اٹھا اور ان کی کرسی کے ساتھ لگ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ سر ان کے گھٹنے پر رکھ دیا۔ ریاض نے نرمی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تو زین کی آنکھیں بھر آئیں۔

اس نے ان آنسوؤں کو روکا نہیں۔ بہنے دیا۔

وہ اس وقت اس کا چہرہ دیکھنے سے قاصر تھے، لیکن جانتے تھے وہ کس کرب سے گزر رہا ہے۔

"اس نے میری قدر نہیں کی۔" اس نے بمشکل الفاظ ادا کیے۔

ریاض لمحہ بھر کو ساکت ہوئے۔

"میری محبت کی۔" آنسو اب اس کی آواز میں گھلنے لگے تھے۔ "میری موجودگی کی، خلوص کی۔"

ریاض خاموش رہے۔

اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ زین کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ دیکھ کر انہیں حیرت نہیں ہوئی۔

"ایسا کیونکر ممکن ہے ڈیڈ؟ آپ کسی سے اتنی محبت کریں اور وہ قدر ہی نہ کرے۔"

"مخلوق ہے نا، ایسی کوتاہیاں مخلوق سے ہی ہوتی ہیں۔"

زین کچھ نہیں بولا۔

"تم نے کبھی کہا بھی تو نہیں۔"

اہمیت کہنے سننے کی نہیں، اسے میری محبت اپنے ہونے کا احساس دلانے سے قاصر رہی۔ یہی اصل ناکامی"

"ہے۔

ریاض کے چہرے پر سوچ کی لکیریں تن گئیں۔

زین اس کے ارد گرد ہو یا نہ ہو، اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ زندگی کسی اور کے ساتھ گزارے گی، یہ فیصلہ اس

"نے اتنی آسانی سے کیسے کر لیا، ڈیڈ؟

ریاض اسے نرمی سے پیچھے ہٹاتے ہوئے اٹھے اور میز کی سطح پر، درازوں میں، سب جگہ ہاتھ مارتے، کچھ ڈھونڈنے لگے۔ پھر جیسے واقعی کچھ مل گیا ہو، ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ کھڑے کھڑے اپنے جرنل میں

سے کوئی مخصوص صفحہ ڈھونڈنے لگے اور چند سیکنڈ کی تلاش کے بعد وہاں ایک بُک مارک رکھ کر جرنل بند کر دیا۔

"یہ لو۔ جہاں میں نے نشان لگایا وہ پڑھ لینا۔" انہوں نے جرنل اسے تھمایا تو وہ حیرت بھری نگاہوں سے کبھی اپنے باپ کو اور کبھی جرنل کو دیکھنے لگا۔ "اب جاؤ، سونے سے پہلے یہ پڑھ لینا۔ مجھے ابھی عشاء پڑھنی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کمرے میں رات کی خاموشی اتری ہوئی تھی۔ کھڑکی کے شیشے پر سرد ہوا کی ہلکی سی سرسراہٹ کبھی سانس کی طرح آتی، پھر تھم جاتی۔ بستر کے کنارے بیٹھ کر زین نے جرنل کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ سرخی مائل چمڑا، صفحوں کے کناروں پر ہلکی سی پرانی سیاہی، اور کاغذ کی وہ خوشبو جو انسان کو اپنے اندر کی طرف لوٹا دیتی ہے۔

وہ لمحہ بھر کو ٹھٹکا۔ اسے یاد آیا کہ ریاض نے جرنل دیتے ہوئے کیسے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ "سونے سے پہلے یہ پڑھ لینا۔" جیسے یہ کوئی نصیحت نہیں، امانت ہو۔

زین نے بُک مارک والی جگہ سے جرنل کھولا۔

پہلے صفحے کے اوپر صاف خط میں لکھا تھا۔

"اللہ-الشّکور"

اور نیچے، مختصر۔۔

"قدر دان۔"

زین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ نام اس کے دل کے عین بیچ میں لگنے والی سوئی کی طرح تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل وہ اپنے محبوب کی ناقدری کا گلہ کر رہا تھا۔ اور اب، اسی شکوے کے مقابل، ایک نام تھا جو اعلان کر رہا تھا کہ اللہ قدر کرنے والا ہے، بلکہ وہی حقیقی قدر دان ہے۔

اس نے انگلی سے لفظ "الشکور" کو چھوا، جیسے یقین کرنا چاہتا ہو کہ یہ الفاظ واقعی یہاں ہیں۔

پھر اس نے پڑھنا شروع کیا۔

ریاض نے لکھا تھا۔

"کبھی انسان کسی کے سامنے اپنا سب کچھ رکھ دیتا ہے، پھر بھی اسے یہ طعنہ ملتا ہے کہ کم ہے۔ کبھی انسان پوری وفاداری سے ساتھ نبھاتا ہے، پھر بھی اس کی موجودگی کو معمول سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ انسانوں کی فطرت ہے۔ ان کے دل بدلتے ہیں، مزاج بدلتے ہیں، اور یادداشت بھی۔ مگر اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ بندے کی چھوٹی سی کوشش کو بھی بڑا کر دیتا ہے۔ بندے کے اچھے ارادے کو بھی ضائع نہیں کرتا، ایک نیکی کو بھی نہیں۔"

زین نے سانس روک کر پڑھا۔

اگلی سطر میں سورہ فطر کی آیت نمبر 30 کا ترجمہ درج تھا۔

"یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بہت قدر دان ہے۔"

زین کی پلکیں بھیگ گئیں۔ غفور بھی، شکور بھی۔ یعنی وہ صرف خطا معاف نہیں کرتا، وہ کوشش کی قدر بھی کرتا ہے۔ انسان تو اکثر غلطی دیکھتا ہے اور نیکی بھول جاتا ہے، مگر یہاں ترتیب الٹی تھی: اللہ پہلے بخشش دے کر بندے کو سنبھالتا ہے، پھر اس کے قدموں کی قدر کر کے اسے اوپر اٹھاتا ہے۔

اس کے ہاتھ لرزے، اس نے اپنے اندر جھانکا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے شکوے کا ترازو، جس میں وہ اپنی محبت کی ناقدری تول رہا تھا، یکایک ایک بڑے ترازو کے سامنے آ گیا ہو، جس میں اللہ کے ہاں نیتوں کا وزن تھا۔

ریاض کے جرنل میں نیچے لکھا تھا۔

"الشکور، وہ ہے جو بندے کے تھوڑے عمل کو قبول کر کے بڑا کر دے۔ بندے کی نیت کو دیکھے اور اس پر اجر لکھ دے، چاہے بندہ کمزور ہو، چاہے اس کے ہاتھ خالی ہوں۔ انسان ہماری قربانی کی قیمت لگائے گا تو اپنی ضرورت کے حساب سے، مگر اللہ ہماری قربانی کی قدر کرے گا ہماری نیت کے حساب سے۔"

زین کی نگاہیں دھندلا گئیں۔ اسے یاد آیا وہ کتنی بار کسی ایک انسان کی آنکھوں میں اپنی قدر تلاش کرتا رہا، اور جب وہاں نہ ملی تو خود کو ہی بے قیمت سمجھ لیا۔

اور آج۔۔۔ آج اس کے سامنے یہ حقیقت کھڑی تھی کہ قدر کا سب سے بڑا دروازہ کسی انسان کے دل میں نہیں، اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے شفقت کا در وا کر رکھا ہے، بس انسان وہاں کا رخ نہیں کرتا۔

ریاض نے اسی بات کو حدیث کے حوالے سے یوں سمیٹا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مال کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم)

زین کا حلق خشک ہو گیا۔

"خالق اپنے بندے کی ہر نیکی ریکارڈ کرواتا ہے اور پھر دس گنا سے لے کر سات سو گناہ تک اجر بھی دیتا ہے۔ گناہ صرف ایک گناہ کے طور پر ریکارڈ ہوتا ہے جبکہ نیکی کا اجر نیت پر منحصر ہے جتنی نیت خالص ہو گی اجر بھی اتنا ہی زیادہ ملے گا۔ اب یہ بندے کی نیت پر ہے کہ اس کی نیکی کو دس گنا سے سات سو کے بیچ کون سا درجہ ملتا ہے۔ وہ کسی بھی عمل کو ضائع نہیں جانے دیتا۔ وہی تو ہے جو بندے سے سچی اور کھری محبت کرتا ہے۔ صراطِ مستقیم پر چلنا بھی بندے کو ہی فائدہ دیتا ہے، اس دنیا میں بھی اور اگلی میں بھی۔ وہ بندے سے یہی تو چاہتا ہے کہ وہ اپنے بھلے کی سوچے۔

یہی تو ہے اس کی محبت!

اور اس کی محبت سے بڑھ کر کس کی محبت؟

پھر بندہ کن چیزوں کے پیچھے بھاگتا ہے؟

کن لوگوں سے توقعات باندھتا ہے؟

وہ جو اسے کبھی مکمل طور پر جان ہی نہ پائیں گے!

انسان کیسا بھی اپنا دل، ماضی، خواہشات اور جستجو کی داستانیں کسی کے سامنے کھول کر رکھ دے۔۔۔ کوئی اسے جان نہیں پائے گا۔

اور اس کی طرف وہ جاتا نہیں، جو اسے اندر سے جانتا ہے۔

جو کہتا ہے میں نے بندے میں روح پھونکی۔"

ریاض سلمان کے الفاظ سیدھا دل میں اترتے تھے۔۔۔ کیونکہ دل سے لکھے گئے تھے۔

کسی کی محبت میں لکھے گئے تھے۔

زین نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کے دل میں ایک عجیب سی لرزش اتری۔

یہ سب اسے پہلے بھی معلوم تھا، مگر آج پہلی بار اس نے اپنے اندر محسوس کیا۔

زین نے جرنل کے آخری جملے پر پہنچ کر جیسے رک کر سانس لی۔

"لوگ تمہیں بھلا دیں تو غم نہ کرنا۔ جو تم نے اللہ کے لیے سہا، اللہ اسے نہیں بھولتا۔ جو تم نے اللہ کی خاطر روکا، اللہ اسے ضائع نہیں کرتا۔ اور جو تم نے کسی انسان کے لیے کیا اور بدلے میں دکھ پایا تو اسے اللہ کے سامنے رکھ دو؛ وہ تمہیں دکھ کے بعد خوشی دے گا۔ سکون دے گا۔ نیا راستہ بنائے گا۔ صرف تمہارے لیے۔ بس تم اس کی جانب لوٹ جاؤ کیونکہ وہ کہتا ہے، مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اس کی نظروں میں رہنا ہے، تو اس کی ماننا شروع کر دو۔"

وہ پہلی بار اپنے آنسوؤں سے شرمندہ نہیں تھا۔

وہ بستر سے اٹھا، وضو کرنے کے لیے چل پڑا۔ لنگڑاہٹ اپنی جگہ تھی، مگر دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو چکا تھا۔

اور جاتے ہوئے، اس نے دل ہی دل میں بس اتنا کہا۔

"یااللہ، اگر مخلوق قدر دان نہیں تو کیا ہوا، تو الشکور ہے۔ تجھ سا قدر دان کوئی نہیں!"

☆☆☆☆☆☆☆

ڈائننگ روم کی لمبی میز آج غیر معمولی طور پر روشن تھی۔ فانوس کی روشنی شیشے کے گلاسوں پر پڑ کر چھوٹے چھوٹے دائرے بنا رہی تھی، جیسے ہر پلیٹ کے ساتھ ایک الگ کہانی رکھی ہو۔ سفید میز پوش، تازہ پھولوں کے گلدستے، اور کھانے کی ہلکی سی خوشبو—سب کچھ ترتیب میں تھا، جیسے گھر خود چاہتا ہو کہ آج کوئی چیز بے ترتیب نہ رہے۔

ریاض نے ایک نظر میز پر ڈالی، پھر مسکراتے ہوئے اپنی بیگم کی طرف دیکھا۔

"دیکھا، میں نے بروقت کتنا اچھا فیصلہ کیا۔" ایک نظر چاروں طرف ڈالی۔ "حماس کی کال آئی کہ شمع سب دوستوں سے ملنا چاہتی ہے، تو میں نے سوچا—ہم نے تو ویسے بھی شمع اور حسن کو دعوت پر بلانا ہی تھا۔ اس سے اچھا کیا ہو سکتا تھا کہ سب ایک چھت تلے اکٹھے ہو جائیں۔"

ان کی بیگم نے اثبات میں سر ہلایا، نگاہوں میں وہ اطمینان تھا جو صرف ماں باپ کے دل میں آتا ہے، جب گھر بھرا ہوا ہو۔

آج خاور اور زین دونوں غیر حاضر تھے۔ خاور کسی آفس ٹرِپ پر گیا ہوا تھا، اور زین—آج پہلی بار صبح دفتر گیا تھا۔

وجہ اتنی مناسب تھی کہ کسی نے سوال نہیں کیا۔

میز کے ایک طرف حسن اور شمع ساتھ بیٹھے تھے۔ شمع گہرے جامنی سوٹ میں تھی—— بال آدھے کھلے باقی کیچر میں مقید، چہرے پر وہی مانوس سی شفاف مسکراہٹ۔ حسن حسبِ معمول پُراعتماد، باتوں میں رواں، سب سے ہنس کر ملتا ہوا۔

باتوں کے بیچ، ہنسی کے وقفوں میں، شمع ہر تھوڑی دیر بعد کلائی پر بندھی گھڑی پر ایک نگاہ ڈال لیتی۔

مہوش اور مشعل آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ دونوں نے یہ بے چینی محسوس کر لی تھی۔ ایک لمحے کو ان کی نظریں ملیں—— سوال و جواب کا تبادلہ ہوا۔

شمع نے آہستہ سے مہوش کی طرف جھک کر پوچھا۔ "زین کو میسج کیا تھا؟"

مہوش نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "کیا تھا، اس نے کہا آفس میں مصروف ہے۔ نکلنا ذرا مشکل ہے۔"

شمع نے لب بھینچ لیے۔ کچھ نہیں بولی، مگر نگاہ پھر گھڑی پر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد ریاض اٹھے، موبائل ہاتھ میں لیے باہر نکل گئے۔

واپس آئے تو بولے۔ "آپ لوگ آرام سے کھانا کھائیں۔ زین ابھی کاموں میں پھنسا ہوا ہے۔ آنا ذرا مشکل لگ رہا ہے، مگر دیر سے سہی، پہنچ جائے گا۔"

حسن نے سر ہلایا۔

شمع نے کچھ نہیں کہا۔

کھانا ختم ہو چکا تھا۔ وہ سب اب لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چائے بھی آ چکی تھی۔

اسی لمحے دروازے پر آہٹ ہوئی۔

زین اندر آیا۔

تھکا ہوا۔

چہرہ زرد۔

آنکھوں کے نیچے ہلکے سے سائے۔

اندر قدم رکھتے ہی اس کی نظر سامنے صوفے پر بیٹھی شمع پر پڑی۔

وہ ٹھٹک گیا۔

ایک لمحے کو، جیسے کمرہ پیچھے ہٹ گیا ہو۔ پھر اس نے قدم آگے بڑھایا—ٹانگ میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ آئی۔

شمع فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تمہیں کیا ہوا؟"

زین نے خود کو سنبھالتے ہوئے زبردستی ایک مسکراہٹ چہرے پر لائی۔ "اب تو ٹھیک ہونے لگا ہوں۔"

شمع چونکی۔ اس نے نظریں سب پر ڈالیں—حماس، مہوش، مشعل۔۔۔ اور پھر ریاض پر۔

"اسے ہوا کیا ہے؟"

ریاض نے بات سنبھالی۔ "ہلکا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

شمع کے چہرے پر پھیلی حیرت پل بھر میں غصے میں بدل گئی۔ "اور تم سب نے یہ مجھ سے چھپایا؟"

حماس نے نرمی سے کہا۔ "تم سیر پر نکلنے والی تھی شمع۔۔۔اس وقت بتانا مناسب نہیں لگا۔"

شمع کی آواز بلند نہیں ہوئی، مگر اس میں چبھن ضرور تھی۔ "سیر۔۔۔زین کی تندرستی سے زیادہ اہم تھی؟"

کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔

حسن نے پہلی بار شمع کو یوں دیکھا تھا—یہ شدت، بے ساختگی۔ پھر اس کی نظریں زین پر جا ٹھہریں۔

مہوش نے نظریں جھکا لیں۔

ریاض نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

☆☆☆☆☆☆☆

گلبرگ کے اس پلازے کی چوتھی منزل عام دفتروں جیسی نہیں تھی۔ لفٹ سے نکلتے ہی پہلا دروازہ شوروم کا تھا—خاموش، شفاف شیشوں کے پیچھے سجے ہوئے چند منتخب پیس، جیسے ہر چیز کہہ رہی ہو۔ "یہاں مقدار نہیں، انتخاب بولتا ہے۔"

مگر اصل دنیا اس کے پیچھے تھی۔

ریاض سلمان نے کارڈ ٹچ کیا تو اندر والا دروازہ کھلا۔ ہلکی سی ٹھنڈک، اور ایک مختلف سی مہک—پالش، دھات اور کسی ہلکے سے پرفیوم کی ملی جلی خوشبو۔ یہ وہ حصہ تھا جہاں عام گاہک نہیں آتے تھے۔ یہاں صرف وہ لوگ داخل ہوتے تھے جو آرڈر نہیں، "خیال" لے کر آتے تھے۔

زین نے گردن موڑ کر چاروں طرف دیکھا۔

"میں ہمیشہ یہاں ایک وزٹر کی حیثیت سے آتا رہا، آج میں سمجھنے آیا ہوں۔ مجھے اپنی نظر سے وہ حصہ دکھائیں—— جہاں ڈیزائن جنم لیتے ہیں۔"

ریاض کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ویسے اس دن کیا کر رہے تھے جب ڈنر پر بھی لیٹ آئے اور فون پر بھی کہا کہ کام میں مصروف ہوں۔"

"میں نے ہر ڈپارٹمنٹ کو تفصیل سے جانچنے کی کوشش کی تھی۔ خاور بھائی شہر سے باہر جاتے ہوئے بھی ایک بندہ میرے ساتھ لگا گئے تھے جسے میرے حوالے سے انہیں رپورٹ بیک کرنا تھا۔" پھر اس نے گویا اعتراف کیا۔ "میں خود بھی ٹھہرا رہا، مجھے لگا گھر لیٹ واپسی میرے حق میں بہتر رہے گی۔"

"اچھا ہوا، آج تمہیں یہ حصہ سمجھنے میں دقت پیش نہیں آئے گی۔"

وہ اسے شیشے کے ایک بڑے پارٹیشن کے پار لے گئے۔ اندر کا حصہ کسی تخلیقی اسٹوڈیو جیسا تھا—— ایک طرف لمبی میزیں جہاں اسکیچ بکھرے پڑے تھے، دوسری طرف کمپیوٹر اسکرینوں پر گھومتے تھری ڈی ماڈل، دیوار کے ساتھ شیشے کی الماریاں جن میں ڈھیروں چھوٹے ڈبے، وائٹ گولڈ کی شیٹس، پلاٹینم وائر، مختلف کٹ کے ہیرے، زمرد، نیلم، روبی—— ہر پتھر کے نیچے اس کی کہانی لکھی ہوئی تھی۔

ایک کونے میں دو ڈیزائنرز دھیمے لہجے میں بات کر رہے تھے۔

"کلائنٹ چاہتی ہیں کہ پیس ہیوی نہ لگے مگر امپیکٹ بڑا ہو۔"

"تو نیگیٹو اسپیس بڑھا دو، ڈائمنڈ کو سانس لینے دو۔"

زین بے اختیار رُک گیا۔

ریاض نے اس کی طرف دیکھا۔ "یہ ہمارا ڈیزائن ایٹیلیے ہے۔ یہاں زیور نہیں بنتا—— خیال ترجمہ ہوتے ہیں۔"

انہوں نے ایک میز پر رکھا اسکیچ اٹھایا۔ "یہ دیکھو، ایک برائیڈل سیٹ ہے۔ کلائنٹ لندن میں ہے، اس کی دادی کا پرانا زمرد ہے۔ شرط یہ ہے کہ پتھر وہی رہے، مگر ڈیزائن ایسا ہو کہ آج کی لڑکی پہن سکے۔"

زین نے کاغذ ہاتھ میں لیا، چند لمحے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ فریم بہت وفادار ہے، مگر بہت محفوظ بھی۔"

ریاض چونکے۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ڈیزائن پتھر کے گرد گھوم رہا ہے، پتھر ڈیزائن کے گرد نہیں۔" وہ اسکیچ پر انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔ "زمرد کا کٹ عمودی ہے، اس کی شخصیت سیدھی اور تھوڑی مغرور سی ہوتی ہے۔ آپ نے اسے گول ڈائمنڈز کے ہجوم میں بٹھا دیا۔ یوں لگ رہا ہے جیسے کسی بہت مضبوط عورت کو بہت بولنے والی سہیلیوں میں بٹھا دیا گیا ہو۔"

کمرے میں بیٹھے ڈیزائنرز نے چونک کر زین کی طرف دیکھا۔

ریاض خاموش رہے۔

"تو تم کیا کرتے؟"

زین نے پین اٹھایا، ہلکی سی لکیر کھینچی۔

"میں اسے تنہا رکھتا۔ ارد گرد خاموشی دیتا۔ دو باریک لائنیں، بس۔ باقی روشنی خود بولے گی۔"

اسے ان سب کی گہری نگاہیں اپنے چہرے پر محسوس ہوئیں۔

ریاض نے اسکیچ کو دوبارہ دیکھا۔

پھر بیٹے کو۔

یہ لہجہ انہوں نے پہلے کہیں سنا تھا—آئینے کے اُس طرف، برسوں پہلے۔۔۔اپنے اندر۔

وہ بولے تو آواز سرگوشی کی صورت نکلی۔ "تم نے پتھر نہیں، مزاج دیکھا ہے۔"

زین نے کندھے اچکائے۔

"میں بس انسان پڑھتا ہوں، ڈیڈ۔ شاید پتھروں کو بھی انسانوں کی فطرت کی طرح سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

ریاض اسے ساتھ والے کمرے میں لے گئے، جہاں کاریگر بیٹھے تھے۔ باریک اوزار، لیزر مشین، موم کے ماڈل، کاسٹنگ کے سانچے—یہاں خاموشی زیادہ اور ارتکاز گہرا تھا۔

"یہ اصل میدان ہے۔" انہوں نے کہا۔ "یہاں ڈیزائن خواب سے حقیقت میں آتا ہے۔"

ایک کاریگر نے سلام کیا۔ "سر، کلائنٹ فاروق صاحب والے پیس کی سیٹنگ تیار ہے۔"

ریاض نے سر ہلایا، پھر زین کی طرف مڑے۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم ایک چھوٹا سا تجربہ کرو۔ بڑا آرڈر نہیں، بس ایک پیس۔"

زین نے چونک کر دیکھا۔ "میں؟"

"ہاں تم۔" ریاض کی آواز میں فیصلے کی گونج تھی۔

"ایک سنگل پینڈنٹ۔ وائٹ گولڈ، ایک نیلم، چند ڈائمنڈز۔ کوئی بریف نہیں دوں گا۔ بس یہ یاد رکھنا—یہ کسی ایسے انسان کے لیے ہوگا جو زیور نہیں، معنی خریدتا ہے۔"

وہ رُکے، پھر بولے تو لہجے میں کھلا چیلنج تھا۔ "دیکھتے ہیں تم واقعی ڈیزائن کرتے ہو، یا صرف باتیں اچھی بنا لیتے ہو۔"

زین نے سامنے پڑے پتھروں پر نظر ڈالی۔

نیلم کی گہری نیلاہٹ میں اسے پہلی بار کوئی رستہ سا دکھائی دیا—ایسا رستہ جو شاید اس کے اپنے اندر تک جاتا تھا۔

"ٹھیک ہے، ڈیڈ۔" وہ پُریقین لہجے میں بولا۔ "میں کوشش کروں گا کہ یہ پیس بولے نہیں، سانس لے۔"

ریاض سلمان نے بیٹے کو دیکھا—اور عرصے بعد دل میں ایک عجیب سا اطمینان اترا۔

شاید گھر کا ایک اور چراغ وہیں سے روشنی لینا شروع کر چکا تھا، جہاں سے باپ نے لی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وارث فرحان کے لاؤنج میں عصر کے بعد کی روشنی چھن کر آ رہی تھی۔ شمع نے چائے کی ٹرے رکھی تو وارث نے کپ تھاما، سامنے بیٹھے حسن کو دیکھ کر بس اتنا کہا۔

"امریکہ کی سردی چھوڑ کے لاہور کی گرد میں آنا۔۔۔عادت ہو جائے گی؟"

حسن مسکرا دیا۔ "گرد اپنی ہو تو آدمی کو چبھتی نہیں، انکل۔ ویسے بھی، لاہور کی ٹریفک میں ہی گاڑیوں کی اصل آزمائش ہوتی ہے۔"

وارث نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ "اچھا، تو بتاؤ—وہاں کس قسم کی گاڑیاں ہاتھ میں رہتی تھیں؟ صرف سیڈان، یا ایس یو ویز بھی؟"

حسن نے کپ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔ "جو آتی تھیں، زیادہ تر جاپان کی امپورٹڈ—آکشن گریڈ والی، کچھ جرمن بھی۔ لیکن میں وہاں ایک چیز پر پکا ہو گیا تھا: گاڑی کے بارے میں فیصلہ شوروم کی لائٹ میں نہیں، ورکشاپ کی لائٹ میں کرنا چاہیے۔"

وارث نے سر ہلایا، جیسے یہ جملہ انہیں پسند آیا ہو۔ "یہ بات مجھے بھی سمجھ آئی ہے۔ یہاں لوگ چمک دیکھتے ہیں۔" پھر ذرا سا توقف کر کے کہا۔ "کل دفتر آؤ۔ ایک دو گاڑیاں ہیں، دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری آنکھ کتنی چلتی ہے۔"

شمع نے حسن کی طرف دیکھا، حسن نے بس اتنا کہا۔ "ضرور۔"

"تم نے ڈیڈ سے ابھی تک بات نہیں کی؟" شمع کے استفسار پر حسن نے کچھ کہنے کو منہ کھولا، پھر بند کر لیا۔

وارث بھی اس کی ہچکچاہٹ بھانپ گئے۔

"کوئی خاص بات ہے؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اپنی بیٹی اور داماد دونوں کو دیکھا۔

"حسن آپ کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے۔"

اگلی صبح شوروم کا دفتر ویسا ہی تھا، سادہ مگر اثر دار۔ کھڑکی سے نیچے فرش پر کھڑی گاڑیاں زاویے بدل بدل کر چمک رہی تھیں۔ وارث فرحان کی میز پر دو فائلیں کھلی تھیں، ایک طرف لیپ ٹاپ، دوسری طرف آکشن شیٹ کے پرنٹس۔

اسلم برابر میں کھڑا تھا، ہاتھ میں ایک فولڈر لیے۔

حسن اندر آیا تو وارث نے رسمی گرمجوشی پر وقت ضائع نہ کیا۔ "آ گئے؟ اچھا۔ بیٹھو نہیں، پہلے یہ دیکھو۔"

وہ اٹھے اور حسن کو دفتر کے ساتھ والے ایک چھوٹے گلاس پارٹیشن والے ایریا میں لے گئے جہاں ایک تازہ امپورٹڈ گاڑی کھڑی تھی — گہرے رنگ کی، اوپر سے نئی لگتی تھی، مگر وارث کے چہرے پر وہ اطمینان نہیں تھا، جو عام طور پر نئی گاڑی کو لے کر ہوتا ہے۔

وارث نے بونٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ جاپان سے آئی ہے۔ آکشن گریڈ اچھا ہے، مائلیج بھی ٹھیک۔ لیکن۔۔۔ کل رات سے ایک آواز آ رہی ہے۔ اور میں اس گاڑی کو غلط ہاتھ میں نہیں دینا چاہتا۔ ایک فیملی نے اسے بک کر دیا ہے۔"

حسن نے فوراً دروازہ نہیں کھولا۔ پہلے اس نے گاڑی کے گرد ایک چکر لگایا — پینل گیپس، پینٹ کی روشنی میں لہر، ٹائر کے کنارے، فرنٹ بمپر کے نیچے کی خراشیں۔ پھر اس نے وارث کی طرف دیکھا۔ "آکشن شیٹ دکھا دیں؟ اور امپورٹ کلیرنس کی ڈیٹ بھی — یہ کس دن یارڈ سے نکلی؟"

اسلم نے فائل آگے کر دی۔ حسن نے شیٹ پر انگلی رکھ کر چند چیزیں جلدی سے دیکھیں—

گریڈ/نوٹس/مارکس—پھر ایک جملہ بولا جو سیدھا مسئلے پر گیا۔

"یہاں لکھا ہے 'انڈر باڈی اسکرینچ' اور 'چھوٹا سا رپیئر'۔۔۔ لیکن تصویر میں فرنٹ کے نیچے کچھ زیادہ لگ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے شپنگ/لوڈنگ میں نیچے لگا ہو اور انڈر گارڈ یا ماؤنٹس ہل گئے ہوں۔ آواز اسی سے آتی ہے۔"

وارث نے بھنویں سکیڑیں۔ "مگر مکینک کہہ رہا ہے انجَن کی آواز ہے۔"

حسن نے نرمی سے جواب دیا۔ "انجَن کی آواز کا مطلب ہر بار انجَن نہیں ہوتا۔ پہلے ہم یہ طے کر لیں کہ آواز لوڈ پر ہے یا آئیڈل پر۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔ "وارث انکل، آپ باہر کھڑے ہوں، بونٹ کے پاس۔ اسلم، آپ اندر آ کر اے سی آف رکھیں—خاموشی چاہیے۔"

اسلم نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ حسن نے چند سیکنڈ میں ہی وہ فرق پکڑ لیا جس کے لیے عموماً لوگ پوری گلی گھما دیتے ہیں۔

"آواز اس وقت آتی ہے جب آر پی ایم تھوڑا اوپر جاتا ہے، اور جب گیئر میں لوڈ پڑتا ہے۔ آئیڈل پر کم ہے۔ یہ انجَن نک نہیں لگ رہی—زیادہ لگ رہا ہے کہ کوئی ماؤنٹ یا شیلڈ وائبریٹ کر رہی ہے۔"

وہ نیچے اترا، بونٹ کھولا، ہاتھ سے چند جگہوں پر ہلکا دباؤ دیا، پھر فرنٹ کے نیچے جھک کر ٹارچ آن کی۔ دو منٹ بعد اس نے ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

"یہ دیکھیں—انڈر کور/ہیٹ شیلڈ کا ایک کلپ غائب ہے یا لوز ہے۔یہی ہائی وائبریشن پر ٹک ٹک کرتی ہے۔اور یہ ماؤنٹ یہاں—اس کا ربڑ بھی تھوڑا کٹا ہوا لگ رہا ہے۔یہ شپنگ میں نیچے لگنے سے ہو سکتا ہے۔"

وارث نے قریب آکر دیکھا۔اسلم نے فوراً کہا۔"یہ تو چھوٹی چیز ہے،ابھی ٹھیک کرا دیتے ہیں۔"

حسن نے اسلم کی طرف دیکھا۔"چھوٹی چیز ہے،لیکن چھوٹی چیز ہی اعتماد توڑتی ہے۔اگر فیملی کو یہ گاڑی کل دی گئی اور دو دن بعد یہی آواز شروع ہو گئی تو وہ 'وارث فرحان' کو یاد رکھیں گے،نہ کہ 'کلپ' کو۔"

وارث کے چہرے پر ہلکی سی رضامندی آئی۔"ٹھیک۔پھر حل؟"

حسن نے سیدھا پلان دیا۔"تین کام۔ایک:اصل کلپس/فاسٹنرز لگیں،جگاڑ نہیں۔دو:ماؤنٹ چیک کریں—اگر ربڑ کٹ گیا ہے تو ابھی بدل دیں،ورنہ یہ چھ مہینے بعد بڑی بات بن جائے گی۔تین:ایک مختصر روڈ ٹیسٹ—دو بندے:ایک چلائے،ایک نیچے سننے کے لیے۔اور روڈ ٹیسٹ کے بعد دوبارہ بولٹس ٹارک چیک۔"

وارث نے ایک نظر اسلم کو دیکھا۔"اصل پارٹس؟"

اسلم ہچکچایا۔"مل جائیں گے،لیکن وقت۔۔۔"

حسن نے فوراً پیچ کی بات پکڑی۔"وقت اسی لیے پہلے دن بچاتے ہیں،وارث انکل۔ابھی آپ کے پاس ایک فائدہ ہے:گاڑی ابھی آپ کے یارڈ میں ہے،کسٹمر کے پاس نہیں گئی۔میں آپ کو ایک اور چیز بھی کہوں؟"

وارث نے اشارہ کیا۔"کہو۔"

حسن نے آکشن شیٹ دوبارہ اٹھائی۔ "اس گاڑی کی فائل میں اگر 'انڈر باڈی' والا نوٹ ہے تو آپ اسے سیل میں چھپائیں نہیں—اپنے اندر کی چیک لسٹ میں رکھیں۔ یعنی آئندہ جب بھی ایسے نوٹ والی گاڑی آئے، شو روم میں کھڑی کرنے سے پہلے 'انڈر باڈی فِکس + ماؤنٹس' لازمی دیکھیں۔ یہ آپ کے سسٹم کا حصہ بن جائے گا۔"

وارث کچھ دیر خاموش رہے، پھر ہلکے سے سر ہلایا۔ "یہ بات مجھے پسند آئی۔"

حسن نے بات کو مزید عملی بنایا۔ "اور اگر آپ چاہیں تو اس کیس پر ایک چھوٹا سا 'ڈلیوری رپورٹ' فارم بنا لیتے ہیں—گاڑی کی حالت، کیا کیا، کس پارٹ کی تبدیلی ہوئی، کس دن۔ فیملی کو دے دیں۔ ان کا اعتماد بڑھے گا، اور آپ کی ذمہ داری ڈاکومنٹ ہو جائے گی۔"

وارث نے پہلی دفعہ واضح طور پر حسن کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم نے یہ طریقہ وہاں اپنایا تھا؟"

حسن نے جواب دیا۔ "ہاں، وہاں لوگ گاڑی کی فائل ایسے مانگتے ہیں جیسے میڈیکل ہسٹری۔ اور جو شاپ یہ عادت ڈال دے، وہ سستا نہیں بیچتی—لیکن تیزی سے بیچتی ہے۔"

وارث نے فائل بند کی۔ "ٹھیک۔ اسلم، یہ گاڑی آج ہی ورکشاپ بھیجو—اور اصل پارٹس ہوں۔ حسن، تم میرے ساتھ ایک اور گاڑی کی فائل دیکھو۔ وہ والی جس میں آکشن گریڈ ٹھیک ہے مگر میں شک میں ہوں کہ کہیں اوڈومیٹر/ریکارڈ کا مسئلہ نہ ہو۔"

حسن نے بس اتنا کہا۔ "چلیں۔"

کھڑکی کے باہر نیچے شوروم میں گاڑیاں ویسے ہی چمک رہی تھیں، مگر دفتر کے اندر پہلی بار وارث فرحان کے چہرے پر وہ اطمینان آیا تھا جو صرف اس وقت آتا ہے جب کوئی بات محض 'سمجھ' آنے کی بجائے، 'حل' ہو جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شوروم سے نکلتے ہوئے حسن نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی، پھر فون کو سائلنٹ کیا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ باہر نیون لائٹس کے نیچے سڑک کی چمک الگ تھی، مگر حسن کے اندر کسی اور خواہش کی کھنک تھی—وہی جو ہمیشہ اسے "آرام" نہیں، "داؤ" کی طرف کھینچتی تھی۔

فلیٹ میں شمع انتظار کر سکتی تھی، اسے یقین تھا۔ شمع خوبصورت تھی، حساس بھی، اور حسن اسے چاہتا بھی تھا —لیکن کچھ خواہشیں ایسی ہوتی ہیں جو محبت کے ہوتے ہوئے بھی آدمی کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں، بلاتی رہتی ہیں۔

گاڑی ڈیفنس کے ایک پرانے مگر خوبصورت بنگلے کے سامنے رکی۔ باہر سے سب کچھ خاموش تھا، مگر اندر کا شور خاموشی کے پردے میں چھپا ہوا تھا۔ حسن نے گاڑی سے اتر کر مین گیٹ کے قریب لگی گھنٹی بجائی۔ گارڈ سے بات ہوئی، وہ اسے پہچانتا تھا۔

گیٹ کھلنے پر، حسن نے گاڑی اندر لے جا کر کھڑی کی۔

سامنے ایک الگ سیڑھیوں والا راستہ تھا جو سیدھا دوسری منزل کی طرف جاتا تھا۔

یہ سیڑھیاں بھی گھر کا حصہ نہیں لگتیں تھیں، جیسے کسی اور دنیا کی طرف جا رہی ہوں۔

اوپر پہنچتے ہی وہ سیدھا ڈرائنگ روم کی جانب گیا۔ یہاں کے پردے سرکائے ہوئے تھے۔لائٹس مدھم تھیں، بس ٹیبل لیمپس اور شیشے کے گلوب اپنی جگہوں پر جل رہے تھے۔ سگریٹ کے دھوئیں کی ہلکی تہہ چھت کے قریب ٹھہری ہوئی تھی،اور ایک کونے میں برف سے بھری خوبصورت بالٹی، بوتلیں اور لمبے گلاس ایسے رکھے تھے جیسے یہ سب یہاں کی روزمرہ کی ضروریات ہوں۔

کمرے میں صرف ایک نہیں—— تین مختلف میزیں تھیں،اور تینوں پر الگ کھیل۔

ایک میز پر پوکر کے چپس رنگوں میں بٹے پڑے تھے،دوسری طرف دو لوگ رمی کے کارڈ ہاتھ میں لیے ایسے خاموش بیٹھے تھے جیسے عدالت میں ہوں،اور تیسری میز پر کوئی ڈائس والا کھیل چل رہا تھا—— ٹک ٹک، چھوٹے چھوٹے قہقہے،اور پھر اچانک ایک لمبی سیٹی۔

حسن کا قدم اندر پڑا تو جیسے فضا نے اسے پہچان لیا۔

"اوئے، حسن!" ایک دراز قد، قدرے لمبوترے چہرے والا مرد،اس کی جانب گرمجوشی سے بڑھا۔اس نے چمڑے کی پینٹ اور چارکول گرے ٹی شرٹ پہن رکھی تھی، گلے میں تین مختلف سائز کی موٹی چینز۔ لمحہ بھر کو حسن کو بھی الجھن سی محسوس ہوئی۔اس کا دم نہیں گھٹتا؟

"مائیکا!" دونوں بغل گیر ہوئے۔

"کافی دن بعد آئے یار، اتنے دن بعد تو شکوہ نہیں کیا جاتا، اطلاعِ گمشدگی دی جاتی ہے۔ ہمارا یار کھو گیا ہے۔۔۔ کوئی ڈھونڈ لاؤ!" اس نے قدرے ڈرامائی انداز میں دہائی دی۔

"بس یار۔۔۔ شادی، سسرال کے معاملات،اور شور وم۔"

"اچھا! تو یہ سب۔۔۔ تم نے سنجیدگی سے شروع کر دیا ہے؟"

"کام تو کرنا پڑتا ہے۔"

"اب کیا یہ سب چھوڑ دو گے؟" مائیکا نے ہاتھ سے میزوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "یہ داؤ، سارے شوق، یہ عادتیں؟"

"جو امریکہ میں نہیں چھوڑا، وہ یہاں چھوڑ دوں گا؟ وہ بھی۔۔۔ ایک عورت کی خاطر؟ اِٹس ہُو آئے ایم (یہی تو میں ہوں)۔"

"یہ ہوئی نا بات! آؤ، تمہاری جگہ اب بھی خالی رکھتا ہوں۔"

وہ حسن کو پوکر والی میز تک لے آیا۔ وہاں چار لوگ پہلے سے بیٹھے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں سگار تھا، دوسرا اپنی انگلی میں انگوٹھی گھما رہا تھا، تیسرا خاموشی سے چپس گن رہا تھا، اور چوتھا—جو شاید میز کا پرانا کھلاڑی تھا— حسن کو دیکھ کر بس ہلکا سا مسکرایا، جیسے کہہ رہا ہو: آ گئے واپس؟

حسن کرسی پر بیٹھا۔ ڈیلر نے نئے کارڈ بانٹے۔ کارڈز کی سرگوشی، چپس کی کھنک، اور پس منظر میں کسی پرانے انگریزی گانے کی دبی دبی دھن—سب مل کر ایک ایسا ماحول بنا رہے تھے جس میں عقل نہیں، "حِس" کام کرتی ہے۔

پہلا ہاتھ چھوٹا تھا۔ حسن نے صرف دیکھنے کے لیے کھیلا۔ دوسرے ہاتھ میں اس کے پاس اچھا کمبی نیشن آیا۔ اس نے دھیرے سے چپس آگے سرکائے۔

"یہ لو، شادی شدہ آدمی بھی کھیلتا ہے۔" پرانا کھلاڑی بولا۔

حسن نے جواب نہیں دیا۔اس کی آنکھیں کارڈز پر تھیں، مگر دماغ لوگوں کے چہروں پر۔ کون جلدی خوش ہوتا ہے، کون ہارتے ہوئے بھی مسکراتا ہے، کون جیتتے ہوئے خاموش رہتا ہے—جواری پن اصل میں کارڈوں میں نہیں، انسانوں میں ہوتا ہے۔

تیسرے ہاتھ میں اس نے ذرا بڑا داؤ لگایا۔ دو لوگ فولڈ کر گئے۔ سامنے صرف ایک بندہ رہ گیا—وہی خاموش والا، جس کے چپس صاف ستھرے ڈھیر میں لگے تھے۔

ڈیلر نے فلپ کھولا۔ حسن کے اندر ایک لمحے کو بجلی سی کوندی۔ امکانات اس کے حق میں تھے۔

"اوہو، پرانا حسن واپس آ گیا۔"

"یار، حسن! پہلی بڑی ہٹ تو پڑ گئی۔"

"کوئی بات نہیں، گیم ابھی ختم نہیں ہوئی۔"

اور اسی لمحے، اس کے فون کی اسکرین روشن ہوئی— شمع کا نام چمکا۔ حسن نے ایک نظر دیکھا۔۔۔اور پھر فون الٹا رکھ دیا۔

کمرے میں دھواں بڑھ رہا تھا، پردے پھر بھی سرکے ہوئے تھے۔اور حسن کے اندر بھی، جیسے کسی چیز نے پردہ سرکا دیا تھا— محبت کے اوپر، جوئے کی پرانی روشنی دوبارہ جھلکنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی بار زین، خاور کے ساتھ ایٹیلیے پہنچا تو جگہ اسے بدلی ہوئی سی لگی، حالاں کہ سب کچھ وہی تھا۔ فرق شاید اس کی اپنی نظر میں آ گیا تھا۔ اس دن وہ یہاں "بیٹے" کی حیثیت سے آیا تھا، آج کسی حد تک "سیکھنے والے ڈیزائنر" کی طرح۔

خاور نے استقبالی لاؤنج سے گزرتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "آج تم مہمان نہیں، ٹیم کا بندہ ہو۔ اس لیے کافی خود لے کر آنا۔"

شیشے کے پار ڈیزائن روم میں تین اسکرینیں روشن تھیں۔ ایک پر تھری ڈی ماڈل گھوم رہا تھا، دوسری پر اسٹون کا میگنیفائیڈ امیج، اور تیسری پر کلائنٹ پروفائل۔ ریاض پہلے ہی وہاں موجود تھے۔

"آ جاؤ دونوں۔" ریاض نے انہیں دیکھ کر کہا۔ "آج ہم اس والی بات کو زمین پر اتاریں گے۔"

پہلا عملی قدم

میز کے بیچ وہی نیلم رکھا تھا—گہرا، ٹھنڈا، اندر سے ہلکی سی دھند لیے۔ اس کے گرد چھوٹے ڈائمنڈز کے تین ممکنہ لے آؤٹ پرنٹ ہو کر پڑے تھے۔

ریاض نے زین کی طرف دیکھا۔ "بتاؤ، تم نے کہا تھا کہ اس پتھر کا وزن نیچے کی طرف کھینچ رہا ہے۔ آج اسے کیسے متوازن کرو گے؟"

زین بولا۔ "ہم ہمیشہ پتھر کو فریم کے تابع کر دیتے ہیں، اگر فریم کو پتھر کے تابع کر دیں تو؟"

ریاض نے چونک کر اسے دیکھا۔ "مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ڈائمنڈ اس کے گرد دائرہ نہ بنائیں۔ صرف ایک سمت میں بہاؤ دیں—جیسے روشنی ایک طرف سے آ رہی ہو۔ باقی حصہ خالی چھوڑ دیں۔ نیگیٹو اسپیس بھی ڈیزائن ہوتی ہے۔"

ریاض نے آہستہ سے چشمہ اتار کر میز پر رکھا۔

"یہ بات عام سنار نہیں کرتا، زین۔ یہ بات وہ کرتا ہے، جو زیور کو تصویر کی طرح دیکھتا ہے۔"

ریاض نے اسکرین پر ماڈل گھمایا۔ "اگر ہم تمہاری لائن پر چلیں تو یہ پیس برائیڈل نہیں رہے گا، اسٹیٹمنٹ بن جائے گا۔"

"میں اسے برائیڈل بنانا بھی نہیں چاہتا۔" زین نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "یہ اس عورت کے لیے ہے جو شور نہیں چاہتی، بس یاد رہنا چاہتی ہے۔"

ریاض کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ انہیں اچانک وہ چھوٹے چھوٹے تحفے یاد آ گئے جو زین شمع کے لیے چنتا تھا—عجیب مگر معنی خیز، کبھی کوئی نایاب پھول، کسی پرانے شہر کا بوسیدہ نقشہ، کبھی کوئی انوکھی سی چیز جو عام بازار میں نہیں ملتی۔

پہلا اعتماد

"ٹھیک ہے۔" ریاض نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "یہ پینڈنٹ تمہارے تصور کے مطابق بنے گا۔ اشرف کو سمجھانا تمہارا کام، فائنل کٹ میرا۔"

خاور نے فائل سمیٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن صرف آرٹ سے دکان نہیں چلتی، چھوٹے بھائی۔ ایک اور کام بھی ہے۔"

اس نے دراز سے نیوی بلیو فائل نکالی۔ "اگلے مہینے ہماری کمپنی کے پچیس سال پورے ہو رہے ہیں۔ ایک اینی ورسری سِگنیچر سٹیٹمنٹ بنانا ہے۔ ایسا جو سلمان ایٹلیئرز کی پہچان بن جائے۔"

زین نے فائل کھولی۔ اندر چند پرانے ڈیزائن، کلائنٹس کی لسٹ، اور برینڈ کی ہسٹری کے نوٹس تھے۔

خاور نے بات جاری رکھی۔ "یہ پیس فروخت کے لیے بھی ہو گا اور نمائش کے لیے بھی۔ قیمت بعد کی بات ہے، پہچان پہلی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا کانسیپٹ دو۔"

زین نے چونک کر سر اٹھایا۔ "میں؟ اتنا بڑا کام؟"

ریاض نے نرمی سے کہا۔ "ہر بڑا کام کسی نہ کسی دن پہلی بار ہی دیا جاتا ہے۔"

زین نے فائل بند کی، نیلم پر ایک نظر ڈالی اور پُرسوچ انداز میں بولا۔ "اگر یہ برینڈ کی پچیس سالہ کہانی ہے تو پیس ایک نہیں، دو حصوں میں ہونا چاہیے۔" وہ رکا۔ "ایک جو ماضی کی مضبوطی دکھائے—کلاسک، متوازن، تقریباً خاموش۔ دوسرا جو مستقبل کی بے چینی ہو—نامکمل، تھوڑا جرات مند۔ اور دونوں کے بیچ ایک باریک سا جوڑ۔۔۔ جیسے وقت خود جوڑا گیا ہو۔"

خاور نے بے اختیار سیٹی بجائی۔ "ڈیڈ، یہ بندہ سیدھا ڈیزائن روم میں نہیں، دماغ کے اندر گھس کر بولتا ہے۔"

ریاض نے زین کی طرف دیر تک دیکھا۔ "آج تم صرف میرے بیٹے نہیں لگ رہے، زین۔ آج تم مجھے اپنے شاگرد لگ رہے ہو۔"

"میرے لیے کوئی نئی ہدایت؟" خاور نے جھک کر باپ کو دیکھا، تو ریاض معنی خیز انداز میں مسکرا دیے۔

"زین سے جیلس نہ ہونا۔ میرے بعد ہمارے گھر کا واحد ڈیزائنر یہی ہو گا۔ تم انتظامی امور میں بہت اچھے ہو، احمر بھی بزنس مائنڈڈ ہے لیکن یہ۔۔۔" پر جوش انداز میں زین کا کندھا تھپتھپایا۔ "باپ سی جمالیاتی حِس رکھتا ہے۔"

نیلم کے اندر ایک باریک سی نیلی لکیر جگمگا رہی تھی—— بالکل ویسی، جیسی کسی نئے سفر کی پہلی سانس ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے دو بجے تھے۔

شہر کی آوازیں تھک کر خاموش ہو چکی تھیں، بس کہیں دور سے گاڑی کے گزرنے کی ہلکی سی سرسراہٹ آتی۔ حسن نے جیب سے چابی نکالی، دروازے کے کی ہول میں ڈالی اور آہستہ سے گھمادی۔ لاک کھلا تو اس نے سانس روک کر دروازہ اتنا ہی کھولا جتنا اندر گھسنے کے لیے کافی ہو۔

فلیٹ میں ایک لاؤنج تھا اور دو کمرے—— ایک ماسٹر بیڈروم، دوسرا گیسٹ روم۔ لاؤنج میں پردے گرے ہوئے تھے، اور دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک ایسی لگ رہی تھی جیسے خاموشی کو گن رہی ہو۔ حسن نے دروازہ بند کیا، پھر جوتے اتار کر ایک طرف سیدھے کر دیے۔

وہ دبے قدموں ماسٹر بیڈروم کی طرف بڑھا۔ کمرے کی روشنی بند تھی، مگر منسلک غسل خانے کی بتی جل رہی تھی۔ حسن نے، جیسے کوئی چوری کر رہا ہو، بہت احتیاط کے ساتھ ہتھیلی سے دروازہ دھکیل کر غسل خانے میں قدم رکھا۔

چند لمحوں بعد وہ باہر نکلا۔ ابھی اس نے دروازہ پوری طرح بند بھی نہیں کیا تھا کہ اچانک کمرے کی بتی جل گئی۔

شمع سامنے کھڑی تھی۔

بال بکھرے ہوئے، آنکھوں میں جاگتی ہوئی سرخی۔

حسن ایک لمحے کو رکا، پھر چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لے آیا، جیسے بات کو لطیفے میں بدل دینا اس کی پرانی عادت ہو۔

"ارے، تم جاگ رہی تھیں؟"

شمع نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا۔ "کل رات تم دیر سے آئے۔ دوستوں سے ملاقات کا بہانہ کیا، میں نے مان لیا۔ آج کیا بہانہ بناؤ گے؟"

حسن ہاتھ پھیلا کر کچھ یوں بولا، جیسے عدالت میں صفائی دے رہا ہو۔

"بہانہ نہیں، حقیقت تھی۔ آج بھی سچ یہی ہے۔ شوروم میں کام لمبا ہو گیا، پھر راستے میں۔۔"

شمع نے بات کاٹ دی۔ "راستے میں کیا؟ راستے میں تمہیں راستہ بھول گیا؟"

حسن ہنسا، مگر اس ہنسی میں گرمی کم تھی۔ "شمع، تم بھی نا۔۔۔ رات کے دو بجے تفتیش شروع کر دیتی ہو۔"

شمع ایک قدم آگے بڑھی۔ "مجھے بتاؤ۔ تمہاری کیا سرگرمیاں ہیں؟ کہاں جاتے ہو؟ کن لوگوں کے ساتھ ہوتے ہو؟"

حسن نے آنکھیں سکیڑیں، جیسے اسے یہی سوال پسند نہ آیا ہو۔ "سرگرمیاں؟ میں کوئی بچہ نہیں ہوں جس کی حاضری لگائی جائے۔"

شمع کی آواز اب بھی نیچی تھی، مگر اس میں جھنجھلاہٹ کی دھار تھی۔ "میں تمہاری بیوی ہوں۔ صرف یہ حق مانگ رہی ہوں کہ مجھے معلوم ہو، میرا شوہر رات کے دو بجے کس دنیا سے واپس آرہا ہے۔"

حسن نے اس کی طرف دیکھا، ایک لمحے کو اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ پھر وہ ہنسا—اس بار طنز میں۔ "تمہیں معلوم ہے نا۔۔۔ کچھ لوگ محبت کو بھی حساب کتاب بنا دیتے ہیں۔"

شمع نے پلکیں جھپکیں۔ "میں حساب کتاب نہیں کر رہی۔ میں سچ جاننا چاہتی ہوں۔"

حسن نے ایک قدم آگے بڑھ کر فاصلے کو کم کیا۔ آواز نرم کر لی، جیسے وہی نرم لہجہ اس کی اصل طاقت ہو۔

"سچ یہ ہے کہ تم مجھے پسند ہو۔ تمہاری وجہ سے میں گھر آتا ہوں۔ ورنہ میں تو۔۔۔" وہ رکا، پھر ہلکا سا ہنسا۔ "میں تو اکیلا رہنے والا آدمی تھا، آزاد پرندہ۔"

شمع نے اس نرمی کو قبول نہیں کیا۔

"میں تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گی۔ پچھلی کتنی راتوں سے یہی سب چل رہا ہے۔ پوچھو تو ایک ہی جواب—دوستوں کے ساتھ تھا۔ آج بھی وہی؟"

حسن نے کندھے اچکائے۔ "ہاں، دوست ہی تھے۔ میں کوئی نشہ نہیں کرتا، کوئی غلط کام نہیں کرتا۔ تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟"

شمع کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ "ڈر اس بات کا ہے کہ تم مجھے اندھیرے میں رکھ رہے ہو۔ مجھے سچ سے محروم رکھا ہوا ہے۔"

حسن کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کی جھلک آئی، جیسے اپنی برداشت کی حد چھولی ہو۔ "بس، شمع!"

"نہیں، بس نہیں!" شمع کی آواز بلند ہوئی۔ "مجھے بتاؤ، تم کہاں تھے؟"

اس لمحے حسن شدید طیش میں آگے بڑھا اور شمع کو زور سے دھکا دیا۔

شمع پیچھے لڑکھڑائی۔ اس کے قدم قالین کے کنارے پر اٹکے، اور وہ سائیڈ ٹیبل سے ٹکرا کر نیچے جا گری۔ ٹیبل ہلا، اس پر رکھی چیزوں میں کھڑکھڑاہٹ ہوئی، اور پھر کمرے میں ایک ایسی خاموشی چھا گئی جس میں سانس کی آواز بھی تیز لگتی ہے۔

شمع کے چہرے پر صدمہ تھا۔ آنکھیں پھیلی ہوئیں، جیسے جسم کی چوٹ سے زیادہ، دل پر لگے زخم نے ساکت کر دیا ہو۔

حسن لمحے بھر کو اپنی جگہ منجمد ہوا۔

پھر اس نے نظریں چرائیں، جیسے یہ منظر اس کی اپنی آنکھوں کے لیے بھی بوجھل ہو۔

"شمع۔۔۔ میں۔۔۔"

شمع نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بس زمین پر بیٹھی رہی، لرزتا ہوا ہاتھ سائیڈ ٹیبل کے کنارے پر، جیسے خود کو سنبھال رہی ہو۔ حسن نے آگے بڑھ کر اسے اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بس ایک قدم پیچھے ہٹا، اور اپنے لہجے کو دوبارہ قابو میں لانے لگا—— جیسے جو بھی ہوا، اب اسے "معمول" میں واپس لانا ضروری تھا۔

"تمہیں سمجھ نہیں آتی۔" حسن نے دبے لہجے میں کہا۔ "میں سارا دن لوگوں کے بیچ رہتا ہوں۔ رات کو گھر آ کر بھی اگر وہی سوال جواب ہوں گے۔۔۔ تو میں کب سانس لوں گا؟"

رات باقی رہی، مگر بات نہیں رہی۔

کچھ دیر بعد شمع خاموشی سے بستر کی طرف گئی۔ حسن نے کمرے کی بتی بند کی، اور جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، اپنے حصے کی خاموشی اوڑھ لی۔

صبح ہوئی تو سورج کی روشنی پردوں کے کناروں سے اندر آ رہی تھی۔ شمع بستر پر تھی، جسم میں تھکن اور دل میں وہی رات کا دھرا ہوا پتھر۔

لاؤنج سے برتنوں کی ہلکی سی آواز آئی۔ پھر حسن اندر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی—ناشتہ، چائے، اور ایک چھوٹا سا پیالہ جس میں شاید شہد یا مربہ تھا۔ وہ یوں مسکرا رہا تھا جیسے رات کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"اٹھ گئی ہو؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔ "میں نے سوچا، تمہارے لیے ناشتہ خود بناؤں۔"

شمع نے اسے دیکھا۔

رات کا سوال تھا، مگر گلے میں اٹکا ہوا۔

"تم نے۔۔۔ کیوں بنایا؟"

حسن نے کرسی کھینچی اور بستر کے پاس بیٹھ گیا۔

"کیونکہ میں جانتا ہوں، تم تھک گئی تھیں۔ اور میں بھی تھکا ہوا تھا۔ رات بس۔۔۔" وہ رکا، پھر مسکرا دیا۔ "رات غلط فہمیوں کی ہوتی ہے، صبح سمجھ داری کی۔"

شمع نے آہستہ سے دہرایا۔ "غلط فہمی؟"

حسن نے فوراً بات کو اپنے قابو میں لیا۔ "ہاں، تمہیں لگا میں کہیں، کچھ چھپا رہا ہوں۔ مجھے لگا تم میرے لیے عدالت لگا رہی ہو۔ بس یہی ہوا۔" پھر اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا، جیسے لمس سے بات سچی ہو جائے گی۔

"میں نے تمہیں دھکا دیا۔۔۔ مجھے نہیں دینا چاہیے تھا۔"

شمع کے چہرے پر الجھن دَر آئی۔ معافی تھی، مگر اس میں وہ سچ نہیں تھا، جس کی اسے طلب تھی۔

حسن نے اسی لمحے اپنی مسکراہٹ بڑھا دی۔

"آج شام میں جلدی آ جاؤں گا۔ ہم دونوں کھانا باہر کھائیں گے، تم تیار ہو جانا۔"

شمع نے کچھ کہنا چاہا، مگر حسن نے ٹرے اس کے قریب سرکا دی۔

"پہلے کھا لو۔ خالی پیٹ باتیں تلخ ہو جاتی ہیں۔"

شمع نے چائے کی طرف ہاتھ بڑھایا، مگر اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ رات کی بات اس کے اندر زندہ تھی، اور صبح کی نرمی اس کے اوپر چادر کی طرح ڈال دی گئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سے لڑے—— رات کے حسن سے، یا صبح والے حسن سے۔

حسن اس کے سامنے بیٹھا میٹھے بول بولتا رہا، جیسے الفاظ سے زخموں پر مرہم لگایا جا سکتا ہو۔ شمع کو زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا کہ کچھ لوگ ہاتھ سے چوٹ دیتے ہیں، پھر زبان سے یوں سہلا دیتے ہیں کہ آدمی اپنے ہی درد پر شرمندہ ہو جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

گلبرگ کی اس عمارت میں قدم رکھتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک ہی سوال گونج رہا تھا: کیا وہ واقعی اپنے باپ کے کاروبار میں اپنی جگہ خود بنا سکے گا؟ یہاں ہر چیز پہلے سے طے شدہ تھی—نام، رتبہ، اختیار—مگر اس نے ہمیشہ چاہا تھا کہ اسے میراث نہیں، اہلیت کے بل پر پہچان ملے۔

— Salman Ateliers —

یہ کوئی نیا خواب نہیں تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جس میں برسوں سے وائٹ گولڈ میں قیمتی پتھر جڑے جاتے تھے، اور وہ بچپن سے اس چمک اور نفاست کے بیچ پلا تھا۔

فرق صرف اتنا تھا کہ اب وہ صرف ساتھ کھڑا نہیں تھا—اس نے اپنی محنت اور لگن سے اس کام میں اپنی جگہ بنالی تھی۔

اس کی بنائی ہوئی تازہ کلیکشن کے نمونے میز پر سجے تھے۔ وائٹ گولڈ کی ٹھنڈی سی چمک میں قیمتی پتھروں کا جوڑ ایسا تھا کہ جیسے روشنی کو کسی نے ٹھوس شکلوں میں ڈھال دیا ہو۔ کسی انگوٹھی میں نیلم کا گہرا سکون تھا، کسی پینڈنٹ میں زمرد کی تازگی، اور کسی بریسلٹ میں ہیرے کی باریک سی جھلک—مگر سب میں ایک چیز مشترک تھی: دل کو چھو لینے والی نفاست اور انفرادی جمال، وہ دستخط جو خاموشی سے کہہ دیتے کہ یہ ڈیزائن کاپی نہیں، احساس ہے۔

ریاض سلمان نے اُن نمونوں کو دیر تک دیکھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو تعریف کم کرتے تھے، اور فیصلے زیادہ۔ مگر آج ان کے چہرے پر وہ ہلکی سی بامعنی مسکراہٹ آ ٹھہری جو کاروباری دفتروں میں شاذ ہی نظر آتی ہے۔

"سلمان ایٹیلیرز میں ڈیزائننگ ہمیشہ بنیاد رہی ہے، مگر تم اس بنیاد میں وہ منفرد جمالیاتی حس لائے ہو جو کم ہی لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ یہی فرق ہے۔۔" ریاض سلمان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "تم پتھر نہیں چُنتے، تم کہانی چُنتے ہو۔"

وہ اسے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کر کے اندرونی راہداری کی طرف لے گئے۔ سامنے ایک الگ سا حصہ تھا—— شوروم کی چمک سے ذرا ہٹ کر، زیادہ سنجیدہ، زیادہ پرائیویٹ۔ ریاض سلمان نے دروازہ کھولا۔

"یہ تمہارا آفس ہے۔" انہوں نے کہا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر دیواروں پر گئی۔ رنگ وہی تھا جو اسے ہمیشہ پسند رہا تھا—— گہرا، پر سکون، نفیس۔ نہ بہت شوخ، نہ مدہم۔ وائٹ گولڈ کے ساتھ سیٹ کیے گئے پتھروں کی طرح—— متوازن۔

"میں نے کہا تھا نا۔" ریاض سلمان نے اس کی نظر پکڑ کر کہا۔ "کام کے لیے جگہ بھی ویسی ہونی چاہیے جیسا" "تم سوچتے ہو۔ رنگ بھی تمہاری پسند کا کروایا ہے۔

اس کے اندر کہیں کوئی سخت گرہ نرم ہونے لگی۔ باپ کے کاروبار میں جگہ بنانا آسان نہیں ہوتا، خاص طور پر جب لوگ پہلے ہی سمجھ چکے ہوں کہ آپ صرف وارث ہیں۔ مگر یہ کمرہ، رنگ، اور اعتماد—— یہ سب اس بات کے گواہ تھے کہ آج اسے پہلی بار "موقع" نہیں، "عہدہ" ملا ہے۔

ریاض سلمان نے فائل میز پر رکھتے ہوئے رسمی لہجے میں بات کی، مگر الفاظ میں وزن تھا۔

"آج سے تم اسسٹنٹ ہیڈ ڈیزائنر (سلمان ایٹیلیرز) ہو۔"

ایک لمحے کو وہ بول نہ سکا۔اس کے ذہن میں وہ تمام راتیں آ گئیں جب کاغذ پر لائنیں کھینچتے کھینچتے انگلیوں کی پوریں دکھنے لگتی تھیں۔اور آج اسی کاروبار کے سب سے مضبوط آدمی نے اس کے شوق کو پوزیشن بنا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

ریاض سلمان کی آواز میں اچانک ایک باپ کی شفقت اتر آئی۔"میں سچ کہوں، زین۔۔۔"وہ چند سیکنڈ رکے، جیسے اپنے خیال کو وزن دے رہے ہوں۔"مجھے ہمیشہ لگا تھا کہ میرے بعد اس فیملی میں سے کوئی ڈیزائنر نہیں ہو گا۔"وہ رکے۔"مگر تم تو مجھ سے بھی بہتر جمالیاتی حس رکھتے ہو۔"

زین کے لیے یہ جملہ کسی تعریفی فقرے سے زیادہ تھا—یہ قبولیت تھی۔اور قبولیت کے ساتھ ہی اس کے اندر کی ساری بے یقینی اپنی جگہ چھوڑنے لگی۔

وہ کھڑکی کے پاس گیا، باہر شہر کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔اسے لگا، جیسے وہ روشنی اب اس کے لیے بھی کچھ کہہ رہی ہو: راستہ لمبا ہے، مگر پہلی سیڑھی مضبوط ہے۔

اور وہ جان گیا کہ آج کے بعد وہ صرف باپ کے کاروبار کا حصہ نہیں ہو گا—وہ اس کاروبار کی پہچان میں اپنا رنگ بھی شامل کرے گا۔وہ ایک ایسے کام میں ہاتھ ڈال چکا تھا، جو اس کا شوق تھا، جسے کرتے ہوئے اسے اپنی رگ و جاں میں ایک عجیب سی اطمینانیت اترتی محسوس ہوتی۔

کیا اسے ہی ڈریم کیریئر کہتے ہیں؟اس نے خود سے پوچھا۔

جواب مثبت تھا اور چونکہ اس کے اندر سے آیا تھا اس لیے کسی شک و شبے کی گنجائش بھی نہ رہی۔

اسے لگا یہ اس کے خالق کی خاص عطا تھی، جس پر وہ جتنا بھی شکر ادا کرتا، کم تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کا دن تھا، اور شہر کی دھوپ میں وہ خاص سی سستی گھلی ہوئی تھی، جو صرف برنچ کے بعد انسان کے اندر اترتی ہے۔ شمع نے گاڑی سے اترتے ہوئے، بیگ کا پٹا کندھے پر درست کیا اور ہلکی سی سانس لی۔ حسن نے چابی گھماتے ہوئے کہا۔ "کیسا تھا؟ میں نے کہا تھا نا، ان کے ایگز بینڈکٹ والے انڈے لاہور میں کہیں نہیں ملتے۔"

شمع نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

فلیٹ کا دروازہ کھلا تو لاؤنج کے سکوت نے انہیں یوں اپنی لپیٹ میں لیا، جیسے گھر خود بھی اتوار منا رہا ہو۔

شمع نے اپنا بیگ صوفے پر رکھا اور کچن کی طرف گئی۔

کچن کی میز پر دو بڑے، بھورے لفافے رکھے تھے۔ ایسے لفافے جو عام طور پر خوشی نہیں، حساب لے کر آتے ہیں۔ شمع نے ایک لمحے کو رُک کر انہیں دیکھا، پھر جیسے دل کو مضبوط کر کے ایک لفافہ اٹھایا۔ اوپر صاف لکھا تھا: کریڈٹ کارڈ اسٹیٹمنٹ۔

اس نے لفافہ کھولا۔ کاغذوں کی سرسراہٹ کچن کی خاموشی میں غیر ضروری طور پر اونچی لگنے لگی۔ پہلی شیٹ پر "حال ہی کی خریداری" کے نیچے چند نام ایسے تھے جو شمع کے لیے نام نہیں، ایک الگ دنیا کے پتے تھے۔

Limited Edition Chronograph - Collector Series Humidor + Premium Cigars - Imported (Membership Purchase) Rare Playing Cards Deck - First Print / Signed

نیچے ایک اور لائن تھی جس نے شمع کی پلکیں ساکت کر دیں۔

"Collector's Auction Service Fee"

فیس۔ نیلامی۔ سروس۔

الفاظ نرم تھے، مطلب تیز۔

اسے یاد آیا، حسن نے کبھی یہ لفظ 'خرچ' استعمال نہیں کیا تھا۔ حسن ہمیشہ کہتا تھا: 'انویسٹمنٹ'۔ یا پھر، 'یہ چیز دوبارہ نہیں آئے گی۔'

پیچھے سے حسن کی آواز آئی، بالکل نارمل، اتوار والی۔

"چائے بنادوں؟"

شمع نے گردن نہیں موڑی۔ اس نے کاغذ ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑا، جیسے اگر ڈھیلا چھوڑ دیا تو یہ پرچہ اڑ کر سچ کو بکھیر دے گا۔

وہ پلٹی۔

"یہ کیا ہے، حسن؟"

حسن بڑے آرام سے اندر چلا آیا۔ اس کی نظر کاغذ پر نہیں، شمع کے چہرے پر تھی۔

"کیا ہے؟" اس نے ایسے پوچھا جیسے اسے واقعی نہ معلوم ہو کہ یہ 'کیا' ہے۔

شمع نے کاغذ اس کے سامنے کیا۔

حسن نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ بس آنکھوں سے پڑھا، پھر ایک گہری سانس فضا میں چھوڑی۔

"یہ تو اسٹیٹمنٹ ہے۔"

"مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔" شمع کی آواز میں پہلی بار کھردرا پن آیا۔ "مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کس حسن کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ وہ جو کہتا ہے 'گھر کا خیال ہے'، یا وہ جو

یہ سب کر رہا ہے۔"

حسن نے ہاتھ دھوئے بغیر کاؤنٹر پر انگلی بجائی، جیسے ذہن میں کوئی حساب لگا رہا ہو۔

"شمع، تم لفظوں کو ڈرامہ بنا دیتی ہو۔ یہ چیزیں۔۔۔ یہ میری کلیکشن کا حصہ ہیں۔"

شمع نے کاغذ دوبارہ دیکھا۔ "کلیکشن؟ گھڑیاں، سگار، کارڈ ڈیکس۔۔۔ یہ سب؟ یہ صرف شوق ہے؟"

حسن نے مسکرا کر کہا۔ "ہاں۔ شوق۔" پھر اس نے کندھے اچکائے۔ "کچھ لوگوں کو کپڑے پسند ہوتے ہیں، کسی کو جوتے، کسی کو پرس۔ مجھے ایسی چیزیں پسند ہیں۔"

شمع نے کاغذ میز پر پٹخا۔ "یہ 'چیزیں' نہیں ہیں، حسن۔ یہ تمہاری چھپی ہوئی دنیا ہے!"

حسن کے چہرے پر وہی نیم مسکراہٹ آئی جو وہ ہر مشکل بات پر بڑی سہولت سے پہن لیتا تھا۔

"چھپی ہوئی؟ میں نے تو تمہیں دکھایا تھا۔"

شمع نے آنکھیں سکیڑیں۔ "کب؟ میں نے یہ سب پہلے نہیں دیکھا۔"

حسن نے فوراً جواب دیا۔ "میں نے وہ دکھایا تھا، جو اُس وقت میرے پاس تھا۔ جو نہیں تھا، وہ کیسے دکھاتا؟"

یہ جملہ شمع کے اندر سے کہیں ایک یاد کو کھینچ لایا۔اور کچن کی میز، لفافے، اتوار کی سستی ـــــ سب پیچھے رہ گئے۔

شادی کی اگلی صبح حسن نے بڑے فخر سے کہا تھا۔

"آؤ، تمہیں اپنی کلیکشن دکھاؤں۔میرے کہنے پر ڈیڈ امریکہ سے آتے ہوئے لائے تھے۔"

وہ اسے گیسٹ روم کے ساتھ والے چھوٹے سے اسٹڈی میں لے گیا تھا۔دروازہ کھولا تو شمع کو ایسے لگا جیسے وہ کسی آدمی کے کمرے میں نہیں، دماغ میں داخل ہو گئی ہو۔ایک طرف شیشے کی کیبنٹ تھی، جس میں گھڑیاں قطار میں رکھی ہوئی تھیں ـــــ کوئی روایتی نہیں، ہر ایک کی کہانی الگ تھی۔کسی کے ڈائل کے اندر چاند کا ہلکا سا نقش تھا، کسی کے پیچھے میکانزم ایسے دکھ رہا تھا، جیسے چھوٹی چھوٹی مشینیں دل کی طرح دھڑک رہی ہوں۔

حسن نے ایک گھڑی نکالی اور ایسے سنبھالی جیسے کوئی پرانا خط پکڑتا ہے۔

"یہ لِمیٹڈ رن تھا، پندرہ پیسز۔بس۔" پھر وہ مسکرایا۔"اور یہ والا پیس۔۔۔مجھے ایک بندے سے 'جیت' کر ملا تھا۔"

شمع نے چونک کر پوچھا۔"جیت کر؟"

حسن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"زندگی میں کچھ چیزیں خریدی نہیں جاتیں، حاصل کی جاتی ہیں۔" پھر ایک سرسراتی سرگوشی کی۔"چھین کر!"

پھر اس نے ایک ڈبہ کھولا—سگار نہیں، سگار کے لیے لکڑی کا ایک نفیس مرطوب گر تھا—اندر کی لکڑی سے ہلکی سی خوشبو آ رہی تھی، جیسے کسی پرانی لائبریری کی خوشبو ہو۔ اس نے بتایا تھا کہ یہ مخصوص نمی پر رکھا جاتا ہے، جیسے کوئی چیز نہیں—کسی آدمی کی ضد ہو، جسے سانس بھی ایک خاص طریقے سے آتی ہے۔

اور پھر کارڈ ڈیکس۔ شمع نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ تاش کے پتوں میں بھی 'پہلا پرنٹ'، 'دستخط شدہ' اور 'غیر کھلی سیل' جیسی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ حسن نے ایک ڈیک اٹھا کر کہا۔ "یہ مت کھولنا۔ کھل گیا تو قیمت ختم ہو جائے گی۔"

شمع نے ہنس کر کہا۔ "تو پھر فائدہ؟"

حسن نے اُس وقت پہلی بار سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔ "فائدہ استعمال میں نہیں، یہ جاننے میں ہے کہ یہ میرے پاس ہے۔"

شمع نے اُس وقت اسے شوق سمجھا تھا۔ مہنگا، مگر شوق۔ اسے کیا معلوم تھا کہ کچھ شوق دراصل آدمی کے اندر کے رسک کو کسی محفوظ الماری میں بند کرنے کی کوشش ہوتے ہیں۔

شمع کی نظر پھر سے کچن کی میز پر گرے ہوئے اسٹیٹمنٹ پر آ گئی۔

"تب تو تم نے کہا تھا، بس کچھ گھڑیاں ہیں، چند ڈیکس، تھوڑا سا۔۔"

حسن نے بات کاٹ دی۔ "تب اتنا ہی تھا۔" اس نے جیسے دفاع میں نہیں، فخر یہ کہا۔ "اب کلیکشن بڑھ گئی ہے۔"

شمع نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔"یہ کلیکشن نہیں، حسن، یہ لت ہے۔ تم وہی چیزیں خریدتے ہو، جن پر ہاتھ رکھتے ہی تمہیں لگتا ہے کہ تم جیت گئے ہو۔ یہ ایڈرینالین کا ایک ذریعہ ہے۔"

"واہ، ڈاکٹر شمع۔ تم نے تو میری تشخیص بھی کر دی۔"

شمع نے ہاتھ میں وہ کاغذ پھر سے اٹھایا۔

"یہ کیا ہے؟ یہ سب؟ یہ کون سی زندگی ہے؟"

"بس کرو، شمع۔"

"نہیں۔ میں تمہاری بیوی ہوں، کوئی تماشائی نہیں۔ تم راتوں کو بھی اسی لیے غائب رہتے ہو۔ ایسی ہی کوئی دوسری سرگرمیاں بھی ہوں گی۔۔۔"

حسن کا رنگ بدلا۔ وہ ایک قدم آگے آیا، بہت قریب۔

"تمہیں سمجھ نہیں آتی؟ میں یہ سب اپنے لیے کرتا ہوں۔"

"حسن، شادی ہونے پر جو تمہارے ڈیڈ نے تمہیں جائیداد میں سے حصہ دیا تھا وہ اس فلیٹ اور گاڑی پر لگ گیا۔ باقی کا تم نے ڈیڈ کے کام میں لگا دیا، ابتھوڑا سا بینک بیلنس ہے اور تم سب اڑانے میں مصروف ہو۔ کل کو ہماری اولاد ہو گی، اس کا کیا؟"

"اولاد؟" حسن کے چہرے پر شاک تھا۔"مجھے ابھی اس جھنجھٹ میں ہر گز نہیں پڑنا۔"

شمع کو لگا جیسے ہر چیز اپنی جگہ منجمد ہو گئی ہو۔۔۔ اس حسن سے وہ پہلے کیوں نہ مل پائی؟

حسن نے دانت بھینچے۔"اسی لیے تمہیں کچھ نہیں بتاتا۔"اس نے ڈرامائی انداز میں اپنے بال نوچے۔"یہ شادی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہو رہی ہے۔"

ایک ثانیے کو کچن میں صرف سانسوں کی آواز تھی۔ پھر حسن نے شمع کے ہاتھ سے کاغذ چھینا،اور جھٹکے سے میز پر رکھ دیا۔

"اپنے ہی پیسے کو خرچ کرنے میں، تمہیں جواب دہ ہونے کی ضرورت نہیں!"

شمع کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

"میں تمہاری بیوی ہوں، یہ رشتہ جواب دہی مانگتا ہے۔ ہمارے مستقبل کی فکر ہے مجھے۔"

حسن کے اندر کا تحمل جیسے ٹوٹنے لگا۔اس نے شمع کا بازو پکڑا—زور سے نہیں، مگر ایسا کہ شمع کو اپنے بازو کے گرد انگلیوں کا شدید دباؤ محسوس ہوا۔

اس نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی۔

"یوں مت پکڑو، حسن!"

"تو پھر مت پوچھا کرو!"

شمع نے اسی لمحے زور سے خود کو اس گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ حسن نے اب کی بار اس کا دوسرا بازو بھی اپنی آہنی گرفت میں جکڑ لیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم؟"

اگلا لمحہ تیز نہیں، فیصلہ کن تھا۔

ایک تھپڑ—زیادہ زور سے نہیں، مگر اتنا کہ شمع کے چہرے کا رخ بدل گیا اور کچن میں ایک چھوٹی سی آواز گونجی۔

شمع ایک قدم پیچھے ہوئی۔

اس نے ہاتھ اپنے گال پر نہیں، اپنے دل پر رکھا جیسے وہاں زیادہ درد ہو۔

اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں، صرف حیرت آئی۔ وہ حیرت جو کہتی ہے، "یہ بھی ہو سکتا تھا؟"

حسن خود بھی جیسے ایک لمحے کو سانس لینا بھول گیا۔ اس کا ہاتھ ہوا میں رکا رہا، پھر نیچے گر گیا۔

وہ شمع کی طرف بڑھا نہیں۔ شاید اسے ڈر تھا کہ اگر وہ قریب گیا تو شمع کی خاموشی چیخ بن جائے گی۔

اور شمع نے پہلی بار سمجھا کہ حسن کی مہنگی چیزیں صرف الماری میں بند نہیں تھیں—وہ حسن کے اندر بھی بند تھیں، اور جب ایسا بند کھلتا ہے تو باہر خوشبو نہیں، دھواں نکلتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام ہوتے ہی فلیٹ کی دیواریں بھی جیسے اپنا رنگ بدل لیتی تھیں، مگر شمع کے اندر جو کچھ جلنے لگا تھا، وہ نرم نہیں ہو رہا تھا۔

بیڈ روم میں بیڈ کی چادر آدھی پلٹی ہوئی تھی، اور شمع بیڈ کے کنارے، سوٹ کیس کھولے بیٹھی تھی۔ کپڑے تہہ کر کے نہیں، بس جلدی میں رکھے جا رہے تھے۔

دروازے کی کنڈی کی آواز آئی تو شمع نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔اس نے بس زپ کے دانتوں کو بند کرنے کی کوشش کی، مگر ہاتھ کانپ رہے تھے۔

حسن اندر آیا۔اس کے ہاتھ میں سرخ اور سفید گلابوں کا بڑا سا بوکے تھا۔ پھولوں کی خوشبو کمرے میں پھیل گئی، جیسے کسی نے جان بوجھ کر ہوا میں نرم باتیں گھول دی ہوں۔

اس نے شمع کو سوٹ کیس کے پاس دیکھا تو ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔ پھر وہ فوراً خود کو سنبھال کر آگے بڑھا۔

آخر کو سب اسے ہی سنبھالنا تھا۔

"شمع۔"اس نے آہستہ سے پکارا۔"کیا کر رہی ہو؟"

شمع نے جواب نہیں دیا۔اس نے بس ایک اور کرتا اٹھایا اور اندر رکھ دیا۔

حسن نے بوکے دونوں ہاتھوں میں پکڑے رکھا، پھر وہ بیڈ کے پاس آکر نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ سیدھا، جیسے کوئی ضدی آدمی پہلی بار عاجز بننے کی ادا سیکھ رہا ہو۔

"میں غلط تھا۔"

شمع کی انگلیاں زپ پر رُکی رہیں۔اس نے پھر بھی حسن کو نہیں دیکھا۔

حسن نے جلدی میں بات جوڑی، جیسے خاموشی اسے گھبرا دیتی ہو۔"مجھے تمہارے علاوہ زندگی سے کچھ نہیں چاہیے، شمع۔سچ میں۔میں۔۔۔کھو گیا تھا۔بس تمہیں نہیں کھونا چاہتا۔"

اس نے نرمی سے شمع کے گٹھنے کو چھوا۔ "آئندہ جیسا تم کہو گی، ویسا ہی کروں گا۔"

شمع نے ایک اداس نظر اس پر ڈالی۔ "ایسا ایک عہد۔۔۔ تم نے پہلے بھی کیا تھا۔"

حسن کے چہرے پر ایک لمحے کو جھنجھلاہٹ آئی، مگر اس نے فوراً اسے دبا دیا۔ وہ اٹھا، بوکے کو بہت احتیاط سے بیڈ پر اس سائیڈ رکھ دیا جہاں شمع سویا کرتی تھی۔ جیسے پھول رکھ کر وہ اپنی غلطی کو بھی کسی نرم کپڑے میں لپیٹ دینا چاہتا ہو۔

"دیکھو۔" حسن نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں واقعی بدلنا چاہتا ہوں۔ اور میں۔۔۔ اولاد کے بارے میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

یہ الفاظ کمرے میں جیسے کسی چیز سے ٹکرائے۔ شمع نے اب کی بار اسے بغور دیکھا۔

"اولاد؟"

حسن نے فوراً آگے بڑھ کر جیسے اس خیال کو مضبوط بنانا چاہا۔

"ہاں، میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک فیملی بنائیں۔ تمہیں لگے کہ یہ گھر واقعی، گھر ہے۔"

شمع نے سوٹ کیس کا ہینڈل پکڑ کر آہستہ سے اسے سیدھا کیا۔

"گھر دیواروں سے نہیں بنتا، حسن۔ محبت سے، اعتبار سے بنتا ہے۔ تم مجھے وہ مان دے پاؤ گے؟"

"میں کبھی لیٹ نہیں آؤں گا، تمہیں بتا کر جاؤں گا۔ تم پوچھو گی تو میں جواب دوں گا۔ پلیز، اس سوٹ کیس کو بند مت کرو۔"

شمع نے ایک لمحے کے لیے اس کا چہرہ دیکھا۔ یہ وہی چہرہ تھا، جس پر صبح میں نرمی آجاتی تھی، اور رات میں۔۔۔

شمع نے اپنی سوچ ادھوری چھوڑ دی۔

شمع نے ایک نظر مڑ کر اس بوکے کو دیکھا۔ "تمہیں لگتا ہے پھولوں سے سب ٹھیک ہو جاتا ہے؟"

حسن نے جلدی سے سر ہلایا۔ "نہیں، مجھے پتہ ہے نہیں۔ اس لیے میں صرف پھول نہیں، خود کو لے کر آیا ہوں۔"

شمع کی نظریں ابھی بھی پھولوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ سرخ اور سفید گلاب۔ جیسے حسن نے اپنے اندر کے دونوں رنگ باندھ کر اس کے سامنے رکھ دیے ہوں۔

"معلوم نہیں میں کس چیز سے زیادہ خوفزدہ ہوں، تمہاری جارحیت سے یا۔۔۔" اس نے آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو پینے کی کوشش کی۔ "تمہارے وعدوں سے۔"

حسن کے ہونٹ خشک ہو گئے۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گا، میں قسم کھاتا ہوں۔"

شمع نے سوٹ کیس بند نہیں کیا۔

حسن اسی امید کو پکڑ کر بولا۔ "بس مجھے ایک موقع دے دو۔ ایک آخری موقع۔"

"اس کے بعد، شاید ویسے بھی کچھ نہ بچے۔" شمع کا انداز فیصلہ کن تھا۔

حسن کی باتیں ختم ہوئیں تو کمرے میں ایک ایسی خاموشی پھیل گئی، جس میں پھولوں کی خوشبو بھی بوجھ لگتی ہے۔ شمع نے سوٹ کیس کے کھلے منہ کو دیکھا، پھر حسن کو۔"اب اگر فضول کے اخراجات ہوئے- یا تم پھر سے لیٹ آئے- تو میں کسی صبح کا انتظار نہیں کروں گی۔ آدھی رات کو بھی گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"انگلی اٹھا کر اسے خبردار کیا۔"تم جانتے ہو، میں ایسا کر سکتی ہوں۔"

حسن نے فوراً سر اثبات میں ہلایا، جیسے اسے شرط نہیں، سزا سنائی گئی ہو اور وہ خوشی خوشی قبول کر رہا ہو۔

"نہیں ہو گا، میں وعدہ کرتا ہوں۔"

اسی رات دیر سے شمع کے فون کی اسکرین روشن ہوئی۔

ڈیڈ۔

اس نے کال اٹھائی۔

رسمی علیک سلیک کے بعد وہ فوراً مدعے پر آئے۔"بیٹا، ایک بات کرنی تھی۔"

شمع سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔"خیریت تو ہے؟"

"خیریت ہے۔"وارث فرحان نے توقف کیا۔"بس تمہارے حسن نے آج پھر وہی پرانی فرمائش کی، کچھ ایڈوانس مانگ رہا تھا۔"

شمع کے اندر کچھ سرد سا اترا۔"کیسا ایڈوانس؟"

وارث فرحان نے جیسے اسے یاد دلایا۔ "وہی گاڑیوں والا کام۔ میں نے تمہاری خاطر اور کچھ اس کی مہارت دیکھ کر اسے ساتھ شامل کیا، ورنہ مجھے کسی حصے داری کی ضرورت نہیں تھی۔ ابھی بھی اس کی ریشیو کم ہے، تم جانتی ہو۔"

وارث فرحان نے بات جاری رکھی۔

"بیٹا، وہ ہر بار پہلے سے ایڈوانس مانگنے لگتا ہے۔ میں ہر بار ایسا نہیں کر سکتا۔ کاروبار ہے، ہر کام کے کچھ اصول، کچھ ضوابط ہوا کرتے ہیں۔ تم اسے سمجھاؤ۔" وارث فرحان کی آواز میں باپ والا درد بھی تھا اور کاروباری سختی بھی۔

شمع نے آنکھیں بند کیں۔ "جی ڈیڈ، میں بات کروں گی۔" حسن نے اسے کبھی ایڈوانس سے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔

آخر میں انہوں نے بس اتنا کہا۔ "سنو، اپنا خیال رکھنا۔"

کال ختم ہوئی تو شمع نے فون ہاتھ میں ہی لیے رکھا۔

کمرے میں حسن کی سانس کی دھیمی سی آواز تھی۔ وہ شاید سو رہا تھا، یا سونے کا ڈھونگ کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شیخوپورہ کا پرانا شہر صبح کے وقت ایک جیسا ہی لگتا تھا—دکانوں کے شٹر آدھے کھلے، سڑک کنارے رکشوں کی قطار، کسی آٹے کی چکی سے اڑتی ہلکی سفید دھول اور دور ریلوے پھاٹک سے آتی ریل کی سیٹی۔

"ذہنی صحت مرکز" کوئی شیشے کا چمکتا کلینک نہیں تھا؛ اینٹوں کی دو منزلہ عمارت، باہر نیم کا درخت، نیچے برآمدے میں تین لکڑی کی بینچیں اور دیوار پر پرانا سا پوسٹر

"ذہنی بیماری بھی ایک بیماری ہی ہے—علاج ممکن ہے۔"

مہوش پانچ دن یہیں آتی تھی۔

لاہور میں اس نے جو انٹرنشپ کی تھی وہ نصابی ضرورت زیادہ تھی—بڑے ہال، پریزنٹیشنز، فائلوں کے ڈھیر، اور مریض کم۔ یہاں معاملہ الٹ تھا: مریض زیادہ تھے، سہولتیں کم، اور کہانیاں بہت حقیقی۔

اس کی ڈیوٹی سیدھی سادی تھی۔

نئے آنے والے مریض کی بنیادی ہسٹری لکھنا،

نیند، بھوک، موڈ، غصہ، خوف—ان سب کے سوال،

پرانی فائلیں ترتیب دینا،

ڈاکٹر فہیم کے ساتھ سیشن میں بیٹھ کر نوٹس لینا۔

پہلے ہفتے ہی اسے سمجھ آ گئی تھی کہ کتاب اور گاؤں کی عورت میں کتنا فاصلہ ہوتا ہے۔

ایک عورت روز آتی اور کہتی: "دل گھبراتا ہے، سانس اوپر کو چڑھ جاتا ہے، لگتا ہے ابھی مر جاؤں گی۔" ای سی جی نارمل، بلڈ پریشر ٹھیک—مگر ہاتھ مسلسل کانپتے رہتے۔

"یہ گھبراہٹ کا دورہ ہے، دل کی بیماری نہیں۔" ڈاکٹر فہیم نے اسے سمجھایا تھا۔

Panic episodes – trigger:

شوہر کی دوسری شادی کی دھمکی

مہوش نے اپنی کاپی میں لکھا تھا۔

مہوش نے پہلی بار "او سی ڈی" کو کتاب سے باہر چلتے پھرتے دیکھا۔

ایک لڑکا تھا، سترہ سال کا۔ اسکول چھوڑ چکا تھا۔ کہتا۔ "میرے ہاتھ گندے ہو جاتے ہیں، بار بار دھونا پڑتا ہے۔ امی کہتی ہیں، میں ڈرامے کرتا ہوں۔"

اس کے ہاتھوں کی جلد واقعی چھل چکی تھی۔

اسے سب سے مشکل وہ کیس لگتے جن کے ساتھ "دم کروالیں" والا جملہ جڑا ہوتا۔ اکثر مائیں فائل سے پہلے تعویذ نکال کر دکھاتیں۔ وہ خاموشی سے سنتی رہتی، بحث نہیں کرتی تھی۔

"پہلے اعتماد، پھر علاج۔ "ڈاکٹر نے اسے سمجھایا تھا۔

دوپہر تک وہ تھک جاتی مگر واپس آتے ہوئے گاڑی میں اپنی کاپی ضرور کھولتی۔ ہر کیس کے آگے ایک چھوٹا سا خانہ۔ مشاہدہ—— میرا تاثر۔

اسے لگتا تھا جیسے چار سال کی پڑھائی اب پہلی بار زندہ ہو رہی ہو۔

اتوار کو وہ گاؤں میں ہوتی تو منظر بدل جاتا۔ ویسی ہی عورتیں جو شیخوپورہ کلینک میں مریض بن کر آتیں، یہاں دادی کی بیٹھک میں "مسئلے والی بیبیاں" کہلاتیں۔

اس دن بھی وہ رجسٹر لے کر کونے میں بیٹھ گئی تھی۔

وہ دم ڈلوانے آئی تھیں، مہوش سلیقے سے اپنے حصے کے سوال بھی کر لیتی۔

ایک ادھیڑ عمر عورت آئی—— مسز رفیق۔ کپڑے استری جیسے کڑے، دوپٹہ بالکل نپا تلا۔ بیٹھتے ہی بولی۔

اماں جی، میرے گھر میں کوئی چیز اپنی جگہ سے ہل جائے نا، میرا دماغ جلنے لگتا ہے۔ برتن سیدھے نہ ہوں تو نیند نہیں آتی۔ بہو کہتی ہے میں تنگ کرتی ہوں۔"

مہوش نے قلم روکا نہیں۔

پھر ایک لڑکی آئی—— انیس بیس سال کی، غیر شادی شدہ۔ اس کی ماں بول رہی تھی۔ "اچانک چیخنے لگتی ہے، سانس رک جاتا ہے، کہتی ہے کوئی گلا دبا رہا ہے۔"

لڑکی نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

"کب سے ہوتا ہے؟ "مہوش نے آہستہ سے سوال کیا۔

ماں بولی۔ "منگنی ٹوٹنے کے بعد سے، لڑکے والوں نے بدنام کر دیا تھا۔"

رجسٹر پر لفظ اترے۔

Hysteria / Conversion symptoms – social stress – broken engagement.

بیٹھک میں دعائیں، دم، پانی—— سب چل رہا تھا اور مہوش کے اندر ایک الگ دنیا بن رہی تھی۔

رات کو وہ دادی کے کمرے میں بیٹھی تھی۔

"دادی، یہاں آدھی عورتیں بیمار نہیں—— تھکی ہوئی ہیں۔ کسی کو کوئی سننے والا نہیں۔"

دادی نے تسبیح سمیٹی۔ "سننا بھی علاج ہوتا ہے پُتر، بس ہمیں نام نہیں آتے بیماریوں کے۔"

مہوش نے رجسٹر بند کیا۔ اسے لگا اس کی پڑھائی واقعی کسی کام آسکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

چوہدری حاکم علی مغرب کے بعد صحن میں بیٹھا کرتے تھے۔ سامنے نیم کے درخت کے نیچے چارپائی، پاس حقہ، اور دور سے سنائی دیتی مویشیوں کے گلے کی گھنٹیاں۔ یہی وقت ہوتا تھا جب گاؤں کے چھوٹے موٹے مسئلے ان کے سامنے رکھے جاتے—— کسی کی زمین کا جھگڑا، کسی لڑکے کی نوکری کی سفارش، یا کسی بیوہ کی فیس معافی کی درخواست۔

اس شام مہوش بھی وہیں آ کر بیٹھ گئی۔ اس وقت وہ اکیلے تھے۔

کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد اس نے دھیرے سے کہا۔ "ابا، آپ کو یاد ہے نا، آپ کہتے تھے کہ تعلیم بس ڈگری کے لیے نہیں ہونی چاہیے؟"

چوہدری صاحب نے حقے کی نالی سیدھی کی۔ "ہاں پتر۔ علم وہی جو بندے کے کام آئے، لوگوں کے کام آئے۔"

مہوش نے ہمت باندھی۔ "میں گاؤں کی عورتوں کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ چونکے۔ "کیسا کچھ؟"

"یہاں نہ کوئی نفسیاتی ہسپتال ہے، نہ ذہنی صحت کا ڈاکٹر۔ سرکاری ڈسپنسری میں صرف بخار، سر درد کی گولیاں ملتی ہیں۔ شیخوپورہ سے کبھی کبھار ماہرِ نفسیات آتا ہے، وہ بھی مہینے میں ایک بار۔ لوگ سمجھتے ہی نہیں کہ نفسیاتی بیماری بھی ہوتی ہے۔ سب کچھ جن، آسیب یا نظرِ بد پر ڈال دیتے ہیں۔"

چوہدری صاحب خاموشی سے سنتے رہے۔

"جو عورتیں دادی کے پاس دم کروانے آتی ہیں، ان میں سے آدھی کو صرف سننے والا چاہیے۔ اگر میں انہیں باقاعدہ طریقے سے ہینڈل کروں؟" مہوش نے بات آگے بڑھائی۔ "ہفتے میں ایک دن بیٹھک میں سیشن رکھ لیں؟"

"لوگ باتیں بنائیں گے۔" وہ بولے۔ "کہیں گے چوہدری کی بیٹی عورتوں کو پاگل کہتی پھرتی ہے۔"

مہوش مسکرائی۔ "اسی لیے تو میں بہت سنبھل کر بات کروں گی۔ نہ کسی کو مریض کہوں گی، نہ پاگل۔ بس اتنا کہوں گی—دل کا بوجھ بانٹنا بھی علاج ہے۔"

چوہدری حاکم علی نے ہامی بھر لی۔ "ٹھیک ہے، ایک اتوار آزما کر دیکھ لو۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

اتوار کا دن آیا تو حویلی کا صحن کچھ بدلا ہوا سا لگ رہا تھا۔

ملازموں نے ایک طرف سفید خیمہ تان دیا تھا۔ نیچے دریوں پر صاف چاندنیاں بچھیں، کونے میں چائے اور ریفریشمنٹ کی میز۔ دادی نے خود کہہ کر عورتوں کو بلوایا تھا—اسی لیے زیادہ کسی کو شک بھی نہیں ہوا۔

کوئی بیٹی کے ساتھ آئی تھی، کوئی ساس کے ساتھ۔ کوئی تجسس میں، کچھ اس نیت سے کہ "دیکھیں یہ شہر سے پڑھی لڑکی کیا کہتی ہے۔"

مہوش نے دوپٹہ ٹھیک کیا اور بہت سادہ لہجے میں بات شروع کی۔

"میں آپ لوگوں کو کوئی نئی دوا بیچنے نہیں آئی، نہ یہ بتانے کہ آپ بیمار ہیں۔ بس ایک بات سمجھانے آئی ہوں—جیسے جسم تھک جاتا ہے، ویسے ذہن بھی تھک جاتا ہے۔"

چند عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کبھی کبھار دل اتنا بھر جاتا ہے کہ سانس اوپر کو چڑھنے لگتی ہے۔ کسی کا غصہ بڑھ جاتا ہے، کسی کی نیند اُڑ جاتی ہے، اور کسی کو ہر چیز بار بار صاف کرنی پڑتی ہے۔ یہ کمزوری نہیں ہوتی—بوجھ ہوتا ہے۔ اور بوجھ بانٹنے سے ہلکا ہو جاتا ہے۔"

ایک عورت نے دبے لہجے میں پوچھا۔ "بی بی، تو کیا دم کی ضرورت نہیں؟"

مہوش نے نرمی سے جواب دیا۔ "دعا اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ مگر جیسے ٹوٹی ہڈی پر صرف دعا نہیں، پلستر بھی لگتا ہے—ویسے ہی دل کے زخم پر درست بات اور علاج بھی ضروری ہوتا ہے۔"

فضا میں تھوڑی سی نرمی آ گئی۔

اس نے مزید کہا۔ "میں آپ سے بس بات ہی کروں گی۔ اگر کسی کو دوا کی ضرورت ہوئی، تو شیخوپورہ کلینک بھجوا دوں گی۔ زبردستی کچھ نہیں ہوگا۔"

دادی نے تائید میں سر ہلایا۔ "پتر صحیح کہہ رہی ہے۔ بات کرنے سے دل ہلکا ہوتا ہے۔"

پہلی عورت خود ہی اس کے پاس آئی۔

"میرا دل گھبراتا رہتا ہے، رات کو نیند نہیں آتی۔ شوہر کام کے لیے باہر رہتے ہیں، میں اکیلی ڈر جاتی ہوں۔"

رات کو وہ دادی کے کمرے میں بیٹھی اپنا رجسٹر ترتیب دے رہی تھی۔

کیس نوٹس—اتوار

ہر عورت کے لیے الگ صفحے پر بیماری کی علامات، ممکنہ وجوہات، ذاتی مشاہدہ/رائے اور تجویز کردہ حل/علاج لکھے ہوئے تھے۔

آخری سوچ کی گونج صرف اس کے ذہن میں تھی۔

گاؤں میں بیماری سے زیادہ خوف ہے—اور خوف کا علاج صرف دوا نہیں، اعتماد ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

پھر رات گئے دروازہ کھلا۔

شمع نے گھڑی نہیں دیکھی۔

حسن کی آہٹ آئی، پھر اس کے جوتوں کی ہلکی سی آواز۔ وہ کچھ کہنے آیا، مگر شمع کی خاموشی جیسے پہلے ہی بول چکی تھی۔

شمع نے کچن میں جا کر ڈنر پلیٹ میں نکالا، میز پر رکھا۔ نہ طنز، نہ سوال۔ بس کھانا، جیسے گھر میں یہی روٹین باقی رہ گئی ہو۔

حسن نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ "تم نے کھایا؟"

شمع نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ بس پلیٹ سامنے رکھ کر پلٹی، اور بیڈ روم میں جا کر لیٹ گئی۔

اگلی صبح روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی، مگر کمرے کی فضا بدستور بوجھل تھی۔ حسن گہری نیند میں تھا، منہ ایک طرف، بازو تکیے کے نیچے۔

شمع کی نظر اس کے موبائل پر گئی، جو سائیڈ ٹیبل پر پڑا تھا۔

ایک بار سوئے ہوئے حسن کو دیکھا، پھر بہت احتیاط سے اس کا موبائل اٹھایا۔ آہستہ سے حسن کی انگلی اٹھا کر اسکرین پر رکھی—یوں جیسے کوئی دروازہ چوری سے نہیں، مجبوری سے کھولا جا رہا ہو۔

اسکرین کھل گئی۔ شمع نے فوراً کال لاگ کھولا۔ گزشتہ شام میں ایک نمبر ڈائل کیا گیا تھا۔

مائیکا۔

شمع کے اندر ایک گرم سی لہر اٹھی۔ وہ واٹس ایپ پر گئی، چیٹ کھولی۔ مائیکا کی طرف سے ایک ویڈیو کلپ آیا ہوا تھا۔ شمع نے پلے کا بٹن دبایا۔

اسکرین پر ایک بڑا سا کمرہ نمودار ہوا۔ تین میزیں، چپس کے ڈھیر، کارڈز، لوگوں کے ہاتھوں کی تیزی۔ فضا میں سگریٹ کا دھواں تیر رہا تھا، اور کسی قہقہے کے پیچھے نوٹوں کی سرسراہٹ تھی۔

ویڈیو کے ساتھ لکھا تھا: "محفل تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

شمع کا گلا خشک ہو گیا۔ کلیکشن، آکشن، فیس ـــــ اور اب یہ۔ اسے پہلی بار معاملہ سمجھ میں آنے لگا۔ جس حسن کی محبت میں وہ گرفتار ہوئی، جس کے ساتھ کی خواہش کی، وہ ورژن صرف اس کے ذہن میں تھا۔ حقیقی حسن کا اس سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔

وہ حسن سے اب مل رہی تھی۔

اور جو سامنے آ رہا تھا وہ اسے بالکل بھی پسند نہیں آ رہا تھا۔

اتنے میں حسن نے کروٹ بدلی۔ پلکیں ہلیں، جیسے نیند ٹوٹ رہی ہو۔

شمع نے اسکرین اس کے سامنے کی۔ "یہ کیا ہے؟"

حسن نے ویڈیو دیکھی ـــــ اور اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر غنودگی نہیں، صرف غصہ رہ گیا۔ "تم نے بنا اجازت میرا موبائل کھولا؟"

اس کی آواز کمرے میں یوں گونجی، جیسے وہ خود اپنے اندر کی کسی چیز کو بچا رہا ہو۔

شمع نے آواز بلند کیے بغیر کہا۔ "جب اتنا چھپاؤ گے، تو میں بھی حقیقت جاننے کے لیے کوئی چور دروازہ ہی ڈھونڈوں گی نا۔"

حسن جھپٹا، اس نے شمع کے ہاتھ سے فون چھینا، اور شمع کو بالوں سے پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا ـــــ شمع کے سر کی جڑوں میں درد کی ایک لکیر کھنچ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

شیخوپورہ کلینک کی کھڑکی سے باہر نیم کا درخت ہل رہا تھا۔ کمرے میں پنکھے کی دھیمی آواز کے بیچ ڈاکٹر فہیم ، مہوش کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ میز پر اس کا رجسٹر کھلا ہوا تھا—— مگر اس بار وہ کسی کیس پر بات کرنے نہیں، اپنی حدیں سمجھنے آئی تھی۔

ڈاکٹر فہیم نے سیدھا سوال کیا۔ "تمہارا مقصد کیا ہے؟ صرف مدد کرنا یا باقاعدہ کلینک چلانا؟"

"دونوں۔" مہوش نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن صحیح طریقے سے، میں کوئی غیر قانونی کام نہیں کرنا چاہتی۔"

"اچھی بات ہے۔ پہلے نظام سمجھ لو۔" وہ انگلیوں پر گنتی کرنے لگے۔ "پاکستان میں نفسیاتی پریکٹس کے لیے تین بنیادی چیزیں چاہئیں۔ بی ایس کی مستند چار سالہ ڈگری ہو تو تعلیمی طور پر ماسٹرز کے برابر مانا جاتا ہے، لیکن کلینیکل اختیار تب بھی نہیں ملتا۔" اب وہ اس کے سامنے کھلے رجسٹر پر لکھ رہے تھے کہ وہ صحیح سے سمجھ سکے۔ "سپروائزڈ کلینیکل ٹریننگ— کسی رجسٹرڈ ادارے کے تحت۔ رجسٹریشن اور لائسنس— جیسے پنجاب ہیلتھ کیئر کمیشن یا متعلقہ پروفیشنل باڈی کی منظوری۔"

"اور اس کے بغیر؟"

"اس کے بغیر تم صرف تین کام کر سکتی ہو۔" انہوں نے انگلیوں پر گنا۔ "اویئرنیس اور کونسلنگ کی عمومی بات، علامات سن کر ریفرل، کسی رجسٹرڈ ڈاکٹر کے زیرِ نگرانی کام۔"

مہوش سر ہلا کر رہ گئی۔

"تشخیص لکھنا، بیماری کا نام دینا، تھراپی کرنا—— یہ سب غیر قانونی ہو گا۔" ڈاکٹر فہیم نے نرمی سے اپنی بات مکمل کی۔

مہوش نے اپنا اصل سوال سامنے رکھا۔ "اگر میں اپنے گاؤں میں باقاعدہ جگہ بنانا چاہوں؟ عورتوں کے لیے چھوٹا سا مینٹل ہیلتھ سیٹ اپ؟"

ڈاکٹر فہیم نے کاغذ پر ایک خاکہ بنایا۔ "تب تمہیں یہ راستہ اختیار کرنا ہوگا۔" وہ ایک بار پھر اس کے رجسٹر پر لکھنے لگے۔ "ایم فل کلینیکل سائیکولوجی—دو سالہ ٹریننگ—سپر وائزڈ رجسٹرڈ سپر وائزر—کلینک کی قانونی ایمرجنسی پروٹوکول—ریفرل ڈاکٹر کا باقاعدہ لنک—پنجاب ہیلتھ کیئر کمیشن کی رجسٹریشن—منظوری۔"

مہوش کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"اس کے بغیر تم جگہ کو 'کلینک' نہیں کہہ سکتی۔ زیادہ سے زیادہ 'کمیونٹی سپورٹ سینٹر' کہہ سکتی ہو۔"

مہوش نے گہرا سانس لیا۔ راستہ لمبا تھا— مگر واضح۔

"میں ابھی کیا کروں؟ لوگ روز دادی کے پاس آتے ہیں، میں انہیں خالی واپس بھیج دوں؟"

"نہیں۔ تم بہت کچھ کر سکتی ہو— قانون کے اندر رہ کر۔" انہوں نے ترتیب سے سمجھایا۔ "ہفتہ وار اویئرنیس نشست، ذہنی صحت پر سادہ گفتگو، فیملی سپورٹ کی رہنمائی، سب سے اہم— ریفرل سسٹم۔" پھر لمحے بھر کا توقف لیا۔ "میں ہفتے میں ایک دن تمہارے گاؤں آ سکتا ہوں، سنگین کیس میں خود دیکھ لوں گا۔ تم صرف رابطے کا پل بنو گی— علاج کرنے والی نہیں۔"

مہوش کے چہرے پر سکون آ گیا۔

ڈاکٹر فہیم نے آخر میں اسے کلینک کا عملی نقشہ بتایا۔ "جب تم ایم فل مکمل کر لو گی تو یہ ماڈل بن سکتا ہے۔ تم بطور رجسٹرڈ سائیکولوجسٹ، میں بطور وزٹنگ سائیکاٹرسٹ۔ ہفتہ وار کیس کلینک، باقی دن اویئرنیس اور فالو اَپ۔" وہ مسکرا کر بولے۔ "تب تم واقعی وہ کر سکو گی جو آج صرف خواب ہے۔"

مہوش نے رجسٹر بند کیا۔

"میں جلدی نہیں کروں گی، سر۔ غلط راستے سے صحیح کام بھی غلط ہو جاتا ہے۔"

"اور صحیح راستے سے چھوٹا کام بھی بڑا ہو جاتا ہے۔"

کلینک سے نکلتے ہوئے اسے پہلی بار ادراک ہوا۔۔۔ مدد کرنے کا مطلب ہیرو بننا نہیں، صحیح نظام کا حصہ بننا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

زین نے آنکھ کھولی تو چند لمحے چھت کے سفید، صاف ستھرے کونے کو دیکھتا رہا—جیسے ذہن کو ایک سیدھ میں لانے کی کوشش کر رہا ہو۔ سر میں ہلکا سا درد اب بھی موجود تھا؛ اسی لیے آج وہ اپنی معمول کی روٹین کے برعکس زیادہ دیر سویا رہا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ فجر سے پورا ایک گھنٹہ پہلے جاگتا تھا، نوافل اور نماز کے بعد تلاوت اور تسبیح کو وقت دیتا، اور دوبارہ بستر پر نہ جاتا تھا۔

اگر چھٹی ہوتی تو وہ کچھ دیر کو دوبارہ بستر میں پناہ لے لیتا، مگر آنکھ جلد کھل ہی جاتی۔

آج سر درد نے اسے فجر کے بعد بھی کافی دیر سلائے رکھا۔

وہ اٹھا، واش روم گیا۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں نے چہرے پر پڑتے ہی جیسے نیند کے آخری ذرے بھی بہا دیے۔ آئینے میں اس نے خود کو دیکھا، تو آنکھوں میں تھکن کے بجائے ایک خاموش سی ترتیب تھی—وہی ترتیب جو وہ اپنے ڈیزائن میں بھی ڈھونڈتا تھا۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی ایک ہلکی سی خوشبو اس کا استقبال کرتی تھی—شاید لکڑی کے فرش پر پالش کی، یا پھر اُس بیش قیمت ہلکے پھلکے ڈفیوزر کی، جو لاؤنج کے کونے میں رکھا تھا۔

یہ تین بیڈ رومز والا فلیٹ اس نے اپنے لیے لیا تھا: کشادہ لاؤنج، کھلا کچن، صاف ستھری لائنوں والا فرنیچر، اور کھڑکیوں سے آتی روشنی اور تازہ ہوا (جنہیں وہ صبح کے وقت، کچھ دیر کھلا رکھتا)۔ عمارت میں نیچے سوئمنگ پول اور جم کی سہولت بھی تھی؛ اسے ایک مثبت احساس رہتا کہ زندگی میں سیلف ڈسپلن کے لیے جگہ بھی موجود ہے اور وقت بھی۔

وہ کچن میں گیا تو ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔ کاؤنٹر پر چند سادہ مگر نفیس برتن، کافی مشین کے ساتھ رکھے تین مگ، اور فریج کے اوپر ایک چھوٹا سا پلانٹ جو اس نے بس اس لیے رکھا تھا کہ گھر میں زندگی کا اشارہ رہے۔ زین نے چائے کے لیے کیتلی چڑھائی، دودھ رکھا، اور ساتھ ہی ٹوسٹر میں بریڈ کے دو سلائس لگا دیے۔ چائے بناتے ہوئے اس کے ہاتھوں کی حرکت میں عجلت نہیں تھی—ہر چیز میں ایک ٹھہراؤ تھا، جیسے صبح کی سانسیں۔

جب ناشتہ تیار ہوا تو وہ پلیٹ اور چائے کا کپ ٹرے میں اٹھائے لاؤنج میں آ گیا۔

لاؤنج کی میز پر اس نے سب کچھ سلیقے سے رکھا، ریموٹ اٹھایا، اور ٹی وی پر یوٹیوب کھول کر ترجمے کے ساتھ تلاوت لگادی۔ کمرے میں قاری کی آواز پھیل گئی—نرم، واضح، اور دل پر ہلکی سی دستک دینے والی۔ سورۂ رحمٰن کی آیات اور ترجمہ اس نے دھیان سے سنا؛ الفاظ جیسے اندر اترتے چلے گئے۔

"اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟"

زین نے نوالہ لیا تو اس کے اندر ایک عجیب سا سکون اترا۔ ایسا سکون جو دولت یا عہدے سے نہیں آتا—جو بس اس احساس سے آتا ہے کہ دن کی ابتدا صحیح سمت میں ہو رہی ہے۔ وہ ٹوسٹ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑتا، چائے کا گھونٹ لیتا، اور ترجمے کی ہر سطر کو ایسے سنتا جیسے وہ اس کے لیے ہی کہا جا رہا ہو۔

اور پھر وہی جملہ بار بار ذہن میں گونجنے لگا- جیسے دل کو یاد دلایا جا رہا ہو کہ "ہر نعمت کے پیچھے ایک دینے والا ہے، اور ہر آغاز کے پیچھے ایک مہربانی۔"

کچھ دیر بعد زین ایک بار پھر اپنے کمرے میں آیا، بستر کے کونے پر بیٹھا، اور چند لمحے خاموشی سے تسبیح کے دانے انگلیوں میں چلانے لگا۔

باہر شہر جاگ رہا تھا، اور اس کے اندر جیسے سب کچھ اپنی جگہ پر آ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات گھڑی نے ڈیڑھ بجایا، تو فلیٹ کے اندر ٹھہرا سکوت اور بھی گہرا ہو گیا۔

زین اب جلدی سونے کا عادی ہو چکا تھا؛ دن بھر کے کام کے بعد اسے نیند آنے میں دیر نہیں لگتی تھی۔ اسی لیے موبائل کے اچانک بول اٹھنے پر وہ جیسے گہری نیند سے جاگا تھا۔ چند لمحے اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کہاں ہے، پھر دوسری بار رنگ ہوئی تو اس نے ہاتھ بڑھایا۔

سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ آن کرتے ہی ایک محدود سی روشنی کمرے میں پھیل گئی۔ موبائل کی اسکرین پر نام روشن تھا۔

شمع۔

اس کے دل میں ایک لمحے کو جیسے کسی نے انگلی چبھو دی۔ شمع نے کبھی ایسے وقت پر کال نہیں کی تھی۔ خاص کر اب، شادی کے بعد—جب برسوں کی جان پہچان بھی رسمی سلام دعا میں بدل گئی، اور ملاقاتیں خواب بن کر رہ گئی تھیں۔ زین نے فوراً کال ریسیو کی۔

"شمع؟" اس کی آواز نیند سے بوجھل تھی مگر بے چینی سے بھری ہوئی۔

دوسری طرف ایک خاموشی تھی۔ پھر ایک ایسی سانس جو ٹوٹ کر اندر گئی—جیسے کوئی اپنا رونا روک رہا ہو۔

"زین۔۔۔"

زین سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "کیا ہوا؟ تم رو رہی ہو؟" دل کی دھڑکن نے رفتار پکڑی۔ "شمع، بات کرو۔"

شمع نے جیسے خود کو سنبھالا۔ "تم نے بتایا تھا نا۔۔۔ تم نے الگ فلیٹ لے لیا ہے؟"

"ہاں۔" زین کی پیشانی پر پسینہ سا آ گیا۔ "مگر یہ سب۔۔۔ اس وقت؟ کیا بات ہے؟ تم کہاں ہو؟"

شمع کی آواز میں ایک عجیب سا غصہ اور بے بسی اکٹھی تھی۔ "لوکیشن بھیجو۔"

شمع، پہلے مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے۔" زین کی آواز اب پوری طرح جاگ چکی تھی۔ "کیا کسی نے کچھ کہا؟ حسن؟ تم "
"گھر پہ ہو؟

دوسری طرف سانس تیز ہو گئی، پھر شمع نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔ "بتاؤں تو تم مدد کرو گے؟"

زین کے حلق میں کچھ اٹک سا گیا۔

"ہاں۔" زین نے ایک سانس میں کہا۔ "جو ایسا نہ کر پاؤں، تو خود سے نظریں کیسے ملا پاؤں گا۔"

شمع نے جیسے فیصلہ کر لیا۔ "میں واٹس ایپ پر لوکیشن بھیج رہی ہوں۔" اس کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔
"ابھی۔۔۔ اسی وقت۔۔۔ مجھے لینے آؤ۔ میں مشکل میں ہوں۔"

اس نے شمع کی لوکیشن دیکھی تو دل اور بھی تیز دھڑکنے لگا۔ یہی شہر، مگر اتنی دور۔

"میں آ رہا ہوں۔" زین نے کہا۔ "تم وہیں رہو۔"

شمع کی آواز بہت آہستہ ہو گئی۔ "جلدی کرنا۔"

کال ختم ہوتے ہی زین کے اندر کئی سوال آگ کی طرح پھیل گئے: شمع نے اس وقت کال کیوں کی؟ وہ کیسی مشکل میں ہے؟ کیا وہ بروقت پہنچ پائے گا؟

اس نے نائٹ سوٹ تبدیل کرنے کی غلطی نہیں کی، وہ پانچ منٹ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ والٹ، گاڑی کی چابی، موبائل ـــــ سب اس کے ہاتھوں میں آتے گئے، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ اس کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے جاتا۔

وہ باہر نکلا تو اسے یاد ہی نہ رہا کہ دروازہ بند بھی کرنا ہے، لاک بھی لگانا ہے۔

قدم تیز تھے، سانسیں بے ترتیب۔ راہداری کی خاموشی میں اس کے جوتوں کی آواز جیسے زیادہ اونچی ہو گئی۔ اسی وقت سامنے سے ایک لڑکی آتی دکھائی دی ـــــ اسی عمارت کی رہائشی۔ وہ اسے دیکھتے ہی رکی، اس کی طرف غور سے دیکھا، پھر اپنے ہاتھ کے اشارے سے پیچھے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ نے۔۔۔" اس نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔ "آپ نے فلیٹ کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔"

زین جیسے چونکا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو واقعی دروازہ ادھ کھلا تھا۔ ایک لمحے کو اسے اپنی ہی حماقت پر حیرت ہوئی۔ "اوہ۔۔۔" اس نے بس اتنا کہا، واپس آیا، اور کانپتے ہاتھوں سے لاک گھما دیا۔

لڑکی آگے بڑھ گئی، مگر اپنے دل میں سوچتی رہی۔ وہ اسے چند ہفتوں سے دیکھ رہی تھی ـــــ وہ بندہ جو یہاں نیا شفٹ ہوا تھا۔ ارد گرد سے بے نیاز، اپنی ہی دنیا میں مگن۔ اور شکل۔۔۔ جیسے کسی سنہری روشنی نے اس کے چہرے کو چھو رکھا ہو: گولڈن لُکس، بھورے بال، بھوری آنکھیں جو عام طور پر بہت پر سکون لگتی تھیں۔ آج پہلی بار وہ بے چین دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سوچا، لوگ تو مجھے مڑ مڑ کر دیکھتے ہیں، مگر اس نے تو میری طرف ایک نظر بھی نہیں کی ـــــ جیسے دنیا میں اس لمحے صرف ایک ہی چیز اہم ہو۔

وہ۔۔۔ جہاں اسے پہنچنا تھا۔

یہ آخر اس وقت جا کہاں رہا ہے؟

سپیڈ لمٹ میں رہتے ہوئے، وہ جتنی تیز رفتاری سے کام لے سکتا تھا، اس نے لیا۔ بلآخر وہ لوکیشن تک پہنچ ہی گیا۔

عمارت کے سامنے گیٹ کے قریب ایک ڈراپ آف ایریا تھا، جہاں گاڑی کچھ لمحے کے لیے روکی جا سکتی تھی —— بڑے گیٹ، سیکورٹی کی نظر، اور باہر کی سڑک سے الگ ایک ہموار سا حصہ۔ زین نے گاڑی وہیں روک دی۔ انجن کی ہلکی آواز کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکن بھی چل رہی تھی۔ وہ اندرونی پارکنگ ایریا تک جا نہیں سکتا تھا، یہاں کا رہائشی جو نہیں تھا۔

زین نے موبائل دوبارہ کان سے لگایا۔ "شمع، میں پہنچ گیا ہوں۔"

"میں آ رہی ہوں۔" شمع نے فوراً کہا۔ "بس، دو منٹ۔"

وہ سامنے دیکھتا، پھر موبائل کی اسکرین پر وقت۔

ہر سیکنڈ بھاری لگ رہا تھا۔

پھر اسے وہ دکھائی دی۔ شمع گیٹ کے اندر سے نکل رہی تھی، ہاتھ میں ایک درمیانہ سا سوٹ کیس۔ وہ اسے گھسیٹتی آ رہی تھی، اور اس کے قدموں میں وہی عجلت تھی، جو انسان کے اندر خوف بن کر بولتی ہے۔

زین نے دروازہ کھولا اور تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔ "شمع؟"

شمع نے بس ایک نظر اس پر ڈالی۔ اس نظر میں شکر گزاری بھی تھی، شرمندگی بھی۔

زین نے فوراً سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ "گاڑی میں بیٹھو۔"

شمع خاموشی سے ساتھ چل دی۔ وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تو زین نے پچھلا دروازہ کھول کر سوٹ کیس رکھا، خود ڈرائیونگ سیٹ پر آیا، دروازہ بند کیا—اور پھر پہلی بار پوری طرح اس کی طرف دیکھا۔

شمع کا چہرہ ایک طرف سے سوجا ہوا تھا۔ آنکھ کے گرد نیلاہٹ تھی۔ ہونٹوں کی لکیر ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھی— جیسے وہ بولنا چاہتی تھی مگر لفظ اندر کہیں دب سے گئے تھے۔

زین ساکت رہ گیا۔

اس کی انگلیاں سٹیرنگ پر جم گئیں، اور سینے کے اندر ایک ایسی سرد لہر دوڑ گئی جو غصے اور دکھ دونوں سے بنی تھی۔ کچھ لمحے اس سے کچھ نہ کہا گیا۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے ایک سانس اندر کو کھینچتے، لہجے کو معتدل رکھنے کی کوشش کی۔

"یہ۔۔۔ کس نے کیا ہے؟"

☆☆☆☆☆☆☆

گاڑی خاموشی کی ایک لمبی لکیر پر چلتی رہی۔

شہر کی روشنیاں شیشوں پر پھسلتی رہیں، کبھی دور جاتیں، کبھی قریب آ کر پھر پیچھے رہ جاتیں۔ زین کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر مضبوط تھے، مگر چہرے پر وہی احتیاط اور سنجیدگی۔ شمع برابر والی سیٹ پر بیٹھی تھی، دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھائے، جیسے خود کو سنبھالے رکھنے کے لیے کوئی چھوٹا سا سہارا ڈھونڈ رہی ہو۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کی مگر نظر ہر بار پلٹ آتی—اپنے اندر، اپنے ڈر میں۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک بلند و بالا بلڈنگ کے سامنے آکر رکی۔ زین نے انجن بند کیا تو خاموشی اور واضح ہو گئی، جیسے اب بات نہ ہونے کی آواز بھی سنائی دینے لگی ہو۔

وہ اترتے ہوئے لمحہ بھر کو ٹھٹکی۔

زین نے بغیر کسی سوال کے اس کا سوٹ کیس پچھلی سیٹ سے اٹھایا۔ شمع نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے، پھر بند کر لیے۔ اس وقت "شکریہ" بھی عجیب لگ رہا تھا۔

بلڈنگ کے اندر ہلکی سی خوشبو اور ٹھنڈک تھی۔ لابی میں نرم روشنی بکھری تھی، فرش چمک رہا تھا۔ زین سیدھا لفٹ کی طرف بڑھا، شمع اس کے پیچھے چل دی۔ لفٹ کا دروازہ بند ہوا تو دونوں کے بیچ موجود خاموشی اور گہری ہو گئی۔ زین نے فلور کا بٹن دبایا، پھر اپنی نظریں سامنے کے شیشے پر جما دیں۔ شمع نے اپنے دوپٹے کا کنارا انگلیوں میں مروڑا، جیسے کوئی بات کہنے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو روک رہی ہو۔

لفٹ اوپر پہنچی تو دروازہ کھلا۔ زین نے راستہ دکھایا، کوریڈور سے گزرتے ہوئے ایک دروازے کے سامنے آ رکا۔ لاک کھلا، دروازہ کھلا، اور شمع پہلی بار اس اپارٹمنٹ کے اندر داخل ہوئی۔

زین نے سوٹ کیس لا کر لاؤنج میں صوفے کے پاس رکھ دیا۔ شمع وہیں کھڑی رہی، نظریں چاروں طرف گھومتی رہیں۔ اس کی حیرت میں وہی بے یقینی تھی جو اجنبی چھت کے نیچے آ کر انسان کے اندر جاگتی ہے۔

زین چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تھی، اور ایسی ہوک جو وہ خود بھی ٹھیک سے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے گلا صاف کیا، جیسے خود کو کسی عام سے جملے کے پیچھے چھپانا چاہتا ہو۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

شمع آہستہ سے بیٹھی، جیسے صوفے کو نہیں، اپنی حالت کو آزماتے ہوئے بیٹھ رہی ہو۔

زین نے کچن کی طرف دیکھ کر پھر اس کی طرف رخ کیا۔ "چائے لاؤں یا ٹھنڈا؟"

شمع نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔ "کچھ نہیں۔۔۔ پلیز۔"

وہ چند سیکنڈ خاموش رہا، پھر جیسے کوئی دوسرا راستہ ڈھونڈ نکالا ہو۔

"کھانا تو کھاؤ گی نا؟ فریج میں رکھا ہے۔ گرم کر دوں؟"

"نہیں، کھا لیا تھا۔"

زین نے سانس اندر کو کھینچی، جیسے بات آگے نہ بڑھنے پر خود کو سمجھا رہا ہو۔ پھر اس نے گھر کی طرف ایک اشارہ سا کیا—یہ اشارہ ملکیت کا نہیں، اجازت کا تھا۔

"جو کمرہ ٹھیک لگے، وہاں رہ لینا۔ صفائی والی شام میں آتی ہے۔ تم آرام سے سونا۔۔۔ اور کسی بھی چیز کی ضرورت پڑے تو مجھے کال کر لینا۔ باقی بات صبح کر لیں گے۔"

وہ لاؤنج سے نکلنے کے لیے مڑا۔ شمع نے اسے دیکھتے ہوئے فوراً کہا۔ "تم کہاں جا رہے ہو؟"

زین ٹھہر گیا، پھر پلٹے بغیر کہا۔ "کہیں بھی۔"

شمع کے چہرے پر الجھن ابھری۔ "یہاں کیوں نہیں؟ یہ تمہارا گھر ہے۔"

زین نے آہستہ سے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "اب تمہارا ہے۔"

شمع نے جیسے بات کی تہہ میں اترنے کی کوشش کی۔ زین نے فوراً وضاحت دی۔ "مطلب یہ کہ۔۔۔ مناسب نہیں لگتا میں یہاں مزید رکوں۔ تم انکل کو بتا دینا کہ تم یہاں ہو۔ وہ فکر مند نہ ہوں۔"

یہ سنتے ہی شمع کی آنکھوں میں کچھ ٹوٹ سا گیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر جیسے اندر جمع خوف باہر نکل آیا ہو۔ "میں اسی لیے وہاں نہیں گئی۔" اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ "اپنے گھر جاتی تو حسن فوراً وہاں پہنچ جاتا۔ اسے ہر ماحول میں ڈھلنا آتا ہے، ہر کسی کے سامنے وہی بات کرتا ہے جو اگلا سننا چاہے۔ وہ سب کو قائل کر لیتا ہے۔ مجھے مجرم ثابت کرنے کا فن اسے آتا ہے۔"

اتنا کہتے اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا اور رونا شروع کر دیا۔ رونا بھی ایسا، جیسے وہ خود کو چھپاتے ہوئے رو رہی ہو—— آواز کم، درد زیادہ۔

زین ایک جھٹکے سے آگے بڑھا۔ پھر چند قدموں کے فاصلے پر دوزانو نیچے بیٹھ گیا—— جیسے حد قائم رکھ کر بھی اس کے قریب رہنا چاہتا ہو۔

شمع نے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے۔

زین نے نظریں چرا لیں۔ "کاش میں کچھ کر سکتا۔۔۔ لیکن نہیں کر سکتا۔"

شمع نے پلکیں جھپکیں، جیسے کسی تلخ حقیقت کو زبردستی اندر اتار رہی ہو۔ پھر اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے دور آ کر بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو۔"

زین اٹھ کر سامنے والے صوفے پر جا بیٹھا۔ کمرے میں درد کی گرمی پھیل چکی تھی۔ شمع نے ہچکی روکنے کی کوشش کی، پھر ٹوٹے ہوئے جملوں میں بات کرنے لگی—وہ پہلی بار کسی کے سامنے پوری بات رکھ رہی تھی۔

"میں نے۔۔۔آخر تنگ آ کر اس کے والدین سے بات کی۔" اس نے انگلیاں ایک بار پھر آپس میں پھنسا لیں۔ "وہ راتوں کو دیر سے آتا تھا، جوئے کی لت تھی اسے۔ کلیکشن کی بھی، اور سچ چھپانے کی عادت۔"

وہ ایک لمحے کو رکی، پھر جیسے یاد کا زخم دوبارہ جاگا۔ "آج رات وہ گھر آیا تو بہت غصے میں تھا۔ چیزیں اٹھا کر پھینکنے لگا۔ کہہ رہا تھا، میں نے اس کے باپ کے کان کیوں بھرے۔ ابھی تو انہوں نے جائیداد اور پیسہ اسے دینا شروع کیا تھا۔ سارا ابھی اسے ملا بھی نہیں تھا کہ میں نے اس پر الزام لگانے شروع کر دیے۔ اس کے باپ کو بدگمان کر دیا۔ شاید انہوں نے اسے فون کیا تھا۔ معلوم نہیں، پر۔۔۔" آخر میں اس کی آواز کانپ گئی۔ "آج۔۔۔اس نے مجھے کافی مارا۔"

کمرے میں یکدم جیسے سب ساکت ہو گیا۔ زین کے ہونٹ بھنچ گئے، وہ کچھ نہ بولا۔

"یہ سب۔۔۔ایک دھکے سے شروع ہوا تھا۔ اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ میں اس سے چھپ کر پناہ لینے اپنے دوست کے گھر آ پہنچی۔"

زین نے گہری سانس لی۔ اس کے لہجے میں نرمی تھی، مگر فیصلہ بھی۔ "تم اب آرام کرو۔"

وہ اٹھا، جیسے بات کو یہیں روک دینا چاہتا ہو—اس لیے کہ وہ کچھ ایسا کہہ نہ دے، جو کہنے کا اسے حق نہ تھا۔

شمع نے جلدی سے کہا۔ "سوری۔"

"کس بات کے لیے؟"

شمع کی آواز میں شرمندگی تھی۔ "آدھی رات کو بے آرام کیا، تمہیں اپنے ہی گھر سے بے گھر کر رہی ہوں۔"

زین کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔ "تم نے مجھے منتخب کیا، مجھے اچھا لگا۔"

زین نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں، پھر پر اعتماد قدم اٹھاتا فلیٹ سے باہر نکل گیا—اور پیچھے لاؤنج میں شمع کی تھکی ہوئی سانسیں، اور ایک نئی رات کا بوجھ رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

فجر سے کچھ ہی دیر پہلے کا وقت تھا جب زین نے گاڑی گھر کے اندر جا کر روکی۔ وہ اندر آیا تو گھر کی فضا میں وہی مانوس سکون تھا، مگر اس رات اس کے قدموں میں ٹھہراؤ کم اور خیالات زیادہ تھے۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ دوسری منزل پر موجود اپنے کمرے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ نیچے سے آواز آئی۔

"زین۔"

وہ ٹھہر گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو ریاض نیچے کھڑے تھے۔ آنکھیں بوجھل دکھائی دے رہی تھیں، جیسے ابھی گہری نیند سے جاگے ہوں۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟" ریاض نے سوال یوں کیا جیسے وہ جواب پہلے سے جانتے ہوں، بس تصدیق کروانا مقصد تھا۔

"اپنے فلیٹ سے۔"

ریاض کی بھنویں اوپر کو اٹھیں۔"یہاں رات گزارنے آئے ہو؟"

زین کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔"کیوں؟ یہ میرا گھر نہیں؟"

ریاض نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔"سوال سے بچنا چاہتے ہو؟"

زین نے چند سیڑھیاں نیچے اتر کر فاصلہ کم کیا۔آواز دھیمی بھی تھی اور محتاط بھی۔"ڈیڈ، فلیٹ میں ایک دوست ہے، اسے پرائیویسی چاہیے۔میں اسے وہاں چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔"

ریاض کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں، پھر جیسے وہ اس کی آنکھوں کے اندر کسی تبدیلی کو پڑھنے لگے ہوں۔"شمع اس وقت تمہارے فلیٹ میں ہے؟"

زین کی مسکراہٹ مدھم پڑ گئی۔وہ ریاض کے قریب آیا اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر ان کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"آپ کو کیسے لگا کہ وہ شمع ہے؟"

ریاض ٹھہر کر بولے۔"اور کس کی خاطر تم رات کے اس پہر اپنا دلعزیز گھر چھوڑ کر 'ہمارے ہاں' آنے کو ترجیح دیتے؟"ریاض نے بات آگے بڑھائی۔"اگر اس کی شادی شدہ زندگی میں کوئی مسئلہ آگیا ہے تو یاد رکھنا—اس کے کسی فیصلے پر اثرانداز ہونے کی کوشش مت کرنا۔"

زین نے فوراً کہا۔" کبھی نہیں۔" پھر اضافہ کیا۔" ہاں، اگر وہ ایک ایسے انسان سے الگ ہونے کا فیصلہ کرے ، جس کا ساتھ اس کے لیے نقصان دہ یا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ تو میں اسے یہ بھی نہیں کہوں گا کہ ایک بار سوچ لو۔"

ریاض کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو تشویش ابھری، مگر انہوں نے مزید سوال نہیں کیا۔ زین نے ہاتھ ہٹا لیے، جیسے یہ سب کہہ کر خود کو بھی سنبھال لیا ہو۔ پھر وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اوپر کی طرف چل دیا—اپنے کمرے کی طرف۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح جب شمع کی آنکھ کھلی تو سامنے دیوار پر لگی گھڑی پر 11:08 بج رہے تھے۔ چند لمحے اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کہاں ہے۔ پھر نرم لحاف کی گرمی، اور کمرے کی ٹھنڈی خوشبو نے اسے یاد دلایا کہ وہ زین کے فلیٹ میں ہے۔

شمع نے آہستہ سے کروٹ لی اور کمرے کو دوبارہ دیکھا۔

پھر اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھے موبائل پر پڑی۔ رات سونے سے پہلے اس نے سائلنٹ کر دیا تھا۔ اسکرین آن کی تو حسن کی ایک کے بعد ایک، کئی مسڈ کالز تھیں۔ دل کے اندر کہیں خوف جاگا، مگر اس نے فوراً خود کو سنبھالا۔ موبائل آف کرنے کا سوچا تو زین کا خیال آ گیا—اس شخص کا، جو کل رات بس خاموشی سے اسے ایک محفوظ چھت تلے لے آیا تھا۔

شمع نے انگلیاں سکرین پر چلائیں اور زین کو ایک مختصر سا پیغام بھیج دیا۔ "میں جاگ چکی ہوں، ناشتہ نہیں لاؤ گے؟"

اس نے موبائل واپس رکھ دیا اور بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔

واش روم سے نکل کر آئی تو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی، ابھی وہ بال سنوارنے ہی لگی تھی کہ ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔

شمع نے دوپٹہ کندھے پر لیا اور باہر جا کر دروازہ کھولا۔ سامنے زین کھڑا تھا—ہاتھ میں شاپر، جیسے صبح کی ساری سنجیدگی اسی شاپر میں بند کر کے لایا ہو۔ چہرے پر معمول کی سی تھکن تھی، مگر آنکھوں میں وہی متوازن سا ٹھہراؤ۔

"اتنی جلدی آ گئے؟" شمع کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

زین نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں دس بجے سے قریبی کیفے میں بیٹھا تھا۔ انتظار کر رہا تھا کہ تم جاگو تو ناشتہ لے کر آؤں۔"

یہ کہہ کر وہ اندر آ گیا اور شاپر اٹھائے ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ شمع دروازے کے پاس ہی کھڑی رہ گئی۔

وہ جیسے اسی لمحے میں ٹھہر گئی تھی۔

اتنا خیال۔۔۔اس کا کون رکھتا تھا؟ آخری بار کس نے کیا تھا؟ سوال ذہن میں آیا تو جواب کہیں بہت پیچھے رہ گیا۔

وہ دونوں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ زین نے ناشتہ نکال کر رکھنا شروع کیا—چند سادہ چیزیں، مگر ترتیب ایسی کہ لگے کسی نے وقت دے کر خریدا ہے۔ شمع نے ایک نوالہ لیا تو محسوس ہوا کہ رات کی گھٹن کچھ کم ہو رہی ہے۔

کچھ دیر بعد شمع نے جیسے اپنا فیصلہ سنایا۔ "میں۔۔۔ مجھے اب اس کے ساتھ نہیں رہنا۔"

زین کے ہاتھ لمحہ بھر کو رُک گئے۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس آہستہ سے چائے کا کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ لیا۔

شمع نے بات جاری رکھی۔ "ناشتے کے بعد مجھے ڈیڈ کے پاس لے چلو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی میں لاہور کی صبح، اس دن کچھ زیادہ ہی اجلی لگ رہی تھی۔ یہ وہ جگہ تھی، جہاں مہوش کا اگلا اہم پڑاؤ تھا۔

ایم فل؛، نیا راستہ، نئی منزل۔

من پسند جستجو!

مہوش نے فائل سینے سے لگا کر راہداری عبور کی، اس کے قدموں میں ہلکی سی جھجھک تھی۔

کلاس روم میں داخل ہوئی تو چند لڑکے لڑکیاں پہلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے تختۂ تحریر پر لکھا تھا۔

"انسانی رویّے کی پیچیدگیاں"

استاد، ڈاکٹر ثمرین، دھیمی مگر پُراعتماد آواز میں بول رہی تھیں۔" جسے ہمارے معاشرے میں ہسٹیریا کہا جاتا رہا، وہ اکثر اندر چھپے خوف، صدمے یا دبے ہوئے دکھ کی زبان ہوتی ہے۔ جسم وہ بول دیتا ہے جو زبان نہیں کہہ پاتی۔"

مہوش کے ذہن میں فوراً گاؤں والی وہ لڑکی آ گئی جو چیخیں مار کر گر پڑتی تھی اور لوگ اسے آسیب زدہ کہتے تھے۔

اچانک پچھلی نشست سے ایک آواز ابھری۔

"لیکن مسئلہ یہ ہے میڈم کہ ہمارے ہاں ہر اداس یا غصے والی عورت کو ہسٹیریا کا ٹھپہ لگا دیا جاتا ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ سننے والا کون ہے؟"

لہجے میں اعتماد بھی تھا اور ہلکی سی کاٹ بھی۔

مہوش نے مڑ کر دیکھا۔

کھڑکی کے پاس بیٹھا وہ لڑکا عام سا نہیں لگ رہا تھا۔ صاف رنگت، سلیقے سے تراشے ہوئے بال، آنکھوں میں عجیب سی سنجیدگی۔ سفید لائننگ والی شرٹ اس پر جچ رہی تھی۔ ہاتھ میں قلم یوں تھاما ہوا تھا، جیسے لفظ اس کے تابع ہوں۔

پروفیسر نے پوچھا۔"آپ کا نام؟"

"عباس کریم۔"

مہوش کو نجانے کیوں لگا کہ یہ شخص مشکل ثابت ہو گا۔

پروفیسر نے اگلا سوال کیا۔ "فرض کریں ایک لڑکی بار بار بے ہوش ہو جاتی ہے، تمام طبّی رپورٹیں درست ہیں—آپ کیا کریں گے؟"

عباس نے ذرا سا آگے جھک کر کہا۔ "میں سب سے پہلے اس کے گھر کی فضا دیکھوں گا۔ اکثر بیماری جسم میں نہیں، رشتوں میں ہوتی ہے۔"

مہوش سے خاموش نہ رہا گیا۔

"اور کبھی مسئلہ صرف یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم عورت کو انسان نہیں، بوجھ سمجھ لیتے ہیں۔ نہ اس کی تھکن دکھائی دیتی ہے، نہ خواب۔"

لڑکے نے پہلی بار اسے پوری توجہ سے دیکھا۔ آنکھوں میں ہلکی سی حیرت ابھری۔

"آپ کا نام؟"

"مہوش علی۔"

ڈاکٹر صاحبہ نے گفتگو سمیٹ لی۔

"یہی فرق ہے نصاب اور حقیقت میں۔ آپ دونوں کی باتیں درست ہیں، بس زاویے الگ ہیں۔" پھر وہ ذرا ٹھہر کر بولیں۔ "یاد رکھیں، ہر بار ایسا نہیں ہوتا کہ نفسیاتی بیماری کی کوئی وجہ ہی ہو۔"

بریک میں لڑکیاں کھڑکی کے پاس جمع تھیں۔ کسی نے سرگوشی میں بتایا کہ عباس کریم کے والد بڑے سرکاری ہسپتال میں جراح ہیں۔ گھر والے چاہتے تھے وہ بھی سفید کوٹ پہنے، مگر اس نے نفسیاتی مرض چن لیے—جسم کے نہیں۔

مہوش نے دور سے اسے دیکھا۔ وہ چند لڑکوں کے ساتھ کھڑا بات کر رہا تھا۔ ہاتھوں کی جنبش میں سادگی تھی، مگر انداز میں خود اعتمادی۔ ایسا آدمی جو جانتا ہو اسے کہاں پہنچنا ہے۔

اسی لمحے عباس نے مڑ کر دیکھ لیا۔

نگاہیں ملیں تو مہوش نے فوراً رخ پھیر لیا۔

کلاس کے بعد راہداری میں وہ پھر آمنے سامنے آ گئے۔

عباس نے پر یقین لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "آپ کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔"

"کون سی؟"

"یہی کہ عورت کو انسان نہیں سمجھا جاتا۔ اس پر مزید سننا چاہوں گا۔"

مہوش نے فائل سینے سے لگائی۔ "ابھی صرف سننے کا وقت ہے، سیکھنے کا سفر لمبا ہوتا ہے۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "اچھا ہے۔ مجھے آسان لوگ ویسے بھی بور کر دیتے ہیں۔"

مہوش کچھ نہ بولی، مگر دل میں ایک انجانا سا کھٹکا ضرور جاگا۔

یہ شخص بحث بھی کرے گا، الجھائے گا بھی۔ شاید یہ ایک ایڈونچر سیکر ہے یا مشکل پسند۔

☆☆☆☆☆☆☆

زین نے گاڑی گیٹ کے سامنے روکی تو شمع نے ایک لمحے کے لیے اپنی ہتھیلیوں کی گرفت مضبوط کی۔ اس کے اندر رات کے خوف کی ٹھنڈک اب بھی باقی تھی، بس اوپر سے ایک نئی ہمت کی تہہ چڑھ گئی تھی۔

شمع نے آنے سے پہلے ہی کال پر اطلاع دے دی تھی، دونوں کے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی وارث فرحان صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ان کی آنکھوں میں ایک لمحے کو سوال ابھرا، پھر شمع کے چہرے کو بغور دیکھا اور۔۔۔سب کچھ سمجھ کر ان کے تاثرات پتھریلے ہو گئے۔ وہ دو قدم آگے بڑھے، شمع کے سر پر ہاتھ رکھا—بہت ہلکے سے، جیسے یہ یقین کرنا چاہتے ہوں کہ وہ واقعی سامنے کھڑی ہے، زندہ، محفوظ۔

کومل دھیمے قدموں سے چلتی لاؤنج میں آئی اور شمع کو دیکھ کر ایک لمحے کو جیسے ٹھہر گئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت بھی تھی اور فکر بھی۔ وہ شمع کے قریب آئی مگر سوال فوراً زبان پر نہ لا سکی۔ پھر خود کو سنبھال کر بولی۔ "میں کچن میں چائے کا کہہ کر آتی ہوں۔"

"حسن کا رات کو فون آیا تھا۔۔۔ابھی بھی آیا ہے۔" وارث کی آواز میں دباد باغصہ تھا۔ "میں تو حیران ہوں، کیسی فحش زبان بولنے لگا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ آپ کی بیٹی رات سے غائب ہے—نہ شوہر کو پتہ ہے، نہ باپ کو کچھ علم۔ غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔"

شمع نے نظریں جھکا لیں۔ دل کے اندر وہی پرانا ڈر سر اٹھانے لگا، مگر اب وہ اس ڈر کے ساتھ بیٹھنے کی عادی ہو چکی تھی۔ "اگر شوہر صحیح معنوں میں بیوی کا محافظ بن کر رہے تو اسے کبھی کہیں اور پناہ لینے نہ جانا پڑے، وہ بھی آدھی رات کو۔"

وارث فرحان نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شمع ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی، زین سنگل صوفے پر—خاموش، مگر موجود۔

شمع نے جیسے خود کو ایک بار پھر سے سمیٹ کر بولنا شروع کیا۔ "وہ جواری ہے۔ سچ چھپاتا رہتا ہے، اور جب پکڑا جائے تو پہلے ہاتھ اٹھاتا ہے، پھر معافی مانگتا ہے۔ نرم دلی دکھا کر چاہتا ہے، سب پہلے جیسا ہو جائے۔" شمع نے باپ کی طرف دیکھا تو نظروں میں ایک التجا آ کر ٹھہر گئی۔ "یہ پہلی بار نہیں ہوا، ڈیڈ۔ بس، آپ کو آج بتا رہی ہوں۔"

وارث فرحان کی جبڑے کی لکیر سخت ہو گئی۔ انہوں نے کچھ نہ کہا، مگر ان کی آنکھوں میں وہ غصہ روشن ہو گیا جو باپ اپنی بیٹی کے تحفظ کو لے کر محسوس کرتا ہے۔

کچھ دیر بعد انہوں نے دھیمے مگر واضح لہجے میں کہا۔ "تمہارا گھر چھوڑنے کا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔"

پھر ایک وقفہ آیا، جیسے اگلا جملہ اپنے اندر بھی چبھ رہا ہو۔ "لیکن آدھی رات کو تم۔۔۔ زین کے پاس گئیں۔" وارث کی نگاہ زین پر گئی، پھر واپس شمع پر۔ "ہم زین کو جانتے ہیں۔ ریاض کو بھی۔ لیکن حسن جیسے لوگوں کو یوں باتیں بنانے کا موقع مل جاتا ہے۔"

شمع نے فوراً سر ہلایا، جیسے اپنی کوتاہی کا اعتراف کر رہی ہو۔ "مجھے اس کا ڈر تھا، ڈیڈ۔ مجھے مار پیٹ کر وہ ایک بار پھر باہر چلا گیا تو میں نے زین سے رابطہ کیا۔ میرے نکلنے تک وہ گھر واپس نہیں آیا تھا۔ میں اس وقت اتنی خوفزدہ تھی کہ اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں۔ وہ فوراً یہاں پہنچ جاتا۔ اسے ہر بگڑی بات بنانی آتی ہے۔ ہر لہر کا رخ اپنے حق میں موڑنا آتا ہے۔"

وارث فرحان نے زین کی طرف رخ کیا۔ "شکریہ، زین۔"

"پلیز، میں نے کچھ نہیں کیا۔ آپ یوں مجھے شرمندہ نہ کریں۔" زین نے سر جھکا لیا۔

وارث فرحان نے مشکور نظروں سے اسے دیکھا۔ "مجھے ریاض نے صبح فون کر کے بتا دیا تھا۔ تم آدھی رات کو گھر چلے گئے تھے۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ شمع کسی مشکل میں ہے اور تم اسے اپنے فلیٹ میں چھوڑ آئے ہو۔"

وارث فرحان نے فیصلہ کن انداز میں شمع کو دیکھا۔ "اب کرنا یہ ہے کہ حسن تمہیں خاموشی سے طلاق دے دے۔" ایک گہری سانس اندر کو کھینچی۔ "ہمیں کچھ نہیں چاہیے—نہ اس کا پیسہ، نہ جائیداد۔ ہمیں صرف آزادی چاہیے۔"

شمع نے سانس روکی۔ "آزادی؟" یہ لفظ اس کے اندر یوں بجا، جیسے کسی بند دروازے پر پہلی دستک ہو۔ وہ خاموش رہی، مگر اس خاموشی میں انکار نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ریاض صاحب اپنی آرام کرسی پر بیٹھے کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، جب زین کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر پھیلی الجھن بتا رہی تھی کہ وہ کسی گہری سوچ میں متبادل پہلو تلاش کر رہا تھا۔

وہ سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"ڈیڈ! عدت کو عموماً ایک پابندی کے طور پر دیکھا جاتا ہے، لیکن اگر غور کریں تو یہ محض ایک انتظار نہیں بلکہ ایک اہم وقفہ ہے۔ میرا خیال ہے اس کا عورت کو کوئی گہرا نفسیاتی فائدہ بھی تو ہوتا ہو گا؟"

ریاض صاحب نے چشمہ اتار کر میز پر رکھا اور بیٹے کی دانائی پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل گئی۔

بالکل زین! تم نے درست سمت میں سوچا۔ طلاق کے بعد عدت کے فوائد صرف نسب کی پہچان تک محدود"
"نہیں، اس کے نفسیاتی پہلو تو بہت زیادہ گہرے ہیں۔

انہوں نے کچھ دیر سوچتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "سب سے بڑا فائدہ 'جذباتی شفا' ہے۔ طلاق ایک ذہنی حادثہ ہوتا ہے۔ عدت عورت کو وہ وقت فراہم کرتی ہے جہاں وہ شور و غل اور سماجی دباؤ سے دور ہو کر اپنے بکھرے ہوئے جذبات کو سمیٹ سکے۔ یہ اسے فوری طور پر کسی دوسرے بندھن میں بندھنے کی جلد بازی سے بچاتی ہے، تاکہ وہ صدمے کی حالت میں کوئی غلط فیصلہ نہ کر لے۔" ریاض صاحب نے ایک گہرا سانس لیا اور مزید کہا۔

یہ وقفہ دراصل ایک 'بفر زون' ہے جو غصے اور نفرت کی شدت کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے، تاکہ مستقبل کی"
"منصوبہ بندی ٹھنڈے دماغ سے کی جا سکے۔

زین کی آنکھوں میں ایک چمک سی آئی جیسے وہ کوئی نئی گرہ کھول رہا ہو۔

"جی ڈیڈ! اور میرا خیال ہے کہ اس کا ایک فائدہ 'خود شناسی' بھی ہے۔ اس عرصے میں اپنی ذات، ترجیحات اور زندگی کے نئے رخ کو پہچاننے کا موقع ملتا ہے۔ وہ ایک ازدواجی رشتے سے نکل کر دوبارہ اپنی انفرادی شخصیت کو دریافت کرتی ہے۔"

ریاض سلمان نے فخر سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"بہت خوب زین! عدت دراصل عورت کو معاشرتی تلخیوں سے بچانے کی ایک ڈھال ہے، تاکہ جب وہ"
"دوبارہ دنیا کا سامنا کرے، تو ذہنی طور پر مضبوط اور مستحکم ہو چکی ہو۔

کمرے میں پھیلی فضا علم اور فہم کی روشنی سے منور ہو چکی تھی۔

دروازے پر پہنچ کر وہ مڑا اور باپ کی طرف دیکھا۔

"میں جانتا ہوں تم کس الجھن کا شکار ہو۔" انہوں نے کتاب ایک بار پھر سے کھولتے ہوئے، اسے دیکھا۔ "میں وارث سے بات کروں گا کہ شمع کا عدت پوری کرنا کتنا ضروری ہے۔ ویسے بھی حسن چندمالی شرائط منوا کر طلاق دینے پر راضی ہو چکا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ڈپارٹمنٹ کی بڑی کلاس روم آج کچھ بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

شاید اس لیے کہ آج سامنے کھڑے شخص کو کسی نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر عدنان رفیق—قدرے بے ترتیب بال، کوٹ کی جیب میں اٹکا ہوا نیلا پین، اور ہاتھ میں چائے کا کپ۔

"میں ڈاکٹر عدنان رفیق ہوں۔" انہوں نے کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا اس یونیورسٹی میں پہلا دن ہے—اور آپ لوگوں کے ساتھ میرا پہلا تجربہ۔ اس لیے آغاز بھی ذرا غیر روایتی ہوگا۔" پھر وہ اچانک رکے، کپ سے ایک گھونٹ لیا اور بولے۔ "ویسے میں چائے کے بغیر سائیکالوجی نہیں پڑھا سکتا۔ ذہن کو کیفین چاہیے، مریض کو صبر اور سٹوڈنٹ کو تھوڑا سا خوف۔"

کلاس میں ہلکی سی ہنسی گونجی۔ مہوش نے پہلی بار انہیں غور سے دیکھا—یہ عام لیکچر دینے والے پروفیسر نہیں تھے، ان میں کچھ غیر متوقع سا تھا۔

ڈاکٹر عدنان نے وائٹ بورڈ پر ایک جملہ لکھا۔

Psychological Sketch – Without Name

"آپ میں سے ہر طالب علم کسی ایک شخص کو چنے گا—یہ اس کلاس کا کوئی بھی فرد ہو سکتا ہے۔ آپ اس کا نام نہیں لکھیں گے۔ صرف یہ بتائیں گے کہ وہ مرد ہے یا عورت، اور پھر اس کی شخصیت کا مختصر نفسیاتی خاکہ بنائیں گے۔ چونکہ آپ کی کلاسز شروع ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ وقت گزر چکا ہے، یہ کوئی مشکل کام نہیں۔"

ایک لڑکے نے ہاتھ اٹھایا۔ "سر یہ تو ان فیئر ہے۔ ہم کسی کو جج کیسے کر سکتے ہیں؟"

پروفیسر نے عینک اتار کر میز پر رکھی۔ "بیٹا، دنیا میں سب سے زیادہ ججمنٹ وہی لوگ کرتے ہیں، جو کہتے ہیں ہم جج نہیں کرتے۔ آپ صرف دیکھیں گے، سمجھیں گے، اور لکھیں گے۔ نام نہ میں پوچھوں گا، نہ آپ بتائیں گے۔ مقصد آپ کی نظر کی گہرائی کو جانچنا ہے۔"

کلاس میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ مہوش نے رجسٹر سیدھا کیا۔ ساتھ والی قطار میں بیٹھا عباس، بنا کچھ کہے بغور پروفیسر کو دیکھ رہا تھا، جیسے کھیل پہلے ہی سمجھ گیا ہو۔

اگلے پندرہ منٹ کلاس کسی خاموش تجربہ گاہ میں بدل گئی۔ مہوش نے قلم انگلیوں میں گھمایا۔ اس کے ذہن میں پہلا چہرہ خود بخود ابھرا—عباس۔

اس نے لکھنا شروع کیا۔

جنس: مرد

گفتگو میں اعتماد، مگر لہجہ اکثر دفاعی

دوسروں کو اکسا کر ردِ عمل دیکھنے کا رجحان

مزاح کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے

توجہ چاہتا ہے، مگر انحصار ظاہر نہیں ہونے دیتا

ممکنہ پس منظر: ہائی اچیور فیملی، توقعات کا دباؤ

جذبات پر گرفت مضبوط، مگر آنکھیں جلد بھید کھول دیتی ہیں

آخری جملہ اس نے ذرا رک کر لکھا۔

خود کو سمجھنے سے زیادہ دوسروں کو سمجھنے کا شوق—شاید اسی لیے سائیکولوجی چنی۔

دوسری طرف عباس نے کاغذ پر قلم رکھا۔اس نے ایک لمحہ مہوش کی طرف دیکھا جو کھڑکی کے پاس بیٹھی لکھ رہی تھی—سنجیدہ، سلیقے سے دوپٹہ سر پر سنبھالے، مگر آنکھوں میں ایک محتاط سی دیوار۔

اس نے لکھا۔

جنس: عورت

حد سے زیادہ خود مختار دکھائی دینے کی کوشش

لوگوں پر آسانی سے بھروسا نہیں کرتی

گفتگو میں گرفت، مگر لہجے میں پوشیدہ تھکن

ماضی کا کوئی شدید تجربہ جس نے دفاعی بنا دیا

خاندان سے گہرا تعلق——ذمہ داری کا احساس نمایاں

درمیانی بیٹی والا سنجیدہ پن

محبت سے خوف، مگر توجہ کی خاموش طلب

وہ رکا، قلم کو دانتوں سے چھوا اور آخری سطر لکھی۔

یہ لڑکی تعریف سے نہیں، احترام سے جیتی جا سکتی ہے——اور شاید میں یہی غلطی جان بوجھ کر کرتا ہوں۔

اس نے کاغذ فولڈ کیا اور پروفیسر کے حوالے کر دیا۔

کلاس ختم ہوئی تو راہداری میں ہلکی گہما گہمی تھی۔ مہوش بیگ کندھے پر ڈال کر باہر نکلی ہی تھی کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"ایک بات پوچھوں؟"

وہ پلٹی۔ عباس دو قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ چہرے پر وہی ناقابلِ برداشت سی مطمئن مسکراہٹ۔

اس نے بھی دنیا بھر کی بیزاری ایک لفظ میں سمو دی۔ "پوچھیں۔"

وہ ذرا سا سر جھکا کر بولا۔ "میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں——آپ نے میرا تجزیہ کیا تھا۔"

مہوش نے بھنویں اچکائیں۔ "آپ تو خاصے خوش فہم ہیں۔ کیا ہم لڑکیاں کلاس میں آپ ہی کو سوچتی رہتی ہیں؟"

عباس نے کندھے اچکائے۔" باقیوں کا تو نہیں جانتا۔۔۔ لیکن جو سب سے زیادہ میرے بارے میں سوچتی ہے،اس کا نام بتا سکتا ہوں۔"

مہوش نے چونک کر اسے دیکھا۔" یہ دھمکی ہے یا خوش فہمی؟"

"میں اسے اپنی زبان میں مشاہدہ کہتا ہوں۔" وہ ہنس دیا۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر الفاظ ترتیب میں نہ آئے۔عباس ہاتھ ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

"کل ملتے ہیں،اینالسٹ صاحبہ۔"

رات کو ہاسٹل کے کمرے میں لائٹس آف ہو چکی تھیں۔مہوش اپنے بستر پر کروٹ بدل رہی تھی۔پنکھے کی یکساں آواز میں اسے آج کا منظر یاد آرہا تھا۔۔۔عباس کا جملہ،اس کی مسکراہٹ،اور وہ عجیب سا اعتماد۔

اس نے تکیے کو مٹھی میں بھینچا۔اس کے ذہن میں ایک اور چہرہ بھی ابھرا۔۔۔اسجد کامران، جنونی،ضدی، محبت کو قید بنا دینے والا۔دل ایک لمحے کو سخت ہوا۔وہ اب ویسی غلطی نہیں دہرا سکتی تھی۔

خود کو سمجھتا کیا ہے یہ عباس کریم!

پھر اسے اپنا لکھا ہوا آخری جملہ یاد آیا۔"خود کو سمجھنے سے زیادہ دوسروں کو سمجھنے کا شوق۔"

اندھیرے میں بھی اس کے ہونٹوں پر بے اختیار ایک مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"جو سب سے زیادہ میرے بارے میں سوچتی ہے،اس کا نام بتا سکتا ہوں۔"

اندازہ تو صحیح ہے،اس کا!

پھر اس نے فوراً چہرہ دوسری طرف موڑ لیا، جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہو۔ مگر مسکراہٹ دیر تک باقی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ہیڈ آفس بندرگاہ سے زیادہ دور نہ سہی، مگر یارڈ کے شور سے الگ ضرور تھا۔ سمندر کی نمکین ہوا یہاں بھی کھڑکیوں کے شیشوں پر ایک ہلکی سی تہہ چھوڑ جاتی تھی۔ عمارت باہر سے سادہ، اندر سے بے حد منظم تھی—— شیشے کے دروازے، خاموش سی لابی، دیوار پر راہبر لاجسٹکس کا لوگو اور نیچے چھوٹے حروف میں: وقت۔ اعتماد۔ ترسیل۔

حماس اور مشعل نے کارڈ ٹیپ کیا تو دروازہ ایک نرم سی بیپ کے ساتھ کھلا۔ سیکورٹی ڈیسک پر بیٹھے آدمی نے دونوں کو ایک نظر دیکھا، ناموں کی فہرست پر انگلی پھیر کر سر ہلایا۔ لفٹ کے اندر شیشے کی دیوار کے پار سمندر کی لکیر اور کنٹینروں کے رنگین ڈھیر دور تک نظر آ رہے تھے۔

تیسرے فلور پر دروازہ کھلا تو ایک لمبا کوریڈور تھا جس کے دونوں طرف شیشے کے کیبن۔ کسی میں دو لوگ کمپیوٹر پر نقشے دیکھ رہے تھے، کسی میں فون کی لائنیں لگاتار چل رہی تھیں۔ دیوار پر فریموں میں پرانے جہازوں کی تصویریں اور درمیان میں ایک بڑی اسکرین: براہِ راست عملیاتی بورڈ۔ اس پر جہازوں کے نام، متوقع آمد/متوقع روانگی، کنٹینر کاؤنٹ، اور مختلف شہروں کی ترسیل کی کیفیت چل رہی تھیں۔

"یہ کنٹرول روم نہیں ہے۔" مشعل نے مدھم آواز میں کہا۔ "یہ تو اعصاب کا مرکز ہے۔"

حماس نے سر ہلایا۔ "اور شاید یادداشت کا بھی۔"

اسی وقت ایک شخص کوریڈور کے آخری سرے سے چلتا ہوا آیا۔ سفید قمیص، سیاہ پتلون، ہم رنگ ٹائی، اور چہرے پر ایسی سنجیدگی جو خوف نہیں دیتی، بس حدود واضح کر دیتی ہے۔ یہ معظم سلطان تھے۔ انہوں نے دونوں کے قریب آ کر ہاتھ ملایا۔ مصافحہ مضبوط، لہجہ نرم۔ "خوش آمدید۔" انہوں نے کہا۔ "میں تم دونوں کو یہاں مہمان نہیں سمجھتا۔ انٹرن شپ کا مطلب ہے—— تمہاری غلطیوں کا خرچ کمپنی اٹھائے گی ۔ لیکن پوسٹ مل جانے کے بعد ذمہ داری تمہارے اپنے کندھوں پر ہو گی۔"

مشعل نے سر جھکا کر کہا۔ "ہم پوری کوشش کریں گے۔"

معظم نے اسے دیکھا۔ "کوشش نہیں، طریقہ۔ یہاں سب کچھ طریقے سے چلتا ہے۔"

پھر انہوں نے کوریڈور کی طرف اشارہ کیا۔

"آج تم دونوں سرکولیٹ کرو گے۔ ہر ڈپارٹمنٹ کی زبان سمجھنی ہے۔ شام کو میرے پاس واپس آ کر بتانا کیا" دیکھا، اور کیا سمجھا۔

ایک فائل انہیں تھمائی۔ "اس میں ہر ڈپارٹمنٹ کا نام اور مختصر تعارف ہے۔ انہیں تمہاری آمد کے متعلق مطلع کر دیا گیا تھا۔"

وہ پہلے دستاویزات و کسٹمز والے کیبن میں گئے۔ اندر ایک عورت تھی، سر پر دوپٹہ، ہاتھ میں اسٹیمپ، سامنے اسکرین پر ایک لمبی فہرست۔ یہاں فائلوں کی بو تھی، پرنٹر کی کھڑکھڑاہٹ، اور فون کی دبی دبی آواز۔

"یہاں کاغذ نہیں چلتا۔" اس نے خود ہی تعارف کے بعد کہا۔ "وقت چلتا ہے۔ ایک غلط کوڈ—— اور کنٹینر دو" دن بند۔

مشعل نے فائل کی طرف جھک کر پوچھا۔ "کوڈ غلط ہو تو پتہ کیسے چلتا ہے؟"

عورت نے ہنستے ہوئے کہا۔ "پتہ تو تب چلتا ہے جب بندرگاہ والے فون کر کے کہتے ہیں: آپ کا کنٹینر رک گیا ہے۔"

"کوڈ اور کنسائنی کے نام کی غلطی؟" حماس نے اسکرین پر نظر جمائی۔

"زیادہ تر۔" عورت نے کہا۔ "کبھی وزن، کبھی ڈاکومنٹس کی ترتیب۔"

حماس نے پوچھا۔ "آپ لوگ کاغذی ترتیب ایک ہی رکھتے ہیں، یا ہر کسٹمر کی اپنی؟"

عورت نے کندھے اچکائے۔ "کسٹمر کی اپنی، وہ جیسے بھیج دے۔"

حماس نے ایک لمحہ سوچا۔

"اگر آپ ایک 'چیک لسٹ' کاپی ہر فائل کے اوپر اسٹینڈرڈ رکھ دیں — کنسائنی، کوڈ، وزن، بل آف لیڈنگ، انشورنس، اور ایک نمبر — تو آپ کو آخری وقت میں فائل کھول کھول کر نہیں دیکھنا پڑے گا۔ اور اگر ایک دو چیزیں ہمیشہ غلط آتی ہیں، تو اسی جگہ پر ریڈ فلیگ لگا دیں۔"

عورت نے پہلی بار پوری توجہ سے اسے دیکھا۔ "یہ بات آپ کو کس نے سکھائی؟"

حماس نے سادہ لہجے میں کہا۔ "ہم نے یونیورسٹی میں 'سسٹمز' نہیں پڑھے، مگر انسانوں کے بیچ غلطی کہاں بنتی ہے — وہ ضرور پڑھا ہے۔"

اگلا کمرہ عملیاتی منصوبہ بندی کا تھا۔ وہاں ایک نوجوان نقشے پر روٹس بنا رہا تھا۔ اسکرین پر لاہور، فیصل آباد، پشاور کے راستوں کے ساتھ ٹائم لائنز اور ٹرکوں کے نمبر۔

"یہاں آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟" مشعل نے پوچھا۔

نوجوان نے کہا۔ "ہم جھوٹے وعدے سے بچاتے ہیں۔ کسٹمر کو امید بیچنی ہوتی ہے، ہمیں حقیقت۔"

حماس نے اسکرین پر چلتی لائن دیکھی۔ "یہ جو متوقع وقتِ آمد دکھا رہا ہے—یہ ٹریفک اور موسم سے اپڈیٹ ہوتا ہے؟"

"جزوی۔" نوجوان نے کہا۔ "کچھ ڈرائیور اپڈیٹ دیتے ہیں، کچھ نہیں۔"

حماس نے پوچھا۔ "تو آپ کس پر بھروسہ کرتے ہیں؟"

نوجوان نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ "جس کی آواز میں گھبراہٹ نہ ہو۔"

مشعل نے اپنی جگہ بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ تو بالکل فیلڈ ورک جیسا ہے۔ ڈیٹا کم، اشارے زیادہ۔"

حماس نے دھیرے سے کہا۔ "اور جس نے اشارے غلط پڑھ لیے، وہ ٹرک بھی غلط بھیج دیتا ہے۔"

پھر وہ اگلے کمرے میں گئے جہاں صارف ڈیسک تھا۔ تین لڑکیاں فون پر بات کر رہی تھیں۔ ایک طرف اسکرین پر ٹکٹ نمبر، دوسری طرف ایک چھوٹا سا بورڈ: "سنیں۔ تصدیق کریں۔ پہنچائیں۔"

ایک لڑکی کال سے فارغ ہوئی تو انہیں بتانے لگی۔

"یہاں صبر سپلائی چین کی پہلی کڑی ہے۔ کسٹمر ناراض ہو تو سب سے پہلے یہاں آتا ہے۔"

مشعل نے پوچھا۔ "اور جب کسٹمر غلط ہو؟"

لڑکی نے ایک سیکنڈ کو اسے دیکھا، پھر کہا۔ "تب بھی آپ کی لہجہ درست رہنا چاہیے۔"

حماس نے اسکرین پر ایک اوپن ٹکٹ پڑھا۔ "یہاں لکھا ہے: کنٹینر ریلیز ہو چکا ہے، مگر گیٹ آؤٹ زیرِ التوا" ہے۔

اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔ "یہ گیٹ آؤٹ پینڈنگ کس طرف کی تاخیر ہے؟ یارڈ یا ڈاکومنٹس؟"

"زیادہ تر گیٹ پر اسکیننگ کی لائن۔" لڑکی بولی۔

حماس نے فوراً کہا۔ "اگر گیٹ پر لائن ہے تو کسٹمر کو 'ریلیز ہو گیا' کہنا ادھورا سچ ہے۔ اسے یہ بھی بتائیں کہ وہ اس وقت قطار میں ہے، اور اندازاً کتنی دیر۔ ورنہ وہ سمجھے گا ٹرک نکل آیا ہے۔"

لڑکی نے حیرت سے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہی مسئلہ ہے! ہر روز تین فون اسی غلط فہمی پر آتے ہیں۔"

حماس نے کوریڈور میں چلتے ہوئے مشعل سے کہا۔ "تم نے دو چیزیں نوٹ کیں؟ پہلی: ہر تاخیر کا اپنا لفظ ہوتا ہے، اور غلط لفظ اعتماد کھا جاتا ہے۔ دوسری: لائنیں صرف سڑک پر نہیں بنتیں، فائلوں میں بھی بنتی ہیں۔"

"بالکل۔" مشعل سر ہلا کر رہ گئی۔

آخر وہ ایک چھوٹے سے کیبن کے باہر آئے جس پر لکھا تھا: تربیتی گردش۔

دروازہ کھلا تو اندر دو میزیں، دو کمپیوٹر، اور ایک سفید بورڈ تھا جس پر ہاتھ سے لکھا تھا: پہلا ہفتہ: مشاہدہ۔ دوسرا ہفتہ: معاونت۔ تیسرا ہفتہ: ایک ذمہ داری اپنے ہاتھ میں۔

وہاں معظم پہلے سے موجود تھے، انہیں دیکھتے ہی خیر مقدمی انداز میں بازو پھیلائے۔

"یہ تم دونوں کی جگہ ہے۔"

"ہمیں پہلے ہفتے کیا کرنا ہے؟" مشعل نے پوچھا۔

"تم دونوں پہلے ہفتے سوال کرو گے، سمجھداری والے۔ جو سوال صرف معلومات مانگے، وہ صرف جواب دلوائے گا۔ جو سوال نظام پوچھے، وہ ذمہ داری تک لے جائے گا۔"

پھر انہوں نے حماس کی طرف دیکھا۔ "تم کل سے دستاویزات اور عملیات میں دو، دو گھنٹے لگاؤ گے۔ اور ہر روز ایک چیز لکھ کر لاؤ گے — 'آج میں نے کہاں وقت ضائع ہوتے دیکھا'۔"

مشعل کی طرف رخ کیا۔ "اور تم صارف ڈیسک کے ساتھ بیٹھو گی۔ تم بشریات میں انسان پڑھتی رہی ہو، یہاں انسان بولتے ہیں۔ تم دیکھو گی کہ ایک ہی تاخیر مختلف لوگوں کے لیے مختلف معنی رکھتی ہے۔"

وہ جاتے ہوئے دروازے کے پاس رکے۔ "تم دونوں سے ایک امید ہے۔ یہ کمپنی میرے باپ کی محنت ہے، اور میرے لیے ذمہ داری۔ تم یہاں رشتے کی وجہ سے نہیں، قابلیت کی وجہ سے رہو گے۔"

معظم چلے گئے تو کمرے میں باہر سے آتی فون کی آوازیں، کی بورڈ کی ٹک ٹک، اور اسکرینوں پر چلتے جہازوں کے نام، یہی گونج رہ گئی۔ مشعل نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہاں خاموشی بھی کام کرتی ہے۔"

حماس نے بورڈ پر لکھا ہوا جملہ پڑھا، پھر کھڑکی سے دور یارڈ کی طرف دیکھا۔

"اور یہاں کام کرنے کے لیے شور نہیں، سمجھ چاہیے۔"

اس نے میز پر پڑی ایک خالی نوٹ بک کھولی۔ پہلے صفحے کے اوپر اس نے لکھا: وقت کہاں ضائع ہوتا ہے؟ پھر نیچے، ایک چھوٹے سے دائرے میں: اعتماد کہاں بنتا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆

ان کا گھر ڈیفنس کی ایک کشادہ اور پُر سکون گلی میں تھا؛ ہلکے بھورے رنگ کی دو منزلہ عمارت، سامنے چھوٹا سا لان، گیٹ کے ساتھ چنبیلی کی بیل اور اندر داخل ہوتے ہی ہلکی سی گلاب کی خوشبو۔ یہ وہ ماحول تھا جہاں ہر چیز سلیقے سے اپنی جگہ پر رہتی تھی، جیسے اس گھر کے مکینوں کی زندگیاں بھی ایک ترتیب میں چلتی ہوں۔

اتوار کی دوپہر تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر لنچ کے بعد چائے لگی ہوئی تھی۔ عباس صوفے پر نیم دراز موبائل اسکرول کر رہا تھا، ماں کچن سے آئیں اور حسبِ عادت اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

"عباس، میں نے تم سے ایک بات کرنی ہے۔"

وہ جانتا تھا بات کس طرف جائے گی، اس لیے مسکرا کر بولا۔ "امی، اگر شادی والا موضوع ہے تو ابھی موڈ اچھا ہے، خراب نہ کریں۔"

ماں نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔ "ہر بات مذاق نہیں ہوتی۔ تمہارے لیے دو لڑکیاں دیکھی ہیں۔ اچھے گھرانے کی ہیں، تعلیم یافتہ، شکل و صورت بھی ماشاءاللہ۔ میں تصویر دکھاؤں گی، تم ایک سیلیکٹ کر لو۔"

عباس سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "امی پلیز۔۔۔ یہ کیا طریقہ ہے؟ کوئی بھیڑ بکریاں ہیں جو میں تصویریں دیکھ کر ایک پسند کر لوں، دوسری ریجیکٹ کر دوں؟ وہ بھی محض نین نقشہ دیکھ کر؟"

ماں نے فوراً ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے شوہر کو مخاطب کیا۔ "دیکھ لیں اپنے لاڈلے کو! پہلے کہتا تھا خاندان میں شادی نہیں کروں گا، اب کہتا ہے سیلیکٹ نہیں کروں گا۔ اس سے تو آپ ہی بات کریں، مجھ سے تو بحث کرنے لگ جاتا ہے۔"

ڈاکٹر راحیل کریم ـــــ شہر کے معروف نیورو سرجن ـــــ اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے مسکرائے۔ان کی آواز میں ہمیشہ کی سی شائستگی تھی۔"اچھا بھئی، بتاؤ تم کیسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو؟ جیسی کہو گے ہم ویسی ہی ڈھونڈ نکالیں گے۔میرے بیٹے کو بھلا کوئی انکار کر سکتا ہے؟"

یہ جملہ سنتے ہی عباس کی سماعتوں سے کسی کی آواز ٹکرائی۔

"آپ تو خاصے خوش فہم ہیں۔۔۔"

راہداری کی وہ نظروں سے بھری دوپہر، مہوش کا تیکھا لہجہ، اور اس کی آنکھوں میں چمکتی ناگواری ـــــ سب مناظر نظروں کے سامنے دوڑنے لگے۔عباس بے اختیار خلا میں دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

ماں نے چونک کر اسے دیکھا۔"کیا ہوا؟ کیا سوچ کر مسکرانے لگے؟ کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔"

راحیل صاحب نے بیوی کی طرف معنی خیز نظر ڈالی۔"لگتا ہے یونیورسٹی میں کچھ چل رہا ہے۔"

عباس ہنس پڑا، مگر ہنسی میں ایک عجیب سی سنجیدگی گھلی ہوئی تھی۔"یونیورسٹی تو میں جنگ کا سپاہی بن کر جاتا ہوں، ابو۔بس دعا کریں، جیت آپ کے بیٹے کی ہو۔"

ماں باپ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ ان کا بیٹا اب صرف کتابوں اور کیریئر کے پیچھے بھاگنے والا لڑکا نہیں رہا ـــــ اس کی زندگی میں کوئی ایسی کشمکش شروع ہو چکی ہے جس کا ذکر وہ ابھی کرنا نہیں چاہتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح قصرِ سلطان کے گیٹ سے گاڑی نکلی تو دھند ابھی پوری طرح چھٹی نہیں تھی۔ سڑک نم تھی اور ہوا میں سمندر کی وہی نمکین مہک تھی جو رات تک کپڑوں میں بسی رہتی ہے۔ ڈرائیور آگے تھا، پچھلی سیٹ پر مشعل نے بیگ گود میں رکھا ہوا تھا اور حماس کھڑکی کے شیشے پر انگلی سے بے ارادہ ایک لکیر کھینچ رہا تھا۔

"کل رات میں نے اپنے نوٹس دوبارہ پڑھے۔ صارف ڈیسک پر جن لوگوں کی شکایات" مشعل بولی۔ موصول ہو رہی تھیں—ان کے جملوں میں غصہ کم، بے بسی زیادہ تھی۔

کیونکہ ان کے ذہن میں تاخیر کا مطلب صرف ٹرک نہیں ہوتا۔ ان کے گھر" حماس نے رخ موڑے بغیر کہا۔ "میں کسی کا بخار بھی اسی کنٹینر کے ساتھ بند ہوتا ہے۔

"مگر تم بھی محتاط رہنا۔ ہمدردی اور عہد ایک دوسرے جیسے لگتے ہیں۔"

میں کوئی وعدہ نہیں کروں گی، بس ان کی بات نہیں کاٹوں گی۔" پھر اس نے پلکیں سکیڑ کر باہر دیکھتے ہوئے "اضافہ کیا۔ "اور تم؟ تم دستاویزات میں کیا کرو گے؟"

حماس نے بیگ سے نوٹ بک نکالی۔ پہلے صفحے پر لکھا ہوا سوال اس کے اپنے لیے بھی ایک چبھتا ہوا اصول تھا۔ "میں نے سوچا ہے میں ان کی فائلوں میں ایک ہی جگہ پر غلطی کے پیٹرن ڈھونڈوں گا۔" اس نے دو انگلیوں سے صفحہ تھپتھپایا۔ "جیسے کل—'ریلیز' والا لفظ۔ یہ لفظ درست ہے مگر مکمل نہیں۔ وہاں بھی ایسی ادھوری سچائیاں ہوں گی۔"

"تم ہر چیز میں 'لفظ' ڈھونڈ لیتے ہو۔" مشعل نے مسکرا کر کہا۔

کیونکہ "حماس نے پہلی بار اس کی طرف دیکھا۔ نظر میں وہی سنجیدگی تھی، مگر اس کے کناروں پر کچھ نرم سا۔

"لفظ غلط ہو تو آدمی غلط سمت میں بھاگتا ہے۔

"تم ایک کام کرنا۔ جب کوئی کسٹمر بہت غصے میں ہو، پہلے اس سے ایک ہی سوال پوچھنا: آپ کو سب سے زیادہ ڈر کس بات کا ہے؟" پھر جیسے اسے یاد آیا کہ وہ زیادہ کہہ رہا ہے، اس نے بات بدل دی۔

"کسٹمر کا ڈر معلوم کروں؟" مشعل نے بھنویں اٹھائیں۔

"ہاں۔ تمہیں جواب نہیں، اس کا مرکز چاہیے۔ کوئی جرمانہ، ڈیڈ لائن، سخت گیر مالک، کوئی بیمار مریض۔ جب وہ مرکز سامنے آ جاتا ہے تو باقی گفتگو سیدھی ہو جاتی ہے۔"

راہبر لاجسٹکس کی عمارت قریب آ گئی۔

گاڑی رکی تو حماس نے دروازہ کھولنے سے پہلے ایک لمحہ توقف کیا، جیسے روزمرہ کی جلدی میں بھی کسی بات کی حفاظت کرنا چاہتا ہو۔

"چلو۔" اس نے کہا۔ "آج ہم وقت ڈھونڈنے آئے ہیں۔"

مشعل نے بیگ کندھے پر ڈالا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔ "اور اعتماد۔"

حماس کو دستاویزات و کسٹمز والے حصے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ سامنے ایک نئی فائل کھلی تھی، اوپر سرخ سٹیکر: "فوری"۔

دوسری طرف مشعل صارف ڈیسک کے پاس ہیڈ سیٹ لگائے بیٹھی تھی، اور اس کی اسکرین پر ایک ہی ٹکٹ بار بار چمک رہا تھا—تاخیر، شکایت، پھر تاخیر۔

"جی، میں سمجھ رہی ہوں۔ آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو بتایا گیا کنٹینر ریلیز ڈ ہے، مگر ابھی تک گیٹ سے باہر نہیں آیا۔ میں آپ کو درست صورتِ حال بتاتی ہوں۔" مشعل فون پر بول رہی تھی۔ اس نے آواز آہستہ رکھی کہ غصے کو مزید ہوا نہ ملے۔ پھر اس نے وہی سوال کیا جو حماس نے سکھایا تھا۔ "آپ کو سب سے زیادہ ڈر کس بات کا ہے؟"

میری فیکٹری کی لائن رک گئی ہے۔ آج شام تک خام" فون کی دوسری طرف ایک مرد کی آواز کانپ سی گئی۔ "مال نہ پہنچا تو پندرہ لوگوں کی شفٹ ختم، اور اوپر سے جرمانہ الگ۔

ٹھیک۔ تو آپ کے لیے اہم چیز وقت ہے، اور جرمانہ۔ میں ابھی آپ کی" مشعل نے قلم نوٹ بک پر رکھا۔ "فائل کھلوا کر تصدیق کرتی ہوں کہ مسئلہ کس جگہ ہے۔

براہ کرم لائن پر رہیں،" اس نے کال کو ہولڈ پر ڈالے بغیر ہی مختصر جملہ کہا، پھر اس نے فوراً اندرونی نمبر ملایا۔ "میں آپ کو چھوڑ نہیں رہی۔

حماس، میرے پاس ٹکٹ ہے—کاغذات کے مطابق ریلیز ڈ ہے، مگر گیٹ آؤٹ نہیں۔ کسٹمر کی فیکٹری" "لائن رک گئی ہے۔ کیا تم دیکھ سکتے ہو کہ فائل میں کہاں اٹکی ہے؟

حماس نے اسکرین پر فائل کھولتے ہی کہا۔ اس کی انگلیاں تیزی، مگر ترتیب سے چلیں۔ "بل آف

"ایک منٹ۔" "لیڈنگ۔ انوائس، پیکنگ لسٹ۔۔۔ سب ہے۔"

پھر وہ ایک جگہ رک گیا۔" یہاں وزن دو جگہ الگ لکھا ہوا ہے۔ ایک میں میٹرک ٹن، دوسری میں کلو۔ اور" کسی نے تبدیلی کا نوٹ نہیں لگایا۔

"تو گیٹ پر اسکیننگ میں وزن نہیں مل رہا ہو گا؟" مشعل نے فوری اندازہ لگایا۔

حماس نے سر ہلایا، جیسے اس نے خود بھی وہی تصویر ذہن میں جوڑ لی ہو۔ "ہاں، گیٹ پر نظام ایک ہی یونٹ مانگتا ہے۔ اگر وزن کے دو ورژن ہوں تو کنٹینر 'چیک' میں چلا جاتا ہے۔ اور 'چیک' کا مطلب ہے قطار میں کھڑے رہنا—مگر کسی کو سمجھ نہیں آتا کہ کیوں۔"

مشعل نے دوبارہ کسٹمر سے گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑا۔ "آپ کا کنٹینر ریلیزڈ ہے، مگر گیٹ پر وزن کی تصدیق میں فرق آ گیا ہے۔ اس لیے وہ اضافی جانچ میں چلا گیا ہے۔ میں نے ابھی اپنے کولیگ سے اصل مسئلہ معلوم کر لیا ہے۔ اب میں آپ کو دو باتیں بتاتی ہوں: ایک، یہ مسئلہ کس کاغذ پر ہے؛ دوسری، ہم اسے کتنی دیر میں درست کر سکتے ہیں۔"

وہ بیک وقت کسٹمر اور حماس دونوں سے فون پر بات کر رہی تھی۔ حماس سے رابطہ اس کے اپنے موبائل پر تھا۔

حماس نے ساتھ ہی کہا۔ "اس کا حل یہ ہے کہ ہم وزن کو ایک یونٹ میں کنفرم کر کے ایک مختصر تصدیقی نوٹ لگا دیں۔ اور ساتھ ڈرائیور کو پہلے سے بتا دیں کہ گیٹ پر دوبارہ اسکین ہو گا۔"

مگر پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ صحیح وزن کون سا ہے—انوائس والا یا پیکنگ لسٹ" اس نے رک کر ایک لمحہ سوچا۔ "والا۔

مشعل نے اس کی بات کاٹنے کے بجائے ایک پل کے لیے خاموشی اختیار کی، پھر کہا۔ "کسٹمر کے لیے صحیح" وزن سے پہلے صحیح خبر ضروری ہے۔

وہ دوبارہ فون پر آئی۔ "آپ کے کاغذات میں وزن دو جگہ مختلف درج ہوا ہے، اسی لیے گیٹ پر مسئلہ بنا۔ میں آپ کو دس منٹ میں حتمی وقت بتاؤں گی، اور اس دوران آپ کو اپ ڈیٹ دیتی رہوں گی، تاکہ آپ کے پاس ادھوری خبر نہ رہے۔"

"ٹھیک ہے، بس مجھے آپ بتاتی رہنا۔" دوسری طرف غصہ جیسے تھوڑا سا بیٹھ گیا۔

حماس نے اس دوران فائل کے نیچے موجود اسکین کو بڑا کر کے دیکھا۔ "یہ چھوٹی غلطی ہمیشہ بڑی تاخیر بن جاتی ہے۔" "یہاں دستخط ہیں، مگر تاریخ والی لائن خالی ہے۔"

اس نے خود سے نہیں، مشعل سے کہا، جیسے دونوں ایک ہی میز پر بیٹھے ہوں۔

"تم نے کل کہا تھا نا—لائنیں فائلوں" مشعل نے کہا، پھر وہ جھک کر اپنی اسکرین پر نوٹ ٹائپ کرنے لگی۔

"میں بھی بنتی ہیں۔

"وزن، یونٹ، تاریخ۔"

حماس نے دستاویزات کے ڈپارٹمنٹ ہیڈ کو مختصر پیغام بھیجا، پھر ایک پرنٹ نکلوا کر اس پر واضح حروف میں لکھا: "وزن کی تصدیق، یونٹ کی یکسانیت"۔

اس نے مشعل سے ایک ہی بات کہی۔ "تم نے کسٹمر کو جس طرح سنبھالا، وہ اصل کام ہے۔"

"اور تم نے جس طرح وجہ پکڑی، وہ بھی کام ہے۔" مشعل نے بھی جواب میں اس کی کارکردگی کو سراہا۔

اور جب پانچ منٹ بعد مشعل نے کسٹمر کو ٹھوس جواب دیا تو اس کی آواز میں اطمینان تھا۔ حماس نے اپنی نوٹ بک کھولی اور اسی صفحے کے نیچے ایک نئی لائن لکھی: ادھوری خبر بھی تاخیر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فجر کے بعد کی ٹھنڈی ہوا میں نمی کی ہلکی سی تہہ تھی۔ڈیفنس فیز 4 کی گلیاں ایسی خاموش تھیں جیسے سارا شہر گہری نیند میں ڈوبا ہو۔دکانوں کے شٹر بند، سائن بورڈ بجھے ہوئے، بس کہیں کہیں چوکیدار کی کرسی اور کونے پر کھڑا آوارہ کتا دکھائی دے جاتا۔

مشعل نے دوپٹہ سلیقے سے سر پر جمایا اور دروازہ ہلکے سے کھٹکھٹایا۔

اندر سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

حماس نے دروازہ کھولا تو اس کے چہرے پر وہی صبح والا سنجیدہ تاثر تھا۔

"حماس۔۔۔میرا دل اداس ہے۔ناشتہ باہر کرنا ہے۔"وہ رکی۔"ذرا دل بہل جائے گا اور چہل قدمی بھی ہو جائے گی۔"

"اس وقت ؟"اس نے گھڑی نہیں دیکھی، بس پیچھے مڑ کر کھڑکی کے پار آسمان پر ایک نظر ڈالی۔"ویسے تو مشکل ہے کہ کچھ کھلا ہو، لیکن چلو، چکر تو لگ ہی جائے گا۔"

وہ دونوں گیٹ سے نکلے تو سڑک پوری کی پوری خالی تھی۔فٹ پاتھ پر شبنم کے ننھے قطرے چمک رہے تھے اور دور کہیں مسجد کے اسپیکر سے ختم ہوتی تسبیح کی آواز ابھی ہوا میں تیر رہی تھی۔ مشعل نے آہستہ چلنا شروع کیا، جیسے ہر قدم میں شہر کی نیند کا خیال رکھ رہی ہو۔حماس ساتھ ساتھ تھا، قدم ناپ کر، ہاتھ جیبوں میں، نظریں سڑک کے سیدھے حصے پر۔

"مجھے سورج طلوع ہوتے دیکھنا ہے۔"مشعل نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

حماس نے صرف سر ہلایا۔ وہ گلی سے مرکزی سڑک کی طرف مڑے تو روشنی کی ہلکی سی لکیر مشرق میں ابھر رہی تھی۔ ایک چوراہے پر ٹریفک لائٹ بے کار سرخ رنگ دکھا رہی تھی، اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔

کچھ دور جا کر ایک چھوٹا سا کیفے دکھائی دیا۔ بورڈ پر نام دھندلا سا تھا، جیسے رات کی ہوا نے اس کے حروف گھسا دیے ہوں۔ مشعل جیسے اسی منظر کی منتظر تھی، قدم رک گئے۔

"یہ کھلا ہے؟" وہ حیرت اور خوشی کا ملا جلا تاثر لیے بولی۔

حماس نے دروازے کے پاس جا کر دستک دی۔ اندر ایک آدمی کرسی سیدھی کر رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا، پھر ہلکے سے اشارہ کیا جیسے کہہ رہا ہو: آ جاؤ۔

کیفے میں ٹھہرے لمحوں کا سکوت اور چائے کی خوشبو ملی جلی تھی۔ ایک کونے میں پنکھا آہستہ آہستہ گھوم رہا تھا۔ باہر کی سنّاٹے والی سڑک اس شیشے کے پار ویسی ہی تھی، جیسے کینوس پر رکی ہوئی تصویر۔

وہ بیٹھے تو مشعل نے ہاتھ میز پر رکھا۔ مینیو اٹھا کر دیکھ ہی رہی تھی کہ اچانک ہونٹوں سے 'سی' کی آواز نکلی۔ کاغذ کا کٹ۔ حماس نے دیکھا، اس کی انگلی کے پاس ایک باریک سا کٹ تھا، جس پر سرخ لکیر ابھر آئی تھی۔

"صبح ہی صبح!" مشعل نے سر جھٹکتے، جیسے خود کو کوسا۔

حماس نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے بس کرسی پیچھے کی، جیب ٹٹولی، پھر فوری فیصلہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ کاؤنٹر کی طرف گیا۔مالک سے کوئی بات ہوئی۔ پھر حماس ایک چھوٹا سا فرسٹ ایڈ والا پیکٹ لیے واپس آیا—روئی، ایک چھوٹی سی اینٹی سیپٹک بوتل، اور پٹی۔ کیفے کی مدھم روشنی میں اس کے ہاتھ زیادہ واضح لگ رہے تھے: پر سکون، محتاط، جیسے ہر چیز پہلے سے ناپی ہوئی ہو۔

"ہاتھ دو۔" اس نے مختصر کہا۔

مشعل نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ حماس نے نظر نہیں ملائی۔ اس کی نظریں کٹ کی لکیر پر تھیں، اور اس کی اپنی سانس کی رفتار پر۔ اس نے روئی کو ہلکا سا گیلا کیا، پھر کٹ کے کنارے پر بہت نرمی سے رکھا۔ مشعل نے پلکیں جھپکیں—درد کم تھا، جلن زیادہ۔

حماس نے پٹی کھولی۔ پہلے ایک چکر، پھر دوسرا، بہت صاف اور نہایت آہستہ۔ وہ گانٹھ لگاتے وقت بھی احتیاط سے انگلیاں موڑ رہا تھا کہ کہیں اس کی جلد پر اضافی دباؤ نہ پڑ جائے۔

"بس۔" اس نے آخر میں کہا، پھر پیکٹ سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔

"اتنی احتیاط۔۔۔" مشعل نے بندھی پٹی کو دیکھا۔

وہ جملہ ادھورا رہ گیا۔ شاید اس لیے کہ کیفے میں باتیں ذرا اونچی لگتی تھیں، اور اس لیے بھی کہ صبح کے وقت کچھ باتیں مکمل کہنا مناسب نہیں ہوتا۔

مالک نے دو چائے اور ایک سادہ سا ناشتہ میز پر رکھ دیا۔ باہر آسمان کا رنگ بدل رہا تھا—نیلے میں ہلکا سا سنہرا پن شامل ہونے لگا۔ مشعل نے شیشے کے پار دیکھتے ہوئے چائے کا کپ ہاتھ میں لیا۔

"وہ رہا۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا، جیسے کسی چیز کو ڈرا کر بھگانا نہ چاہتی ہو۔

مشرق میں روشنی کی لکیر موٹی ہونے لگی تھی۔

حماس نے بھی اس طرف دیکھا۔ وہ چند لمحے کچھ نہ بولا، پھر بس اتنا کہا۔ "ہاں۔"

کیفے کے اندر چمچ کی ہلکی سی کھنک تھی، باہر خالی سڑکیں، اور سنہری روشنی بکھیرتا سورج۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈنر کے بعد بالکونی پر ہلکی سی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ لاہور کی رات اپنے مخصوص شور کے باوجود یہاں نسبتاً خاموش تھی۔ پانچوں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، درمیان میں ایک گول میز، جس پر کپ اور چند پلیٹس رکھی تھیں۔

مشعل نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اطراف میں نظر ڈالی اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ڈیڈ کا آئیڈیا بہت اچھا تھا، ہم سب کو ایک بار پھر ایک ہی چھت کے نیچے اکٹھا کرنے کا۔"

مہوش نے فوراً بات پکڑی۔ "ہاں، میں نے جو واٹس ایپ گروپ بنایا، وہ ہم پانچوں کی باتوں کے لیے کافی نہیں تھا۔"

شمع ہلکا سا ہنس دی۔ اس کی نظریں سامنے پھیلے آسمان پر تھیں۔ "مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے وقت پیچھے چلا گیا ہو۔"

اس کے دل میں ایک خیال خاموشی سے ابھرا — ڈیڈ کو میرا کتنا خیال ہے۔ عدت سے نکلتے ہی میرے دوستوں کو بلوا لیا۔

اسے اس وقت یہی درکار تھا۔

حماس نے میز پر انگلیاں ٹک ٹکاتے ہوئے اعلان کیا۔ "یہ ویک اینڈ بہت اسپیشل ہونا چاہیے۔"

اسی لمحے زین نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔ "چائے کی کمی کون پوری کرے گا، خواتین و حضرات؟"

سب کی نظریں ایک ساتھ اسی کی طرف اٹھیں۔

زین نے فوراً دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے۔ "میں نے کبھی ہاؤس وائف ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔"

مشعل ہنس پڑی، اور حماس نے زیرِ لب کہا۔ "احتیاط پہلے ہی کر لی، بندے نے۔"

"کیا چائے بنانا صرف ایک ہاؤس وائف کی ذمہ داری ہو سکتی ہے؟" مہوش نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے اسے دیکھا۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو۔۔۔ تم ایک ہاؤس وائف سے بہتر ہو یا یہ کہ وہ تم سے کم تر ہے؟"

"اوہ پلیز!" اب اس کے لہجے میں احتجاج تھا۔ "میں صرف اپنا دفاع کر رہا تھا۔" اب اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا، اور اسی تیزی سے زبان بھی چلنے لگی۔ "دیکھو ایک ہاؤس وائف بہت نرم دل، نرم مزاج انسان ہوتی ہے، اور میں اتنا اچھا نہیں۔" وضاحت پیش کرتے ہی اس نے تائید طلب نظروں سے باقیوں کو دیکھا۔ "تم لوگ میری نیک نیتی سے اچھی طرح واقف ہو نا؟"

سب نے سر نفی میں ہلایا اور۔۔۔ ہنس دیے۔

پھر حماس نے مہوش کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ویسے تم گروپ میں اپنے کسی کلاس فیلو عباس کا ذکر کرتی رہتی ہو؟"

مہوش ہلکا سا ہنس دی، اس کے گال اچانک گلابی ہو گئے۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ سب ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

شمع نے فوراً کہا۔ "دال میں کچھ کالا ہے۔"

زین نے فوراً کہا۔ "نہیں، گلابی ہے۔"

مہوش نے ادھر ادھر دیکھا، جیسے زین کو اٹھا کر کچھ دے مارنا چاہتی ہو۔

حماس نے دونوں ہاتھ آگے کر کے صلح کروانے والے انداز میں کہا۔ "بھئی، دونوں کی دوستی ہو گئی ہے، اتنی سی بات ہے۔ اب طنز کے تیر نہیں برسائے جاتے۔"

زین نے بات بدلتے ہوئے حماس اور مشعل کی طرف رخ کیا۔ "ویسے راہبر لا جسٹکس میں انٹرنشپ کیسی چل رہی ہے؟"

مشعل نے فوراً حماس کی طرف اشارہ کیا۔ "میری اس سے بہتر جا رہی ہے۔"

حماس نے ہنستے ہوئے کندھے اچکائے۔ "دیکھ لو، مقابلہ بازی یونیورسٹی سے نکلنے کے بعد بھی جاری ہے۔"

فضا میں ایک ہلکی سی اپنائیت پھیل گئی۔ وہ اپنائیت جو صرف پرانے دوستوں کے بیچ ہوتی ہے—جہاں کسی کو ثابت کچھ نہیں کرنا پڑتا۔

زین نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے آواز لگائی۔ "میرا پسندیدہ مشروب کون لائے گا؟"

ٹیرس پر ہنسی کی ایک اور لہر دوڑ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات لاؤنج میں پردے آدھے گرے ہوئے تھے۔زین ریموٹ ہاتھ میں لیے اسکرین کے سامنے کھڑا تھا، نیٹ فلکس کی فہرست اسکرول کرتا ہوا۔

"شمع نے ایک نئی مووی کا بتایا تھا۔"اس نے حماس کو دیکھے بغیر کہا۔"کہہ رہی تھی کافی اچھی ہے، وہی لگا لیتے ہیں۔"

حماس جو صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، اٹھ کھڑا ہوا۔"تم مووی لگاؤ، میں کولڈ ڈرنکس اور اسنیکس لے آتا ہوں۔"

زین نے مڑ کر اسے دیکھا۔"ابھی تو کھانا کھایا تھا۔"

حماس مسکرایا، جیسے یہ دلیل پہلے بھی سن چکا ہو۔"مووی دیکھتے ہوئے مجھے تو بہت طلب ہوتی ہے۔کچھ خوش ذائقہ کھانے سے لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔"

حماس کچن کی طرف گیا اور اپنی مطلوبہ اشیا لے کر واپس آ گیا۔

زین نے مووی پلے کر دی۔اسکرین پر پہلا سین آیا تو کمرے میں ایک خاموش سی توجہ پھیل گئی۔

دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔کچھ دیر بعد باتیں خود بخود رک گئیں۔مووی نے اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ کبھی کوئی ڈائیلاگ، کبھی بیک گراؤنڈ میوزک، اور درمیان میں صرف بوتل کھلنے یا پیکٹ چرچرانے کی آواز۔

کافی دیر بعد حماس نے نظریں اسکرین سے ہٹائے بغیر کہا۔"مووی تو واقعی اچھی ہے، لیکن تمہارے اندر کا کیا حال ہے؟"

زین نے ریموٹ ٹیبل پر رکھا اور حماس کی طرف دیکھا۔ "میں بہت بہتر، پر سکون زندگی گزار رہا ہوں۔ تمہیں بتایا تو تھا، تم آتے بھی رہے ہو مجھ سے ملنے۔"

حماس نے گردن ذرا سی موڑی، اب پوری توجہ اس پر تھی۔ "شمع اور حسن کی ٹریجڈی کا بہت افسوس ہوا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ شمع کا مزید وقت برباد ہونے سے بچ گیا۔ ٹاکسک بندے کو جتنی جلدی چھوڑ دو، بہتر رہتا ہے۔"

زین نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس کی نظریں دوبارہ اسکرین پر گئیں، مگر ذہن کہیں اور بھٹک گیا تھا۔

حماس نے وقفہ لے کر پوچھا۔ "تم اسے کچھ کہو گے؟"

زین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کس بارے میں؟"

حماس نے اسے حیرت سے دیکھا۔ "تمہیں دوسرا چانس مل رہا ہے، زین۔" اس کے انداز میں اب سنجیدگی تھی۔ "تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے، تم کتنے لکی ہو؟"

زین نے جواب نہیں دیا۔

اسکرین پر مووی چلتی رہی، مگر کمرے میں ایک سوال ٹھہر گیا—بغیر جواب کے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شمع کے کمرے میں اس وقت خاصی گہما گہمی تھی۔ مشعل شاپر کھول کر دوبارہ بند کر رہی تھی، مہوش دوپٹہ بدل بدل کر آئینے میں دیکھ رہی تھی اور شمع صوفے پر بیٹھی موبائل کان سے لگائے مسکرا رہی تھی۔

"زین؟"اس کی آواز میں خاصی اپنائیت تھی۔"ہم تینوں کو شاپنگ کے لیے جانا ہے، ہمیں لے جاؤ۔"

دوسری طرف ایک لمحے کی خاموشی چھائی، پھر زین کا شوخ لہجہ ابھرا۔"کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"پھر ایک ڈرامائی وقفہ لیا۔"یہ آفر میں نے کب کی تھی؟"

شمع ہنس دی۔"ہم اپنی خریداری خود کریں گی۔تم صرف لانے، لے جانے اور کھلانے کا بندوبست کرنا۔"

زین نے بآواز بلند سامنے بیٹھے حماس کو مخاطب کیا۔"یار، یہ تینوں شاپنگ پر جانا چاہتی ہیں۔ہمیں اپنا ڈرائیور اور قلی بنانے کے چکروں میں ہیں۔"

حماس ہنس پڑا۔"ٹھیک ہے، چلے جائیں گے۔انہیں کہو ہم صرف ڈراپ کریں گے۔مقررہ وقت پر انہیں خود طے شدہ مقام پر پہنچنا ہو گا۔"

حماس کی آواز ذرا اونچی تھی، فون کے ذریعے شمع تک صاف پہنچ گئی۔شمع نے فوراً پلٹ کر جواب دیا۔"بڑے سخت قواعد وضوابط ہیں تم لوگوں کے!ایک بار نکلو تو صحیح اپنے بل میں سے، پھر دیکھ لیں گے ہم تمہیں۔"

فون بند ہوا تو تینوں تیاری میں لگ گئیں۔مشعل نے بالوں میں کلپ لگایا، مہوش نے جوتے پہنے اور شمع آئینے کے سامنے ٹھہر سی گئی۔

مہوش نے اسے غور سے دیکھا۔"اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو؟"

شمع نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔"بہت بہتر۔ہاں، کچھ تلخ یادیں ہیں جو کبھی کبھار اچانک حملہ آور ہوتی ہیں، لیکن شروع کے چند ماہ زیادہ مشکل تھے۔اب تو سوچ رہی ہوں کوئی جاب بھی کر لوں۔میں

کبھی کیریئر فوکسڈ نہیں تھی، مگر اب۔۔۔وقت گزاری کے لیے ہی سہی۔ پھر یہ بھی ہے کہ کچھ سیکھ ہی لوں گی۔"

مہوش نے اثبات میں سر ہلایا، جیسے یہ بات اسے اچھی لگی ہو۔

اسی لمحے ملازمہ دروازہ ناک کرتی اندر آئی۔ "بی بی جی، زین صاحب اور حماس صاحب آئے ہیں۔"

مشعل نے کہا۔ "زین کی بات تو ٹھیک تھی، ہم ڈرائیور کے ساتھ بھی جا سکتی تھیں۔"

شمع نے آنکھ دبا کر جواب دیا۔ "پھر انہیں تنگ کون کرتا؟ یہ کہیں اور آوارہ گردی کریں، اس سے بہتر نہیں کہ ہم انہیں اپنے زیرِ دست رکھیں۔"

"اگر یہ زین نے سن لیا نا!" مہوش نے ہنستے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگا لیا۔

شمع نے قہقہہ لگایا۔ "تو کیا کر لے گا؟"

تینوں ایک ساتھ ہنس پڑیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

ریسٹورنٹ کی میز پر رکھے برتنوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ پلیٹوں کی کھنک اور پس منظر میں ہلکی موسیقی—— سب کچھ معمول کا تھا، مگر شمع کے اندر کہیں ایک نیا خواب جاگ رہا تھا۔

حماس نے نوالہ لیتے ہوئے جیسے یونہی کہا۔ "پتا ہے، زین اب ساری نمازیں مسجد میں جا کر پڑھتا ہے۔ فجر کے بعد تلاوت اور تسبیح بھی۔ میں تو واقعی متاثر ہوا ہوں۔"

شمع کا ہاتھ لمحہ بھر کو رک گیا۔اس نے بے اختیار زین کی طرف دیکھا۔ذہن میں ایک شناسا تصویر ابھری—— وہ گھر جہاں کبھی نماز کی تیاری دیکھنے میں نہیں آئی تھی،نہ خود کبھی پڑھی۔قرآن پاک بچپن میں پڑھا تھا، نماز سیکھی تھی۔۔۔مگر بس۔وہ ہلکا سا جھجکی، پھر ہمت کر کے پوچھ بیٹھی "زین، تم میں یہ تبدیلی کیسے آئی؟"

زین لمحے بھر کو ساکت ہوا، پھر نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔اس نگاہ میں کچھ تھا، جسے سمجھنے سے وہ قاصر رہی۔ شمع کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا؛ایسا احساس جسے وہ ابھی کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔

مہوش نے بات کا رخ بدلتے ہوئے مسکرا کر کہا۔"ویسے بہتری تو مجھ میں بھی آئی ہے، میں اب زندگی سے بہت مطمئن ہوں۔"شمع کو لگا مہوش زین کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن کس سے؟ایک بے ضرر سوال ہی تو تھا۔

بات آگے بڑھ گئی۔سب دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گئے۔حماس نے کسی ڈش پر تبصرہ کیا، مہوش ہنس دی۔ شمع نے ایک بار پھر زین کی طرف دیکھا——وہ خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا، جیسے اس موضوع پر کچھ کہنا ضروری نہ ہو۔

شمع کے دل میں سوال گونجا، کیا میں زین کو واقعی جانتی ہوں؟

☆☆☆☆☆☆☆

رات کا اندھیرا مکمل طور پر پھیل چکا تھا۔گھر میں وہ خاموشی تھی جو دن بھر کی باتوں کے بعد خود بخود آجاتی ہے——لائٹس مدھم، پردے سیدھے، اور کچن میں گرم ہوتے دودھ کی ہلکی سی خوشبو۔ شمسہ ہاتھ میں دودھ کا مگ لیے بیڈ روم میں داخل ہوئیں۔

معظم بستر کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھے فائلوں کے کاغذ پلٹ رہے تھے۔ شمسہ نے مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور مناسب موقع دیکھتے ہی دل کی بات کہہ دی۔ "نادیہ کا امریکہ سے فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھی کہ ایان کے لیے مشعل کا رشتہ مانگنے، وہ دونوں میاں بیوی آنا چاہتے ہیں۔"

معظم نے نظر اٹھائے بغیر کہا۔ "میں نے ہمیشہ سے مشعل کے لیے حماس کو ہی سوچا ہے۔"

شمسہ کے چہرے پر فوراً ناگواری آگئی۔ "وہ عجیب نفسیاتی لڑکا ہے، معظم۔ ماں باپ کی بھی اتنی عجیب سی ہسٹری ہے۔ وہ بھلا اسے خوش رکھ پائے گا؟"

معظم نے جارحانہ انداز میں فائل بند کی، اس بار آواز میں سختی تھی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا، تمہارے اندر میرے بھتیجے کے لیے اتنا زہر بھرا ہوا ہے۔ مجھے وہ اتنا ہی عزیز ہے جتنی مشعل اور۔۔۔" پھر رُک کر کہا۔ "اگر مشعل اور حماس دونوں راضی ہوئے، تو ان کی شادی ہونے سے تم سمیت دنیا کا کوئی انسان نہیں روک سکتا۔"

شمسہ نے مگ کو دیکھا، پھر شوہر کو۔ "میں دیکھتی ہوں یہ شادی کیسے ہوتی ہے۔"

یہ جملہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اسی رات شمسہ نے موبائل اٹھایا اور نادیہ کو کال کر دی۔ "معظم تو حماس کو سوچے بیٹھے ہیں، کہتے ہیں مشعل کی شادی اسی سے ہو گی۔"

نادیہ فوراً بولیں۔ "مشعل سے بات کر کے دیکھو، اگر وہ بھی یہی چاہتی ہے تو حماس سے کہو وہ پیچھے ہٹ جائے ۔یہی ایک راستہ بچتا ہے۔"

"میں آخری حد تک جاؤں گی۔" شمسہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "یہ شادی کسی صورت نہیں ہونے دوں گی۔"

اسی رات کچھ دیر بعد—— شمسہ مشعل کے کمرے میں گئیں۔ مشعل کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں، کتاب کھلی پڑی تھی مگر نظر کہیں اور خلا میں محوِ سفر تھی۔ شمسہ نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "تم سے رائے لینی ہے، سوچ سمجھ کر جواب دینا۔"

مشعل نے سوالیہ نگاہیں ان پر مرکوز کرتے ہوئے کہا۔ "ضرور۔"

"نادیہ کہہ رہی تھی کہ وہ دونوں میاں بیوی باقاعدہ ایان کے لیے تمہارا رشتہ مانگنے آنا چاہتے ہیں۔ امریکہ سے یہاں آنا کوئی معمولی بات نہیں، اس لیے فون پر رضامندی حاصل کرنا چاہتی ہے کہ یہاں آکر ڈیٹ فکس کریں۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"

مشعل قطعی انداز میں بولی۔ "نہیں، ماما۔"

شمسہ نے بھنویں سکیڑیں۔ "کیوں نہیں؟"

مشعل نے ایک جتاتی ہوئی نگاہ ماں کے چہرے پر ڈالی۔ "کیونکہ میں حماس سے ہی شادی کروں گی۔"

شمسہ کے ہونٹ بھنچ گئے۔ انہوں نے کوئی سوال کیا نہ بحث۔ بس چند لمحے مشعل کو دیکھا اور چپ چاپ اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

اگلی رات شمسہ موقع دیکھ کر حماس کے پاس گئیں۔ لاؤنج میں روشنی مدھم تھی اور ٹی وی بند۔ حماس صوفے پر نیم دراز تھا، باقی سب سونے جا چکے تھے لیکن وہ اتنی جلدی سونے کا عادی نہ تھا۔ ملازمہ کو چائے کا کہہ رکھا

تھااور اسی کے انتظار میں تھا۔ شمسہ کو دیکھتے ہی سیدھا ہو بیٹھا۔انہوں نے بھی ایک نرم سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی۔

"میں نے تمہیں کبھی غیر نہیں سمجھا، حماس۔" پھر بڑے طریقے سے اصل مقصد کی جانب آئیں۔"ایک عجیب مشکل کا شکار ہوں، امید ہے تم مدد کروگے۔"

"ضرور، تائی۔آپ بتائیں تو سہی ہوا کیا ہے؟"اس کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔

"مشعل اپنے باپ کے دباؤ میں آکر کچھ گھبرا گئی ہے۔"

"کیا؟"وہ اب حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔"آپ کھل کر کہیں، ہوا کیا ہے؟"

"بیٹا، میں ماں ہوں۔اس کے اندر کیا چل رہا ہے سب اچھے سے جانتی ہوں۔"وہ اب سر جھکائے کہہ رہی تھیں۔"وہ ایان سے شادی کرنا چاہتی ہے۔تمہارے لیے اس کے دل میں بس ہمدردی ہے۔محبت تو ایان سے ہی ہے۔تم نے دیکھا تو ہوگا کیسے ہم مزاج ہیں دونوں۔"انہوں نے اب حماس کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کی۔ان کی باتوں کا کچھ اثر ہو بھی رہا تھا کہ نہیں۔"معظم کہتے ہیں مشعل کی شادی کریں گے، تو صرف تم سے۔"

حماس کو اپنا تنفس بڑھتا محسوس ہوا۔

وہ جانتا تھا بابا اس سے بہت پیار کرتے ہیں لیکن وہ اس حد تک اس کے لیے سوچتے ہیں، یہ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

اپنی لاڈلی، اکلوتی بیٹی؟

"اب مشعل کہتی ہے وہ انہیں ناراض کر کے ایان سے شادی نہیں کر سکتی۔ بقول اس کے، حماس ایک اچھا دوست تو ہے ہی، زندگی بھی ساتھ گزار لوں گی۔"

حماس کے لیے یہ سب کچھ بہت زیادہ تھا۔ تایا کا اس کی طرف جھکاؤ، مشعل کا ایان کو ترجیح دینا۔۔۔ پھر وہ سب کیا تھا، میرا وہم؟ اسے گزرے برسوں کے کئی ان گنت لمحات یاد آئے، جن میں مشعل کی محبت اسے محسوس ہوئی تھی۔ ان کے بیچ تعلق صرف رومانوی محبت کی حد تک نہ تھا کہ وہ تائی کی باتوں سے بدگمان ہو کر راستہ بدل لیتا۔ یہ وہ رشتہ تھا جس کی گہرائی ناپنے سے وہ ہمیشہ قاصر رہا تھا۔ ہر موڑ پر کچھ چونکا دینے کو کھڑا ہوتا۔ ہر بار کچھ ایسا ہوتا جو اسے شدت سے باور کراتا کہ مشعل اور اس کے بیچ جو بھی ہے، اسے بدلا نہیں جا سکتا۔ کیا تائی صرف اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے۔۔۔؟

"تم ایک بار اسے کہہ دو کہ تمہاری طرف سے کوئی قید نہیں، وہ ایان سے شادی کر سکتی ہے۔ صرف ایک بار۔"

حماس کے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھیں، پھر الگ ہو گئیں۔ "آپ۔۔۔ یہ کیوں کہہ رہی ہیں؟"

شمسہ نے فوراً جواب دیا۔ "تاکہ بات مزید نہ بگڑے۔ تم اچھے ہو، حماس۔ مگر مشعل کی خوشی۔۔۔" وہ الفاظ کو پر اثر بنانے کی نیت سے ٹھہریں۔ "اسے تمہارا بہت خیال ہے، تمہاری خوشی اسے عزیز ہے اور اگر اسے لگا کہ اس سب میں معظم کے ساتھ تمہاری بھی مرضی شامل ہے تو وہ اپنی خوشی پسِ پشت ڈال دے گی۔"

حماس نے آہستہ سے سر ہلایا، جیسے اس کے پاس انکار کے لیے کوئی جواز نہ بچا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام ڈھلی تو عقبی باغ میں میز پر چائے رکھ دی گئی۔ درختوں کی ٹہنیوں میں ہلکی سی ہوا تھی اور روشنی میں وہ سنہرا سا رنگ آ گیا تھا جو صرف شام کے وقت ہوتا ہے۔ مشعل چائے کی چسکیاں لیتی ایک نظر درختوں کے سر سبز پتوں پر ڈالتی اور ایک سرسری نگاہ۔۔۔ سامنے بیٹھے حماس پر۔

کچھ دیر بعد حماس نے کچھ یوں کہا جیسے جملہ اس کے منہ سے نہیں، کسی اور کی زبان سے نکل رہا ہو۔

"ایان۔۔۔ ہر لحاظ سے مجھ سے بہتر ہے۔ تم اس سے شادی کر لو۔"

مشعل کی انگلیاں پیالی پر رک گئیں۔ "کیا؟"

حماس نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔ "تم اس سے شادی کر لو۔ وہ بہتر۔۔۔"

مشعل کی کرسی کی چرچراہٹ پر حماس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "یہ کیا بکواس ہے؟"

وہ پلٹی اور چل پڑی۔ حماس بھی فوراً کھڑا ہوا، تیز قدم اٹھاتا اس کے پیچھے لپکا اور روکنے کی غرض سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ گرفت سخت نہیں تھی، مگر روکنے کے لیے کافی تھی۔

مشعل مڑی۔ اس کی آنکھوں میں غصہ صاف تھا۔

حماس نے ایک سانس میں کہا۔ "پلیز، تم ایان سے شادی کر لو۔ تائی بھی یہی چاہتی ہیں اور میں بھی۔۔۔"

ایک زناٹے دار تھپڑ حماس کے گال پر پڑا، جملہ ادھورا رہ گیا۔

وہ ایک بار پھر جانے کو پلٹی۔

"میں تم سے اتنی دور جانا چاہتی ہوں۔۔۔ جہاں نہ تم دکھائی دو نہ سنائی!" وہ اس کی جانب پشت کیے، اپنا فیصلہ سنا رہی تھی۔

وہ تیز قدموں سے اندر کی طرف چلی گئی۔

پیچھے باغ میں چائے کی میز رہ گئی اور ایک ادھوری چائے کی پیالی۔

حماس چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اس رات گھر کے اندر عجیب سی ساکت کیفیت تھی۔ مشعل نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اور وارڈروب کی جانب بڑھی۔ ایک ایک کپڑا ہاتھ میں آتا، تہہ ہوتا، اور سوٹ کیس میں چلا جاتا۔ ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے مگر آنکھیں ٹھہری ہوئیں، جیسے وہ خود کو کسی فیصلے کی رفتار کے ساتھ زبردستی چلائے جا رہی ہو۔

کچھ دیر بعد سوٹ کیس بند ہو گیا۔ زِپ کی آواز کمرے میں اتنی واضح تھی، جیسے کسی بات پر آخری لکیر کھینچ دی گئی ہو۔ مشعل نے فون اٹھایا، پھر رک گئی۔ کچن میں جا کر ملازمہ کو تلقین کی۔" بابا سے کہیں، مجھے ان سے ضروری بات کرنی ہے، فارغ ہوتے ہی میرے کمرے میں آئیں۔"

مشعل بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ معظم اندر داخل ہوئے تو اسے دیکھتے ہی ان کے چہرے پر فوری سمجھ آجانے والا تاثر آ گیا۔ ایک نظر سوٹ کیس پر ڈالی، دوسری مشعل پر۔"کیا ہوا؟" آواز میں سختی نہیں، تشویش تھی۔"کسی سے جھگڑا ہوا ہے؟"

مشعل نے سر اثبات میں ہلایا، مگر نظریں جھکی رہیں۔"بابا، مجھے حیدر آباد ماموں کے ہاں بھیج دیں، مجھے یہاں نہیں رہنا۔"

معظم نے کرسی کھینچی، آہستہ سے بیٹھ گئے۔"حیدر آباد؟اس وقت؟"بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔"مشعل، ہوا کیا ہے؟"

مشعل نے ایک گہری سانس خارج کی، جیسے اندر کا سارا بوجھ نکال دینا چاہتی ہو۔"آج اس نے مجھے ایان سے شادی کرنے کو کہا۔"

معظم کے چہرے پر بے یقینی آ ٹھہری۔"حماس نے۔۔۔۔یہ کہا؟"

آج تک کچھ نہیں کہا۔اور جب کہا تو یہ، کہ کسی اور سے شادی کر لوں۔"یہ کہہ کر وہ کچھ دیر کو خاموش ہو "گئی۔"مجھے شاک لگا ہے، بابا۔

معظم جواب میں کچھ نہ بولے۔

میں نے ہمیشہ اس کا سوچا اور۔۔اسی کا سوچا۔"وہ ہاتھ پھیلائے اپنی ہتھیلیوں کو گھورتی کوشش کر رہی تھی کہ "نہ روئے۔"اس کا اتنا خیال رکھا، کہ اپنا خیال رکھنا چھوڑ دیا۔

"مشعل بیٹا۔۔۔"معظم نے کچھ کہنے کی کوشش کی، پھر خود ہی چپ ہو گئے۔

"اس نے میری محبت کی توہین کی ہے۔وہ کیا سمجھتا ہے، کچھ بھی کہہ دے گا؟"

معظم نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا، پھر آہستگی سے کہا۔"کیا پتا تمہاری ماں نے اسے ایسا کہنے کو کہا ہو؟"

مشعل نے فوراً انکار میں سر ہلایا۔ "پھر بھی، بابا۔ کیا اسے اپنے حق کے لیے بولنا نہیں آتا؟ کوئی کچھ بھی کہے، تو وہ مجھ سے دستبردار ہونے کو تیار ہو جائے گا؟ ہمارا بچپن سے ایک تعلق رہا ہے۔"

"کب تک ماموں کے ہاں رہو گی؟"

مشعل فیصلہ کن انداز میں بولی۔ "میں وہاں کی کسی یونیورسٹی میں جاب ڈھونڈھوں گی، کسی وومن ہاسٹل میں رہ لوں گی۔ فی الحال ماموں کے ہاں رہ لوں گی، بس یہاں نہیں۔"

معظم نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی، نظر ایک بار پھر سوٹ کیس پر گئی۔ "میں حماس سے بات کرتا ہوں۔"

مشعل نے فوراً ایک ہی سانس میں کہا۔ "نہیں، مجھے یہاں ایک پل نہیں رکنا۔"

"ٹھیک ہے، میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں۔" وہ رکے۔ "ویسے بھی آجکل میں کام کے سلسلے میں حیدر آباد جانا تھا، آج رات ہی سہی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح ناشتے کی میز پر گھر کی فضا ویسی ہی تھی، جیسے کوئی چیز ٹوٹ کر بھی اپنی جگہ پڑی رہے۔ میز پر چائے کی کیتلی سے بھاپ اٹھ رہی تھی، برتن سجے تھے، مگر ایک کرسی خالی تھی۔ شمسہ نے گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر سوال یوں کیا، جیسے کسی تسلی بخش جواب کی منتظر ہوں۔

"مشعل کہاں ہے؟ ابھی تک آئی نہیں؟ اسے وقت پر کمپنی بھی تو جانا ہے۔"

معظم نے چمچ پلیٹ میں رکھا۔ لہجے میں نہ تلخی تھی، نہ وضاحت کی جلدی۔ "وہ یہاں نہیں ہے۔"

شمسہ نے جیسے سانس روک لی۔ "کیا مطلب؟"

معظم نے سر اٹھا کر شمسہ کو دیکھا، پھر سامنے بیٹھے حماس کو۔ "تم لوگ فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔"

"وہ جو رات کو آپ حیدر آباد کے لیے نکلے تھے۔۔۔؟" شمسہ ہکلا کر رہ گئیں۔

"ہاں، میں نے ہی اسے کہا تھا خاموشی سے نکل آئے۔ مزید کوئی تماشہ نہیں چاہتے تھے، ہم باپ بیٹی۔"

اتنا کہہ کر وہ کرسی پیچھے کر کے اٹھے اور بغیر مزید کچھ کہے، باہر نکل گئے۔ کھانے کی میز پر صرف کپوں کی ہلکی سی کھنک رہ گئی۔

رات میں حماس لاؤنج میں آیا۔ وہاں معظم صوفے پر بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے، آواز میوٹ تھی۔

حماس کی آنکھیں انہیں خالی اور بے رنگ لگیں، انہوں نے نظریں ہٹالیں۔ وہ آکر معظم کے پاس گھٹنے سے لگ کر بیٹھ گیا—— جیسے بچپن میں کسی ڈانٹ کے بعد بیٹھا کرتا تھا۔

اس نے بات کا آغاز کیا۔ "میں نے تائی کو فون پر بات کرتے سنا تھا۔ ان کے بھائی نے فون پر بتایا کہ رات آپ مشعل کو وہاں چھوڑ کر آئے ہیں۔ تائی کی باتوں سے لگا، آپ نے بس انہیں اتنی سی وضاحت دی کہ میرے ساتھ اس کا کوئی جھگڑا ہوا ہے۔"

"کچھ تو کہنا تھا، یوں رات میں جانا تھوڑا عجیب تھا۔ اچھا یہ ہوا کہ ابھی زیادہ رات نہیں ہوئی تھی، ابھی تو ہم نے ڈنر بھی نہیں کیا تھا کہ مشعل۔۔۔" ایک ناراض سی نگاہ اس پر ڈالی۔

"بابا، وہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔" وہ یوں بولا جیسے ان کی طرف سے کوئی تردید سننا چاہتا ہو۔

معظم نے اب کی بار اس کی طرف دیکھنے کی بجائے رخ ٹی وی سکرین کی جانب رکھا۔ "تم نے بات ہی بہت غلط کہی۔ ایان سے شادی کا کہہ دیا؟"

حماس نے فوراً کہا، جیسے اپنے اوپر سے بوجھ اتارنا چاہتا ہو۔ "مجھے تائی نے ایسا کہنے کو کہا تھا۔"

معظم کی آواز میں پہلی بار غصے سے زیادہ افسوس تھا۔ "کوئی تمہیں اپنا حق چھوڑنے کو کہے گا، تمہیں کم تر ثابت کرنے کی کوشش کرے گا—تو تم اپنے حصے کی جنگ بھی نہیں لڑو گے؟ اگر تم ہتھیار ڈال دو گے، تو جو تم سے پیار کرتے ہیں وہ تمہارے لیے کچھ نہیں کر پائیں گے۔"

حماس نے نظریں جھکا لیں۔

"اب جب تک مشعل خود واپس نہیں آتی، تم اس کے پاس جانا نہ رابطہ کرنے کی کوشش کرنا۔" انہوں نے جیسے بات ختم کی۔

حماس کے اندر کچھ ٹوٹ کر بیٹھ گیا۔

وہ چپ رہا—اس چپ میں وہ احترام تھا جو وہ ان دو لوگوں کے لیے رکھتا تھا، جو اسے سب سے زیادہ عزیز تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

لاؤنج سے وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف آیا۔

دروازہ کھولا تو کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔اس نے مرکزی لائٹ آن کرنے کے بجائے راہداری سے آتی روشنی کا سہارا لیا۔بوجھل قدموں سے اندر آیا اور بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ آن کر دیا۔دھیمی روشنی نے محدود سا سہارا دیا۔

اس نے پلٹ کر کمرے کا دروازہ لاک کیا اور بیڈ کی جانب بڑھا۔

کچھ دیر غائب دماغی سے بیڈ کے اس کونے کو دیکھا جہاں روشنی تھی۔پھر بے دلی سے جوتے اتارے اور اوندھے منہ بیڈ پر لیٹ گیا۔کپڑے بدلنے کی ہمت نہ تھی۔وہ عجیب سی سستی محسوس کر رہا تھا۔جیسے اس وقت کچھ بھی کرنے کے لیے جو توانائی درکار تھی۔۔۔اس کا وجود اس سے خالی تھا۔یونہی لیٹے اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھے سلور فریم پر گئی۔درمیانے سائز کا فوٹو فریم۔

نہ چاہتے ہوئے بھی ایک دھیمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیل گئی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر فریم اٹھایا اور آنکھوں کے قریب لے آیا۔

اسے دیکھنے کی خاطر اپنا رخ بدلا، بائیں کروٹ لیٹ گیا۔

مشعل اور حماس۔

عمر چودہ سال۔

اسے سب یاد تھا۔

اس تصویر میں وہ عقبی باغ کی گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔مشعل نے شوخ گلابی کپڑے پہن رکھے تھے، سفید اور گلابی رنگوں کے امتزاج کا دوپٹہ بہت سلیقے سے کندھوں پر پھیلا رکھا تھا۔حماس نے گہری سبز لائننگ والی

شرٹ پہن رکھی تھی، سیاہ جینز پر مٹی کے دھبے واضح دکھائی دے رہے تھے۔اتوار کا دن تھااور صبح گیارہ بجے کا سورج ان کی آنکھوں میں چبھ رہا تھا، دونوں نے بمشکل آنکھیں کھول رکھی تھیں۔دونوں کے چہروں پر تھکاوٹ تھی، آنکھوں میں خاص قسم کی بیزاری، جیسے یہ تصویر ان کی مرضی کے خلاف لی گئی ہو۔

کچھ دیر قبل وہ دونوں کرکٹ کھیل رہے تھے، جب حماس کا مارا چھکا، دوسری منزل کی کھڑکی میں جالگا۔ہلکی سی چھناکے کی آواز آئی اور بال ان دو ونوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

"اسے بھی اونچا ہی اڑنا تھا!" مشعل چڑ کر بولی۔پھر کچھ سوچ کر اسے روکا جو اندر جانے کو لپکا تھا۔"تم یہیں ٹھہرو، میں لے کر آتی ہوں۔یوں کسی کو شک بھی نہیں ہو گا کہ یہ ہماری بال سے ٹوٹا ہے۔"

حماس نے اسے تیز قدموں سے اندر جاتے دیکھا اور خود وہیں کھڑا ہو کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

اس انتظار کا نتیجہ کافی حیران کن نکلا۔اندر سے صرف مشعل ہی نہیں، اس کا ہاتھ تھامے شمسہ بھی ساتھ نکلیں۔

"آئندہ یہاں کرکٹ کھیلنے پر پابندی ہو گی۔" انگلی اٹھاتے ہوئے، انہوں نے دونوں کو خبردار کیا تھا۔"لیکن اتنی آسانی سے جان بھی نہیں چھوٹنے والی۔" ایک نظر عقبی باغ اور لان پر ڈالی۔"تم دونوں آج حاکو چاچا والا کام کرو گے۔"

"حاکو چاچا والا؟" دونوں یک زبان ہو کر بولے۔وہ جانتے تھے آجکل یہ ملازم کس ڈیوٹی پر معمور تھا۔گھر کے عقبی حصے میں سے درختوں سے گرے پتے اور کاغذ یا شاپر جو ہوا ارد گرد سے اڑا کر لے آیا کرتی، ان سب کو سمیٹنا۔ان دونوں نے جائزہ لیا۔آج اٹھانے کو کافی کچھ تھا۔

"آج اسے باقی کام نبٹانے میں دیر ہو گئی، ابھی تک یہاں کی صفائی نہیں کر پایا۔" ایک بار پھر لہجے میں کرختگی آئی۔ "تم لوگوں کی وجہ سے اب اسے کھڑکی میں نیا شیشہ لگانا ہو گا، اس لیے یہ والا کام تم دونوں مل کر کرو گے۔"

پھر انہیں واقعی اس کام پر لگا دیا گیا۔

جب دونوں تھک ہار کر گھاس پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھے، ان کے ہاتھ کافی گندے ہو چکے تھے۔

صرف یہی نہیں، معظم ہاتھ میں کیمرہ اٹھائے پہنچ گئے۔

"بھئی ایک ہی تصویر رہتی ہے، وہ لے لوں؟" ان دونوں کے سامنے وہ کھڑے یوں مسکرا رہے تھے جیسے ان کی حالتِ زار دیکھ کر حظ اٹھا رہے ہوں۔ "آج تم دونوں نے کام بھی تو بہت کیا۔ کچھ ریوارڈ تو بنتا ہے۔"

"اس حالت میں تصویر؟" مشعل نے احتجاج کیا۔

"اس لمحے کو قید کر کے؟" حماس بھی اسی وقت بولا۔

تصویر تو معظم نے لینی تھی، سو وہ لی گئی۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

پھر جیسے کچھ یاد آیا۔۔۔ اور مسکراہٹ نے درد کی صورت اپنا لی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"اچھاہوا تم یہاں آ گئے۔" زین نے چائے کی ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھی اور صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ حماس جو صوفے پر نیم دراز تھا، اٹھ بیٹھا۔

"آج تو اتوار ہے، مجھے وقت دے سکتے ہو۔" حماس نے چائے کی چسکی لی اور ابرو اچکاتے ہوئے دوست کو دیکھا۔ "کافی اچھی چائے بنانے لگے ہو۔"

زین ہنس دیا۔ "بہت کچھ اچھا بنانے لگا ہوں، اکیلا جو رہتا ہوں۔"

"تم نے بتایا نہیں۔" حماس نے صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ "تم نے علیحدہ رہنے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"اب فون پر کیا بتاتا۔ خاور بھائی کا رشتہ پکا ہوا، اور احمر نے پاکستان آنے کا عندیہ دیا۔ آجکل اس کے لیے بھی لڑکیاں دیکھی جا رہی ہیں۔"

حماس نے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا۔ "اتنی بہت سی خبریں ایک ساتھ؟"

"ایسا ہی ہے۔" زین نے کپ دونوں ہاتھوں میں تھامتے جیسے اس کی گرمائش اندر اتارنی چاہی۔ "پہلے تو خاور بھائی کی شادی اگلے ماہ کرنے کا ارادہ تھا، پر اب یہ ارادہ ملتوی کیا جا چکا ہے۔ دونوں بھائیوں کی شادی ساتھ کی جائے گی۔"

"اوہ۔ تو اس سے پہلے کے گھر پوری طرح سے بھر جائے، تم نے اپنی دنیا الگ بسالی۔"

"شاید۔۔۔"زین کپ میز پر رکھتے،اس کی طرف مڑا۔"مجھے یہ تبدیلی اچھی لگ رہی ہے۔ویسے تو یہی سوچ کر الگ ہوا تھا، کہ گھر کی دونوں منزلوں میں بھائی سیٹ ہو جائیں گے، مجھے اپنا الگ گھر بنانا چاہیے۔لیکن شاید۔۔۔اندر کہیں۔۔۔میں یہی چاہتا تھا۔"

"الگ رہنا؟"

"ہاں۔"

"پھر تو سب کے لیے اچھا ہو گیا۔"

"ڈیڈ بہت خوش ہیں۔آفس میں تو روز ہی ملاقات ہوتی ہے۔اتوار کو کھانا بھی فیملی کے ساتھ کھاتا ہوں، تقریباً سارا دن وہیں ہوتا ہوں۔"

"یہ تم نے خریدا کیسے ؟کام شروع کیے تو ابھی اتنا عرصہ نہیں ہوا کہ تم یہ اپارٹمنٹ اپنے طور پر افورڈ کر پاتے۔"

"میں نے ڈیڈ سے کہا مجھے گھر میں سے حصہ نہیں چاہیے۔انہوں نے کہا، تم گھر چھوڑ بھی دو، تمہیں باقی جائیداد میں سے حصہ ضرور ملے گا۔"زین نے کندھے اچکائے۔"پراپرٹی کے علاوہ اچھا خاصا کیش بھی ملا، میں نے اپنی پسند کی جگہ لگا دیا۔"

"یعنی تم تینوں بھائیوں کو حصہ مل گیا؟"

"وہ تو ملنا ہی تھا، لیکن یہ اس کا صحیح وقت تھا۔"اس نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر کپ میز رکھ دیا۔"بتایا نا

،میرے بڑے بھائیوں کی شادی ہونے والی ہے۔ کمپنی کے علاوہ سارا بٹوارہ ہو چکا ہے۔بس احمر جب آئے گا تو کچھ مزید کاغذی کاروائی ہو گی۔"

"آج تو ہم باہر جائیں گے۔"حماس کے چہرے پر لمحے بھر کو خوشی کا تاثر آیا۔

"ہاں،کام کے دنوں میں بھی جلدی لوٹنے کی کوشش کروں گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

بھٹک رہا ہوں عجب وہم کے حصار میں، میں

قریب آتی ہر اک چاپ، تیری لگتی ہے

کسی کی ہنسی، کسی کا رنگِ ردائے جاں

پکارتا ہے مجھے، میں فریب کھاتا ہوں

شام کے وقت شہر ہلکی سی اداسی اوڑھے ہوئے تھا۔زین نے گاڑی ایک کیفے کے باہر روکی تو حماس پہلے ہی دروازہ کھول چکا تھا، جیسے گاڑی کے اندر رکنا اس کے لیے مشکل ہو گیا ہو۔

کیفے میں داخل ہوتے ہی کافی کی خوشبو اور مدھم موسیقی نے ان کا استقبال کیا۔لوگ باتوں میں مگن تھے۔وہ دونوں ایک کھڑکی کے پاس والی میز پر آ بیٹھے۔چائے اور اسنیکس آرڈر کیے، کچھ دیر یونیورسٹی کے قصے دہرائے،اتنے میں ویٹر ٹرے اٹھائے چلا آیا۔

حماس نے چائے کی چسکیوں کے درمیان زین کو چھیڑا۔"تمہاری چائے مجھے زیادہ اچھی لگی تھی۔"

"یہ تعریف ہے یا طنز؟"

"اپنی صلاحیتوں پر ذرا بھروسہ نہیں؟" حماس ہلکا سا ہنس دیا۔ "وہ ڈانس فلور والا زین کہاں گیا؟"

"ایسا ہی ہے، تو پھر ٹھیک ہے۔" زین آگے کو جھکا۔ "اب بات چائے سے دو قدم آگے لے کر جائیں گے، تمہیں اپنے ہاتھ کا کھانا کھلاؤں گا۔"

"یہ دھمکی ہے یا دعوت؟"

"تمہیں اپنے دوست پر ذرا بھروسہ نہیں؟"

دونوں قہقہہ لگا کر ہنس دے۔

رفتہ رفتہ گفتگو سنجیدہ ہونے لگی۔

زین کچھ کہہ رہا تھا—— کسی نئے پراجیکٹ کا ذکر، شاید کمپنی کا—— مگر حماس کی نظر اچانک کچھ فاصلے پر موجود میز پر گئی۔

ایک لڑکی وہاں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی پشت ان کی طرف تھی، اور کندھوں پر آسمانی رنگ کا اسکارف ڈھلکا ہوا تھا—— بالکل ویسے ہی جیسے مشعل باندھتی تھی، بے ترتیب سا، جیسے جلدی میں لپیٹا ہو۔

دوسری لڑکیاں یوں اسکارف نہیں لیتیں۔

یہ وہی ہو سکتی تھی!

حماس کے ہاتھ میں تھاما کپ ہلکا سا لرزا۔ اس نے لڑکی کی پشت سے نظریں ہٹائے بغیر کپ احتیاط سے میز کی سطح پر رکھا۔

"وہ۔۔۔وہ مشعل ہے۔"اس کی آواز ایک دم بدل گئی۔

زین نے چونک کر اس سمت دیکھا۔"کون؟"

حماس کرسی پیچھے سرکاتا ہوا، اٹھ کھڑا ہوا۔"میں ذرا۔۔۔بات کر کے آتا ہوں۔"

وہ تیز قدموں سے اس لڑکی کی طرف بڑھا۔دل کی دھڑکن کانوں میں سنائی دینے لگی۔

بس ایک لمحہ ـــــ ایک لفظ ـــــ اور سب ٹھیک ہو سکتا تھا۔

اس نے قریب جا کر سرگوشی سے ذرا ہی بلند آواز میں پکارا۔"مشعل؟"

لڑکی پلٹی۔

چہرہ اجنبی تھا۔آنکھوں میں حیرت، پیشانی پر سوال۔

"سوری۔۔۔"لفظ بکھر گئے۔"مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔"

لڑکی نے ہلکا سا سر کو خم دیا، پھر کچھ کہے بغیر رخ پھیر لیا۔

حماس وہیں کھڑا رہا۔

وہ اسکارف اب بھی نظر آ رہا تھا ـــــ مگر اب وہ صرف کپڑے کا ٹکڑا تھا، کسی کی شناخت نہیں۔

اگلی جگہ ایک ریسٹورنٹ تھی۔

یہ زین کی پسندیدہ جگہ تھی۔وہ اکثر یہاں آیا کرتا تھا، آج اسے بھی لے آیا تھا۔

کھانا آ چکا تھا، حماس چمچ آدھا منہ تک لے جا چکا تھا، جب ہال کے کونے سے ہنسی کی جھنکار ابھری۔

حماس کے ہاتھ وہیں رک گئے۔

وہ اسے جانتا تھا۔ پہچانتا تھا۔ بے ساختہ، ذرا سی بے پروا۔

یہ ہنسی۔۔۔

"زین، ایک منٹ!"

زین نے کچھ کہنے کو منہ کھولا، پھر اس کے تاثرات میں کچھ ایسا دِکھا کہ اس نے بولنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ویسے بھی حماس کرسی سے اٹھ چکا تھا۔

وہ میزوں کے بیچ سے گزرتا ہوا، اس سمت گیا جہاں سے آواز آئی تھی۔

وہاں تین لڑکیاں بیٹھی تھیں، وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"یہاں۔۔۔" اس کی آواز میں لرزش تھی۔ "یہاں ابھی ایک لڑکی تھی۔ وہ ہنسی تھی، میں نے خود سنا۔۔"

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ "ہم تو کافی دیر سے یہاں بیٹھے ہیں۔ یہاں اور تو کوئی نہیں آیا۔" آس پاس کی میزیں یا تو خالی تھیں یا وہاں مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں رش نہیں تھا۔

"اس کا نام مشعل ہے۔" وہ بولتا چلا گیا، جیسے یوں وہ حقیقت میں سامنے آجائے گی۔ "درمیانہ قد، گندمی رنگت، بات کرتے ہوئے ہاتھ بہت حرکت کرتے ہیں۔"

ایک لڑکی نے نرمی سے کہا۔ "آپ نے شاید ہماری ہنسی سنی ہو۔ لڑکیوں کی ہنسی ملتی جلتی بھی تو ہو سکتی ہے۔"

لفظ سیدھے تھے، مگر حماس کو یوں لگا جیسے کسی نے آہستہ سے اس پر دروازہ بند کر دیا ہو۔

وہ پلٹا۔

ریسٹورنٹ کی روشنی اچانک زیادہ تیز لگنے لگی۔

تیسری جگہ، شاپنگ مال تھا۔

ہجوم، آوازیں، قدموں کی بے ترتیبی۔

زین کسی دکان کے باہر رک کر اس سے کچھ کہہ رہا تھا کہ حماس کو اپنے عقب سے واضح آواز سنائی دی۔

"حماس!"

یہ مشعل کی آواز تھی۔

وہ پلٹا۔ دل کی دھڑکن ایک لمحے کو رک سی گئی۔

دور ایک لڑکی کھڑی تھی، فون ہاتھ میں لیے، انداز ایسا جیسے کسی کا انتظار ہو۔

وہ تیز قدم اٹھاتا اس سمت چل دیا۔ مشعل یہاں؟ اکیلی؟

ذرا قریب پہنچا تو نقوش واضح ہوئے، منظر بدل گیا۔

وہ کوئی اور تھی۔

اور جن کا انتظار کر رہی تھی، وہ دوسرے سرے سے اس کی طرف بڑھتے دکھائی دیے۔

ایک مرد، اس کی انگلی سے لگا ہوا ایک بچہ۔

وہ انہی کا انتظار کر رہی تھی۔

حماس وہیں رک گیا۔

اس بار اس نے سوری بھی نہیں کہا۔ بس پلٹ آیا۔

اب وہ زین کی طرف دیکھنے سے کترا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ناشتے کی میز پر وہ غیر معمولی طور پر خاموش تھا۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی، اور انڈا آدھا کھایا ہوا۔

پھر اچانک بولا۔ "آج میں اس بچے کے پاس جاؤں گا۔"

زین نے چونک کر دیکھا۔ "کون سا بچہ؟"

حماس نے لمحہ بھر سوچا، جیسے یاد کو لفظوں میں سمیٹ رہا ہو۔ "تمہیں یاد ہے، درزیوں کی گلی کے پاس؟ ایک بچہ، جس کے پاس میں رکا تھا۔"

زین نے پیشانی پر بل ڈالے، ذہن پر زور دیا۔

پھر آنکھوں میں پہچان اتری۔

"ہاں، یاد آیا۔ میں نے تمہیں اس کے پاس نیچے بیٹھے دیکھا تھا۔" زین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ "اس کا نام معلوم ہے؟"

حماس نے سر نفی میں ہلایا۔

"اپنا نام تو بتایا ہو گا؟"

حماس ہنس دیا—شاید خود پر۔

"نہیں۔۔۔وہ بھی نہیں۔"

کچھ دیر بعد زین نکل گیا۔

کمرے میں خاموشی رہ گئی،اور ایک بے چین ارادہ۔

حماس چند لمحوں بعد باہر آیااور فون پر رائیڈ بک کی۔

درزیوں کی گلی آج بھی ویسی ہی تھی۔

شور، کپڑوں کی مہک، مشینوں کی آوازیں،

اور لوگوں کی بے نیازی۔

وہ شروع سے آخر تک چلا۔

ہر چہرہ دیکھا،ہر بیٹھنے کی جگہ کو پرکھا۔

یہیں ہوگا—دل ہر لمحہ کہتا،

اور ہر لمحہ ہی انکار ملتا۔

وہ واپس مڑا۔

پھر ایک اور چکر لگایا۔

درزیوں کی گلی میں اب اسے شور نہیں سنائی دے رہا تھا،

صرف اپنی بے چینی کی دھڑکن محسوس ہو رہی تھی۔

تیسری بار اس کے قدم آہستہ پڑ گئے۔

جیسے دل نے مان لیا ہو کہ

شاید یہ بھی ان چیزوں میں سے ایک ہے

جو زندگی میں بس ایک بار ملتی ہیں

اور پھر یاد رہ جاتی ہیں۔

وہ مڑا،

جانے کے لیے۔

اسی لمحے پیچھے سے آواز آئی،

"میں نے دو کہانیاں پڑھی تھیں۔"

حماس جیسے اپنی جگہ منجمد ہو گیا۔

پھر اگلے ہی لمحے تیزی سے پلٹا۔

کچھ فاصلے پر وہی بچہ سامنے کھڑا تھا۔

حماس نے فاصلے کا خیال کیے بغیر، تیز قدم اٹھائے اور اس کے سامنے جا کر اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔

"تم کہاں تھے؟ میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔"

بچے نے چونک کر اسے دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔

"میں تو سمجھا تھا آپ مجھے بھول چکے ہیں۔ آپ نے تو میرا نام بھی نہیں پوچھا تھا۔"

حماس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"اپنا بھی تو نہیں بتایا تھا۔" وہ لمحہ بھر رکا، پھر پوچھا۔ "تم یہاں کیوں نہیں ملے؟ کہاں بیٹھتے ہو؟"

بچے نے کندھے اچکائے۔ "یہ میری جگہ نہیں ہے۔ اس دن ابو بیمار تھے، تو مجھے اکیلا آنا پڑا۔ دکان والے انکل نے اپنی دکان کے باہر تھوڑی سی جگہ دے دی تھی۔"

"اس دن گاہکوں کو ڈھونڈنے میں مشکل نہیں ہوئی؟"

"نہیں، میں تو اس موڑ کے سامنے بیٹھا تھا، جہاں ہماری اصل جگہ ہے۔ انکل نے کہا تم اکیلے ہو، آج وہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں۔"

پھر وہ ذرا ٹھہرا، آنکھوں میں شرارت سی آئی۔

"آپ کیا اتنی دیر سے مجھے ڈھونڈ رہے تھے؟"

حماس چونک گیا۔ "کیا تم مجھے دیکھ رہے تھے؟"

"کافی دیر سے!" بچہ ہنس پڑا۔ "میں دیکھ رہا تھا، آپ آتے جاتے رہے۔" پھر اچانک بولا۔

"آئیں، آپ کو ابو سے ملواؤں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

حماس نے پلیٹ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کھانا کیسا ہے؟"

زین نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں کہنا تو چاہتا ہوں کہ بہت اچھا ہے، مگر اب نماز پڑھنے لگا ہوں، اور جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے۔"

حماس ہنس دیا۔ "یار، سینڈوچ بنائے ہیں، فریزر سے کباب نکال کر تل لیے۔ کوئی مشکل ڈش نہیں بنائی۔"

زین نے مسکرا کر کہا۔ "چھیڑ رہا تھا، سینڈوچ واقعی مزیدار ہیں۔"

کچھ لمحوں بعد حماس بولا۔ "مجھے وہ بچہ مل گیا تھا۔ اس کا نام دلاور ہے۔ اس کے والد سے بھی ملا ہوں۔"

زین نے توجہ سے اسے دیکھا۔

"میں چاہتا تھا، ان کے لیے کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کروا دوں، مگر وہ یہی کام کرنا چاہتے ہیں۔ کہہ رہے تھے بس ایک چھوٹی سی دکان دلوا دو، بارش اور دھوپ سے بچ جائیں گے۔"

زین نے فوراً کہا۔ "آئیڈیا اچھا ہے۔ میں اس نیک کام میں پچاس فیصد کی شراکت کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے دلاور کی تعلیم کی بات بھی کی۔ کہنے لگے، سرکاری اسکول میں داخلہ کروا دیا ہے۔ اب وہ شام کو کچھ ہی دیر ان کے پاس بیٹھتا ہے۔" وہ ذرا رکا۔ "میں نے کہا دلاور کا مستقبل کچھ اور ہونا چاہیے، یہ نہیں۔" حماس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔ "وہ آدمی قائل ہو گیا، پھر کہنے لگا، دن میں کتنے ہی لوگ میرے بیٹے کو میرے ساتھ کام کرتے دیکھتے ہیں، نہ کوئی اس کے مستقبل کی بات کرتا ہے، نہ حال پر افسوس۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کال بند ہوئی تو حماس چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔

سامنے وہی عمارت تھی—— بھوری، تنہا، ذرا سی جھکی ہوئی۔

وہ یہاں پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔اس گھر کو پہچانتا نہیں تھا لیکن فضا میں کچھ ایسا مانوس سا تھا۔۔۔جیسے یہ جگہ کسی اور کی یادوں میں پہلے ہی زندہ رہ چکی ہو۔

وہ بس اتنا جانتا تھا کہ یہ ہارون کمال کی پارٹی تھی اور یہ گھر اس کے تایا کا تھا جو بیرون ملک مقیم تھے۔

اندر قدم رکھتے ہی روشنی بدل گئی۔

یہاں بجلی نہیں تھی۔

دیواروں کے ساتھ رکھی لالٹینیں، کہیں کہیں جلتی موم بتیاں، اور ستونوں کے گرد لپٹی قمقموں کی لڑیاں—— وہی جھجکتی، تھکی ہوئی روشنی جو چیزوں کو پورا ظاہر نہیں ہونے دیتی، بس ان کے خدوخال بتا کر پیچھے ہٹ جاتی ہے۔

ڈرائنگ روم شور سے بھرا ہوا تھا۔

قہقہے، موسیقی، شیشوں کے ٹکرانے کی آوازیں—— مگر ان سب کے نیچے وہی دبا ہوا سناٹا، جو اس گھر کی اپنی پہچان تھا۔

اسے ایک ایسا کمرہ چاہیے تھا، جہاں شور کم ہو۔

جہاں دیواریں قریب ہوں۔

جہاں آدمی خود کو کسی میز یا دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا رکھ سکے——اور کسی کو محسوس بھی نہ ہو۔

وہ ایک نسبتاً تاریک کمرے میں آ کر رکا۔

دیوار کے ساتھ میز تھی۔اس پر چند خالی گلاس، پانچ جلتی موم بتیاں، اور شراب کی دو بوتلیں پڑی تھیں۔

اس نے گلاس اٹھایااور بوتل کھول کر اس میں الٹنے لگا۔

وہ پی رہا تھا، مگر مزہ نہیں آرہا تھا۔

ایک، دو، تین۔۔۔وہ گنتی بھول گیا۔بس یاد تھا تو یہ کہ ہر بار گلاس خالی ہونے پر وہ دوبارہ بھر لیتا۔

وہ تنہا نہیں تھا، مگر اکیلا ضرور تھا۔

تب اس نے اسے دیکھا۔

مغربی لباس میں ملبوس، سرخ لپ اسٹک لگائے، بال کھلے ہوئے۔

وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی، جیسے خود بھی کسی ایسے کونے کی تلاش میں ہو جہاں زیادہ سوال نہ ہوں۔

حماس کی نگاہ اس کے ہونٹوں پر ٹھہر گئی۔

۔۔۔یہ سرخی،

اس نے یہ سرخی پہلے کہاں دیکھی تھی؟

لڑکی نے خود ہی فاصلہ کم کیا۔

گلاس اس کے ہاتھ میں بھی تھا۔دو گھونٹ گلاس میں سستی سے تیر رہے تھے۔

"ہیلو، ہینڈسم۔" وہ مسکرائی۔

"اکیلے ہو۔۔۔اور اداس بھی لگ رہے ہو۔"

حماس نے جواب نہیں دیا۔

بس ایک موم بتی اٹھائی۔

اس کی لو آگے کی، ذرا قریب۔

روشنی لڑکی کے چہرے پر پڑی—آنکھیں، ناک، ہونٹ، تیکھے نقوش واضح ہوئے۔

لڑکی چند لمحے اس کی نگاہوں میں گم رہی۔ سیاہ آنکھیں—حد سے زیادہ گہری۔ کچھ تھا جو وہاں ہلکورے لے رہا تھا۔۔۔ درد، وحشت؟

حماس نے موم بتی واپس رکھ دی۔

"خوبصورت ہو، بس تم وہ نہیں ہو۔"

لڑکی چونکی۔ "کون؟"

"جسے میں ڈھونڈ رہا ہوں۔"

حماس کے ہونٹوں پر ہلکی سی، بے ربط مسکراہٹ آئی۔ "وہ جو میرا آئینہ ہے۔۔۔ جس میں مجھے میرا عکس دکھائی دیتا ہے۔"

لڑکی نے الجھن سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی جانب جھکا، جیسے کوئی راز کی بات بتانے والا ہو۔

"محبت کی تاریخ میں کسی نے یوں اظہار نہیں کیا ہو گا، جیسے اس نے کیا۔"

یہ شخص بہت دلچسپ باتیں کر رہا تھا۔ وہ مسکرائی۔ "ایسا کیا کر دیا اس نے؟"

حماس نے سیدھا ہوتے ہوئے، اچانک اپنے ہی گال پر تھپڑ دے مارا۔

ذرا زور سے۔

شراب کے زیرِاثر وہ ہنس پڑا۔

"اُف۔یہ تو مشعل کا ہاتھ لگتا ہے۔"

"اس نے کیا کیا تھا؟"لڑکی نے غور سے اسے دیکھا۔

"تھپڑ۔وہ بولا۔"تھپڑ کے ذریعے اظہارِ محبت۔یوں کے میں سمجھ بھی گیا اور ہِل بھی گیا۔"

وہ کچھ سمجھ نہ پائی۔وہ خود بھی الجھا ہوا تھا اور اسے بھی الجھا رہا تھا۔"کون کرتا ہے ایسا؟"

اسی لمحے حماس کے فون کی اسکرین جگمگائی۔

زین۔

آواز میں گھبراہٹ تھی۔"کہاں ہو؟"

"وہی۔۔۔ہارون والا پرانا قلعہ۔"

"میں آرہا ہوں۔کہیں جانا مت۔"

کال ختم ہوئی۔

حماس نے گلاس میز پر رکھا۔لڑکی کی طرف دیکھا۔

"زین نے مجھے ہلنے سے منع کر دیا ہے۔لینے آرہا ہے۔"

"تم آئے کیسے تھے؟"

حماس نے ایک نظر چاروں اطراف دوڑائی۔"یہ میرا شہر نہیں ہے۔میرا سب کچھ تو کراچی میں ہے۔۔۔اور اس نے شانے اچکائے۔"کیب سے۔"اب وہاں بھی کچھ نہیں۔"

کچھ دیر بعد زین اندر آیا۔۔۔خاصا حواس باختہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ حماس کو بازو سے تھام کر باہر کی طرف لے جانے لگا۔

لڑکی نے زین سے پوچھا۔"یہ کسی کو ڈھونڈ رہا ہے؟"

زین نے ایک لمحے کے لیے حماس کی طرف دیکھا۔"ہاں،خود کو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل کا ماحول نسبتاً پر سکون تھا۔ڈنر تقریباً ختم ہو چکا تھا کہ اچانک زین نے سامنے آتے شخص کو پہچان لیا۔

وہ ان دونوں کا پرانا یونیورسٹی فیلو تھا۔۔۔لاابالی،بے تکے مذاق کرنے والا،اور باتوں میں حد سے بڑھ جانے والا۔"ارے۔۔۔تم؟"زین اٹھ کھڑا ہوا۔

"واہ بھئی۔"یاور ہنستے ہوئے بولا۔"دونوں اکٹھے؟مجھے حیرت کیوں نہیں ہوئی!"دونوں سے مصافحہ کیا۔

زین نے رسمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔"آؤ،ہمارے ساتھ ہی بیٹھ جاؤ۔"

وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔چند ہلکی پھلکی یونیورسٹی کی باتیں ہوئیں۔۔۔لیکچرز،پروفیسرز،وہی پرانی یادیں۔

پھر اچانک یاور نے رخ حماس کی جانب کیا۔"یار،حماس،وہ تمہاری کزن کہاں ہوتی ہے آجکل؟کیا بھلا سا نام تھا۔۔۔مشعل سلطان!"

حماس نے سر اٹھایا۔ "ہمم؟"

وہ زین کی طرف دیکھ کر ہنسا۔ "ہمیں تو پورا یقین تھا کہ یہ شادی بھی اسی سے کرے گا۔"

زین کے ہونٹ فوراً بھنچ گئے۔اس نے حماس کی طرف دیکھا۔

یاور رکا نہیں۔

"کہیں اس کی کسی اور سے تو شادی نہیں ہو گئی؟"

زین نے سر نفی میں ہلایا۔یاور پھر بھی کچھ نہ سمجھا۔وہ سمجھنا چاہتا بھی نہیں تھا۔

اس نے حماس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "کیا ہوا؟" پھر ہنستے ہوئے بولا۔ "ابھی تو خیر اتنی عمریں بھی نہیں ہوئیں۔امید ہے ایسا کچھ نا ہو کہ کل کو اس کے بچے تمہیں ماموں کہہ کر پکاریں۔"

اگلے ہی لمحے حماس نے اس کا ہاتھ زور سے جھٹکا۔

فضا یکدم بدل گئی۔

وہ شاک میں یکدم کھڑا ہو گیا۔ "ارے، میں نے تو ویسے ہی۔۔"

حماس بھی کھڑا ہو چکا تھا۔اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"اس کا ذکر کیوں کیا؟" آواز بلند نہیں، مگر خطرناک حد تک معتدل تھی۔ "اس کی ذات تمہارے لیے مذاق ہے؟ ہمارا رشتہ تم جیسے لوگوں کے لیے تفریح کا ذریعہ ہے؟"

وہ ہکلا کر رہ گیا۔ "یار، میں نے تو۔۔"

حماس کی گرفت مضبوط ہوئی۔"کسی کے جذبات کو پنچ لائن سمجھ لینا تمہاری عادت ہے؟"

زین فوراً آگے آیا۔"حماس——بس۔ چھوڑو۔"

اس نے دونوں کے بیچ آکر حماس کے ہاتھ یاور کے گریبان سے الگ کیے۔

یاور نے ایک ناراض نگاہ ان دونوں پر ڈالی اور جانے کو پلٹا۔

حماس وہیں کھڑا رہا۔ سانس ذرا تیز تھی، مگر آنکھوں میں غصے سے زیادہ چوٹ نمایاں تھی۔

رات کو لاؤنج میں حماس ٹی وی میوٹ کیے بیٹھا ہوا تھا۔ زین نے سامنے دودھ کا گلاس لا کر رکھا۔"بس، اب سوچنا بند بھی کرو۔"

وہ ہلکا سا ہنسا، جیسے خود پر ہنسا ہو۔"میں سوچ رہا ہوں، یہ تمہیں کس نے بتایا؟"

زین نے ملائمت بھرے لہجے میں کہا۔"تمہارے ماتھے کی شکنوں نے۔ ریلیکس کرو۔ ہو جاتا ہے ایسا، تم نارمل حالات سے نہیں گزر رہے ہو۔"

"مجھے ایگریسو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تم اس سے میری طرف سے ایکسکیوز کر دینا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی شام، جہاز کی سیٹ پر بیٹھا حماس کھڑکی کی طرف منہ کیے ہوئے تھا۔ جہاز ابھی رَن وے پر تھا۔ لوگوں کی آوازیں، انجن کی گونج——سب کچھ موجود تھا، مگر وہ کہیں اور تھا۔

اس نے آنکھیں بند کیں۔

مشعل اس کے سامنے آگئی۔

کراچی سے لاہور، لاہور سے کراچی کی وہ فلائٹس۔۔۔وہ ہمیشہ ونڈو سیٹ مانگتی تھی۔ٹیک آف کے وقت اس کا ہاتھ بے اختیار حماس کی کلائی پر آجاتا تھا،اور وہ کچھ کہتا نہیں تھا۔۔۔بس رہنے دیتا تھا۔

ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی، مگر اگلے ہی لمحے آنکھوں کے کنارے جلنے لگے۔

میں اپنے دکھ کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف دینے کا حق نہیں رکھتا تھا،اس نے سوچا۔

یاور کی ناراض نگاہیں یاد آئیں۔وہ اسے سوری بھی نہ کہہ سکا۔

وہ اسے نرمی سے بھی سمجھا سکتا تھا۔

حماس نے پلکیں مضبوطی سے بند کیں۔ایک آنسو چپ چاپ نکل کر رخسار پر بہہ گیا۔

جہاز نے حرکت شروع کی۔

☆☆☆☆☆☆☆

گھر آتے ہی اس نے اپنی عجیب سی روٹین بنائی۔

صبح دیر تک سویا رہتا۔جاگ بھی جاتا تو گھنٹہ ،دو بستر میں پڑا رہتا۔ملازمہ آتی ناشتے کا پوچھتی، وہ منگوا لیتا۔کچھ دیر بعد دروازہ ناک ہوتا تو وہ بستر سے ہی اندر آنے کا عندیہ دیتا۔ناشتہ اندر رکھ دیا جاتا۔وہ اسی طرح پڑا رہتا۔دیر دوپہر میں وہ واش روم میں نہانے گھستا،تازہ دم ہو کر نکلتا تو ڈائننگ ٹیبل پر جا بیٹھتا،اسے دیکھ کر تائی، ملازمہ سے کہہ کر اس کے لیے کھانا لگواتیں۔وہ چند نوالے زہر مار کرتا پھر گاڑی لے کر باہر نکل جاتا۔اپنے

پرانے دوستوں سے ملتا، کچھ نئے دوست بناتا۔۔۔وہ جو زندگی کو پوری رفتار سے جینا جانتے تھے۔ کبھی کسی پارٹی میں کچھ کھالیتا، کہیں کسی دوست کے ہاں ڈنر۔رات گئے گھر لوٹتا تو سیدھا اپنے کمرے میں جاتا، تھکاوٹ اتنی ہوتی کہ بمشکل جوتے اتارتا اور بستر پر اوندھے منہ گر جاتا۔

صبح لیٹ اٹھتا۔۔۔اور وہی سب دہرایا جاتا۔

یہ اس کی نئی روٹین تھی۔

نئی روٹین معظم کو پسند نہ آئی۔

کچھ دیر قبل ملازمہ ناشتے کا پوچھ کر گئی تھی، دروازے پر دستک ہوئی تو وہیں سے آواز لگائی۔"اندر لا کر رکھ دو۔"

ایک تو روز بتانا پڑتا ہے۔وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔

دروازہ کھلا، بند ہوا۔ برتنوں کی آواز نہ آئی تو اس نے سیدھا ہوتے ہوئے دروازے کی سمت دیکھا۔وہاں معظم کو کھڑے دیکھ کر اس کی ساری سستی اڑن چھو ہوئی۔ تیزی سے اٹھ کر بیٹھا۔آنکھوں میں سوال تھا۔"گڈ مارننگ؟"

"اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو، گھر میں ایک نئے فرد کا اضافہ ہوا، تو سوچا میں بھی مل لوں۔"وہ بیڈ کے کونے پر بیٹھ گئے۔

"نیا کون، بابا؟"اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ دن ہوئے وہ اسی کمرے میں شفٹ ہوا ہے۔" انہوں نے گہری نظروں سے حماس کو دیکھا، تو اس نے شرمندگی سے نگاہیں جھکا لیں۔ "نہ ناشتے پر باہر آتا ہے، نہ شام کو ملاقات ہوتی ہے، میں نے سوچا کمرے میں ہی آ کر حال چال پوچھوں۔"

وہ جواباً خاموش رہا۔

"مجھے تو دونوں ہی ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

ان کے ٹھوس لہجے پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔ "کیا، بابا؟"

"حال، نہ چال۔"

"سوری، آجکل میں ذرا۔۔۔" اسے سمجھ نہ آئی کیا کہے، جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کمپنی آنا بھی ترک کر دیا ہے۔" ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"سوری۔" اس کا سر مزید جھک گیا۔

"تمہارے اس سوری کا میں کیا کروں، بتاؤ؟" ان کا انداز کچھ ایسا تھا کہ حماس کی بے ساختہ نگاہیں ان کے چہرے کی جانب اٹھیں۔ "یہ مجھے اس حماس سے ملوا سکتا ہے جو کمپنی میں تبدیلیاں لانا چاہتا تھا؟ جو مجھے بھی اپنی زندگی کا اہم جزو سمجھتا تھا؟"

"بابا، میرا مقصد آپ کو دکھ دینا ہرگز نہیں۔"

"تو کیا ہے تمہارا مقصد؟" اب کی بار ان کا لہجہ بے لچک تھا۔ "خود کو برباد کرنا؟"

"میں۔۔۔ کوشش کر تو رہا ہوں۔"

"کمپنی نہیں آنا، مت آؤ۔ میں تمہیں انٹرنشپ سے بریک دینے کے خلاف نہیں، لیکن یوں کسی کے چلے جانے پر زندگی کو روکے رکھنا کہاں کی عقلمندی ہے۔" وہ اس کے قریب ہوئے، کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "زندگی کی طرف لوٹ آؤ۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اسی رات وہ گھر سے نکلا۔

ایک دوست کے پاس گیا—— جس کے لیے راتیں بس کسی ہال میں روشن لائٹس، تیز موسیقی، اور قہقہوں کا شور تھیں۔ گھر کی دوسری منزل پر بڑا سا ہال نما کمرہ تھا۔ صرف لڑکے۔ مہنگے پرفیوم، قیمتی گھڑیاں، اور ایسے جملے جن میں کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

کسی نے شیشے کا گلاس اس کے ہاتھ میں دیا۔ دوسرا۔ پھر تیسرا۔ دوست ہنستے رہے، کسی نے کندھا ٹھوکا، کسی نے کہا، "بس یار، چھوڑ—— زندگی ہے۔" اس کی آنکھوں کی ویرانی چھپائے نہ چھپی۔ ہر کوئی اسے بہلانے کی کوشش میں تھا۔ جاننے والے تین چار ہی تھے، کالج کے زمانے کے دوست۔ باقی سب ان کے دوست، ان کے یار۔

حماس نے منع نہیں کیا۔ شاید اس رات اسے منع کرنا آیا ہی نہیں۔

جب وہ وہاں سے نکلا تو شہر کی سڑکیں خالی ہونے لگی تھیں۔ رات کا تیسرا پہر تھا، فجر سے ذرا پہلے کی تاریکی۔ حماس کی ڈرائیونگ سیدھی نہیں تھی—— کبھی لائن کٹتی، کبھی بریک بے وقت لگتی، کبھی رفتار اچانک بڑھ جاتی۔ سڑک کی لائٹس لمبی دھندلی لکیروں کی طرح آنکھوں کے سامنے پھیل رہی تھیں۔

اچانک سامنے سے ایک سایہ سا آیا—سائیکل۔ ہیولا۔ اور پھر ایک جھٹکا۔

حماس نے بریک دبایا مگر دیر ہو چکی تھی۔

گاڑی کے اگلے حصے سے ٹکر کی آواز آئی اور ایک دبلا پتلا سا لڑکا سڑک پر لڑھک کر گر گیا۔

مدہوشی کا پردہ ایک جھٹکے سے ہٹا۔ اس کے ہاتھ کانپے۔ گاڑی فوراً سائیڈ پر لگا دی۔ پاس پڑی پانی کی بوتل اٹھا کر اپنے چہرے پر چھینٹے مارے۔

وہ باہر نکلا تو سڑک سنسان تھی۔ لڑکا بے ہوش پڑا تھا، اس کے سر کے پاس خون پھیل رہا تھا۔ قریب ہی اخبار کے رول گرے پڑے تھے—جیسے کسی نے صبح کی کمائی باندھ رکھی ہو۔ سائیکل ایک طرف الٹی پڑی تھی، پہیہ گھوم رہا تھا۔

لڑکا شاید چودہ سال کا تھا۔

یہ حادثہ حماس کی لمحاتی غفلت کا نتیجہ تھا، وہ یہ بات اسی لمحے جان گیا۔

وہ گھبرا کر جھکا، لڑکے کے کندھے ہلائے۔ جواب نہیں آیا۔ پھر وہ اسے بڑی مشکل سے اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹانے لگا۔ خون اس کی قمیص پر لگا، لیکن اس وقت پرواہ کسے تھی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور سیدھا ہسپتال کی طرف دوڑا—اس بار اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر مضبوط تھے، اور دل میں ایک عجیب سا خوف۔

ایمرجنسی کے باہر جب گاڑی رکی تو چند لوگ لپکے۔ کسی نے اسٹریچر نکالا۔ کسی نے سوال کیا۔ حماس کے منہ سے جملے ٹوٹے پھوٹے سے نکلے۔ اسی دوران پولیس بھی آ گئی۔ سوال جواب شروع ہو گئے۔ حماس کی آواز خشک تھی، مگر وہ حقیقت چھپا نہیں رہا تھا۔

اسی وقت معظم کی کال آئی۔ حماس نے کانپتے ہاتھ سے فون پکڑا۔ "بابا، میں ہسپتال میں ہوں، پولیس آگئی ہے۔ ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔۔۔ میری غلطی تھی۔ وہ لڑکا۔۔۔ بے ہوش ہے۔"

فون کے دوسرے سرے پر چند لمحے خاموشی رہی، پھر معظم کی آواز آئی۔ "میں پہنچتا ہوں۔"

کچھ دیر بعد معظم ہسپتال پہنچے۔ انہوں نے سیدھا پولیس افسر کو روکا—ڈی ایس پی کو۔ رسمی بات چیت ہوئی، کاغذی سوالات، اور پھر معظم کی وہی ٹھنڈی سنجیدگی جس میں فیصلہ بھی ہوتا ہے اور اختیار بھی۔ انہوں نے ایک دو کالز کیں۔ آئی جی سے بات ہوئی۔ چند منٹ میں ماحول کا درجہ حرارت بدل گیا—معاملہ ٹھنڈا ہونے لگا، سوال نرم ہو گئے، اور لوگ اپنی اپنی جگہ سنبھل گئے۔

حماس راہداری میں کھڑا تھا۔ اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے تھے، اور چہرہ بے رنگ۔ وہ مسلسل ایمرجنسی کے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا، جیسے وہاں سے کوئی جملہ نکل آئے جو اسے بچا لے۔

تھوڑی دیر بعد ڈی ایس پی اس کے پاس آیا۔ "میں تمہاری بیک اسٹوری بھی جانتا ہوں، اسی لیے نرمی سے پیش آ رہا ہوں۔" بغور اسے دیکھا۔ "اب بھی سنبھل جاؤ۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فرمان نہیں سنا؟ 'عقل انسان کی سب سے بڑی نعمت ہے—اور شراب اسے ناکارہ کر دیتی ہے۔ اس لیے میں اسے پسند نہیں کرتا۔"

اتنا کہہ کر وہ پلٹا اور چلا گیا۔ حماس نے دیوار سے ٹیک لگا لی۔ اس کی سانسیں برابر ہونے لگیں، مگر دل کے اندر وہ شور تھا جو کسی پارٹی کی موسیقی سے زیادہ تیز ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کی روشنی ابھی پوری طرح پھیلی نہیں تھی مگر گھر کے اندر معمول کی چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ کچن سے پلیٹوں کی ہلکی سی کھنک اور چائے کی خوشبو آ رہی تھی۔

حماس ناشتے کی میز تک پہنچا تو دیکھا تایا معظم اور تائی شمسہ پہلے ہی بیٹھے ناشتہ کر رہے ہیں۔ اس نے خاموشی سے اپنی کرسی کھینچی اور بیٹھ گیا۔

معظم نے ایک سرسری نگاہ حماس پر ڈالی۔ "سنا ہے آجکل تم زیادہ وقت ہسپتال میں ہی گزار رہے ہو؟"

حماس نے نظریں نیچی کیے، سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"لڑکا کیسا ہے؟" معظم نے دوبارہ پوچھا۔

حماس کے ہونٹ ہلکے سے کانپے۔ وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر دھیما سا بولا۔ "وہ دن میں اخبار بیچتا ہے، شام میں سکول اٹینڈ کرتا ہے۔ جب میں نے اسے دیکھا تو سڑک پر اخبار کے رول بکھرے ہوئے تھے۔"

اس کی آواز رندھ گئی۔ وہ چند ثانیے کو رکا، پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

میں نے خود سے وعدہ کیا ہے، کبھی شراب سی غلاظت کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ لیکن میں غلطی کیے بغیر کیوں" "نہیں سمجھ پاتا؟

کہتے ہوئے معظم نے کچھ جتانے والی نگاہ شمسہ پر ڈالی۔ پھر وہ دوبارہ حماس کی طرف متوجہ ہوئے۔ "اب وہ کیسا "کئی لوگ بعد میں بھی نہیں سمجھتے۔" ہے؟"

کل شام ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ کوئی مالی مدد نہیں لینا چاہتا، کہتا ہے "حماس نے کہا اور شرمندگی سے سر جھکا دیا۔ "ہم عزت کی حلال کما کر کھاتے ہیں، ہمیں کوئی غلط عادت نہ ڈالیں۔

لیکن میں اس کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ شام میں وہ سکول جاتا ہے۔ میں نے کہا، تعلیم کا ہی خرچ اٹھانے "
"دو، بڑی مشکل سے مانا ہے۔

اتنے میں دروازے کی سمت ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ کوئی شخص آکر حماس کے سامنے والی کرسی پر آ بیٹھا۔ اسلامی طرز کی تراشی ہوئی داڑھی، سفید کرتا شلوار، چاک و چوبند انداز اور عمر پچاس کے پیٹے میں۔

حماس چونک کر تایا کی طرف دیکھنے لگا۔

معظم نے تعارف کرایا۔ "یہ تمہارے ماموں ہیں، مبشر۔ امریکہ رہے ہیں۔ تم سے کبھی مل نہیں پائے "
تھے۔

حماس نے فوراً "ماموں، حماس کو غور سے دیکھ رہے تھے، جیسے نئے چہرے میں پرانے نقش ڈھونڈ رہے ہوں۔ ادب سے سلام کیا۔ "السلام علیکم۔

"وعلیکم السلام۔" مبشر نے مختصر سا جواب دیا۔

میز پر بس چمچ کی ہلکی آواز اور کپ کے رکھے جانے کی آہٹ رہ گئی۔

ناشتہ خاموشی میں ہوتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈائننگ روم میں کھانے کی میز پر گرم کھانا لگ چکا تھا۔ حماس کچھ دیر پہلے کمپنی سے واپس لوٹا تھا—دن کا بوجھ اب بھی اس کے کندھوں پر تھا، اور صبح والا سامنا، وہ اجنبی پرانا رشتہ، ابھی تک اس کے ذہن میں تازہ تھا۔

تایا معظم سرِ میز تھے، شمسہ کھانا ڈال رہی تھیں، اور مبشر خاموشی کے ساتھ بیٹھے سب کو دیکھ رہے تھے۔

کھانے کے دوران عام سی باتیں ہوئیں—نمک، ذائقہ، دن کی روٹین—مگر حماس کو یوں لگ رہا تھا جیسے ہر لفظ کے نیچے کوئی اور گفتگو بھی چل رہی ہو، جسے وہ ابھی سمجھ نہیں پا رہا۔

کچھ دیر بعد مبشر نے پلیٹ سے ہاتھ روکا اور حماس کی طرف دیکھ "کھانے کے بعد میرے ساتھ ذرا باہر چلنا۔" کر بولے۔

"باہر؟ ابھی؟" حماس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ہاں، ساتھ کچھ وقت گزاریں گے۔"

کھانا ختم ہوا تو دونوں گھر سے باہر نکل آئے۔ سڑکیں صاف ستھری اور روشن تھیں—قطار میں لگے درخت، دور دور تک پھیلی اسٹریٹ لائٹس، کہیں کاروں کی ہلکی سی سرسراہٹ۔

"کہاں جا رہے ہیں، ماموں؟" حماس نے چلتے ہوئے پوچھا۔

"قریبی مسجد۔" سیدھا سا جواب آیا۔

"مسجد؟" حماس کے قدم ایک لمحے کو سست پڑ گئے۔

"ہاں۔" مبشر نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

پھر وہ دوبارہ آگے بڑھ گئے، جیسے بات ختم ہو گئی ہو۔

"آپ کبھی پاکستان کیوں نہیں آئے؟" کچھ قدم آگے بڑھے تو حماس کے اندر کی بے چینی نے زبان پکڑ لی۔

مبشر نے چلتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ان کی آنکھوں میں ایک پل کو ہلکی سی تھکن ابھری۔"میرے اپنے کچھ مسائل ایسے چل رہے تھے کہ میں ان سے نکل ہی نہیں پایا۔"

"ایسے بھی کیا مسائل کہ اپنی بہن کے مرنے پر بھی نہ آسکے؟"حماس کے لہجے میں شکوہ بھی تھااور اچنبھا بھی۔

"ہر انسان کو اپنا مسئلہ ہی بڑا لگتا ہے، حماس۔"مبشر چند قدم چل کر رک گئے۔

یہ جملہ ہوا میں معلق رہ گیا۔

حماس نے نظریں چرائیں۔اس کے ذہن میں ماں کا چہرہ ابھرا——وہ لمحہ جسے اس نے گیارہ برس کی عمر میں دیکھا تھا، وہ گھر، چیخ، اور پھر وہ خاموشی جو برسوں سے اس کے اندر ٹھہری ہوئی تھی۔

"تمہیں ایک سر پھرے عاشق کی کہانی سناؤں؟"مبشر کی آواز میں ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر اس کے پیچھے کوئی پرانی دھند بھی کھڑی تھی۔

حماس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

مبشر نے نظر جھکالی، جیسے اپنی ہی ذات کے کسی پرانے صفحے کو دوبارہ پڑھ رہے ہوں۔"بہت ضدی۔خود سر بھی۔اور بہت۔۔۔اندھا۔"

ایک نظر آسمان پر چمکتے تاروں پر ڈالی۔آج چاند غائب تھا۔

"میں پاکستان میں تھا تو گھر کی محبت بہت تھی۔ماں، باپ، تین بہنیں۔ایسا نہیں کہ محبت کی کمی تھی، بس، میں نے اسے معمول سمجھ لیا تھا۔جیسے سانس کی قدر نہیں ہوتی، صرف تب احساس ہوتا ہے جب اٹکنے لگے۔بالکل ایسے ہی۔"

انہوں نے گردن سیدھی کی، جیسے یادوں کے بوجھ سے کندھے بھاری ہو گئے ہوں۔

"پھر میں پڑھائی کے لیے امریکہ گیا۔ یونیورسٹی میں ایک لڑکی تھی۔ ملحد تھی۔ میں بھی نام کا ہی مسلمان تھا، مجھے اس میں کوئی عیب نہ لگا۔ دل صرف اتنا جانتا تھا کہ پسند ہے بس، ذہن نے اس سے آگے کچھ سوچا نہیں۔ اس کے بات کرنے کا انداز، ہنسنا، زندگی کو ہلکا لینے کا ہنر، مجھے لگتا تھا یہ دنیا کا سب سے خوبصورت رنگ ہے۔ جب عشق آدمی پر اترتا ہے، تو اپنے گھر والوں کی آواز بھی دور کا شور لگتی ہے۔"

حماس نے بے اختیار پوچھا۔ "گھر والوں نے منع کیا تھا؟"

مبشر کی آنکھوں میں ایک پرانی شرمندگی تیر گئی۔ "بہت منع کیا۔ ماں نے رو رو کے کہا، "بیٹا، اپنا دین، اپنا ایمان، یہ سب بچانے کی فکر کرو۔" باپ نے سمجھایا، بہنوں نے ہاتھ جوڑے۔ مگر میں نے ضد پکڑ لی۔ مجھے لگتا تھا میں ہی سچا ہوں، باقی سب جاہل ہیں، تنگ نظر ہیں۔ میں نے اس سے شادی کر لی۔"

کچھ دیر وہ خاموش رہے۔ پھر ان کے لبوں سے وہ جملے نکلے، جن میں محبت کی روشنی بھی تھی اور انجام کی پوری تاریکی بھی۔

"شادی کے بعد میں ساتویں آسمان پر رہنے لگا۔" انہوں نے ہلکا سا قہقہہ بھی لگایا مگر وہ کھوکھلا تھا، جیسے ہنسی کے درمیان ہی کوئی آنسو آ کر ٹھہر گیا ہو۔ "مجھے لگتا تھا، بس یہی زندگی ہے۔ میں اس کے گھر والوں کا بھی اچھا دوست بن گیا۔ میرا اوڑنا بچھونا یہی تھا۔ ان کے ساتھ ڈنر، چھٹیاں، ہلہ گلہ، سب کچھ۔ میں نے ایک نئی دنیا بسا لی، پرانی سے سب رشتے ناطے توڑ لیے۔"

حماس نے اپنی انگلیوں کو آپس میں گوندھ لیا۔ "پھر کیا ہوا؟"

مبشر نے آسمان کی طرف چہرہ بلند کیا اور آنکھیں موند لیں۔ "پھر ایک۔۔۔ حادثہ ہوا۔"

ان کی آواز بہت دھیمی ہو گئی۔ جیسے اس سے آگے کئی الفاظ تھے مگر ہر لفظ چبھتا تھا۔

"ہم دونوں گاڑی میں جا رہے تھے۔ ایک لمحہ، دنیا میرے قدموں میں تھی، اور دوسرے لمحے۔۔۔ بس شور، شیشہ، دھات کی چیخ، اور پھر اندھیرا۔"

حماس کے حلق میں کچھ اٹک گیا۔ "آپ۔۔۔ آپ ٹھیک رہے؟"

مبشر نے سر ہلایا۔ "مجھے کچھ نہیں ہوا۔ خراش تک نہیں آئی۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے تم معجزانہ طور پر بچ گئے ہو۔ لوگ مبارک دے رہے تھے کہ نئی زندگی ملی ہے۔" انہوں نے نگاہ اٹھائی، جس میں ایسی ویرانی تھی کہ حماس کے جسم میں ایک سرد لہر سی دوڑ گئی۔ "مگر وہ لڑکی۔۔۔ وہ نہیں بچی۔"

ان کے قریب سے ایک کار دھیمی رفتار سے گزری۔ وہ دونوں سائیڈ پر کھڑے تھے۔ حماس کو لگا بہت دیر ہو گئی لیکن چند منٹ ہی بیتے تھے۔ مسجد قریب تھی، وہ اس سے قدم کے فاصلے پر تھے۔

"میں نے آنکھ کھولی تو دنیا ہی کوئی اور تھی۔" مبشر نے کہا۔ "یعنی، وہ دنیا جس میں اس کے ساتھ میں خوش تھا، وہ ختم ہو چکی تھی۔ باقی سب اپنی جگہ موجود تھا۔ اس دنیا کو پہچاننا اور قبول کرنا دونوں ہی کام مشکل تھے۔"

حماس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ "پھر آپ پاکستان آئے؟"

مبشر نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، میں پاکستان نہیں آیا۔ میرے اندر ایک عجیب سا وہم گھر کر گیا۔ مجھے لگا میرے ماں باپ، بہنوں نے بددعا دی ہے۔ میں سمجھا، میں نے ان کے دل توڑے، اس لیے اللہ نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ میں ڈر گیا۔ میں شرمندہ بھی تھا، اور غصے میں بھی۔ میں نے سوچا اگر میں واپس گیا تو ان کی

نظریں مجھے جلا کر راکھ کر دیں گی۔" وہ رکے۔ "گمراہیاں کئی طرح کی ہوتی ہیں، حماس۔ میں بھی انہی سے گزر کر یہاں تک آیا ہوں۔"

"آپ پھر کسی کے مرنے پر نہیں آئے؟"

مبشر نے سر نفی میں ہلایا۔ "میں خود کو کھو چکا تھا۔ شراب، نشہ، عیاشی۔ کون سا گناہ تھا، جو نہیں کیا۔ نجات پھر بھی نہ ملی۔ نہ غم سے، نہ گلٹ سے۔ پھر ایک دن میرا ایک نیا دوست مجھے ایک نئی محفل میں لے کر گیا۔ کہنے لگا ایک درس ہے، سن لو۔ وہ بھی وہاں ہر ہفتے جایا کرتا تھا۔" انہوں نے ایک بھیگی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی۔ "وہاں میں نے سنا کہ اللہ کتنا غفور ہے، بندے کی توبہ اسے کتنی عزیز ہے اور شیطان کیسے وسوسے ڈال کر مخلوق کو خالق سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ روشنی۔۔۔ وہ نور۔۔۔ میرے دل میں اترتا چلا گیا۔"

پھر ان دونوں نے ساتھ میں سڑک پار کی۔

مسجد قریب آگئی۔ روشن محراب کے نیچے دروازہ کھلا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔

چند لمحوں بعد وہ دونوں وضو خانے کی طرف بڑھے۔ ٹھنڈا پانی ہاتھوں پر لگا تو حماس کے اندر جیسے ایک لمحے کو شور کم ہوا۔ وہ وضو کرنے لگا—ہاتھ،، بازو، چہرہ، سر—اور پھر کچھ دیر کو سانس لیا، جیسے کوئی ڈوبتا ہوا آدمی سطحِ آب کو چھو لے۔

نماز میں کھڑے ہوتے وقت حماس کا دل اٹکا۔ اسے اپنے اندر سوالوں کا ہجوم دکھائی دے رہا تھا، مگر جب اس نے "اللہ اکبر" کہا تو اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ اس کے الفاظ کسی اور سمت جا رہے ہیں—اپنے اندر سے نکل کر اوپر کی طرف۔

نماز کے بعد دونوں باہر نکل آئے۔

"بس میری کمپنی کی خاطر تم نے نماز بھی پڑھ لی۔ یہ سب مشکل تھا کیا؟" مبشر نے چلتے ہوئے کہا۔

"میں نے اس لیے پڑھ لی کہ پس و پیش کرتا، تو آپ کوئی لیکچر دینے لگ جاتے۔ جہنم کا خوف دلاتے، وعظ کرتے۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی، جیسے خود ہی اپنے لہجے سے چونک گیا ہو۔

"اور اگر میں لیکچر دے دیتا تو؟" مبشر کے چہرے پر ہلکی سی جنبش آئی ـــــ نہ مکمل مسکراہٹ، نہ ناراضی۔

حماس نے چند قدم چل کر آسمان کی طرف دیکھا۔

"ویسے ڈرانا ضروری ہے کیا؟"

ڈرانے سے آدمی بدلتا نہیں، حماس۔ اندر سے جاگتا" مبشر نے اس کی طرف دیکھا، آواز میں نرمی اتری۔

"ہے۔"

حماس نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ نہ بنے۔ اسے یوں لگا جیسے برسوں سے جو خلا وہ غلط چیزوں سے بھر رہا تھا، اس کے کنارے پہلی بار درست سمت میں لرزے ہیں، اور یہ احساس ـــــ بہت ہلکا پھلکا سا ـــــ اسے اچھا لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کافی آگے نکل چکی تھی۔

حماس اپنے کمرے سے نکلا۔

قدم اسے مشعل کے کمرے کی طرف لے گئے۔ دونوں کمرے ایک ہی فلور پر تھے، بظاہر فاصلہ کم تھا۔۔۔ لیکن اب ایک اجنبیت سی تھی۔

وہ دروازے پر رکا۔

دستک نہیں دی۔

دروازہ آہستہ سے کھولا—لاک نہیں تھا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ پردے گرے ہوئے تھے مگر مکمل نہیں۔ باہر کے لان کی مدھم روشنی کارپٹ پر ایک باریک لکیر کی طرح پڑ رہی تھی۔

وہ اندر داخل ہوا، دروازہ بند کر دیا۔

کمرہ جوں کا توں تھا۔

نہ بکھرا ہوا، نہ خالی—بس استعمال میں نہ آنے والا۔

بیڈ سلیقے سے لگا تھا۔

الماری بند۔

اسٹڈی ٹیبل پر ایک فائل رکھی تھی، اس کے اوپر قلم—جیسے کسی نے کام ادھورا نہیں چھوڑا، بس روک دیا ہو۔

حماس کرسی پر نہیں بیٹھا۔

بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔

کچھ لمحے گزرے جن میں کوئی خیال مکمل نہیں ہوا۔ بس ایک ادراک آہستہ آہستہ جگہ بناتا گیا—یہ کمرہ اپنے مکین کو کھو چکا ہے۔

وہ اٹھا۔

کمرے پر آخری نظر ڈالی—ایسی نظر جس میں سوال نہیں ہوتا، صرف قبولیت ہوتی ہے۔

دروازہ بند کرتے وقت وہ رکا نہیں۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے لائٹ نہیں جلائی۔ بیڈ پر بیٹھا، کہنیوں پر جھکا، نظریں جھکی ہوئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

حماس کی آنکھوں میں نیند نہیں اتر رہی تھی۔ کمرے کی خاموشی اسے چبھ رہی تھی، جیسے دیواریں بھی اس کی بے چینی سن رہی ہوں۔ اس نے کروٹ بدلی، پھر دوسری، مگر دل میں وہی بے نام سا شور رہا۔ آخر وہ اٹھ بیٹھا۔

وہ دبے پیر چلتا کچن کی طرف جانے لگا کہ پانی پی لے، شاید یونہی دل میں ٹھنڈک اترے۔ مگر راہداری میں قدم رکھتے ہی اسے ایک کمرے کے دروازے کے نیچے سے دھیمی روشنی پھسلتی دکھائی دی۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں کبھی دادو رہتی تھیں۔ آج وہاں مبشر ماموں تھے۔ انہوں نے دوسری منزل پر گیسٹ روم میں رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ نتیجتاً انہیں یہ کمرہ دیا گیا جو اب تک بند رہتا تھا۔

حماس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"آ جاؤ۔" اندر سے مبشر کی پر سکون آواز آئی۔

حماس نے دروازہ کھولا تو کمرے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کونے میں جائے نماز بچھی تھی اور مبشر اس پر بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ کمرے کی فضا میں ایسا ٹھہراؤ تھا، جو حماس نے برسوں سے محسوس نہیں کیا تھا۔

وہ خاموشی سے اندر آیا، بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر تک بس تسبیح کی ہلکی سی آواز رہی، پھر مبشر نے نگاہ اٹھائے بغیر کہا۔ "نیند نہیں آ رہی؟"

حماس خشک سی ہنسی ہنسا۔ "آپ ساری نمازیں مسجد میں جا کر پڑھتے ہیں، پھر یہ آدھی رات کو اٹھ کر عبادت

"نیند۔۔۔ آتی کہاں ہے۔" "کیوں، بھلا؟"

انہوں نے بغور حماس کو دیکھا، پھر بولے۔ "وقت کے ساتھ طلب بڑھ جاتی ہے۔"

"طلب؟" حماس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"میرا یہ سفر بہت دلچسپ رہا ہے، حماس۔ اوروں کا تو پتہ نہیں، لیکن میرے لیے یہ ایک دن میں طے نہیں"

ہوا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں درس سننے لگا۔ کبھی جاتا تھا، کبھی ناغہ کرتا۔ پھر نماز شروع کی، دن میں ایک ہی پڑھ لیتا۔ مجھے لگتا تھا بہت ہے۔ پھر چار پڑھنے لگا، فجر کی نماز ناممکن سی لگتی تھی۔ ان لوگوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھا کرتا جو نماز پنجگانہ کی پابندی کرتے۔ اور پھر۔۔۔" مبشر نے اس کی طرف دیکھا، آنکھوں میں وہی ٹھہرا ہوا یقین۔ "پانچ وقت کی نماز پڑھنے لگا۔"

"اور نفلی عبادت؟" حماس نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"چند سال بعد۔" مبشر رکے، ہاتھ میں تھامی تسبیح کو چوما اور جائے نماز کے کونے پر رکھ دی۔ "یہ سب ایک ساتھ، یک لخت نہیں ہوا۔ ایک ایک سیڑھی کر کے چڑھا ہوں۔ یہ میری متاعِ حیات ہے۔" رخ مکمل طور پر اس کی جانب کیا۔ "پہلے قرانِ مجید کی تلاوت و ترجمے کو روٹین کا حصہ بنایا، پھر تسبیح شروع کی۔ اب تفسیر اور دیگر اسلامی کتب کا مطالع بھی کرتا ہوں۔"

"یہ سب آسان نہیں۔" حماس نے نظریں جھکا لیں۔

"میں نے آسان کہا بھی نہیں۔ مگر یہی تو راستہ ہے۔ تم نے آج مسجد میں نماز پڑھ لی—وجہ کچھ بھی ہو— مگر تم نے کھڑے ہو کر خود کو اللہ کے سامنے رکھا۔ یہ معمولی بات نہیں۔ آدمی جب رکوع میں جھکتا ہے تو اکثر بس جسم جھکتا ہے، دل نہیں۔ دل آہستہ آہستہ جھکتا ہے۔"

"اس سفر کا آغاز کیسے کروں؟"

"دعا سے۔"

"دعا؟"

"ہاں، دعا۔ ہدایت طلب کرتے رہو، نیت میں اخلاص رکھو۔ سب بہتر ہوتا جائے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باہر یونیورسٹی کا شور تھا مگر یہاں لائبریری میں ہر آواز جیسے اپنے قدم دبا کر چل رہی تھی۔ مہوش نے کتابیں میز پر رکھیں اور فائل کھولتے ہوئے سیدھی بیٹھ گئی۔ عباس اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا، ایک کہنی میز پر ٹکائے ہوئے، قلم انگلیوں میں گھماتا ہوا۔

"یہ کیس عام نہیں ہے۔" عباس نے خاموشی کو توڑا۔ "لڑکی کہتی ہے کہ اسے بچپن کا واقعہ یاد ہے، مگر خاندان کہتا ہے کچھ ہوا ہی نہیں۔ نہ رپورٹ، نہ گواہ۔"

مہوش نے نظریں کاغذ سے اٹھائے بغیر کہا۔ "یاد کا نہ ہونا، واقعے کے نہ ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا۔"

عباس نے قلم روک دیا۔ "لیکن یاد کا ہونا بھی ثبوت نہیں ہوتا۔ خاص طور پر جب علاج کے دوران ذہن کو بار بار ایک ہی رخ دکھایا جائے۔"

مہوش کی آواز میں نرمی تھی مگر کنارے سخت تھے۔ "یہ بات مان لی۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہم کس چیز کا علاج کر رہے ہیں؟ واقعے کا، یا اس کے اثر کا؟"

عباس نے کرسی سے ذرا پیچھے ہو کر کہا۔ "اگر یاد غلط ہو اور ہم اسے سچ مان کر چلیں، تو ہم ایک جھوٹ پر پوری شخصیت تعمیر کر دیتے ہیں۔"

مہوش نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اس نے صفحہ پلٹا، جیسے الفاظ کو وقت دے رہی ہو۔ پھر بولی۔ "اور اگر یاد سچ ہو اور ہم اسے جھوٹ کہہ کر رد کر دیں، تو ہم ایک زندہ انسان کو اسی جگہ قید کر دیتے ہیں جہاں سے وہ نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

عباس کی نگاہ اس پر ٹھہر گئی۔ "تم بار بار انسان کی بات کر رہی ہو، کیس کی نہیں۔"

مہوش نے پہلی بار اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں کوئی شکوہ نہیں تھا، بس ایک بند دروازہ۔ "کیونکہ کیس کاغذ پر ہوتا ہے، اور انسان اس کے نیچے۔ ہم اکثر کاغذ بچا لیتے ہیں، آدمی نہیں۔"

عباس نے سر ہلایا، جیسے بات سمجھ آئی ہو مگر پوری نہیں۔ "لیکن اگر خاندان انکار کرے، عدالت خاموش ہو، اور معالج پر الزام ہو کہ اس نے یادیں ڈالیں—تو پھر ذمہ داری کس کی ہے؟"

مہوش نے کندھے ذرا سے اچکائے۔ "تب ہم یہ مان لیتے ہیں کہ سچ ہمیشہ واضح نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات علاج کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم حقیقت ثابت کریں، بلکہ یہ کہ ہم اذیت کو کم کریں۔"

ایک لمحے کو دونوں خاموش ہو گئے۔ صرف کسی دور میز پر کتاب بند ہونے کی آواز آئی۔ عباس نے بہت سنبھل کر کہا۔ "تم اس کیس میں بہت محتاط ہو۔ جیسے ہر لفظ تول کر رکھ رہی ہو۔"

مہوش نے نظریں پھر سے کاغذ پر جما لیں۔ "کیونکہ کچھ بحثیں جیتنے کے لیے نہیں ہوتیں۔"

عباس نے کچھ کہنا چاہا، پھر رک گیا۔ اس کے چہرے پر وہی سنجیدہ توجہ تھی، مگر اب اس میں چوکنا پن شامل ہو چکا تھا۔ "لگتا ہے تم نے یہ سب کہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔"

مہوش کا قلم ایک لمحے کو رکا۔ پھر وہ معمول کے انداز میں چل پڑا۔ "یا شاید، میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ہر سوال کا جواب مانگنا ضروری نہیں ہوتا۔"

عباس نے مزید کچھ نہ کہا۔ فائل بند کی اور گھڑی دیکھی۔ "چائے پیو گی؟ کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔"

مہوش نے بیگ بند کیا اور کھڑی ہو گئی۔ "نہیں، ابھی نہیں۔"

"کیوں؟"

وہ ذرا سا رکی، پھر اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "کچھ فاصلے بحث کے لیے اچھے ہوتے ہیں۔"

وہ لائبریری سے باہر نکل گئی۔ عباس چند لمحے وہیں بیٹھا رہا، پھر آہستہ سے مسکرایا—ایسی مسکراہٹ جس میں جیت نہیں، تجسس تھا۔ اسے پورا جواب نہیں ملا تھا، مگر اتنا واضح ہو گیا تھا کہ اس لڑکی کے ماضی میں کچھ ہے۔ اور وہ اسے جاننے کا حق نہیں رکھتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کیفے کی کھڑکیوں سے شام کی نارنجی روشنی اندر پھیل رہی تھی۔ میز کے بیچوں بیچ چھوٹا سا کیک رکھا تھا، اطراف میں چائے کے کپ اور دیگر سنیکس۔ ہنسی، تصویریں، موبائل کیمروں کی چمک—سب کچھ معمول کا تھا، مگر مہوش اس ہجوم کے کنارے والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ گہرے نیلے رنگ کا سوٹ اس نے سادہ سا پہنا تھا، دوپٹہ سلیقے سے لیا ہوا، جیسے پنوں سے ٹکایا ہوا ہو۔۔ سر اور کندھوں پر۔

یہ ان کی کلاس فیلو کی سالگرہ کا موقع تھا۔ چند دوستوں کو ہی انوائٹ کیا گیا تھا۔ ان میں وہ دونوں بھی شامل تھے۔

کیک کٹنے کے بعد شور کچھ کم ہوا تو عباس ایک خالی کرسی کھینچ کر اس کے پاس آ بیٹھا۔ "یہاں بیٹھنا محفوظ ہے؟" اس نے ہلکے سے پوچھا۔

مہوش نے سرسری سی نگاہ ڈالی۔ "آپ تو ویسے بھی خطرات کے شوقین ہیں۔"

وہ مسکرا دیا۔ "بات تو ٹھیک ہے۔"

چند لمحے دونوں نے سامنے چلتی گفتگو سنی—کوئی امتحان کی بات کر رہا تھا، کوئی انسٹا گرام کی۔ پھر عباس نے جیسے یونہی کہا۔ "یہ موبائل بھی نا! میری بڑی بہن انگلینڈ میں ہے، دو سالہ بیٹا ہے اس کا۔ ویڈیو کال پر ہی بڑا ہوتے دیکھ رہا ہوں۔"

مہوش نے چونک کر دیکھا۔ "آپ ماموں بن گئے؟"

"کب کا۔ مگر بچے کو لگتا ہے میں فون کے اندر رہتا ہوں۔" اس کی آواز میں شکوہ نہیں بس ہلکی سی اداسی تھی۔

عباس نے غور سے اسے دیکھا۔ "تمہارے ہاں گاؤں میں شامیں کیسی ہوتی ہیں؟"

مہوش کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "بارش کے بعد مٹی کی خوشبو، اور کھیتوں کے بیچ سے آتی ہوا۔ ایک بار۔۔۔ آموں کے باغ میں جھولا ڈالا گیا۔ پورا گاؤں باری باری بیٹھتا تھا، جیسے خوشی بھی بانٹنی ہو۔"

عباس نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔ "ویسے مجھے نیلا رنگ کبھی اتنا اچھا نہیں لگا۔"

مہوش نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "آپ تعریف کرنا جانتے ہیں، یا بس آزما رہے ہیں؟"

وہ ہنس پڑا۔ "آزمانا بھی سیکھ رہا ہوں، اور ماننا بھی۔"

کسی نے دور سے آواز دی، گروپ فوٹو کا کہا گیا۔ عباس اٹھ کھڑا ہوا۔ "آؤ، ورنہ ہمیں ڈھونڈا جائے گا۔"

مہوش بھی کھڑی ہو گئی۔ جاتے ہوئے ایک لمحے کو دونوں کے قدم ساتھ پڑے۔

ایک خاموش احساس تھا کہ بھیڑ میں بھی ایک جگہ بن گئی ہے۔

اور یہ قربت ابھی نام مانگنے کی جلدی میں نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فجر سے کچھ دیر پہلے کی ہوا میں عجیب سی کٹاس تھی۔ حماس کے ہاتھ میں وضو کی ہلکی سی ٹھنڈک اب بھی تھی۔ وہ اذان سے پہلے ہی جاگ گیا تھا—خاموشی سے وضو کیا، اپنے کمرے میں بیٹھا رہا، اور دل میں ایک ہی بات رکھے رہا: آج مسجد جانا ہے، مبشر ماموں کے ساتھ۔

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ابھی اذان میں چند منٹ تھے۔ وہ اٹھا اور کمرے کا دروازہ دھیرے سے بند کر کے باہر نکل آیا۔ ماموں کے دروازے تک پہنچ کر اس نے ایک لمحہ توقف کیا—ہچکچاہٹ کا وہ لمحہ جس میں آدمی اپنے ارادے کو آخری بار پرکھتا ہے۔ پھر اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

اندر سے کچھ حرکت کی آواز آئی، جیسے کوئی پہلے سے جاگا ہوا ہو۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ مبشر سامنے کھڑے تھے—سفید شلوار قمیص، چہرے پر نیند کے خمار کی بجائے ایک سادہ سی بیداری تھی۔

حماس نے نگاہ جھکا کر کہا۔ "میں اذان سے پہلے وضو کر کے بیٹھا ہوا تھا۔" پھر جیسے بات کو خود اپنے لیے بھی واضح کرنا چاہتا ہو، فوراً اضافہ کیا۔ "آپ کے ساتھ مسجد جا کر نماز پڑھنی ہے۔"

مبشر نے ایک لمحہ اسے دیکھا۔ وہ دیکھنا ایسے تھا جیسے کسی کے اندر کے ارادے کو پہچان لیا جائے، اور پھر اس ارادے کی حفاظت کی جائے۔ مبشر ایک قدم آگے بڑھے۔ اس سے پہلے کہ حماس کچھ سمجھتا۔۔۔ مبشر نے اسے گلے لگا لیا۔

یہ گلے لگانا کوئی رسمی شفقت نہیں تھی۔ اس میں قبولیت تھی—اور ایک خاموش دعا بھی۔ حماس کی آنکھیں بند ہو گئیں، اس کے اندر جو کچھ اتنے عرصے سے بھٹک رہا تھا، اسے پہلی بار ایک ٹھکانہ ملا تھا۔

مبشر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور بہت دھیمے لہجے میں کہا۔ "چلو، دو سنتیں پڑھ لیں، پھر چلتے ہیں۔"

کچھ دیر بعد دونوں گھر سے باہر نکلے تو ہوا نے دونوں کے چہروں کو نرمی سے چھوا۔ دور مسجد کی طرف سے لاؤڈ اسپیکر کی ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی—ابھی اذان شروع نہیں ہوئی تھی، مگر آواز کا انتظار پورے علاقے میں بچھ گیا تھا۔

دونوں ساتھ چلنے لگے۔ حماس کی نظر زمین پر تھی، مگر دل میں ایک نئی سیدھ پیدا ہو رہی تھی۔

اذان کی پہلی صدا اٹھی تو حماس نے بے اختیار سانس روکی۔ "اللہ اکبر" کے ساتھ اسے لگا جیسے اندر کا شور بھی کسی ترتیب میں آ رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

راہبر لا جسٹکس کے کوریڈور میں وہی منظم شور تھا، مگر آج حماس کے اندر کچھ اور قسم کی بیداری بھی تھی؛ وہ بیداری جو فجر کے بعد دل میں رہ جاتی ہے، اور دن کے فیصلوں میں ساتھ چلتی ہے۔

اب نمازیں اس کے روز و شب میں مستقل جگہ بنائے رکھتی تھیں۔

معظم سلطان نے اسے اپنے آفس میں بلایا۔ میز پر چند فائلیں ترتیب سے رکھی تھیں، ایک طرف آپریشنز بورڈ کا پرنٹ آؤٹ، اور دوسری طرف ایک چھوٹا سا نوٹ پیڈ جس پر ایک ہی لفظ لکھا تھا: طریقہ۔

معظم نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر حماس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "تم نے پچھلے دنوں میں جو چیزیں نوٹ کیں، وہ دلچسپ بھی تھیں اور مفید بھی۔ مگر کمپنی میں مفید ہونا کافی نہیں ہوتا۔ مستقل مفید رہنا اہم ہوتا ہے۔"

حماس نے سر ہلایا۔

معظم نے فائل کھولی۔ "آج سے تمہیں ایک ذمہ داری دے رہا ہوں۔ بہت بڑی نہیں—— مگر ایسی کہ اگر تم نے سلیقے سے کی، تو تمہارے اندر کی صلاحیت خود سامنے آجائے گی۔" وہ رکے، پھر فیصلہ کن انداز میں بولے۔ "ہم تمہیں آپریشنز سپورٹ اور ڈاکومنٹیشن کوآرڈینیشن میں رکھ رہے ہیں۔ مطلب: دستاویزات کے ساتھ بھی، اور آپریشنز کے ساتھ بھی۔ تم کام صرف فائلوں کا نہیں کروگے—— تم تاخیر کی وجہ پکڑو گے۔"

حماس نے نگاہ اٹھائی۔ "یعنی میں کسٹمز اور آپریشنز کے بیچ؟"

"بالکل۔ جو مسئلہ یہاں بنتا ہے وہ وہاں جا کے پھٹتا ہے۔ اور جو غلط لفظ یہاں لکھا جاتا ہے، وہ وہاں اعتماد کھا جاتا ہے۔ تم درمیان میں بیٹھو گے تاکہ یہ پل مضبوط رہے۔" معظم نے قلم میز پر رکھ دیا۔ "اب سنو—— تم پہلے چھ ماہ پرابیشن پیریڈ میں ہو۔ اگر کارکردگی درست رہی تو یہ سیٹ تمہاری۔ اور اگر میری توقعات سے آگے نکل گئے، تو تم اس سے اوپر بھی جا سکتے ہو۔ مگر سب تمہاری اہلیت پر منحصر ہے، اور تمہاری عادتوں پر۔"

حماس نے بہت مختصر سا جواب دیا۔ "سمجھ گیا۔"

معظم نے کھڑکی کے پار یارڈ کی طرف دیکھا، پھر واپس حماس پر نظر جما دی۔ "تمہیں بڑا کیبن نہیں ملے گا۔ ابھی نہیں۔ تم کھلی جگہ میں بیٹھو گے—— جہاں فون کی آوازیں بھی آئیں گی، سوال بھی، اور دباؤ بھی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ آدمی کا طریقہ کار کتنا مضبوط ہے۔"

"جو آپ بہتر سمجھیں۔"

معظم نے دروازے کے باہر اشارہ کیا۔ "آؤ، میں تمہیں تمہاری جگہ دکھادوں۔"

وہ دونوں کوریڈور سے گزرے۔ شیشے کے کیبنوں کے اندر لوگ نقشوں پر جھکے تھے، کہیں فائلوں پر اسٹیمپ کی آواز آرہی تھی، کہیں کسٹمر ڈیسک پر ہیڈ سیٹ کے ساتھ باتیں۔ معظم نے اسے ایک اوپن پلان حصے میں لے جاکر ایک میز کے پاس روکا۔ میز پر دو مانیٹر تھے، ایک چھوٹا سا کیبنٹ، اور سامنے والی میزوں پر تین چار لوگ اپنے اپنے کام میں گم تھے۔

"یہ تمہارا ڈیسک ہے۔" معظم نے کہا۔ "تمھارے ساتھ جو لوگ ہیں وہ آپریشنز سپورٹ ہیں۔ کوئی روٹس دیکھتا ہے، کوئی گیٹ آؤٹ کی اپ ڈیٹس، کوئی ڈاکومنٹیشن کے فالواپ پر ہے۔ تم ان سب کے بیچ میں رہو گے، اور ہر روز ایک چیز لکھو گے: آج کہاں رکاوٹ بنی، اور کیوں بنی۔"

حماس نے کرسی کو آہستہ سے کھینچا، بیٹھا نہیں۔ بس ہاتھ میز کے کنارے پر رکھا۔ جیسے وہ پہلے جگہ کو سمجھنا چاہتا ہو، پھر خود کو اس میں رکھنا چاہتا ہو۔

"کام شروع کرنے سے پہلے جگہ کو پڑھنا اچھی عادت ہے۔ مگر یاد رکھو—— یہاں جگہ تمہیں نہیں پڑھتی، تم جگہ کو بدلتے ہو۔ اگر تم واقعی قابل ہوئے تو۔"

حماس نے پہلی بار پوری طرح سر اٹھا کر کہا۔ "میں بدلنے نہیں آیا، درست کرنے آیا ہوں۔ پہلے سے بہتر کرنے کے لیے۔"

معظم کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی، مگر آنکھوں میں ایک ہلکی سی منظوری ضرور تھی۔ "اچھا۔ تو پھر پہلے دن کا کام سنو۔" انہوں نے ایک فائل حماس کے سامنے رکھی۔ "یہ تین ایسے ٹکٹس ہیں جن میں 'ریلیز' اور

'گیٹ آؤٹ' کی غلط فہمی بار بار ہوئی ہے۔ تم دیکھو—— کس مقام پر لفظ ادھورا رہا، اور کس مقام پر معلومات ادھوری رہیں۔ پھر ایک چھوٹا سا اسٹینڈرڈ میسج ڈرافٹ کرو، جو کسٹمر ڈیسک بھی استعمال کر سکے، اور آپریشنز بھی۔"

حماس نے فائل کی پہلی شیٹ کھولی۔ اس کی انگلیاں کاغذ کے کنارے پر رکیں، اور ذہن میں فجر کی اذان کی وہ پہلی صدا گونجی جس نے اندر کے شور کو ترتیب دیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں آج ہی بنا دوں گا۔"

معظم نے مختصر سا سر ہلایا، پھر واپس کوریڈور کی طرف چل دیے۔ جاتے جاتے پلٹ کر ایک جملہ کہا۔ "حماس—— رشتہ اپنی جگہ، لیکن ذہن نشین کر لو، اس کمپنی کا ایک معیار ہے۔"

حماس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

پہلا ہفتہ شور کا تھا۔ کھلی جگہ میں فون کی آوازیں ایک دوسرے پر چڑھتی تھیں، کمپیوٹر کی اسکرینیں چمکتیں، اور ہر میز کے کنارے پر کسی نہ کسی قسم کی عجلت موجود ہوتی۔

حماس کو شروع میں لگا وہ صرف فائلیں نہیں پڑھ رہا—— وہ لوگوں کی گھبراہٹ پڑھ رہا ہے۔

اسی شام گھر آیا تو مبشر ماموں کو ڈھونڈتا عقبی باغ کی جانب آیا۔ وہ یہیں تھے۔ سامنے رکھے چائے کے کپ سے بھاپ اٹھ رہی تھی، اور ان کی نظر آسمان پر تھی۔ حماس نے سلام کیا، بیگ ایک طرف رکھا اور اپنی نوٹ بک کھولی۔

"آج کہاں وقت ضائع ہوتے دیکھا؟" مبشر نے پوچھا نہیں، بس یوں کہا، جیسے یہ سوال اب معمول بن گیا ہو۔

حماس نے نوٹ بک کے صفحے کو انگلی سے تھپتھپایا۔اس نے دو کالم بنا لیے تھے۔ایک کے اوپر لکھا تھا: آپریشنز، دوسرے کے اوپر: دل۔"آپریشنز میں 'ریلیز' کا لفظ ادھورا رہ جاتا ہے۔"اس نے کہا۔"میں سچ کہوں تو آج ایک آدمی نے میری بات کاٹ دی،اور میرے اندر فوراً غصہ اٹھا۔"

مبشر نے کپ آہستہ سے رکھ دیا۔"اور تم نے کیا کیا؟"

حماس نے پلکیں جھپکیں۔"میں نے تین سیکنڈ خاموشی رکھی۔پھر جواب دیا۔"

مبشر نے نرمی سے کہا۔"یہی تین سیکنڈ کبھی کبھار چھ ماہ بن جاتے ہیں۔آدمی کے اندر کی تربیت ایسے ہی شروع ہوتی ہے۔"

حماس نے صفحے کے دوسرے کالم میں ایک چھوٹی سی لائن لکھ دی: غصہ آیا—جواب نہیں بدلا۔پھر اس نے پہلا کالم دیکھا اور ایک اور لائن بڑھا دی: کسٹمر کو مکمل خبر دینی ہے،ادھوری نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

ہفتے مہینے بنے تو حماس کی نوٹ بک بھرنے لگی۔ہر دن وہ ایک ہی سوال لے کر آتا: آج کہاں رکاوٹ بنی؟اور پھر ایک دوسرا سوال جو اس نے خود سے چھپ کر بھی نہیں چھوڑا: آج میرے اندر کیا رکاوٹ بنی؟

کبھی آپریشنز میں رکاوٹ "غلط یونٹ" نکلتی، کبھی "ادھوری اپ ڈیٹ"۔

اور کبھی اس کے اندر رکاوٹ "ثابت کرنے کی ضد" نکلتی۔

وہ لکھتا: آج میں درست تھا، مگر لہجہ درست نہیں تھا۔

پھر ساتھ ایک چھوٹی سی توبہ۔دو رکعت۔

آفس میں اذان کا وقت آتا تو اس کی تجویز کے مطابق سب کو بریک ملتی، باجماعت نماز ادا کی جاتی۔" بابا، کام کی جگہ اللہ کا نام لینے سے برکت ہوتی ہے۔ نماز پڑھنے کے بعد جب سب لوگ کام سے لگیں گے تو زیادہ مؤثر انداز میں پرفارم کر پائیں گے۔"اس کی بات معظم کو پسند آئی تھی۔ایک کمرہ اس کام کے لیے مختص کر دیا گیا ۔اب وہاں کوئی فرنیچر نہیں تھا، بس قطار در قطار جائے نماز۔

نماز سے واپسی پر اس کی انگلیاں زیادہ ترتیب سے چلتی تھیں۔اس کے فیصلے کم جذباتی، زیادہ واضح ہوتے تھے۔ایک عجیب سا ٹھہراؤ اسے اپنے مزاج میں محسوس ہونے لگا۔

کبھی کبھار ایک اندیشہ اسے گھیر لیتا۔ کہیں وہ پھر سے شیطان کے رستے پر نہ چل نکلے۔

اب اسے گمراہی کا ڈر تھا۔

اسی لیے وہ رات گھر آیا، تو مبشر کے پاس بیٹھ گیا۔

"ماموں، کبھی کبھار لگتا ہے کہ میں ایک طرف کمپنی کے قواعد سیکھ رہا ہوں، دوسری طرف اپنے آپ کو۔ دونوں میں غلطی کی گنجائش نہیں۔"

مبشر نے اس کے ہاتھ میں نوٹ بک دیکھی، پھر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔"غلطی کی گنجائش ہے، حماس۔ مگر جھوٹ کی نہیں۔"لمحہ بھر کا توقف۔"ہدایت یافتہ ہونے کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ انسان سے سرے سے کوئی کوتاہی نہ ہو، بس اتنا یاد رکھو عبادت تمہارے عمل میں نظر آئے گی۔کچھ غلط کرو گے، تو پچھتاوا تمہارا

پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ رہی بات اس خوف کی، تو یہ ڈر صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کو بھی رہتا تھا۔ یہی ڈر نجات کا ذریعہ ہے۔ انسان خود کو فرشتہ نہ سمجھنے لگے، شیطان سے چوکنا رہے۔"

اس رات حماس نے پہلی بار محسوس کیا کہ روحانیت کوئی الگ کمرہ نہیں، وہ اسی ہال میں ہے جہاں فائلیں کھلتی ہیں، فون بجتے ہیں، اور آدمی کو ہر دن اپنے نفس کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

قائداعظم لائبریری میں پنکھوں کی آواز میں ورق پلٹنے کی سرسراہٹ بھی شامل تھی، جیسے یہاں ہر آدمی اپنی سانس بھی حوالہ دے کر لیتا ہو۔

مہوش شیلف کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے ایک کتاب آہستہ سے کھینچی، پھر ذرا اوپر ہاتھ بڑھا کر دوسری۔ دونوں کتابیں بازو کے خم میں آتے ہی اس نے سر اٹھایا۔ اور شیلف کے اس پار، عین اس خلا سے جہاں کتابیں ابھی نکلی تھیں، عباس نظر آ گیا۔

وہ بھی شاید اسی وقت کسی عنوان پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا، اور شاید اسی لمحے اس نے بھی ادھر دیکھا تھا۔

مہوش نے اس سے پہلے عباس کو دیکھا تھا، بارہا دیکھا تھا، کلاس میں، سیمینار میں، اور ان ہلکے طنزیہ جملوں میں بھی، جن سے وہ دونوں ایک دوسرے کو قابو میں رکھتے تھے۔ مگر آج۔۔۔ آج اسے اس کی آنکھیں پہلی بار قریب سے دکھائی دیں۔ شفاف۔ جیسے کسی بات کو چھپانے کی بجائے بچانے کی کوشش کرتی ہوں۔ اور اس شفافیت کے اندر، حیرت انگیز طور پر، حیا بھی تھی۔

مہوش کو خود پر جھنجھلاہٹ ہوئی کہ یہ خیال کیوں آیا۔

اس نے کتابوں پر گرفت مضبوط کی، جیسے اپنے اندر کی بات کو بھی دبا کر رکھ دینا چاہتی ہو۔

پھر بھی نگاہ ہٹی نہیں۔

عباس کے ہونٹوں کے کنارے پر مسکراہٹ آئی، وہی جس سے وہ عام طور پر کوئی جملہ گھڑنے سے پہلے سانس لیتا تھا۔

وہ شیلف کے گرد آ کر سامنے آ گیا۔

مہوش نے سر تھوڑا سا ایک طرف کیا۔

"تم یہاں آتے ہو؟"

عباس نے ایسا ظاہر کیا جیسے سوال بہت سنجیدہ ہو، پھر بولا۔ "ہم دونوں ہی آتے ہیں۔"

مہوش کی بھنویں اٹھیں۔ "یعنی ہم میں کچھ قدرِ مشترک بھی ہے؟"

عباس نے کتابوں کے ٹائٹل دیکھنے کی اداکاری کی، پھر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ہاں، کم از کم ایک۔"

مہوش نے فوراً کہا۔ "ایک دوسرے سے اختلاف کرنے کے علاوہ۔۔؟"

عباس کے کندھے ہلے۔

"اسی کو تو میں تمہاری خوبی سمجھتا ہوں۔"

مہوش کے ہونٹوں پر بے اختیار ہنسی آ گئی۔ عباس بھی ہنس پڑا۔ ہنسی بہت اونچی نہیں تھی، مگر اتنی تھی کہ مہوش کو یوں لگا جیسے لائبریری کی خاموشی نے بھی انہیں ایک لمحے کے لیے معاف کر دیا ہو۔

وہ دونوں کتابیں لیے اسی قطار کے آخر والی میزوں کی طرف چل پڑے۔ مہوش ہاسٹل سے آنے والی عادت کے ساتھ جلدی میں تھی، جیسے ہر جگہ اسے وقت کم ملتا ہو۔ عباس گھر سے آنے والے آدمی کی طرح مطمئن تھا، جیسے واپس جانے کی سڑک بھی اس کی جیب میں ہو۔

وہ آمنے سامنے نہیں، ساتھ والی دو کرسیوں پر بیٹھ گئے، درمیان میں ایک کرسی کا فاصلہ رکھ کر۔ فاصلہ اتنا کہ "بہت قریب" نہ لگے، اور اتنا بھی نہیں کہ "غیر ضروری" لگے۔

مہوش نے کتاب کھولی، مگر نظر الفاظ پر ٹک نہ سکی۔ عباس نے اپنی کتاب کے اندر پنسل رکھ کر بند کی اور بہت آہستہ سے بولا۔

"تم نے کبھی نوٹ کیا ہے، لائبریری آنے والوں کا مزاج الگ ہوتا ہے؟"

مہوش نے ایک صفحہ پلٹا، جیسے جواب دینے سے پہلے ثبوت بنانا چاہتی ہو۔ "تم پھر لوگوں کی درجہ بندی شروع کر رہے ہو؟"

"یہ درجہ بندی نہیں، مشاہدہ ہے۔" پھر اس نے کرسی پر ذرا پیچھے ہو کر کہا۔ "مثلاً ایک سادہ بات۔ جو لوگ لائبریری آتے ہیں نا، وہ اکثر 'عادت' کے آدمی ہوتے ہیں۔ روٹین والے۔ خود کو کسی جگہ باندھ کر کام کرتے ہیں۔"

مہوش نے آنکھوں کے کونے سے اسے دیکھا۔ "اور جو نہیں آتے؟"

جو نہیں آتے، ان میں دو قسمیں زیادہ ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو خود کو 'اکیلا کافی' سمجھتے ہیں۔ انہیں لگتا ہے ماحول" "سے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں تو جہاں چاہوں، پڑھ لوں گا۔

مہوش نے خفیف سا قہقہہ دبایا۔

"اور دوسری قسم؟"

دوسری وہ جو کتابیں خرید لیتے ہیں، اچھی اچھی، پھر اسے گھر کے کمرے میں سجا کر اپنے آپ کو پڑھا لکھا"
"محسوس کرتے رہتے ہیں۔

مہوش نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم بہت بد تمیز ہو۔"

عباس نے فوراً کہا۔ "میں طنزیہ ہوں۔ بد تمیز تم کہتی ہو۔"

مہوش نے قہقہہ نہیں لگایا، بس ہونٹوں کو سختی سے دبایا، مگر آنکھیں ہنس رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے، مسٹر طنزیہ۔ اب تم اپنے 'مشاہدے' کو ریسرچ بنا کر دکھاؤ۔"

عباس کے چہرے پر وہ سنجیدگی آ گئی جو اس کے طنز کے پیچھے چھپی رہتی تھی۔

" دیکھو، ریسرچ میں ایک چیز بار بار آتی ہے۔ ماحول اشارہ دیتا ہے۔"

اس نے انگلی سے میز پر ہلکا سا دائرہ بنایا۔

اشارے، جیسے یہ جگہ۔ یہاں خاموشی، لوگ، میز، یہ سب دماغ کو اشارہ دیتے ہیں کہ اب فوکس کرنا ہے۔ گھر
" میں وہ سب بکھرے ہوتے ہیں۔"

مہوش نے کتاب کے کنارے پر انگلی پھیری۔ "یہ تو عام سی بات ہے۔"

عباس نے فوراً کہا۔ "عام باتیں ہی تو سائنس میں مضبوط نکلتی ہیں۔" پھر اس نے مزید نرمی سے کہا۔ "اور ایک اور چیز۔ لائبریری میں لوگ اکثر صرف پڑھنے نہیں آتے، وہ اپنے آپ کو بھی قابو میں رکھنے آتے ہیں۔ جب ہم دوسروں کے بیچ بیٹھ کر کام کرتے ہیں تو ہمارا ضبطِ نفس بڑھتا ہے۔ کم از کم اتنا کہ ہم موبائل کم اٹھاتے ہیں، کم بھاگتے ہیں۔"

مہوش نے ہلکے طنز سے کہا۔ "یعنی تم کہہ رہے ہو لائبریری اخلاقی تربیت گاہ ہے؟"

عباس نے ہنسی دبا کر کہا۔ "نہیں، میں کہہ رہا ہوں لائبریری 'سوشل اکاؤنٹیبلٹی' بناتی ہے۔ ایک طرح کا نرم دباؤ۔"

مہوش نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اور جو لوگ کتابیں خرید کر پڑھتے ہیں؟"

عباس نے کندھے اچکائے۔ "وہ بھی اچھا ہے۔ خریدنا برا نہیں۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ جن لوگوں کا لائبریری سے تعلق ہوتا ہے، وہ عموماً زیادہ پڑھتے بھی ہیں۔"

اس نے مہوش کی طرف دیکھا، جیسے اس کی آنکھوں سے اجازت لے رہا ہو کہ اسے دلیل پوری کرنے دے۔

لائبریری ایک ایسی جگہ ہے جو تنہائی کو کم کرتی ہے، مگر شور بھی نہیں دیتی۔ مطلب تم اکیلی بھی رہتی ہو، اور "بالکل اکیلی بھی نہیں۔"

مہوش نے آہستہ سے کہا۔ "ہاسٹل میں تو آدمی کبھی اکیلا نہیں ہوتا۔"

عباس نے اس کی بات پر فوراً طنز نہیں کیا، بس اتنا بولا۔ "اسی لیے شاید تمہیں یہاں سکون ملتا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چھٹے مہینے کے قریب پہنچتے ہی رہبر لاجسٹکس میں ایک بڑا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ یارڈ پر ایک شپمنٹ "ہولڈ" میں چلی گئی۔ ڈاکومنٹیشن کہہ رہی تھی: "کاغذات ٹھیک ہیں"۔ آپریشنز کہہ رہے تھے: "یارڈ سست ہے"۔ کسٹمر کہہ رہا تھا: "میری فیکٹری بند ہو رہی ہے"۔ اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ ہر کوئی اپنی جگہ درست تھا—مگر مجموعی سچ کسی کے پاس نہیں تھا۔

معظم نے صبح کے وقت مختصر میٹنگ بلائی۔ "میں بہانے نہیں سنوں گا، مجھے راستہ چاہیے۔" انہوں نے کہا۔ "اور اس راستے کا وقت تم لوگ مجھے آج دوپہر تک دو گے۔"

میٹنگ کے بعد سب اپنی میزوں کی طرف بھاگے۔ کوئی فون پر تھا، کوئی ای میل میں۔ حماس اپنی کرسی پر بیٹھا تو اسے لگا جیسے اس کے اندر بھی سب کچھ بھاگ رہا ہے۔ پھر اسے مبشر کا وہ جملہ یاد آیا: مسجد کی راہ آدمی کو آہستہ کرتی ہے۔

اس نے جلدی نہیں کی۔ اس نے ترتیب لائی۔ پہلے اس نے "ہولڈ" کی وجہ لکھی۔ پھر اس وجہ کے تین ممکنہ راستے۔ پھر ہر راستے کے لیے ایک آدمی کا نام۔ پھر کسٹمر کے لیے ایک سچی، مکمل اپ ڈیٹ جس میں امید بھی تھی اور حد بھی۔

دوپہر تک اس کے ہاتھ میں ایک صفحے کا "ہولڈ کلیئرنس پلان" تھا—کیا چیز کس نے کرنی ہے، کس وقت تک، اور اگر نہ ہو تو متبادل کیا ہے۔ ساتھ ایک مختصر میسج ٹمپلیٹ: "ریلیز/گیٹ آؤٹ/اسکیننگ/چیک" کی واضح زبان میں۔

اس نے یہ کاغذ معظم کے سامنے رکھا۔ "یہ پلان ہے۔ میں نے کسی ایک ڈپارٹمنٹ کو قصوروار نہیں ٹھہرایا۔ میں نے رکاوٹ کے مقام کو پکڑا ہے۔"

معظم نے کاغذ پڑھا۔ آنکھوں میں وہی سنجیدگی تھی جو حدود واضح کرتی ہے۔ "یہ کس نے لکھا؟"

حماس نے جواب میں صرف اتنا کہا۔ "میں نے، اور میں اس کی ذمہ داری بھی لوں گا۔"

اسی لمحے کمرے کے باہر سے اذان کی آواز آئی۔ میٹنگ کے شیشے کے پار بھی وہ آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ کچھ لوگ بے اختیار رکے، کچھ نے نظریں چرا لیں۔ حماس نے پل بھر کے لیے اپنا قلم رکھ دیا۔

معظم نے اس توقف کو دیکھا۔ "نماز کا وقفہ؟"

حماس نے سچ کہا۔ "جی، مگر میں واپس آ کر یہی پلان فالو کرواؤں گا۔"

معظم نے ایک سیکنڈ کو اسے دیکھا، پھر کہا۔ "جاؤ، اور واپس آ کر ٹائم ضائع نہیں ہونا چاہیے۔"

نماز کے بعد حماس جیسے اندر سے سیدھا ہو کر لوٹا۔

اس نے کالز کی، اپ ڈیٹس دیں، ڈاکومنٹیشن اور یارڈ کے بیچ پل بناتا رہا۔ شام تک "ہولڈ" کلیئر ہو گیا۔

اور اسی رات، جب سب تھک کر بھی سکھ کا سانس لے رہے تھے، معظم نے پہلی بار کھلے لفظوں میں کہا۔ "تم نے آج کمپنی کو نہیں بچایا، تم نے اعتماد بچایا ہے۔"

حماس کے اندر ایک عجیب سی شرمندگی تھی کہ کہیں یہ تعریف اس کے نفس کو نہ جگا دے۔ اسی لیے وہ گھر گیا تو مبشر کے پاس بیٹھ گیا اور بس اتنا بولا۔ "اللہ نے آج بچا لیا۔"

مبشر کا جواب مختصر، مگر گہرا تھا۔ "اللہ نے — تمہیں چنا، تمہیں استعمال کیا۔ اب تمہیں غرور سے ڈرنا ہے۔"

حماس نے اپنی نوٹ بک کھولی اور آخری لائن لکھی: کامیابی بھی امتحان ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

چھ ماہ پورے ہوئے تو معظم نے اسے اپنے آفس میں بلایا۔ اس بار میز پر ایک فائل تھی جس پر سرخ سٹیکر نہیں تھا، بس ایک صاف سا لیبل: اپائنٹمنٹ۔

معظم نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بغیر تمہید کے کہا۔ "تمہارا پروبیشن پیریڈ ختم ہو گیا ہے۔"

حماس خاموش رہا۔

معظم نے فائل کھولی۔ "میں نے تمہیں جان بوجھ کر اوپن پلان میں بٹھایا۔ ایسے کام دیے جن میں غلطی چھوٹی ہوتی ہے مگر اثر بڑا۔ تم نے غلطیاں بھی کیں — مگر تم نے انہیں چھپایا نہیں۔ اور تم نے بہت سی غلطیاں ہونے سے پہلے ہی روک بھی دیں۔" وہ رکے، پھر صاف لفظوں میں بولے۔ "اس لیے آج سے تم ڈپٹی ڈائریکٹر آپریشنز ہو۔"

حماس کی نگاہ یکدم اٹھی۔ "ڈپٹی؟"

معظم نے سر ہلایا۔ "میرے ایک لیول نیچے۔" ان کی آواز میں کوئی رومان نہیں تھا — بس حقیقت بول رہی تھی۔ "کیونکہ تمہیں یہ کمپنی ایک دن سنبھالنی ہے۔ وراثت کا مطلب یہ نہیں کہ تم ہر کام خود کرو۔ وراثت کا مطلب یہ ہے کہ تم نظام کو ایسا بنا دو کہ لوگ خود درست کام کریں۔"

حماس نے آہستہ سے کہا۔ "میں کوشش کروں گا۔"

معظم کی آنکھوں میں وہی پرانا معیار آیا۔ "کوشش نہیں، طریقہ۔" انہوں نے فائل کے اندر سے ایک صفحہ نکالا۔ "تمہارے ماتحت تین یونٹس ہوں گے: ڈاکومنٹیشن کوآرڈینیشن، آپریشنز سپورٹ، اور کسٹمر اسٹیٹس اپ ڈیٹس۔ تم ان کے بیچ 'ایک زبان' بناؤ گے۔ جو زبان سچ بولے، وقت بچائے، اور اعتماد قائم رکھے۔"

حماس نے فائل کو ہاتھ لگایا تو اسے اپنا وہ پہلا ڈیسک یاد آیا، شور، اوپن پلان، اور نوٹ بک۔ مگر اب اس کے اندر کوئی نیا خوف نہیں تھا۔ اب اس کے اندر ایک ذمہ داری تھی۔

معظم نے کھڑکی کے پار یارڈ کی طرف دیکھا۔ "تمہیں الگ کیبن ملے گا، مگر یاد رکھنا—— کیبن تمہیں بڑا نہیں کرتا۔ فیصلے تمہیں بڑا کرتے ہیں۔ تمہاری کارکردگی ہی تمہیں عزت دلوائے گی۔"

حماس نے سر جھکایا۔ "جی۔"

معظم نے آخری جملہ کہا، جیسے معاملہ یہیں ختم ہو گیا ہو۔ "اور ایک بات—— یہاں تم میرے بھتیجے ہو، مگر وہاں باہر تم کمپنی کے 'ڈپٹی' ہو۔ تمہارا ہر لفظ اب کمپنی کی زبان کہلائے گا۔ ایمانداری، سچائی اور لگن۔ یہی تمہیں آگے لے کر جائیں گے۔"

وہ بولا تو لہجہ پر اعتماد تھا۔ "ان شاءاللہ۔"

☆☆☆☆☆☆☆

معظم اپنے مخصوص انداز میں سربراہی کرسی پر بیٹھے تھے جبکہ مبشر کھانے کے دوران کوئی ہلکی پھلکی بات بھی کر لیتے۔ شمسہ طبیعت کی ناسازی کے باعث آج دودھ اور دوا لے کر جلد سونے چلی گئی تھیں۔

حماس نے پانی کا گلاس میز پر رکھا اور اپنے تایا کی طرف متوجہ ہوا۔

"بابا! ایک بات ہے، جو مجھے کافی عرصے سے بے چین کر رہی ہے۔"

معظم صاحب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

حماس نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "ڈھابوں اور ورکشاپس پر میں نے بہت سے چھوٹے بچوں کو مزدوری کرتے دیکھا ہے، اس کے علاوہ، لوگوں کے جوتے پاش کرتے، اور کچرا اٹھاتے ہوئے بچے۔۔ ہمیں ان کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری کمپنی 'تعلیم سب کے لیے' کے نام سے ایک مستقل اسکالرشپ پروگرام شروع کرے۔"

"اس کی تفصیل کیا ہے، حماس؟"

ماموں مبشر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ماموں، ہم ان بچوں کے والدین کو ماہانہ وظیفہ دیں گے۔ صرف اس شرط پر کہ وہ بچہ ورکشاپ یا ڈھابے پر جانے کے بجائے اسکول جائے گا۔ ہماری کمپنی کے منافع کا ایک مخصوص حصہ ان بچوں کے والدین کے لیے مختص کر دیا جائے گا۔ ان کی بنیادی ضروریات پوری ہوں گی تو وہ بچوں کو کام پر نہیں بھیجیں گے۔ اس سے ہم اپنی زمین اور سمندر کے راستوں پر چائلڈ لیبر کے بوجھ کو کم کر سکیں گے۔"

معظم کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"خیال اچھا ہے، مگر اسے عملی جامہ پہنانا مشکل ہو گا۔"

"میں نے اس کا بھی حل سوچا ہے، بابا۔" حماس پر اعتماد لہجے میں بولا۔ "ہمارا دوسرا قدم کمپنی کے ان گوداموں کا استعمال ہوگا جو شام کے وقت خالی ہوتے ہیں۔ ہم وہاں ایوننگ لٹریسی اور ووکیشنل ٹریننگ سینٹرز کھول سکتے ہیں۔ وہ بچے جو مجبوری میں صبح کام کرتے ہیں، وہ شام کو وہاں آکر بنیادی تعلیم اور فنی مہارتیں سیکھیں تاکہ وہ ہمیشہ کے لیے مزدور نہ رہ جائیں بلکہ ہنر مند بن کر نکلیں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔

معظم کے چہرے پر ایک اطمینان بخش مسکراہٹ ابھری۔ انہوں نے حماس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، جو اس بات کی علامت تھی کہ انہیں یہ منصوبہ منظور ہے۔

کھانے کے اختتام پر جب معظم اٹھ کر چلے گئے، تو مبشر نے حماس کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں میں ستائش تھی۔

حماس، بیٹا! مجھے آج تم پر بہت فخر محسوس ہو رہا ہے۔" وہ رکے۔ "تم وہاں ٹھہر جاتے ہو، جہاں سے لوگ" "گزر جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کا وقت تھا۔ شمع لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ کپ سے اٹھتی بھاپ میں ایک عجیب سی بے نیازی تھی، جیسے دن بھر کے خیال اب ذرا سست ہو گئے ہوں۔

اسی لمحے پورچ میں گاڑی آکر رکی۔

شمع نے چونک کر دیکھا۔

زین کی گاڑی۔

زین گاڑی سے اترا، دروازہ بند کیااور سیدھااس کی طرف آگیا۔ چہرے پر وہی مانوس سا ٹھہراؤ تھا، مگر آنکھوں میں ہلکی سی عجلت کا سایہ۔ "تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔"

وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا، جیسے یہ آنا پہلے سے طے شدہ ہو۔ شمع نے کپ میز پر رکھا۔ "خیریت؟"

زین نے ہاتھ میں پکڑی فائل آگے بڑھائی۔ شمع نے فائل کی طرف دیکھا۔ "کیا ہے یہ؟"

"ایک جاب کی آفر۔" زین نے فائل کھولی۔ کاغذات میں ایک کلچرل ہیریٹیج فاؤنڈیشن کا لوگو تھا، جو پاکستان کی قدیم ثقافتوں پر کام کرتی تھی۔ "تمہاری ڈگری کو دیکھتے ہوئے، یہ فٹ بیٹھتی ہے۔ کلچرل ہیریٹیج منیجر کی پوزیشن۔ فیلڈ ورک، ریسرچ، اور کمیونٹی پروگرامز۔ گندھارا آرٹ اور قدیم سائٹس پر فوکس۔ یہ دلچسپ ہے—تم جو پڑھتی رہی ہو، وہی عملی طور پر کرنا۔"

شمع نے کاغذات اٹھائے۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک آئی—"یہ۔۔۔ کیسے ہوا؟"

زین نے گہری نظروں سے اس کے چہرے پر بکھرے نئے رنگ دیکھے۔ "میرے ایک دوست کی فاؤنڈیشن ہے۔ میں نے تمہاری ڈگری اور دلچسپی کا ذکر کیا۔ انہیں ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو انسانی کلچر کو سمجھے، نہ کہ بس کتابی علم والا۔"

شمع کی انگلیاں کاغذ کے کنارے پر ٹھہر گئیں۔ جیسے وہ الفاظ پڑھ نہیں رہی تھی، اپنے اندر کوئی نئی جگہ ڈھونڈ رہی تھی۔ "لیکن، میں نے کبھی باقاعدہ جاب نہیں کی۔"

زین کا جواب فوراً آیا، مگر لہجہ وہی نرم سا۔ "اسی لیے تو پہلا دن ہمیشہ سیکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ تمہیں بس خود کو موقع دینا ہے۔"

"لیکن زین۔۔۔" وہ عجیب تذبذب کا شکار ہوئی۔ کیا میں کر پاؤں گی؟

"کل تم ان سے مل لو۔ کچھ زیادہ نہیں، بس ایک میٹنگ ہے۔ میں ڈراپ کر دوں گا۔"

شمع نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تمہیں آفس بھی تو جانا ہوتا ہے۔"

زین مسکرایا۔ "میرا آفس تو روز ہی ہوتا ہے۔ لیکن تمہاری پہلی جاب کا پہلا انٹرویو۔۔۔ صرف ایک بار۔"

پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "آرام سے پڑھ لینا۔ اگر کوئی سوال ہو تو مجھے میسج کر دینا۔"

زین پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ شمع وہیں بیٹھی رہ گئی۔

گاڑی کے نکلتے ہی لان میں خاموشی واپس آ گئی۔ شمع نے فائل کو اپنی گود میں رکھا، پھر خالی کپ کو دیکھا۔ اس کے ذہن میں ایک خیال آہستہ سے ابھرا۔

زین کی دوستی صرف انوکھے تحائف تک محدود نہیں رہی تھی۔ یہ تو وقت، توجہ، اور سوچ کا معاملہ بن چکا تھا۔

کیا وہ ہمیشہ سے اس کا اتنا ہی خیال رکھتا تھا؟

یا شمع کو اب دکھائی دینے لگا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆

انٹرویو کے بعد، آج شمع کا یہاں پہلا دن تھا۔ یہ دن غیر متوقع طور پر جلدی گزر گیا۔ شمع نے دیکھا کہ لوگ ایک ایک کر کے اپنے بیگز اٹھا رہے ہیں۔ کوئی لفٹ کی طرف جا رہا تھا، کوئی سیڑھیوں کی طرف۔ اس نے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف نظر ڈالی—واقعی ٹائم ہو چکا تھا۔

اتنے میں اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی۔ شمع نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو زین کا پیغام تھا۔

"میں باہر آ چکا ہوں۔ تم جب فارغ ہو تو بتا دینا۔ پارکنگ میں سامنے آ کھڑا ہوں گا۔ میری گاڑی ذرا پیچھے کھڑی ہے، تمہیں ڈھونڈنے میں ذرا مشکل ہو گی۔"

آج صبح بھی پہلے دن کا کہہ کر زین ہی اسے ڈراپ کرنے آیا تھا۔ "جانتا ہوں تمہیں ڈرائیو کرنا آتا ہے، کل سے خود آتی رہنا۔" زین کے پاس ہر بات کا جواز پہلے سے موجود ہوتا تھا۔

شمع کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ تیر گئی۔ اس نے فوراً جواب ٹائپ کیا۔ "میں نکل رہی ہوں۔"

شمع جیسے ہی باہر آئی، اس کی نظر چند لمحے ادھر ادھر بھٹکی—پھر وہ دکھائی دیا۔ پارکنگ ایریا کے بالکل سامنے زین کھڑا تھا، اسے دیکھ کر مسکرایا۔ شمع نے دیکھا اس وقت چاروں اطراف میں خاصی چہل پہل تھی، لوگ آ جا رہے تھے۔ صرف زین تھا جو ایک جگہ ٹھہرا، اس کا انتظار کر رہا تھا۔

ایک عجیب سا خیال اس کے ذہن میں آ کر ٹھہر گیا۔

He's been a constant in my life!

(یہ میری زندگی کا واحد مستقل ساتھ رہا ہے۔)

گاڑی چل پڑی تو زین نے سڑک پر نظر رکھتے ہوئے پوچھا۔ "دن کیسا رہا؟"

شمع نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک تھا، تھوڑا عجیب بھی۔ پہلا دن تھا نا۔ پہلے تو تعارف ہوا، پھر انہوں نے پراجیکٹس سمجھائے۔ میں نے گندھارا والی فائلز کی لسٹ دیکھی—کچھ سائٹس کی پرانی رپورٹس، تصویریں۔" وہ ذرا رکی، جیسے لفظ ترتیب دے رہی ہو۔ "اور مجھے کہا کہ میں آرکائیو میں موجود ڈاکومنٹس کی کیٹلاگنگ شروع کروں۔ کون سا ریکارڈ کس سال کا ہے، کہاں سے آیا تھا، کس ایشو کے ساتھ لنکڈ ہے—یہ سب۔"

زین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "کیسا لگا یہ سب؟"

"تھکن ہوئی، مگر اچھا لگا۔ جیسے میں کسی چیز کے اندر واپس آ گئی ہوں۔"

کچھ دیر بعد زین نے کہا۔ "تم اب بھی نوٹس کے کنارے پر چھوٹے نقش بناتی ہو؟"

شمع نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا؟"

زین سامنے سڑک پر نظریں جمائے، بہت عام سے لہجے میں کہنے لگا۔ "سٹوڈنٹ لائف میں تم ہمیشہ ایسا کرتی تھیں۔ جب تمہیں کچھ سمجھ آ جاتا تو ہاتھ خود بخود کنارے پر لائنیں بنانے لگتے۔"

شمع کے گلے میں ایک چھوٹی سی گرہ بن گئی۔ اسے یاد تھا—اور اسے پہلی بار یہ بھی سمجھ آیا کہ ایسی چیزیں کسی کو نظر نہیں آتیں، سوائے اس کے جو واقعی دیکھتا ہو۔

"خاصا گہرا مشاہدہ رکھتے ہو۔"

زین نے کندھے اچکا کر بات کو سادہ رکھنے کی کوشش کی۔ "عادت ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا تو حماس کے قدم خود بخود سست پڑ گئے۔

سامنے مبشر ماموں کھڑے تھے—بیڈ کے کنارے رکھا سوٹ کیس آدھا کھلا، اس میں تہہ لگے کپڑے، ایک طرف سفید کرتا، دوسری طرف نیلا تولیہ۔ ہاتھوں کی حرکت میں وہی مانوس ٹھہراؤ تھا، مگر منظر اجنبی لگ رہا تھا۔

"ماموں؟"

مبشر ماموں نے پلٹ کر دیکھا۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جیسے وہ اس سوال کے لیے پہلے ہی تیار ہوں۔

"ہاں، جا رہا ہوں۔"

حماس چند قدم آگے بڑھا، پھر جیسے یکدم تھک گیا ہو، بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔

"اتنی جلدی؟"

یہ لفظ کم تھا، اس کے پیچھے بہت کچھ چھپا ہوا تھا۔

ماموں نے قمیص تہہ کرتے ہوئے کہا۔ "اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔"

حماس نے کمرے پر نظر دوڑائی۔ "دادو کا کمرہ ایک بار پھر خالی ہو جائے گا۔"

مبشر ماموں کے ہاتھ ایک لمحے کو رک گئے۔ پھر انہوں نے سوٹ کیس بند کیا، زِپ آہستہ سے کھینچی، اور حماس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"اب ہم دونوں کی جگہ تم نے سنبھال لی ہے۔"

آواز میں اعتماد تھا، جیسے کوئی ذمہ داری سونپی جا رہی ہو۔

حماس نے سر جھکا لیا۔ "ماموں، آپ کا جانا ضروری ہے؟"

وہ مسکرائے، مگر اس مسکراہٹ میں سوچ کی ایک لکیر تھی۔

"تم نہیں جانتے، مگر ہاں، ضروری ہے۔"

حماس نے چونک کر دیکھا۔ "بات کیا ہے؟"

مبشر ماموں نے ذرا سا رخ بدلا، جیسے الفاظ کو ترتیب دے رہے ہوں۔ "میں اپنا اسٹور جس بیوہ کے حوالے کر کے آیا تھا، اس کا چھوٹا بیٹا بیمار ہے۔"

ذرا رکے، پھر جیسے دل میں دبی بات زبان تک آ گئی۔ "اور۔۔۔ حماس، میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

حماس کی آنکھیں ایک دم روشن ہو گئیں۔

"واقعی، ماموں؟"

"ہاں۔" ان کے لہجے میں اطمینان تھا۔ "وہ بہت اچھی ہے۔ بہادر۔۔۔ اور حساس بھی۔ مجھ سے چند ہی سال چھوٹی ہے، مگر اتنی ہمت والی، کہ مجھے اس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔"

حماس مسکرا اٹھا۔ "بچے؟"

"دو بیٹے ہیں۔" ماموں نے نرمی سے کہا۔ "شادی سادگی سے ہو گی۔ میں نے فون پر اشارہ دیا تھا، اس کا جواب مثبت رہا۔ ہاں، شادی چند ماہ بعد ممکن ہو پائے گی۔"

پھر حماس کی طرف دیکھا۔

"تم آؤ گے نا؟"

حماس نے فوراً ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ "کیوں نہیں، ماموں۔"

آواز میں خلوص تھا، آنکھوں میں خوشی۔ "میں آپ کے لیے بہت خوش ہوں۔"

اس نے مبشر ماموں کے ہاتھ پر ہلکا سا دباؤ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کی صبح تھی۔ دور کہیں مرغ کی آواز، اور قریب اصطبل سے آنے والی بھوسے، چمڑے اور گھوڑوں کے پسینے کی ملی جلی بو۔

شمع، زین کے ساتھ چلتی ہوئی اصطبل کی طرف آئی۔

اصطبل کے باہر ایک ملازم لگامیں درست کر رہا تھا۔ شمع نے ٹھہر کر سامنے لکڑی کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"ڈیڈ نے ایک نئے گھوڑے کا اضافہ کیا ہے۔" شمع نے کہا۔

انکل وارث رات میں ڈیڈ کو بتا رہے تھے، یہ کافی وحشی ہے۔ کہہ رہے "زین کی نظر دروازے پر جمی رہی۔ "تھے ان کے علاوہ شاید کسی کے قابو میں نہ آئے۔

"شَباب کے بارے میں بھی یہی کہتے تھے۔" شمع نے لاپرواہی سے کہا۔

اس نے زین کی طرف دیکھا۔ "پھر تم ہو، نا۔ نظر رکھنا۔"

"شباب اور نیا گھوڑا لاؤ۔" شمع نے ملازم کو آواز دی۔

چند لمحوں بعد اصطبل کا دروازہ کھلا۔ ملازم کی ہمراہی میں، پہلے شباب نکلا—وہی سیاہ، مضبوط، رات جیسا گھوڑا جس پر شمع ہمیشہ پورے یقین سے ہاتھ رکھتی تھی۔ اور اس کے پیچھے دوسرا گھوڑا۔

نیا گھوڑا نیم سیاہ، نیم بھورا تھا۔ اس کے کندھوں اور گردن کے پاس سیاہی گہری تھی، جیسے رات نے وہاں اپنے ہاتھ رکھ دیے ہوں، اور پہلوؤں پر بھورا رنگ ایسے پھیلا تھا جیسے مٹی کی گرم سانس۔ پیشانی پر ہلکا سا نشان، اور آنکھوں میں ایک بے چین چمک—وہ چمک جو سدھائے جانے سے پہلے کے جانوروں میں ہوتی ہے۔ وہ کھڑا تو تھا، مگر اس کا جسم جیسے مسلسل دوڑنے کو تیار تھا۔

شمع نے آہستہ سے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا۔ "صبح کے دھندلے پن جیسا—خوبصورت، اور بے قابو

"اس کا نام۔۔۔ کہر رکھیں؟" بھی۔"

"کہر ٹھیک ہے۔" زین نے سر ہلایا۔

وہ ایک قدم آگے بڑھا، مگر احتیاط سے—گھوڑے کے سامنے کے بلائنڈ اسپاٹ سے بچتے ہوئے، جیسے اسے معلوم ہو کہ ایک غلط زاویہ، ایک غلط حرکت، اور جانور کی وحشت زبان بن جائے گی۔

شمع نے لگام ملازم کے ہاتھ سے لی۔ پھر اس نے اپنی کلائی موڑی، دستانے کی پٹی سیدھی کی، اور کہر کی رکاب کی "تم آج شباب کو ٹرائے کرو۔" طرف دیکھا۔

"میں کہر کی سواری کروں گی۔"

"اوکے۔" زین نے شباب کی لگام تھامی۔ اس کی نگاہ کچھ دیر شمع پر ٹھہری۔ "آہستہ۔"

زین شباب پر بیٹھا تو شباب نے پہلے قدم پر ہی اپنے وزن کو سیدھا کیا، جیسے سوار کو تول رہا ہو۔ شمع نے کہر کی رکاب میں پاؤں رکھا۔ گھوڑے کی پشت ذرا اونچی محسوس ہوئی، جیسے وہ جان بوجھ کر اپنے سوار کو پورا نہ بیٹھنے دے رہا ہو۔ شمع نے دوسری رکاب میں پاؤں رکھا اور ایک لمحے میں خود کو سیٹ کر لیا۔

پہلے چند سیکنڈ ٹھیک رہے۔

پھر—— جیسے کسی نے کہر کے اندر کوئی رسّی کھینچ دی ہو——وہ بدکا۔ ایک جھٹکا، پھر دوسرا۔ شمع کے ہاتھ مضبوط تھے، مگر گھوڑا اس مضبوطی کے اندر دراڑ ڈھونڈ رہا تھا۔

"میڈم!" ملازم کی آواز پھٹی۔

کہر نے گردن اکڑائی، پیٹھ کو کمان کی طرح کھینچا، اور پھر اچانک ایک طرف کو اچھلا۔ نم مٹی اڑی، لگام کے حلقے کی جھنکار ہوا میں کٹی، اور شمع کا توازن ایک لمحے کے لیے ہل گیا—— صرف ایک لمحہ۔۔۔ مگر وحشی گھوڑوں کے لیے لمحہ ہی کافی ہوتا ہے۔

کہر جیسے پورے بدن سے شمع کو نیچے گرانے میں لگا ہوا تھا۔ کبھی وہ سر نیچا کر کے جھٹکا دیتا، کبھی پیچھے ٹانگیں اٹھا کر ہوا میں لاتیں مارتا۔ اس کی دوڑ بے ترتیب تھی——نہ سیدھی، نہ دائرے میں——بس الٹی سیدھی، جیسے وہ جگہ نہیں، گرنے کا زاویہ ڈھونڈ رہا تھا۔

"میں ریاض صاحب کو بلاتا ہوں!" ملازم نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔ وہ یہاں نیا تھا اور یہ گھوڑا۔۔۔

وہ اندر کی طرف بھاگا۔

زین شباب سے اتر گیا۔ ایک ہی حرکت میں۔ جیسے فیصلہ پہلے سے تیار تھا اور جسم بس حکم مان رہا تھا۔ شباب کے قدم ابھی پوری طرح رکے بھی نہ تھے کہ زین زمین پر اتر آیا۔

اس کے سامنے وہ گھوڑا تھا جو کسی کو سننے کی حالت میں نہیں تھا۔

"زین!" شمع کی آواز ہوا میں ٹوٹ کر بکھری۔

کہر بدکا ہوا تھا۔ اس کے نتھنوں سے گرم سانس نکل رہی تھی، کان پیچھے کو دبے ہوئے تھے، اور آنکھوں میں وہی پاگل سی چمک—جو کبھی خوف ہوتی ہے، کبھی غصہ، اور کبھی دونوں۔ زین جانتا تھا کہ ایسے وقت میں سامنے سے آنا رسک ہے، مگر پیچھے سے جانا شمع کے لیے زیادہ خطرناک تھا۔

اس نے ہاتھ کھلے رکھے—ہتھیلیاں دکھائیں، جیسے گھوڑے سے کہہ رہا ہو: میں دشمن نہیں۔ پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا، زاویہ بدلتا رہا، قدم چھوٹے رکھے۔ شباب پیچھے رہ گیا تھا مگر زین کی نظر شمع پر تھی—وہ ایک بھی سیکنڈ اسے اکیلا نہیں چھوڑ رہا تھا۔

کہر نے پھر ایک جھٹکا لیا۔ شمع تقریباً گرنے والی تھی۔ اسی لمحے زین نے دوڑ لگائی۔ نم مٹی اس کے بوٹوں کے نیچے سے پھسلی، مگر اس نے قدم نہیں بدلے۔ وہ گھوڑے کے قریب پہنچا، لگام کے قریب—اسی جگہ جہاں کنٹرول ہوتا ہے اور خطرہ بھی۔

کہر نے سر گھمایا اور اس کا کھر ہوا میں اٹھا۔ زین نے ہاتھ بڑھایا، لگام پکڑنے کی کوشش کی—اور اسی کوشش میں کہر کا کھر زین کے بازو کے قریب سے کھرچ کر گزرا۔ کپڑا پھٹا، جلد پر گرم سا چیرا پڑا، خون کی ایک لکیر فوراً ابھری۔

زین نے آواز تک نہ نکالی۔ بس جبڑے بھینچے۔

اور اگلے ہی لمحے اس نے لگام پکڑ لی۔

کہر نے ایک جھٹکے سے اپنا سر آزاد کرانے کی کوشش کی، مگر زین نے اپنی کلائی گھما کر لگام کو قریب کھینچا، اپنے کندھے کا وزن اس کے ساتھ رکھا، اور اپنی سانس کو ایک تال میں لے آیا—جیسے اپنا دل گھوڑے کے دل کے ساتھ باندھ رہا ہو۔

"ٹھہر جاؤ۔" زین نے دھیمی آواز میں کہا۔ "بس۔۔۔ بس۔"

شمع نے اپنا وزن سیدھا کیا، اور زین کی حرکت کے ساتھ خود کو سنبھال لیا۔ کہر کا پہلے ایک قدم لڑکھڑایا، پھر دوسرا۔ پھر اس کے بدن کی اکڑن میں ذرا سا فرق آیا، جیسے وحشت کے اندر تھکن نے سانس لی ہو۔

زین نے موقع دیکھ کر لگام ذرا نیچے کی، گھوڑے کی گردن کے پاس ہاتھ رکھا، دبایا نہیں—بس رکھا۔ اور پھر ایک نرم سے اشارے کے ساتھ اسے دائرے میں لے آیا۔ کنٹرول واپس آنے لگا۔

ملازم اسی وقت دوڑتا ہوا واپس آیا، پیچھے ریاض سلمان کی آوازیں، اور دور سے وارث فرحان کے قدموں کی دھمک بھی۔ مگر اس سے پہلے کہ کوئی اور نزدیک آتا، کہر تقریباً تھم چکا تھا۔

شمع کے گلے میں ایک خشک سا درد تھا، اور دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی بھی وہ گھوڑے کی پیٹھ پر دوڑ رہا ہو۔

"تم ٹھیک ہو؟" زین نے نگاہ اوپر کی۔ اس کا بازو خون آلود تھا۔

"میں۔۔۔ ٹھیک ہوں۔" شمع نے ہلکا سا سر ہلایا۔

اس کی آواز معمول سے کمزور تھی۔ پھر اس کی نظر زین کے بازو پر گئی، اور پہلی دفعہ واضح ہوا کہ وہ نہیں گری۔۔۔ کیونکہ زین نے گرنے نہیں دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

زین نے کروٹ بدل کر خود کو سیدھا کیا اور سر کو تکیے سے ٹکا کر نیم دراز ہو گیا۔ اندر آتی شمع کے ہاتھ میں ٹرے "تم؟" دیکھ کر فوراً بولا۔ "میں نے ابھی ناشتہ کیا ہے۔"

شمع نے ٹرے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اس کی طرف دیکھا۔ "میں نے تمہارے لیے سوپ بنایا "جانتی ہوں۔" ہے۔" اس کے لہجے میں ایک نرم سا اصرار تھا۔

زین نے موبائل اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ "ساڑھے گیارہ؟" اس کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آئی۔ "واقعی پتہ نہیں چلا۔ ناشتے کے بعد پھر غنودگی میں چلا گیا تھا۔"

"ڈاکٹر کی دوائیوں کا اثر ہے۔"

"اتنی چوٹیں آئیں نہیں، جتنا سب اس معاملے کو سیریس لے رہے ہیں۔" زین لاپرواہی سے بولا۔

اوکے؟ تمہیں بازو پر چوٹ آئی ہے، ہاتھوں پر کٹ" وہ رکی۔ "ایک جیولری ڈیزائنر کے لیے بری خبر ہے۔" "لگے ہیں۔ اور ہاتھوں کی یہ چوٹیں۔۔۔

کوئی نہیں، ٹھیک ہو جائیں" زین نے چمچ ہونٹوں تک لے جا کر سوپ کا پہلا گھونٹ لیا۔ "بہت اچھا بنا ہے۔" "گی۔

"میں ہر چیز مزے کی ہی بناتی ہوں، میرے ہاتھ میں کافی ذائقہ ہے۔"

زین نے سوپ پیتے ہوئے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ "تم نے مجھے پہلی بار کچھ بنا کر کھلایا، یہ لمحہ واقعی یادگار ہے۔"

"سنا ہے تم بھی کوکنگ کرنے لگے ہو۔"

"ہاں، بنالیتا ہوں۔ مجھے نت نئے تجربے کرنا اچھا لگتا ہے۔"

"تھینک یو۔" شمع لفظ ڈھونڈتے تھک گئی تو اس نے وہی۔۔۔ روایتی انداز اپنایا۔

"کس بات کے لیے؟" زین کا چمچ فضا میں معلق ہوا۔

"تم۔۔۔ مجھے بچانے کے چکر میں زخمی ہو کر پڑے ہو۔" شمع کی نظر اس کی پٹیوں پر تھی۔

"یہ کوئی بڑی بات نہیں۔" زین مسکرا دیا۔ "تم بہت حساس ہو، اسی لیے اتنا سوچ رہی ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ریل کی پٹڑی کے ساتھ بستی کسی ایک سیدھی لکیر میں نہیں تھی۔

وہ بے ترتیب پھیلی ہوئی تھی، جیسے شہر نے اپنی بچی کھچی سانس یہاں چھوڑ دی ہو۔ کہیں کچی اینٹیں، کہیں ٹین کی چادریں، اور کہیں لکڑی کے دروازے جن پر زنگ آلود تالے ایسے لٹک رہے تھے، جیسے اب بند ہونے کا کوئی ارادہ ہی نہ ہو۔ بعض گھروں کی دیواریں اتنی قریب تھیں کہ ان کے بیچ سے ایک دبلا پتلا سا انسان ہی گزر سکتا تھا۔

مہوش نے بے اختیار اپنے بیگ کا پٹا کندھے پر درست کیا۔ یہ جگہ کتابوں میں پڑھے گئے کسی بھی کیس سے مختلف تھی۔

پٹڑی کے ساتھ بنے چھوٹے گھروں کے سامنے روزمرہ کی زندگی بکھری ہوئی تھی۔ ایک عورت چولہے پر روٹیاں سینک رہی تھی، آٹے سے اٹے ہاتھوں سے بچے کو ڈانٹ رہی تھی اور ساتھ ہی کسی پڑوسن کو آواز بھی دے رہی تھی۔ دھواں، شور، آوازیں—سب ایک دوسرے میں گھلے ہوئے تھے۔

دور سے ٹرین کی آواز ابھرنے لگی۔

مہوش چونکی، قدم خود بخود ذرا سست ہو گئے۔ سامنے ایک بوڑھا شخص چارپائی پر بیٹھا مونگ پھلی توڑ رہا تھا۔ کانوں میں روئی ٹھسی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ ایک خاص رفتار سے چل رہے تھے، کسی اندرونی گھڑی کے مطابق۔

ٹرین قریب آئی۔ زمین ہلنے لگی۔

مہوش کے سینے میں ایک لمحے کو دباؤ سا محسوس ہوا۔ بوڑھے شخص کے ہاتھوں کی رفتار نہ بدلی۔

عباس رک گیا۔ "یہ دیکھو۔"

مہوش نے اس کی طرف دیکھا، پھر دوبارہ اس بوڑھے شخص کی طرف۔ "یہ شور سے نہیں لڑتے۔ جسم خود فیصلہ کر لیتا ہے کون سی آواز خطرہ ہے، اور کون سی محض پس منظر۔"

ٹرین پوری قوت سے گزری۔ دھات کی چیخ، ہوا کا زور، کپڑوں کا پھڑ پھڑانا۔ ایک عورت نے فوراً اپنے بچے کے کانوں پر ہاتھ رکھ دیے—مگر اس کے چہرے پر گھبراہٹ نہیں تھی، صرف ایک پرانی سی سنجیدگی۔

ٹرین گزری تو عورت نے بچے کے کان چھوڑ دیے۔ "جا، جا کے پانی لے آ۔"

بچہ یوں دوڑا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

مہوش نے سانس آہستہ سے باہر نکالی۔ "یہ بچے خطرے کے ساتھ بڑے ہو رہے ہیں۔۔۔اور انہیں پتا بھی نہیں۔"

عباس نے سر ہلایا۔ "کیونکہ یہاں خطرہ روزمرہ کا حصہ ہے۔ یہاں اسے نام نہیں دیا جاتا۔"

فریدہ اذرا فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس کی نظریں ایک لڑکی پر تھیں جو پٹڑی کے قریب بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی۔ پانی کے چھینٹے اس کے کپڑوں پر پڑ رہے تھے، مگر وہ پوری توجہ سے صابن رگڑ رہی تھی۔

فریدہ نے نوٹ بک میں کچھ لکھتے ہوئے کہا۔ "یہ لڑکی ٹرین کے وقت بھی جگہ نہیں بدلتی۔"

مہوش نے اس لڑکی کے ہاتھوں کو دیکھا—کھردرے، سرخ، مگر مضبوط۔

ایک بچہ اچانک ان کے قریب آیا۔ گرد آلود چہرہ، چمکتی آنکھیں۔ "آپ لوگ کیا کر رہے ہو؟"

مہوش جھکی۔ "دیکھ رہے ہیں۔"

"کیا؟" بچہ فوراً بولا۔

وہ لمحہ بھر رکی، پھر بولی۔ "تم لوگوں کو۔"

بچے نے فوراً کندھے اچکائے۔ "ہم تو ایسے ہی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ ہنستا ہوا بھاگ گیا۔

عباس نے اس کے بھاگتے ہوئے وجود کو دیکھا، پھر کہا۔ "یہ سب سے اہم بات ہے۔ انہیں کبھی نہیں لگتا کہ ان کی زندگی غیر معمولی ہے۔"

واپسی پر تینوں خاموش تھے۔ مہوش کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی منظر نہیں دیکھا، بلکہ کسی حقیقت کو چھو لیا ہے۔ وہ یہاں ایک اسائنمنٹ کے سلسلے میں آئے تھے۔

چلتے ہوئے ان کی کلاس فیلو فریدہ نے کہا۔ "ہم خطرے کو تشخیص کہتے ہیں، اور یہاں لوگ اسے معمول کہتے ہیں۔"

مہوش نے ایک نظر مڑ کو بستی کو دیکھا۔ "یہ بستی سلائیڈ میں نہیں آئے گی۔"

'اور شاید اسی لیے یہ منظر ذہن میں رہ گیا ہے۔' عباس نے دل ہی دل میں سوچا۔

☆☆☆☆☆☆☆

میٹنگ ختم کر کے زین جب اپنے آفس میں داخل ہوا تو تبدیلی فوراً محسوس ہوئی۔

اس کی نظر سیدھی مرکزی میز کی دوسری طرف رکھی کرسی پر جا ٹھہری۔

وہاں شمع بیٹھی تھی۔

کوٹ اس نے اتارا ہوا تھا، بیگ اس کے قدموں کے پاس رکھا تھا، اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھے — جیسے خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

وہ سر اٹھا کر نہیں دیکھ رہی تھی۔

زین نے دروازہ بند کیا۔

ایک لمحے کو وہ وہیں کھڑا رہا، پھر میز کے پاس آ کر رک گیا۔

"آ گئی تھیں؟"

آواز معمول کی تھی، مگر آنکھیں سوال کر رہی تھیں۔

شمع نے اثبات میں سر ہلایا۔ "آنے سے پہلے تمہیں بتایا تھا۔"

"ہاں، میں نے میسج دیکھ لیا تھا، ریسیپشن پر بھی تمہارا بتا رکھا تھا۔"

وہ جگ اٹھا کر گلاس میں پانی انڈیلنے لگا۔ پانی بہنے کی آواز کمرے میں پھیل گئی—ایک چھوٹی سی، مگر ضروری مہلت۔

اس نے گلاس شمع کے سامنے رکھا۔

"پانی پی لو۔"

شمع نے گلاس کو چھوا ضرور، اٹھایا نہیں۔

"میں نے جاب چھوڑ دی ہے۔"

زین کی حرکت ایک لمحے کو رُک گئی۔

پھر عام سے انداز میں 'اچھا' کہا اور آگے بڑھتے ہوئے میز کے اس پار آفس چیئر پر جا بیٹھا۔ "اب بتاؤ اصل بات کیا ہے؟"

شمع نے پہلی بار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں نہیں چاہتی کہ اب آئندہ تم مجھے کوئی جاب دلواؤ۔" اب وہ میز پر رکھے گلاس کو دیکھ رہی تھی۔ "نہ تم، نہ ڈیڈ، نہ ہی کوئی دوسرا ریفرنس۔"

زین نے کچھ نہیں کہا۔

صرف سنا۔

آج آفس میں دو لڑکیاں باتیں کر رہی تھیں۔ "وہ ذرا سا" وہ نہیں جانتی تھیں کہ میں سن رہی ہوں۔"

"رکی۔

زین کے جبڑے میں ہلکا سا تناؤ آیا، مگر وہ خاموش رہا۔

"ایک کہہ رہی تھی یہ نئی لڑکی شمع، باس کے دوست کی سہیلی ہے۔" وہ لفظ سہیلی پر زور دے کر بولی۔ "کہنے لگی، 'سہیلی' سمجھتی ہو نا؟ اسی لیے شمع کو یہ جاب ملی۔ ورنہ یہ جاب تو میری کزن کو ملنی تھی، وہ اس سے زیادہ کوالیفائیڈ ہے۔"

اس نے ایک لمحے کو نظریں جھکائیں، پھر دوبارہ بولی۔

"دوسری نے کہا—— یہ طلاق یافتہ بھی ہے، وہ لڑکا بھی اپنے نمبر بنا رہا ہو گا۔ اسی لیے دوست کے ہاں جاب دلوائی ہے، کہ بعد میں فائدہ اٹھا سکے۔ کیا معلوم طلاق بھی اسی نے کروائی ہو۔"

کمرے میں خاموشی اتر آئی۔

زین نے گہری سانس لی۔

"تم نے جا کر انہیں جواب کیوں نہیں دیا؟"

آواز میں غصہ نہیں تھا، بس ایک سیدھا سوال۔

شمع کے ہونٹوں پر ایک تھکی ہوئی مسکراہٹ آئی۔

"اس سے بہتر کام کیا۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔ "میں نے سر کو سب بتا دیا۔ لفظ بہ لفظ۔ ناموں سمیت۔"

زین نے اسے دیکھا۔ واقعی دیکھا۔

"پھر؟"

پھر میں نے استعفیٰ" وہ پر سکون تھی۔ "وہ وہاں رہیں نہ رہیں، دونوں صورتوں میں مجھے وہاں کام نہیں کرنا۔"

"دے دیا۔

زین چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔" سادہ الفاظ، مگر ان میں کوئی سمجھوتا نہیں تھا۔ "یہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔"

شمع نے جیسے کسی رد عمل کی توقع کی تھی—— سمجھانے، روکنے، یا منصوبہ بنانے کی—— مگر ایسا کچھ نہ ہوا تو اس کی پلکیں ہلکی سی لرزیں۔

زین آگے جھکا۔

"اب تم خود جاب سرچ کرو۔" اس کے لہجے میں احترام تھا، اور یقین بھی۔ "کسی بھی جگہ سے متعلق معلومات درکار ہوں یا کہیں جانے کے لیے میری مدد چاہیے ہو، تو بتانا۔" وہ رکا۔ "لیکن ریفرنس نہیں۔ میرا نہ کسی اور کا۔"

شمع کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"تمہاری قابلیت تمہیں جاب دلوائے گی۔" زین نے کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شمع کی آنکھ کھلی تو کمرے میں دھوپ پھیل چکی تھی۔اس نے پلٹ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی گھڑی دیکھی۔

دس بج رہے تھے۔

وہ سیدھی ہوئی ہی تھی کہ موبائل کی اسکرین جگمگا اٹھی۔

زین کالنگ۔

مسکراہٹ نے لبوں کو چھوا، پھر اس نے کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" زین کی آواز میں صبح کی تازگی تھی۔ "جاگ گئیں؟"

وہ بالوں کو ایک ہاتھ سے سمیٹتے ہوئے بولی۔ "بالکل ابھی۔"

"جاب سرچ کیسی جا رہی ہے؟"

"ابھی تک تین جگہوں پر انٹرویو دے چکی ہوں۔" شمع نے بستر کی پشت سے کہیں بات نہیں بن رہی۔"

ٹیک لگائی۔"

فون کے اُس پار ایک لمحے کی خاموشی چھائی۔

"کیسی جگہوں پر اپلائی کر رہی ہو؟"

"چھوٹی بڑی، ہر طرح کی۔ کچھ جانے مانے نام ہیں، جہاں پہلے شارٹ لسٹ کرتے ہیں، قابلیت دیکھتے ہیں۔"

"اچھا ہے۔" اس نے کہا۔ "خود جاتی ہو یا ڈرائیور کے ساتھ؟"

شمع ہلکا سا ہنسی۔ "مجھے لاہور کی ٹریفک ہینڈل کرنا آتی ہے، زین۔"

زین کی مسکراہٹ اس کی آواز سے جھلک رہی تھی۔ "ہمم۔"

یہ جاب سرچ بھی انسان کو بہت کچھ سکھاتی ہے۔ "ایک توقف۔ "مل جائے گی۔ صحیح جگہ، صحیح وقت پر۔"

"بس یونہی دیکھتی رہو۔

"ہمم۔" شمع نے آہستہ سے کہا۔

کال ختم ہوئی تو اس نے فون ہاتھ میں ہی تھامے رکھا۔ عجیب بات تھی—ناکامی وہی تھی، مگر اب بوجھ کچھ گھٹ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات گئے، زین بستر پر لیٹ کر لیمپ آف کرنے ہی والا تھا کہ فون وائبریٹ ہوا۔

شمع: جاب مل گئی ہے۔

زین سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

زین: اوہ! مبارک ہو۔ کہاں؟

تین ڈاٹس کچھ دیر چلتے رہے۔

شمع: اس اتوار تم مجھے ٹریٹ دے رہے ہو۔

زین نے بھنویں اچکائیں۔

فوراً ٹائپ کیا، جسے جاب ملے، وہی ٹریٹ دیتا ہے۔

جواب تقریباً فوراً آ گیا۔

شمع: اور ہمارے کیس میں۔۔۔ ہر ٹریٹ، ہر تحفہ، تمہارے سر پر ہے۔

زین نے اسکرین کو دیکھا۔ پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ ٹھہری۔

زین: اوکے، اتوار میرا۔

فون سائیڈ پر رکھا تو نیند آسان لگ رہی تھی۔

کچھ چیزیں بغیر ہاتھ پکڑے بھی ساتھ چلنے لگتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کی شام تھی جب شمع لیئر زبیک شاپ کے شیشے کے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ اندر کی فضا میں بٹر، چاکلیٹ اور تازہ بیک ہونے والی پیسٹریز کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ شوکیس میں سجے چاکلیٹ ایکلیرز، چیز کیکس، ٹارٹس اور موس کیک—سب کچھ اتنا خوبصورت تھا کہ نظر ٹھہرنے پر مجبور ہو جاتی۔

زین پہلے سے موجود تھا۔اس نے شمع کو دیکھا تو بے ساختہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر آ گئی، جیسے اب اسے یقین آ گیا ہو کہ یہ جگہ اس کے انتخاب کے طور پر درست ہے۔

شمع نے ارد گرد نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "یہ جگہ مجھے واقعی پسند ہے۔"

"مجھے معلوم تھا۔"زین نے سادگی سے جواب دیا۔"تمہیں اچھی کافی سے زیادہ اچھا ڈیزرٹ خوش کرتا" ہے۔

وہ کاؤنٹر کے سامنے کھڑے ہوئے۔ شمع نے ایک لمحہ سوچ کر چاکلیٹ موس پیسٹری کی طرف اشارہ کیا، پھر ہاٹ چاکلیٹ کا کہا۔زین نے بغیر کچھ کہے وہی آرڈر اپنے لیے بھی دے دیا۔

وہ کھڑکی کے قریب والی میز پر بیٹھ گئے۔شام کی مدھم روشنی شیشوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی۔ باہر سڑک پر گاڑیوں کی ہلکی سی روانی تھی،اندر کپ سے اٹھتی بھاپ اور پلیٹوں میں رکھی پیسٹریز——سب کچھ جیسے ایک کاملیت کا احساس لیے ٹھہرا ہوا سا تھا۔

پر سکون۔

"نئی جاب کیسی جا رہی ہے؟"زین نے پوچھا۔ "ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔"

تھکا دینے والی۔"شمع نے مسکرا کر جواب دیا۔"لیکن اچھی۔پہلی دفعہ ایسا لگ رہا ہے کہ میں اپنی جگہ خود بنا" "رہی ہوں۔

زین نے اسے دیکھتے ہوئے پر یقین لہجے میں کہا۔"یہ تمہاری اپنی محنت ہے۔"

"اسی لیے دل مطمئن ہے۔"

کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھاگئی۔ شمع کو کچھ غیر معمولی ہونے کا احساس ہوا تو دھیان پلیٹ سے ہٹاتے ہوئے اس نے نظریں اٹھا کر زین کو دیکھا جو غور سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟۔"

"تمہارے کان خالی ہیں۔" زین نے ہمیشہ دوستارے اس کے کانوں میں ٹنگے دیکھے تھے۔

"ہاں، وہ۔۔" شمع نے لاپرواہی سے ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔ "کل ایک ائیر رنگ کہیں کھو گئی تھی، میں نے دوسری بھی اتار دی۔ اب کوئی اور لوں گی۔"

"میں تمہیں ڈیزائن کر کے دوں گا۔" زین نے عام سے انداز میں کہا اور مگ ہونٹوں سے لگا لیا۔

شمع لمحے بھر کو منجمد ہو گئی۔

زین کا دھیان اپنے ڈیزرٹ میں تھا اور وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ دل بے ترتیب سا ہو گیا۔ پھر جیسے خود کو سنبھالتے ہوئے موضوع بدلنے کی خاطر بولی۔ "کام کیسا جا رہا ہے۔"

"دلچسپ۔" زین کی آنکھوں میں وہ مخصوص چمک آئی، جو اپنے کام کا ذکر ہونے پر آیا کرتی تھی۔

"بہت کم لوگ یہ لفظ اپنے کام کے لیے استعمال کر پاتے ہیں۔"

ہاں، یہ تو ہے۔ میں بہت خوش نصیب ہوں۔" پھر اس کا دھیان مگ کی طرف دلوایا۔ "ہاٹ چاکلیٹ ٹھنڈی" "ہو جائے گی۔

شمع نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کپ اٹھا لیا، مگر اس کے اندر کچھ اپنی جگہ سے ہل چکا تھا۔

رات کو بستر پر لیٹ کر وہ بار بار کروٹ بدلتی رہی۔

آنکھیں بند کیں تو وہی لمحہ واپس آ گیا—زین کی نگاہ، خاموش مشاہدہ، وہ سوال۔

فیصلہ کن اعلان۔ میں تمہیں ڈیزائن کر کے دوں گا۔

"مجھے کیا ہو رہا ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ "میں کوئی ٹین ایجر نہیں ہوں۔ نہ ہی وہ میرا کرش ہے۔"

مگر ذہن نے اس کی بات نہ مانی۔

اس کی بند آنکھوں کے سامنے کئی مناظر تیرنے لگے۔ گھوڑے سے بچاؤ، جاب دلوانا، اچانک یوں جاب چھوڑنے پر اعتراض نہ کرنا، اور وہ نظر—جب وہ سوپ پیتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ اب یہ!

کیا مسئلہ مجھ میں ہے یا۔۔۔ وہ ہمیشہ سے مجھے ایسے ہی دیکھتا آیا ہے؟

آنکھیں بند کیے وہ سونے کی کوشش کرتی رہی، مگر دل پہلی بار ماننے کو تیار نہیں تھا کہ یہ سب محض ایک وہم ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شمع، تہمینہ آنٹی کے بیڈ روم میں ان کے ساتھ بیٹھی تھی۔

کمرے میں ہلکی سی خوشبو رچی ہوئی تھی—وہی مانوس خوشبو جو تہمینہ کے وجود کے ساتھ جڑی تھی۔ بیڈ پر مخملی کپڑا بچھا تھا اور اس پر چند مخملی ڈبے رکھے تھے، جن میں جیولری چمک رہی تھی۔ تہمینہ اسے سب زیورات

دکھا چکی تھیں۔ خاور اور احمر کی دلہنوں کے لیے بنوائے گئے سیٹ—— نفاست، سلیقہ، اور ماں کی محبت سب ایک ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ آخر میں انہوں نے ڈبے بند کیے اور آہستگی سے بیڈ کے ایک طرف رکھ دیے۔ پھر وہ شمع کو دیکھنے لگیں۔

یہ دیکھنا عام نہیں تھا—— یہ پرکھنے والا، ٹھہراؤ بھرا، گہری توجہ والا دیکھنا تھا۔ شمع ذرا سی چونکی، مگر خاموش رہی۔

تہمینہ نے جیسے تمہید سی باندھی۔ "جانتی ہو، جب زین نے تمہیں پہلی دفعہ دیکھا۔۔۔ تو میرے پاس آ کر کیا کہا تھا؟"

شمع کے اندر جیسے کسی نے ایک سوئچ آن کر دیا۔ توجہ، دھیان۔

وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ نگاہیں تہمینہ پر جم گئیں۔

تہمینہ کی نظریں سامنے خلا میں معلق ہوئیں، جیسے وقت پیچھے کی طرف سرکنے لگا ہو۔ "تب وہ آٹھ سال کا تھا، تم لوگ نئے اس علاقے میں آئے تھے۔ یاد ہے نا، یہی گھر تھا تم لوگوں کا، دس پندرہ منٹ کے فاصلے پر۔ بہت قریب تو نہیں تھا، مگر ریاض اور وارث بھائی یونیورسٹی کے زمانے سے دوست تھے۔ دل قریب تھے۔"

شمع نے تائید میں سر ہلایا۔

"اس دن تم لوگ پہلی بار ہمارے ہاں آئے تھے۔ ابھی زین کے اسکول میں تمہارا داخلہ بھی نہیں ہوا تھا۔" تہمینہ کی آواز میں اب یادوں کی نرمی بول رہی تھی۔ "یوں لگتا ہے جیسے کل کا منظر ہو۔ زین تب بھی ایسا ہی پیارا تھا۔" پھر ہلکی سی ماں والی فخریہ مسکراہٹ۔ "میرے بچوں میں سب سے خوبصورت زین ہی ہے۔ وہ

بھاگتا ہوا کچن میں آیا تھا، میں فریج سے کچھ نکال رہی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، تو وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ میں نے پوچھا، کیا ہوا؟" انہوں نے شمع کی طرف دیکھا۔ "اس نے کہا، آپ نے وارث انکل کی بیٹی کو دیکھا؟" شمع کی سانس بے اختیار ہلکی ہو گئی۔

"میں نے کہا، ہاں۔ اور مجھے تبھی لگا۔۔۔ یہ لمحہ خاص ہے۔" تہمینہ ہنس پڑیں۔ "زین ہنس دیا، جیسے اپنی کوئی شرمندگی چھپا رہا ہو۔ پھر بولا، ماما، شمع کہاں سے آئی ہے؟"

انہوں نے شمع کی طرف دیکھا۔ "اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ وہ کوئی عام سا جواب نہیں سننا چاہتا تھا۔" تہمینہ کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ "میں نے کہا، پریوں کے دیس سے۔" انہوں نے سر جھکا لیا۔ "وہ کھل کر ہنس دیا۔ کہنے لگا، مجھے بھی یہی لگا۔ آپ کو کیسے پتہ میرے ذہن میں کیا ہے؟"

انہوں نے گفتگو میں توقف کیا۔

شمع بالکل ساکت تھی۔ جیسے یہ سب کسی اور کے بارے میں کہا جا رہا ہو، اور پھر بھی سب اسی کے گرد گھوم رہا تھا۔

"میں نے کہا، میں تمہاری ماں ہوں نا۔" ان کی آواز ذرا سنجیدہ ہو گئی۔ "لیکن جب میں نے تمہارا رشتہ مانگنے کی بات کی تو وہ گنگ رہ گیا۔ وہ ہمیشہ تمہارا اچھا دوست رہا تھا۔ اس نے کبھی ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔" تہمینہ نے شمع کا ہاتھ تھام لیا۔ "مجھے دیکھتا رہا۔ پھر بولا، شمع کی شادی مجھ سے ہو سکتی ہے؟"

شمع نے چونک کر انہیں دیکھا، جیسے اس حصے پر یقین آنا مشکل ہو۔

تہمینہ کے لہجے میں اب بھی حیرت زندہ تھی۔"میں چونک گئی۔اس کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیرااور کہا، اور بھلا کس سے ہونی؟میرے زین جیسا کوئی دوسرا ہے؟"وہ لمحہ بھر رُکیں۔"اس نے میرا ہاتھ بالوں سے ہٹایا، میرا چہرہ اپنی طرف کیااور بولا، ماما، میں سیریس ہوں۔کیا یہ ممکن ہے؟"تہمینہ نے اب کی بار غور سے شمع کو دیکھا۔"میں نے پوچھا، تم اتنے بے یقین کیوں ہو؟اس نے کہا، میں نے شمع کو ہمیشہ خود سے بہت اوپر دیکھا ہے۔اسے ایک اونچے مقام پر رکھا ہے۔"

کمرے میں اب صرف گھڑی کی آواز تھی۔

"جب انکار ہوا۔۔"تہمینہ نے بات آگے بڑھائی۔"۔۔تو وارث نے یہ نہیں کہا کہ تم نے زین کو انکار کیا۔ انہوں نے کہا، شمع کہتی ہے صرف بڑوں کی دوستی کی خاطر شادی نہیں کرنا چاہتی۔ابھی عمر ہی کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔"انہوں نے لمحہ بھر کو آنکھیں موند لیں۔"یہی غلطی تھی۔ہم نے بھی زین کا دل رکھنے کی خاطر جواب لپیٹ کر پہنچایا۔"

شمع کے ہونٹ ہلے، جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو۔۔۔پھر رک گئی۔

"بعد میں حسن سے شادی ہونے پر پروارث نے بتایا کہ تم زین سے شادی کے خلاف تھی۔"

شمع نے آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے کی غرض سے سر جھکا لیا۔

"اگر زین تمہیں پھر سے کچھ کہے، تو بس ایک بات یاد رکھنا۔انکار نرمی سے بھی کیا جا سکتا ہے۔"

شمع نے تہمینہ کا ہاتھ آہستہ سے دبا دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام گہری ہو رہی تھی۔لان میں لگی لائٹس کی روشنی میں ہنسی اور آوازیں گھل رہی تھیں۔ کہیں موسیقی دھیمی آواز میں چل رہی تھی، کہیں کسی قہقہے کا ٹوٹ کر بکھر جانا، کئی طرح کی آوازوں کا ملا جلا سا شور تھا۔ مگر یہ سب سامنے کے لان میں تھا۔

گھر کے پچھلے حصے میں، برآمدے کے سرے پر چند سیڑھیاں تھیں۔

مہوش وہیں بیٹھی تھی۔دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے، نظریں سامنے اندھیرے میں جمائے۔

یہاں آوازیں مدھم ہو جاتی تھیں،اور روشنی بھی۔

بس اتنی کہ چہرہ پہچانا جا سکے، جذبات نہیں۔

عباس لان سے نکل کر اس حصے کی طرف آیا، تو ایک لمحے کو رکا۔ پھر بنا کچھ کہے سیڑھیوں پر بیٹھ گیا—— مہوش سے دو قدم کے فاصلے پر۔

"آپ کے والدین مجھے بہت اچھے لگے۔" مہوش کی آواز میں خلوص تھا۔

عباس ہنس دیا۔

"یہ تو الٹ ہو گیا۔ والدین نے کہنا تھا کہ ہمیں لڑکی بہت اچھی لگی۔"

مہوش چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی، پھر خود بھی ہنس پڑی۔"یہ تو خاصا بے تُکا مذاق تھا۔"

حقیقت سے اتنا دور بھی نہیں۔"اس نے اپنا لہجہ ہلکا پھلکا سا رکھا۔"یا یوں کہہ لو، میری خواہش کے قریب" "ہی ہے۔

چند لمحے چپ چاپ سے گزر گئے۔

مہوش نے سامنے "اتنا آسان نہیں ہوتا، جیون ساتھی چننا۔ خاص طور پر اگر کوئی۔۔۔ تلخ تجربہ ہوا ہو۔" دیکھتے ہوئے کہا۔

عباس نے اس کی طرف دیکھا، غور سے۔ "دل کا بوجھ مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔" اس کی آواز کی نرمی کچھ اور بڑھ گئی۔ "اگر اس قابل سمجھو۔"

مہوش نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر نظریں ایک بار پھر سامنے اندھیرے میں جما دیں۔

"اگر کوئی تمہارے پاس آ کر اچانک کہے کہ میں نے کسی سے محبت کا دعویٰ کیا تھا، مگر نبھایا نہیں۔ یا کچھ اور ایسا۔" وہ رکی۔ "تم کیا کرو گے؟"

عباس نے ایک لمحہ سوچا، پھر کہا۔ "میں اپنے مشاہدے کو دیکھوں گا، یہ کہ میرا تمہارے ساتھ وقت کیسا گزرا۔ میں نے تمہیں کیسا پایا۔" وہ اب اسے دیکھ رہا تھا۔ "میں اپنی ججمنٹ پر یقین کروں گا نا کہ کسی اور کی۔"

مہوش نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

"اور اگر کہنے والا سچا ہو؟"

عباس نے نظریں اس پر جمائے رکھیں، ہٹائیں نہیں۔

"میں تمہیں حال سے جانتا ہوں، وہ تو تمہیں تمہارے ماضی سے جانتا ہو گا۔" اب وہ بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔ "ویسے بھی، میرا یہ ماننا ہے کہ ہر ناکام محبت کچھ سکھا کر جاتی ہے۔ بس حوصلہ ہونا چاہیے، زندگی اپنے لیے جینے کا۔"

مہوش کے ہونٹ ذرا سے کپکپائے۔ وہ کچھ نہیں بولی۔

لان سے قہقہے کی آواز آئی، مگر یہاں تک پہنچتے کافی دھیمی ہو گئی۔

آخر کار وہ بولی۔ "ہوتے ہیں نا کچھ لوگ۔۔۔ صرف لینا جانتے ہیں۔ ہمیں اندر سے تھکا دیتے ہیں۔"

اور کچھ لوگ ہوتے ہیں جو دینے سے پہلے پوچھ لیتے ہیں کہ تم لینا" عباس نے متوازن لہجے میں جواب دیا۔

"چاہتی ہو یا نہیں۔

"تمہیں کسی نے بتایا تم کتنے عجیب ہو؟"

"یہ شکایت ہے یا تعریف؟" عباس ہلکا سا ہنسا۔

مہوش مسکرانے لگی۔

"تم پر یہ فرض نہیں کہ تم ابھی کچھ کہو۔ یا کبھی بھی کہو۔" وہ مسکرایا۔ "یہ تمہاری کہانی ہے، مہوش۔ تمہیں اس کا مرکزی کردار بن کر رہنا ہے، تمہی سب سے اہم ہو۔ لوگ تو آتے جاتے رہیں گے۔"

سیڑھیاں، شام، اور وہ جملے ـــــ وہیں رہ گئے۔

یہ تمہاری کہانی ہے۔

تمہی سب سے اہم ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

گزشتہ چند دنوں سے ان کی ذہنی امراض کے اسپتال میں ڈیوٹی تھی۔

اسپتال کا دن غیر معمولی نہیں تھا—نہ کوئی ایمر جنسی الارم، بھاگتے قدم، نہ چیختی آوازیں۔ بس ایک لمبا، تھکا دینے والا دن تھا جو اب ختم ہو رہا تھا۔

عباس نے فائل بند کی، دستخط مکمل کیے اور گہرا سانس لیا۔ جس مریض کے گرد پورا دن گھومتا رہا تھا، وہ اب خطرے سے باہر تھا۔

مہوش کوریڈور کے آخری بنچ پر بیٹھی تھی۔ بیگ اس کے قدموں کے پاس رکھا تھا، اور ہاتھوں میں چائے کا کاغذی کپ—جو کب کا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی، مگر آنکھوں میں وہ منظر نہیں تھا، جو سامنے موجود رہا۔

عباس نے اسے دیکھا تو چند لمحے وہیں رکا رہا۔ جیسے طے کر رہا ہو کہ آج کچھ کہنا ہے یا پھر ایک اور دن کی طرح سب خاموشی میں گزر جانے دینا ہے۔

آخر کار وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"تھک گئی ہو گی۔"

"یہ تو یہاں آنے کے ساتھ ہی پیکج میں شامل ہے۔" مہوش نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

عباس کی مسکراہٹ میں آج معمول کی شوخی نہیں تھی۔ وہ چند لمحے سامنے دیکھتا رہا—پھر جیسے اندر کسی بات نے جگہ مانگی ہو۔

اس نے دھیمے مگر واضح لہجے میں کہا۔ "آج مجھے احساس ہوا کہ زندگی میں سب سے قیمتی چیز کسی کو سچ میں ساتھ رکھنا ہے۔"

مہوش نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔اس کے چہرے پر سوال ابھرا۔

"یہ بات تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟"

عباس نے جواب فوراً نہیں دیا۔اس نے ہاتھوں کو آپس میں جوڑا، پھر کھولا، جیسے لفظوں کے وزن کو تول رہا ہو۔پھر اس نے نگاہ مہوش پر جما دی—بغیر کسی جلدی کے۔

"کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم وہ ساتھ بنو—اگر تمہیں یہ راستہ ٹھیک لگے۔"

یہ کہتے ہی اس نے لاشعوری طور پر اپنے ہاتھ پیچھے کر لیے، جیسے ایک قدم آگے بڑھ کر فوراً خود کو روک لیا ہو۔

اس کی آواز میں کوئی دعویٰ تھا نہ اصرار۔

"میں پرپوز کر رہا ہوں، دباؤ نہیں ڈال رہا۔"

مہوش کی سانس ذرا سی اٹکی۔اس نے پلکیں جھپکیں، جیسے آنکھوں میں آنے والی نمی کو قابو میں رکھنا چاہتی ہو۔

چند لمحوں تک وہ کچھ نہ بول پائی۔

"تمہیں میرے بارے میں سب معلوم نہیں۔"

عباس نے فوراً اس کی طرف رخ کیا۔اس کے چہرے پر نہ حیرت تھی، نہ الجھن—بس ٹھہرا ہوا یقین۔

محبت ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہر بات جاننے کا مطالبہ کروں۔سب شیئر کرنا ضروری بھی نہیں ہوتا۔

""

مہوش نے نظریں جھکالیں۔اس کی انگلیاں چائے کے کپ کے گرد مضبوط ہو گئیں، جیسے خود کو سنبھال رہی ہو۔آنکھوں میں نمی اب واضح تھی۔

اس نے کچھ نہیں کہا۔

عباس نے بھی خاموشی کو نہیں توڑا۔وہ اٹھا،ایک لمحے کو رکا—جیسے یقین کرنا چاہتا ہو کہ اس نے حد پار نہیں کی—پھر آہستہ قدموں سے کوریڈور کی دوسری سمت چل دیا۔

مہوش وہیں بیٹھی رہی۔

لفظ اس کے ارد گرد معلق تھے، مگر ہونٹ بند رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

این جی او کی سفید ہائی ایس چھوٹی سی سڑک پر ایسے ہچکولے کھاتی جا رہی تھی جیسے ہر گڑھا اس سے اپنی شناخت منوانا چاہتا ہو۔

کھڑکی کے باہر کھیتوں کی حدیں دھندلی تھیں، کہیں کہیں پانی کے پرانے نشان، جیسے مٹی کی جلد پر سوکھے ہوئے زخم۔دور، کچی بستیوں کے اوپر دھواں سیدھا اوپر اٹھ رہا تھا۔

مشعل نے اپنی گود میں نوٹ بک رکھی ہوئی تھی۔وہ کلچرل ہیریٹیج این جی او میں ریسرچ اسسٹنٹ تھی۔کام کا نام کاغذوں میں 'فیلڈ ورک' تھا، مگر حقیقت میں یہ سڑکیں، مٹی، لوگوں کی آنکھیں، اور رات کو واپس آ کر نوٹس کی وہ طویل خاموشی تھی، جس میں الفاظ آہستہ آہستہ معنی بنتے تھے۔

اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر رباب بیٹھی تھی، فون پر کیمرے کی سیٹنگز چیک کرتی ہوئی۔ آگے والی سیٹ پر حرانے فائل گود میں رکھی ہوئی تھی اور ہر کچھ دیر بعد کھڑکی سے جھانک کر پوچھتی، 'یہی وہ بستی ہے؟'

ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر دانش تھا، عمر میں مشعل سے ایک آدھ سال بڑا، کاندھے پر کیمرہ بیگ اور لہجے میں وہ سرکاری سنجیدگی جو وہ اکثر مذاق میں بھی اوڑھ لیتا تھا۔

"مشعل، آج والا انٹرویو تم ہی کرو گی۔ بابا ہر کسی سے بات نہیں کرتا۔" دانش نے پیچھے مڑ کر کہا۔

"کیا مطلب؟" مشعل نے قلم کی نوک انگلی پر گھمائی۔

جواب حرانے دیا۔ "ہم پچھلے ہفتے بھی آئے تھے۔ پہلے تو دروازہ ہی نہیں کھولا، پھر کسی نے بتایا کہ وہ بس ایک ہی بندے کی بات سنتا ہے۔ وہ بھی تب، جب اسے لگے کہ سامنے والا صرف سوال نہیں کر رہا، سمجھ بھی رہا ہے۔"

"اور ہماری شکلوں سے اسے لگتا ہے ہم بس فارم بھرنے آئے ہیں۔" رباب ہنس دی۔

"ہمیں لگتا ہے کہ وہ تم پر اعتبار کر لے گا، تمہارے ساتھ یہاں پہلا دورہ ہے، نا۔"

مشعل نے ہلکے سے مسکرانے کی کوشش کی، مگر سینے میں کہیں ایک دباؤ تھا۔

گاڑی نے ایک کچے راستے پر مڑتے ہی رفتار کم کر دی۔ سامنے مٹی کے ٹیلوں کے درمیان جھونپڑیوں کا جھرمٹ تھا۔ درخت کم، سایہ کم، اور جگہ جگہ وہی چکنی سی مٹی جو بارش میں پھسلتی ہے اور گرمی میں دراڑیں ڈال دیتی ہے۔

یہاں کا آدمی، اللہ دتہ عرف باباللہ دتہ۔۔۔ عجیب" دانش نے پر لطف انداز میں اس کی شخصیت بیان کی۔

"ہے۔پر باتیں اس کے پاس بہت ہیں۔

مشعل کی نظر دور ایک جھونپڑی پر ٹھہر گئی۔اس کے سامنے ایک پرانا سا نیم کا درخت تھا، جس کے نیچے مٹی پر چٹائی بچھائی ہوئی۔ جھونپڑی کے دروازے پر پرانے کپڑے کا پردہ لٹک رہا تھا۔اور اس پردے کے پیچھے سے جیسے کوئی آنکھیں پہلے ہی سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔

وہ چاروں گاڑی سے اترے، تو گاؤں کے دو بچے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ایک نے دانش کے کیمرے کو ایسے دیکھا جیسے کوئی قیمتی کھلونا ہو۔ حرا نے ذرا اونچی آواز میں جھونپڑی کے سامنے کھڑے ہوتے سلام کیا، پھر مشعل کو اشارہ کیا۔ مشعل نے ایک قدم آگے رکھا۔"السلام علیکم، بابا۔"

پردہ ہلا۔ پھر ایک لمبا سا، خشک جسم باہر آیا۔ سر پر میلی سی ٹوپی، جس کے کناروں سے سفید بال جھانک رہے تھے۔داڑھی ادھوری، مگر آنکھیں گہری اور تیز۔اس نے قمیص کے اوپر ایک پرانی سی شال لپیٹی ہوئی تھی، جیسے سردی نہیں، وقت سے بچاؤ کر رہا ہو۔اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس پر کہیں کہیں چاقو کے نشان تھے۔شاید اس نے خود تراشی تھی۔

اس نے پہلے دانش کو دیکھا، پھر حرا اور رباب کو۔ پھر سیدھا مشعل پر نگاہ ٹک گئی۔"تم لکھتی ہو؟"

"جی، اور سن بھی سکتی ہوں۔اگر آپ اجازت دیں۔"مشعل نے نوٹ بک اٹھا کر دکھائی۔

بابااللہ دتہ نے ہونٹ بھینچے۔چند لمحے ایسے تھے جیسے وہ فیصلہ کر رہا ہو کہ خاموشی بہتر ہے یا بولنا۔پھر اس نے نیم کے نیچے بچھی ہوئی چٹائی کی طرف اشارہ کیا۔"بیٹھو۔مگر بات باہر نہیں جانی چاہیے۔"پھر رک کر کچھ سوچا۔"یا پھر۔۔۔نام نہ لکھنا۔"

"بالکل، بابا۔ہم آپ کی اجازت کے بغیر ایسا کچھ نہیں کریں گے۔"حرا نے فوراً کہا۔

"اور یہ تین؟"بابا نے ہلکا سا سر ہلایا، مگر آنکھیں مشعل پر تھیں۔

مشعل نے نرمی سے کہا۔"یہ میرے کولیگز ہیں۔ہم کلچرل ہیریٹیج والی این جی او سے ہیں۔بات آپ سے میں ہی کروں گی۔یہ فوٹو اور آڈیو کی مدد کرتے ہیں، آپ کی کوئی تصویر نہیں آئے گی، بس یہ علاقہ ہی بہت ہے۔"

بابا نے جیسے ایک گہری سانس لی۔"ٹھیک ہے، مگر سوال ہوشیاری سے کرنا۔"

مشعل نے بیٹھتے ہی نوٹ بک کھولی، مگر قلم وہیں روک لیا۔پہلے نظر اٹھا کر اس کے چہرے کی دراڑوں کو دیکھا، پھر قدرے محتاط انداز میں بولی۔"بابا، ہم 1992 کے سیلاب کے بارے میں سننا چاہتے ہیں۔آپ نے وہ وقت اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟"

بابا کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔"نہیں، بی بی۔۔۔اس نے ہمیں دیکھا تھا۔اس وقت میں پینتالیس کے آس پاس تھا۔گھر میں بیوی تھی، ایک بیٹی تھی۔اب بیٹی بیاہی ہوئی ہے، بچے بھی ہیں۔"

"تب سیلاب کے بعد یہاں کے لوگوں میں کیا بدلا؟"مشعل نے سوالات کی ابتدا کی۔

بابا نے لکڑی کو مٹی پر گھسیٹا جیسے نقشہ بنا رہا ہو۔ "پہلے زمین تھی تو آدمی کا سر اونچا تھا۔ سیلاب آیا، فصلیں، جانور، گھر، سب بہہ گئے۔ پھر جو بچا۔۔ وہ قرض تھا۔ لوگ سمجھتے ہیں سیلاب کا پانی صرف دیواریں گراتا ہے۔ نہیں، پانی آدمی کی کمر بھی توڑ دیتا ہے۔"

دانش نے بے اختیار کیمرہ سیدھا کیا، مگر بابا نے فوراً اسے گھورا۔ دانش رک گیا۔ بابا دوبارہ مشعل کی طرف پلٹا۔ "سیلاب کے بعد بڑے لوگوں کے دروازے کھلے، جاگیرداروں کے۔ پہلے بھی لوگ ان کے محتاج تھے، پر بعد میں۔۔۔ جیسے ساری زندگی ان کی جیب میں چلی گئی۔ کھانے کا قرض، بیج کا قرض، گھر کی مرمت کا قرض۔ پھر آدمی کے پاس بس دو چیزیں بچیں: پھیلا ہوا ہاتھ اور شرمندگی۔"

مشعل کے قلم نے پہلی بار کاغذ کو چھوا۔ وہ لکھتی جا رہی تھی اور دل کے اندر کہیں وہ اینتھروپولوجی کے لیکچر نوٹس جاگتے جا رہے تھے۔ "اور امداد؟ لوگ کہتے ہیں امداد پہنچی، مگر۔۔۔"

بابا ایک تلخ سی ہنسی ہنسا۔ "امداد؟ امداد گاؤں میں آتی تھی، مگر راستے میں اس کے کپڑے بدل جاتے تھے۔ جو طاقت والا تھا، اس کے صحن میں پہلے پہنچتی۔ غریب، کمزور، نیچی ذات والے، یا جو الگ مذہب والے تھے۔۔۔ انہیں فہرست میں تو رکھا جاتا، مگر ہاتھ میں خالی برتن آتا۔"

"پھر روزگار؟"

"سیلاب کے بعد کئی لوگوں نے ہل بیچ دیا۔ کچھ کی زمین نمک ہو گئی، کچھ کی زمین کاغذوں میں بچی مگر ہاتھ سے نکل گئی۔ پھر مرد شہر کی طرف نکلے۔ مزدوری، رکشہ، ہوٹل، تعمیرات اور پیچھے گھروں میں عورتیں رہ گئیں۔"

مشعل نے سر اٹھا کر پوچھا۔ "عورتوں کے حصے میں کیا آیا؟"

بابا کے چہرے پر سختی آ گئی۔ "بھوک کا حساب، بچوں، اور پانی کا حساب۔ مرد جب خالی ہاتھ لوٹتا تو گھر کو چلانا عورت ہی کے سر آتا۔ مگر اختیار پھر بھی نہیں آیا۔ بس ذمہ داری بڑھ گئی۔ اور ایک اور چیز بدلی۔"

"وہ کیا؟"

"خوف۔ لوگوں کے دل میں ایک ڈر بیٹھ گیا کہ جو تھا، وہ ایک رات میں نہیں، ایک بہاؤ میں ختم ہو سکتا ہے۔ کئی گھرانے اپنی پرانی چیزیں نہیں بچا سکے - برتن، شادی کے کپڑے، بزرگوں کی نشانی، کاغذ۔۔۔ سب بہہ گیا۔ پھر آدمی کے پاس صرف یاد رہ جاتی ہے۔ اور یاد، بی بی، کبھی کبھار بہت بھاری ہوتی ہے۔"

"اور لوگ شہر کیوں گئے؟"

بابا نے دور سڑک کی طرف دیکھا جہاں سے ان کی گاڑی آئی تھی۔ "کیونکہ گاؤں میں کچھ بچا نہیں تھا۔ کراچی، حیدر آباد۔۔۔ جن کے پاس کوئی جان پہچان تھی، وہ نکل گئے۔ کچے مکانوں کی نئی بستیاں بنیں۔ شہر بڑا ہوا، مگر دل چھوٹا۔ وہاں بھی محنت، یہاں بھی محنت، مگر اپنے کھیت کے نام کی چھاؤں نہیں تھی۔"

"بابا، آپ یہ سب کیوں بتا رہے ہیں؟ آپ تو کہتے تھے بات باہر نہیں جانی چاہیے۔" مشعل نے قلم روکا۔

بابا نے اسے دیر تک دیکھا۔ پھر دھیرے سے بولا۔ "میں بات باہر نہیں جانے دے رہا، میں بات اندر لے جا رہا ہوں۔ تم لکھو گی تو شاید کسی کو سمجھ آئے کہ سیلاب صرف پانی نہیں تھا - وہ آئینہ تھا۔ جس نے سب کی اصلیت دکھا دی۔"

"اب جاؤ۔ پھر آنا تو پہلے خبر کرنا۔ میں ہر روز نہیں بولتا۔" وہ اٹھا، لکڑی پر ہاتھ کا وزن ڈال کر۔

مشعل بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔اس نے نوٹ بک بند کی، مگر چہرے پر وہ ہلکی سی روشنی تھی جو صرف اس وقت آتی ہے جب کوئی بات اندر کہیں ٹھیک جگہ پر جا لگے۔"میں پھر آؤں گی، بابا۔"

"آنا، بس سوال سچے رکھنا۔" بابا نے بس اتنا کہا۔

گاڑی کی طرف جاتے ہوئے دانش نے مشعل سے کہا۔"تم نے کوئی جادو کیا ہے؟"

مشعل نے نیم کے درخت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"جادو نہیں۔بس، خلوص سے سننا کافی ہوتا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

مشعل نے اپنے بال ڈھیلے کیے، دوپٹہ کرسی کی پشت پر رکھا اور بیڈ کے پاس رکھی چھوٹی سی میز پر فون الٹا کر کے رکھ دیا۔وہ کمبل کے کنارے سیدھے کر رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔"کون؟"

"میں ہوں۔"فاریہ کی آواز میں وہی مانوس سی شوخی تھی جو ہر بات کو ہلکا بنا دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

"آ جاؤ۔"

دروازہ کھلا تو فاریہ مسکراتی ہوئی اندر آئی۔لگتا تھا وہ پڑھائی سے ہی اٹھ کر آئی ہے۔ہاتھ میں ایک پین تھا، جیسے باتوں میں بھی کوئی نکتہ لکھ لینے کا ارادہ ہو۔وہ آ کر بیڈ کے کونے پر بیٹھ گئی اور مشعل کے چہرے کو ایسے دیکھا جیسے اسے کسی جگہ سے پکڑ کر لانا ہو، کسی خیال سے نکال کر۔

فاریہ نے شرارت سے پوچھا۔"سو رہی تھیں؟"

مشعل نے کمبل کا ایک کنارہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔"سو جاتی اگر تم دروازہ نہ کھٹکھٹاتیں۔"

پھر فاریہ خود بھی بیڈ پر نیم دراز ہو گئی، گردن ذرا سی ٹیڑھی کی۔ "اچھا، بتاؤ۔ جاب کیسی جا رہی ہے؟"

مشعل نے ایک لمحہ سوچا، جیسے سچ اور آسان جواب میں سے انتخاب کر رہی ہو۔ پھر کہا۔ "اچھی جا رہی ہے۔ کام ہے، لوگ ہیں۔ دن گزر ہی جاتا ہے۔"

"اور تم؟" مشعل نے پلٹ کر پوچھا۔ "یونیورسٹی کیسی جا رہی ہے؟"

فاریہ نے آہ بھری۔ "بس فائنل ایگزام شروع ہونے والا ہے۔ اسی کی تیاریوں میں ہوں۔" پھر وہ اچانک سنجیدہ ہوئی۔ "تم نے لائف کے لیے کیا سوچا ہے؟"

مشعل نے پلکیں جھپکیں، اور فاریہ کو ایسے دیکھا جیسے وہ سوال نہیں، کوئی بند لفافہ سامنے رکھ رہی ہو۔ "تم پوچھنا کیا چاہتی ہو؟ کھل کر کہو۔"

"دیکھو، صاف بات کہوں گی۔ آپی کی شادی پچھلے سال ہو گئی، پہلے تمہاری زیادہ دوستی اسی سے تھی۔ اب وہ جا چکی ہے تو تم میرے ساتھ بھی ٹھیک گپ شپ کر لیتی ہو، اس لیے میں ذرا کھل کر کہوں گی۔"

مشعل نے تائیدی سر ہلایا۔ فاریہ نے اسے بغور دیکھا۔ "تم اپنے باپ کی اتنی اچھی کمپنی چھوڑ کر یہاں آ بیٹھی ہو۔ یہاں تم جو بھی جاب کرو گی وہ عارضی ہو گی۔ واپس تو تم نے وہیں جانا ہے۔"

مشعل نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ "تمہیں پتہ ہے میں نے کتنی ای میلز کیں؟ کتنی جگہوں پر جا کر سی وی ڈراپ کی؟ کتنے انٹرویوز دیے، تب جا کر اس جاب پر لگی ہوں۔"

"راہبر لاجسٹکس ان سب سے بہتر ہے۔ مشعل، تم نے وہاں بھی انٹرن شپ آدھے میں چھوڑ دی۔ اب یہاں خوار ہوتی پھر رہی ہو۔ تمہیں نہیں لگتا تم غلطی کر رہی ہو؟"

مشعل نے پلنگ کی چادر پر اپنی انگلی سے ایک سیدھی لکیر کھینچی، پھر بے نیازی سے کہا۔"تو کرنے دو۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"فاریہ کے ماتھے پر شکن آئی۔

مشعل نے اس کی طرف دیکھ کر ٹھوس لہجے میں کہا۔"مجھے اپنے حصے کی غلطیاں بھی کرنے کا حق ہے، کیونکہ فی الحال میں نہیں جانتی مجھے کیا چاہیے۔نت نئے تجربے مجھے درست فیصلہ کرنے میں مدد دیں گے، آسانی رہے گی۔"

فاریہ اس کی طرف جھک کر بولی۔"تمہاری اور حماس کی تو اتنی دوستی ہے۔اس سے ایسا بھی کیا جھگڑا ہوا کہ تم نے والدین کو وہاں اکیلا چھوڑ دیا؟"

مشعل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی، مگر اس کے پیچھے تھوڑا سا درد چھپا تھا۔"مجھے اپنے والدین سے بھی پیار ہے،اور حماس کی بھی فکر ہے۔لیکن ان سب سے زیادہ مجھے اپنی فکر ہے۔میرا ہیل ہونا زیادہ ضروری ہے۔میں خود کو ہیل نہیں کر سکتی،اسی لیے اللہ سے مدد مانگتی ہوں۔ہمارا مسیحا تو وہی ہے۔فی الحال میرا کراچی واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔"

"یہ خود غرضی نہیں؟"

مشعل ہنس دی۔"نہیں،اسے سیلف کیئر کہتے ہیں۔دیکھو، جو خود کا خیال رکھنا سیکھ لے، وہی دوسروں کا زیادہ بہتر طور پر خیال رکھ سکتا ہے۔"

"وہ سب تمہیں مس کر رہے ہوں گے۔"

مشعل نے سر تکیے پر رکھا، نگاہ سیلنگ پر جم گئی۔ "جانتی ہوں، اگر ابھی گئی تو حماس فوراً مجھ سے معافی مانگ لے گا، سب پہلے سا ہو جائے گا۔ لیکن مجھے کچھ وقت چاہیے، فاریہ۔ میں تیار نہیں ہوں۔ کچھ عرصے بعد واپس جاؤں گی تو حماس بھی کافی کچھ سمجھ چکا ہو گا۔ ڈیڈ سے میں نے ایک سال کا وقت لیا ہے۔"

باہر کہیں لائٹ بند ہونے کی آواز آئی۔ فاریہ نے جیسے فیصلہ کیا، پھر بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ٹھیک ہے، مجھے بس اتنا ہی کہنا تھا۔"

وہ دروازے تک پہنچی تو مشعل نے پیچھے سے پکارا۔ "فاریہ۔"

فاریہ نے پلٹ کر دیکھا۔

مشعل نے کہا۔ "میں نے راہبر میں کام کر کے دیکھا، مجھے کچھ خاص اچھا نہیں لگا۔ حماس وہاں زیادہ خوش تھا، لیکن وہ جگہ میرے لیے نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں سے واپس جاؤں تو وہ سب اچھا لگنے لگے۔"

"اچھا، سو جاؤ۔ کل تمہیں پھر جلدی اٹھنا ہے۔" فاریہ کے ہونٹوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ آ گئی۔

"بس ایک بات یاد رکھنی چاہیے۔" مشعل کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ فاریہ کے چہرے پر تجسس ابھرا۔ "زندگی میں ممکنات کی کوئی حد نہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

زین کے آفس کے اندر والا چھوٹا سا اسٹوڈیو خاموش تھا۔ باہر شیشے کے پار شہر اپنی رفتار میں تھا، مگر یہاں روشنی، دھات اور باریک اوزاروں کے بیچ وقت ذرا آہستہ چلتا تھا۔

وہ ڈیزائن ٹیبل کے سامنے بیٹھا تھا۔ سفید کاغذ، پنسل، اور سامنے وہ خالی جگہ جہاں خیال، شکل اختیار کرتا۔ اس نے پنسل اٹھائی، مگر فوراً نہیں چلائی۔ چند لمحے بس یونہی رکا رہا—جیسے ذہن میں کسی ایک نام کو واضح ہونے دے رہا ہو۔

شمع۔

اس نے لکیر کھینچی۔ لمبی نہ بھاری۔

ایک چھوٹی سی شکل—اوپر سے پتلی، نیچے ہلکی سی پھیلی ہوئی۔ دل، پتہ، نہ آنسو۔

وہ رک گیا۔ دوبارہ دیکھا۔ پھر نیچے والے حصے کو ذرا سا بھر دیا، اوپر کی نوک کو اور باریک کیا۔

"شعلہ۔" وہ آہستہ سے بولا، جیسے خود کو تصدیق دے رہا ہو۔

یہ بھڑکتا ہوا شعلہ نہیں تھا۔ یہ وہ لو تھی جو موم بتی پر سیدھی کھڑی رہتی ہے، ذرا سی تھرتھراتی ہوئی—مگر بجھتی نہیں۔

اس نے سائز کے آگے ایک چھوٹا سا نوٹ لکھا۔ روز پہنا جا سکے۔ کان پر بھاری نہ لگے۔

پھر پتھروں کی باری آئی۔

اس نے ایک اور شیٹ نکالی، اس پر شعلے کے اندر نقطے لگانے شروع کیے۔ نیچے والے حصے میں قدرے بڑے نقطے، اوپر جاتے جاتے چھوٹے—اتنے باریک کہ روشنی پڑنے پر بس چمک محسوس ہو، شور نہ ہو۔

ڈائمنڈز۔

کوئی ایک بڑا پتھر نہیں بلکہ کئی چھوٹے، جیسے روشنی خود سے جڑی ہو۔ پورا شعلہ انہی سے بننا تھا۔

میٹل کے خانے میں اس نے بغیر رکے لکھا: وائٹ گولڈ۔ چمک زیادہ، وزن کم۔

اس نے پنسل رکھ کر پیچھے ٹیک لگالی۔ نگاہ اس اسکیچ پر ٹھہر گئی جواب مکمل تھا۔ سادہ، مگر واضح۔

نفیس، مگر مضبوط۔

چند دن بعد، جب وہ تیار شدہ ائیر رنگز اس کے سامنے رکھے گئے، تو اس نے دستانے اتار کر انہیں آہستگی سے اٹھایا۔

وہ بالکل ویسے ہی تھے، جیسا اس نے سوچا تھا۔

اسٹڈ ائیر رنگز۔ کان سے چپکنے والے۔ شعلے کی واضح شکل—اوپر پتلی، نیچے ہلکی سی چوڑی۔ وائٹ گولڈ میں جڑے چھوٹے چھوٹے ڈائمنڈز، جن کی ترتیب ایسی تھی کہ روشنی نیچے سے اوپر کی طرف بہتی محسوس ہوتی تھی۔

زین نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

شمع = جلتی ہوئی روشنی۔

یہ شعلہ بھڑکتا ہوا تھا، نہ شور کرتا ہوا۔

بس۔۔۔ جلتا رہتا تھا۔

اس نے ائیر رنگز دوبارہ دیکھے۔ ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ آگئی—ایسی جو کسی کو دکھانے کے لیے نہیں ہوتی، بس خود کے لیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

"واپس کب آؤ گی؟" ہر بار شمسہ یہی سوال کرتیں اور مشعل جواباً انہیں ٹوک دیا کرتی۔ "یہ نہ پوچھا کریں، ماما۔"

حماس کا وہ جیسے ہی نام لیتیں، وہ بول اٹھتی۔ "اس کا کوئی ذکر نہیں ہوگا، ورنہ میں فون رکھ دوں گی۔"

"آج میں ایک ایسے شخص کی بات کرنا چاہتی ہوں، جس کے بارے میں میری رائے بدلنے لگی ہے۔" اس بار شمسہ کا انداز اسے کافی بدلا ہوا لگا، وہ جواباً خاموش رہی۔ "نفرت تو پہلے بھی نہیں تھی، لیکن اب۔۔"

"بابا کیسے ہیں؟" مشعل نے بات کاٹ دی۔

"مشعل، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔" ان کا لہجہ التجائیہ تھا۔

"مجھے گھر بلانے کا نیا طریقہ ہے یہ۔" وہ یقین کرنا تو چاہتی تھی لیکن کر نہیں پا رہی تھی۔

"اس نے خود پر بہت محنت کی ہے، ہمت نہیں ہاری۔" انہوں نے توقف کیا۔ "اور جانتی ہو مجھے شدت سے کیا محسوس کرایا؟"

مشعل کچھ نہ بولی۔

"خود کو سنبھال کر ہی، ہم دوسروں کو تھامنے کے قابل بنتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ڈرائنگ روم میں گفتگو کی ہلکی سی گونج تھی۔ وارث صوفے پر ریاض کے ساتھ کسی بات میں مصروف تھے، کومل اور تہمینہ سامنے بیٹھی تھیں۔ ماحول میں مانوس سی گرمجوشی تھی—ایسی، جو برسوں کے تعلق سے آتی ہے۔

اسی لمحے زین اندر داخل ہوا۔ اس کے کندھوں پر علی سوار تھا۔ دونوں کسی بات پر بے ساختہ ہنس رہے تھے۔ شمع کی نظر بے اختیار ان کی طرف اٹھی۔

زین نے علی کو آہستگی سے کندھوں سے اتارا۔

"اتنے بڑے ہو گئے ہو، اب بھی زین کے کندھوں پر چڑھنے کا شوق ہے؟" شمع بولے بنا نہ رہ پائی۔

علی ہنستا ہوا ماں کے پاس چلا گیا۔

زین نے شمع کی طرف دیکھا۔

"آؤ، تمہیں کچھ دینا ہے۔ ڈیڈ نے بتایا، آج تم لوگ یہاں ڈنر کرو گے تو میں بھی چلا آیا۔"

وہ اس کے پیچھے چل پڑی۔ دونوں پورچ میں آ گئے۔

زین سیدھا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

"کہاں لیے جا رہے ہو؟ کچھ تو بتاؤ۔"

"میری گاڑی۔" زین نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

وہ اس سے دو قدم آگے تھا۔

دروازہ کھول کر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پیسنجر سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے شمع کو اشارہ کیا۔ وہ حیرت بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی، پیسنجر سیٹ پر آ بیٹھی۔ زین نے سامنے والا ڈیش بورڈ کھولا اور ایک چھوٹا سا باکس نکالا۔

شمع نے باکس لیا۔ ڈھکن کھولا۔

زین اس کی طرف دیکھ رہا تھا—خاموش، یکسو—جیسے ایک ہی سوال اس کی آنکھوں میں اٹکا ہو۔۔۔ اسے پسند آئے یا نہیں۔

شمع کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"کیا یہ فلیم ہے؟ شعلہ؟"

"ہاں۔"

"بہت نفیس ڈیزائن ہے۔"

وہ ائیر رنگز نکال کر پہننے لگی۔ زین اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ پہن چکی تو زین بولا۔ "مشکور ہوں، تمہارا۔"

شمع نے دوسرے کان میں سٹڈ پہنتے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"تم نے اس سب کی اجازت دی۔" زین نے ہاتھ سے اس کے کانوں میں پہنے ائیر رنگز کی طرف اشارہ کیا۔ "میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔"

شمع نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مجھے نہیں لگتا تھا کہ اس لمحے کو مزید یادگار بنانا ممکن ہے، لیکن میں بناؤں گی۔"

اب سوال زین کی نگاہوں میں تھا۔

"زین، مجھ سے شادی کرو گے؟"

زین کے چہرے پر بے یقینی آ گئی۔ "تمہیں مشعل یا مہوش نے کچھ کہا ہے؟"

وہ چونک گئی۔ "نہیں۔ کوئی بات ہے جو تم لوگوں نے مجھے نہیں بتائی؟"

زین مزید الجھ گیا۔ "میرے گھر والوں نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں، زین! ایک چھوٹی سی بات پر تم نے سوالوں کی لائن لگا دی۔ ماجرا کیا ہے؟"

"تم یوں۔۔۔ اچانک شادی کی بات کیوں کر رہی ہو؟"

"زین صاف کہو، تمہیں شادی نہیں کرنی۔ اتنی باتیں کیوں بنا رہے ہو؟"

زین ٹھٹک گیا۔

"تم واقعی مجھے پروپوز کر رہی ہو؟"

شمع نے غصے سے اسے دیکھا۔

زین ہنستا چلا گیا۔۔۔ جیسے خود کو روک نا پا رہا ہو۔

شمع نے جھٹکے سے اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولا اور گاڑی سے نکل گئی۔ زین فوراً باہر آیا اور اس کے پیچھے بھاگا۔

شمع غصے سے تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھتی گئی۔

زین نے قریب پہنچ کر اس کا بازو پکڑا اور اسے اپنی طرف گھمایا۔

اب وہ آنے سامنے کھڑے تھے، اس نے شمع کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں ناراضگی تھی۔

"زین، شمع سے شادی نہیں کرے گا تو کس سے کرے گا، بھلا؟"

☆☆☆☆☆☆☆

مری تلاش میں خود کو بھی پار کر لینا

میں تیرے پاس ہوں، بس اک حصار کر لینا

وجود میرا تری ذات کا جزیرہ ہے

مجھے بھی خود سے کبھی ہم کنار کر لینا

چاندنی رات تھی۔ میز کے گرد رکھی کرسیوں پر اس وقت دو نفوس موجود تھے۔

مشعل کی نظریں آسمان پر جمی ہوئی تھیں، دونوں ہاتھ مگ کے گرد لپٹے ہوئے۔

حماس سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے چند سیکنڈ پہلے مگ مشعل کے ہاتھ میں تھمایا تھا، اب خود کے مگ سے بھاپ اٹھتی دیکھ رہا تھا۔

وہاں سے نظریں ہٹا کر اس نے مشعل کو دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" مشعل نے بغیر دیکھے کہا۔

کتنے ماہ بعد دیکھ رہا ہوں۔ تھپڑ کے بعد یہ پہلی ملاقات ہے۔۔۔اور گواہ یہ" حماس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

"چاند۔

"چائے تم نے بنائی ہے؟" مشعل نے آہستہ سے سر موڑا، اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔"

"میرے بعد چائے بنانی سیکھ لی۔" وہ مسکرائی تھی۔

"اور بھی بہت کچھ جان گیا ہوں۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ صرف دور کہیں کسی گاڑی کی آواز، اور درختوں کے پتے ہلتے ہوئے۔

"میں اب تم سے ناراض نہیں ہوں۔" مشعل نے آہستہ سے کہا۔

حماس جیسے ایک لمحے کے لیے سانس لینا بھول گیا۔ "تو۔۔۔اب تم واپس آ گئی ہو؟"

مشعل نے فوراً جواب دیا، مگر آواز میں نرمی تھی۔ "میں گئی ہی کب تھی؟"

"تم نے مبشر ماموں کے بارے میں تو سنا ہی ہو گا۔" حماس کے استفسار پر مشعل سر ہلا کر رہ گئی۔ "میں نے انہیں اپنے خوابوں اور کیفیات کے متعلق بتایا تو انہوں نے کہا یہ ایک روحانی تعلق ہے۔"

"تم ہماری بات کر رہے ہو؟"

"ہاں۔ میں وہ محسوس کرتا ہوں، جس سے تم گزرتی ہو۔ کبھی خوابوں کی صورت کبھی کسی اور بہانے۔" وہ اب پوری طرح اس کی طرف رخ کیے بیٹھا تھا۔ "میں اس تعلق کو ابھی بھی پوری طرح نہیں سمجھ پایا۔"

"ہم اسے کبھی نہیں سمجھ پائیں گے، حماس۔" اس کی نظریں اب چاند پر تھیں۔ "شاید یہی اس کی خوبصورتی ہے۔"

"یہ پیچیدگی؟"

"نہیں، گہرائی۔"

"جانتی ہو، مبشر ماموں نے مجھے کیا لقب دیا؟" حماس کے ہونٹوں پر ایک مبہم سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"کچھ خاص ہی ہوگا!"

"He called me, the empathy king."

(انہوں نے مجھے ہمدردی کا بادشاہ قرار دیا۔)

دونوں ہنس دیے۔

حماس مگ کے کنارے انگوٹھا پھیرتے ہوا بولا۔ "شمع اور زین کی متوقع شادی کو لے کر ہم سب بہت خوش ہیں۔ تحفہ کیا دیں گے؟"

"تبھی تو پہلے آگئی۔" اس نے مگ سے گھونٹ لیا۔ "مل کر سوچتے ہیں۔"

حماس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "صرف اس لیے جلدی آئی؟"

مشعل نے اسے دیکھا۔ "سننا کیا چاہتے ہو؟"

"بہت کچھ۔" وہ ذرا آگے جھکا۔ "سب کچھ۔"

"سب کچھ ایک رات میں نہیں کہا جاتا، حماس۔" مشعل نے نظریں پھر چاند کی طرف کر لیں۔

"بس یہ جاننا چاہتا ہوں۔۔۔ کیا اب بھی میرے لیے کوئی جگہ ہے؟" اس کی آواز دھیمی تھی۔

جگہ ہمیشہ تھی۔ سوال یہ تھا کہ تم اسے سنبھال پاؤ گے" مشعل نے پہلی بار مگ اس کے مگ کے ساتھ رکھ دیا۔

"یا نہیں۔

"اس بار جلدی نہیں کروں گا۔"

"یہی فرق ہے نا، پہلے اور اب میں۔" وہ مسکرائی۔

چاند بدستور ان دونوں کے اوپر تھا—خاموش، مکمل، گواہ۔

☆☆☆☆☆☆☆

بیڈ پر تینوں آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھیں، کوئی سیدھا نہیں تھا، جیسے دوستی میں بھی کوئی قاعدہ ضروری نہیں ہوتا۔

شمع ہیڈ بورڈ سے ٹیک لگائے ہوئے تھی، مہوش کا سر اس کے پیروں کے قریب تھا اور مشعل بیڈ کی دوسری سائیڈ گھٹنے لپیٹے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

یقین نہیں آتا تمہاری اور زین کی شادی ہونے والی "مشعل نے ہاتھ بڑھا کر شمع کے بازو پر ہلکی سی چٹکی کاٹی۔

"ہے۔

"کیا اب بھی نہ ہوتی؟ زین کتنے کرب سے گزرا ہے۔" مہوش فوراً بولی۔

مشعل نے گردن موڑ کر اسے گھورا۔

شمع چونک کر سیدھی ہو گئی۔ "تم دونوں کچھ چھپا رہی ہو مجھ سے؟"

مہوش نے معنی خیز نظروں سے مشعل کو دیکھا، جیسے بات اب روکنا ممکن نہ ہو۔

پھر دھیرے دھیرے سب بتاتی چلی گئی۔

مور گنائٹ والے لاکٹ سے جڑا اظہار، حسن سے اچانک سامنا، مہوش اور مشعل کا زین سے کہنا کہ وہ شمع تک اس کا پیغام پہنچانا چاہتی ہیں، اور زین کا منع کرنا کہ وہ شمع کے راستے میں کھڑا نہیں ہونا چاہتا۔

سب کچھ۔

بات ختم ہوئی تو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

شمع کی آنکھوں میں نمی آ ٹھہری۔

"جو ہوا، اچھے کے لیے ہوا۔ اب تمہیں زین کی زیادہ قدر ہو گی۔" مشعل فوراً اس کے قریب سرک آئی۔

زین کی قدر پہلے بھی تھی۔ تب میں اسے ایک دوست کی حیثیت سے پسند کرتی تھی۔ محبت مجھے "شمع نے کہا۔

"اس نئے زین سے ہوئی ہے۔

وہ تمہاری جدائی میں اپنے خالق کے قریب ہوا۔اسی روحانی "مہوش کے الفاظ کچھ دیر فضا میں معلق رہے۔ "ارتقاء نے زین کی شخصیت کو نکھارا ہے۔

میرا بھی دل چاہتا ہے اس کی طرح عبادت کروں، پورے دل سے، باقاعدگی "شمع کے لہجے میں رشک تھا۔ "کے ساتھ۔

"یہ سفر کبھی بھی، کہیں سے بھی شروع کیا جا سکتا ہے۔"مہوش نے نرمی سے جواب دیا۔

"حیدر آباد والی جاب کا کیا بنا؟"کچھ دیر بعد شمع نے رخ بدل کر مشعل کی طرف دیکھا۔

مشعل نے بے اختیار منہ بنایا۔"اف، بہت تھکا دیا اس جاب نے۔اب گھر میں آرام کروں گی۔"پھر اس نے شمع سے پوچھا۔"تم کیا کرو گی شادی کے بعد؟"

شمع فوراً بولی۔"مجھ سے یہ روز روز آفس نہیں جایا جاتا۔آرام سے اٹھا کروں گی، زین کے اور اپنے لیے ناشتہ بناؤں گی، پھر اسے رخصت کر کے ٹی وی لگا کر بیٹھ جایا کروں گی۔دن میں کوکنگ کلاسز بھی لوں گی۔"

مہوش نے فوراً کانوں پر ہاتھ رکھ دیے۔"یہ کن سست بلاؤں سے واسطہ پڑا ہے میرا! میرے کتنے بڑے" بڑے خواب ہیں اور ان کو دیکھو ذرا۔

مشعل ہنستے ہوئے بولی۔"بھئی، میں نے باپ کی کمپنی بھی دیکھ لی، حیدر آباد کی این جی او بھی۔میں نے قصرِ سلطان کو ہی اپنا آخری جزیرہ چنا ہے۔مجھے نہیں کرنی جاب یا بزنس۔

شمع نے بھی خوشی سے اس کے ہاتھ پر تالی دے ماری۔"مجھے بھی!"

مہوش نے انہیں گھورا، اور کمرے میں تینوں کی ہنسی بکھر گئی—ایسی ہنسی جس میں آنے والے دنوں کی خوشبو شامل تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

نہ میں بدلا، نہ میرا رخ، نہ میرا عشق ہی بدلا

ترا رستہ ہی ایسا تھا کہ جس میں موڑ لازم تھا

تجھے پانے کی ہجرت میں، میں اپنے رب کو پا آیا

عظیم الفت ملی تو پھر، ترا ملنا بھی لازم تھا

ہال سرخ اور سفید گلابوں سے سجا تھا۔

روشنی نرم تھی—نہ آنکھوں کو چبھتی، نہ منظر کو دھندلاتی۔ جیسے ہر بلب نے آج آہستہ جلنے کا وعدہ کر رکھا ہو۔

سٹیج کے بیچ شمع سرخ لہنگے میں بیٹھی تھی۔

رنگ ایسا جیسے کسی نے محبت کو کپڑے میں ڈھال دیا ہو۔ سنہری کام روشنی پکڑتا، تو لگتا دل دھڑک رہا ہے۔

اس کے برابر زین—سفید شیروانی میں، ہمیشہ سے زیادہ دراز قد دکھائی دے رہا تھا۔ سفید رنگ میں جگمگ کرتا اس کا چہرہ اندرونی خوشی کا آئینہ دار تھا۔ آج شمع نے غور سے دیکھا

جب زین مسکراتا ہے، تو صرف ہونٹ نہیں، پورا چہرہ ہنستا ہے۔ آنکھوں میں جیسے سورج جگمگا اٹھتا ہے۔ دیکھنے والا جواباً مسکرائے بنا رہ نہیں پاتا۔

آج وہ بات بے بات ہنس رہا تھا، جیسے خوشی کو چھپانے کا کوئی ارادہ ہی نہ ہو۔

تہمینہ، شمع کے کان کے پاس جھکی۔ "میں نے زین کو کبھی یوں نہیں دیکھا۔"

شمع نے پلکیں جھکا لیں، مسکراہٹ نے ہونٹوں پر گھر کر لیا۔

سامنے والی قطار میں حماس اور مشعل بیٹھے تھے۔ مشعل ہلکے گلابی لباس میں—— بال کھلے تھے، آنکھوں میں سکون۔ حماس ہلکی بھوری شیروانی میں، پراطمینان مسکراہٹ کے ساتھ۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد کچھ کہے بغیر ایک دوسرے کو دیکھ لیتے۔ آج واقعی الفاظ غیر ضروری تھے۔

ایک لمحہ وہ بھی تھا، جب سٹیج پر پانچوں اکٹھے بیٹھے تھے۔

پھر وہ لمحہ آیا، روشنی ذرا سی تیز ہوئی، قہقہوں کی گونج اٹھی۔

مہوش نے ذرا سا جھک کر، سرگوشی سے تھوڑی بلند آواز میں کہا کہ صرف وہی چار سنیں۔

"میں نے عباس کا پروپوزل قبول کر لیا ہے۔ ہم جلد پانچ سے چھ ہونے والے ہیں۔"

پھر بہت کچھ ایک ساتھ ہوا۔۔۔ ہنسی، حیرت، خوشی۔

مشعل نے بے اختیار مہوش کا ہاتھ تھام لیا۔

زین نے شمع کو دیکھا—— جیسے ایک خاموش وعدہ آنکھوں میں رکھ دیا ہو۔

یہ محض ایک تقریب نہیں تھی۔۔۔زندگیاں جڑ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کی ہلکی روشنی پردوں سے چھن کر کمرے میں اتر رہی تھی۔ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے شمع کھڑی تھی۔

اس نے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی آخری تہہ جمائی، پھر اسے بند کر کے رکھ دیا۔

آئینے میں خود کو دیکھا اور کھلے بالوں میں انگلیاں پھیر کر ہلکے سے جھٹکے سے انہیں پیچھے گرا دیا۔ بال کمر تک آتے تھے، نرم، آزاد۔۔۔ بالکل اس نئی زندگی کی طرح۔

اسی لمحے واش روم کا دروازہ کھلا۔زین باہر آیا۔گیلے بال، سادہ لباس، اور آنکھوں میں وہی خوشی کی چمک۔

وہ اس کے پیچھے آ کر آئینے کے سامنے رُک گیا۔

نگاہ آئینے پر تھی اور آئینے میں صرف شمع۔

شمع کے ہونٹوں پر شرارت آ ٹھہری۔"تم آئینے میں بھی مجھے ہی دیکھ رہے ہو؟"

زین نے جواب نہیں دیا۔

اپنا بازو اس کے وجود کے گرد لپیٹا اور اسے اپنے قریب کر لیا۔

شمع کی پشت زین کے سینے سے جا لگی۔

آئینے میں اب وہ دونوں ساتھ تھے۔ایک فریم، ایک پر مسرت لمحے میں۔

زین نے اس کے مہکتے بالوں کو ہونٹوں سے چھوا، شمع کی دھڑکن نے رفتار پکڑی۔

پھر اس کے کندھوں کو تھام کر آہستگی سے اسے اپنی طرف موڑا۔ شمع نے سر اٹھایا۔اس کی آنکھوں میں جھانکا اور لمحہ بھر کو سب کچھ ٹھہر سا گیا۔

زین نے نرمی سے اس کی زلفیں کان کے پیچھے کیں۔اس کے کان میں پہنے ہوئے ائیر رنگز دکھائی دیے۔اس نے انگلی اور انگوٹھے سے اسے ہلکے سے چھوا۔

شمع کی نظریں جھک گئیں، رخساروں پر گلابی رنگ اُتر آیا۔

زین نے اس کے ماتھے سے اپنا ماتھا ٹکاتے ہوئے نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے۔

"تمہارے ہونے سے میری دنیا مکمل ہے۔"

لمحے بعد شمع دو قدم پیچھے ہٹی، زین کے کندھوں پر دونوں ہاتھ ٹکاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔"مجھے کوئی اور راس آتا بھی کیسے ؟تم نے مجھ سے محبت ہی اتنی کی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

وہ پانچوں اس وقت ساحلِ سمندر کے کنارے کچھ یوں چل رہے تھے کہ شمع اور زین ہاتھ تھامے سب سے آگے تھے، مہوش ہاتھ میں سرخ بوتل لیے درمیان میں، اور آخر میں مشعل اور حماس—جو کچھ دیر بعد ایک دوسرے پر نظر ڈالتے اور ہلکی سی مسکراہٹ بانٹ لیتے۔

دو دن بعد حماس اور مشعل کی شادی طے تھی، سب اس موقع پر قصرِ سلطان آئے ٹھہرے تھے۔

"تم سب کو یاد ہے نا کیا لکھا تھا؟"مہوش نے ذرا اونچی آواز میں کہا—تاکہ آگے پیچھے سبھی سن لیں۔

"ہم تمہارے آگے پیچھے چل رہے ہیں، مہوش۔ بہرے نہیں ہوئے۔" شمع نے بغیر مڑے جواب دیا۔

"ہاں، بہرا تو صرف تمہارا شوہرِ نامدار ہوا ہے۔ تمہارے علاوہ اب کسی کی بات اسے سنائی ہی نہیں دیتی۔" مہوش نے بروقت زین پر چوٹ کی۔

"زین، اپنے دفاع میں کچھ نہیں بولو گے؟" مشعل نے چھیڑا۔

"محبت نے اسے گونگا، بہرا سب ایک ساتھ کر دیا ہے۔ اندھا تو بہت پہلے۔۔"
شمع نے پیچھے مڑ کر گھورا، تو مہوش کا جملہ بیچ میں ہی رہ گیا۔

بوتل میں ایک کاغذ تھا،

اور کاغذ پر پانچ دوستوں کی داستان۔

حماس سلطان: میں وہ دوست ہوں جو بولتا کم ہے، مگر مشاہدہ گہرا اور نظر تیز رکھتا ہے۔ دوستوں کے ساتھ گزارے گئے لمحے ان کے جانے کے بعد بھی ذہن میں دہراتا رہتا ہوں۔ محبت کا اظہار لفظوں میں نہیں کر پاتا، مگر ساتھ دینے کی کوشش بھرپور کرتا ہوں۔ میں وہ دوست ہوں جو سنتا ہے، جج نہیں کرتا؛ مشورہ دیتا ہے، اور اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے کی آزادی بھی۔

مشعل سلطان: میں وہ دوست ہوں جو بہت حساس ہے۔ کون کس وقت کیا نہیں کر رہا—یہ دیکھتی ہوں۔ کس نے کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا، کون اس مذاق پر نہیں ہنسا جس پر سب قہقہے لگا رہے تھے، کس کے چہرے پر آج تازگی نہیں، کون صبح سے نہیں مسکرایا۔ کبھی کبھار سامنے والا میری کیئر سے گھبرا جاتا ہے، اکثر اکتا بھی جاتا ہے—لیکن مجھے تو اپنا رول نبھاتے رہنا ہے۔

شمع فرحان: میں وہ کہہ دیتی ہوں جو دوسرے صرف سوچتے ہیں۔ روک ٹوک اور ہلکی پھلکی ڈانٹ وہ ذمہ داری ہے جو میں نے خود اوڑھ رکھی ہے۔ زیادہ نرمی سے بات کرنا مجھے آتا نہیں؛ فالتو مٹھاس کی کمی ہے۔ دوستوں پر کوئی بری نگاہ بھی ڈالے تو جھگڑا کرنے میں سب سے پہلی میں ہی ہوتی ہوں۔

زین سلمان: میں ہنسانے کا فن جانتا ہوں—اور اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرات کوئی نہیں کر سکتا۔ میں وہ ہوں جو بوجھل لمحوں میں بھی کوئی ایسا جملہ ڈھونڈ لیتا ہے کہ فضا ہلکی ہو جائے۔ مذاق میری ڈھال ہے، مگر ذمہ داری میری عادت۔ جب سب بکھرنے لگیں تو میں شور مچا کر نہیں، بات بنا کر جوڑنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر کبھی راستہ بھول جاؤں، تو دوستوں کی ہنسی مجھے واپس بلا لیتی ہے۔

مہوش علی: دوست میری باتیں آدھی سنتے ہیں اور باقی ہوا کے سپرد کر دیتے ہیں۔ میں بولتی زیادہ ہوں، مگر لوگوں کو پڑھنا بھی خوب جانتی ہوں۔ منصوبہ خواہ میرا ہی کیوں نہ ہو، میں سب کو اس میں تبدیلی کی آزادی دیتی ہوں۔ میں ہی اس گروہ کی رونق ہوں— ہلچل، قہقہے اور زندگی کو چلتا رکھنا میرا ہنر ہے۔

مہوش نے بوتل کو دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ حماس نے نگاہیں سمندر پر جما دیں، جیسے لہروں سے خاموش اجازت لے رہا ہو۔ زین نے بوتل مہوش کے ہاتھ سے لی—ایک لمحے کو اسے دیکھا، پھر مسکرا کر سر ہلایا۔

وہ چند قدم آگے بڑھا، بازو پیچھے لے جا کر بوتل کو ہلکا سا گھمایا، اور پوری طاقت سے سمندر کی طرف اچھال دیا۔ سرخ بوتل ہوا میں ایک قوس بنا کر اڑی، پھر لہروں میں گم ہو گئی۔

ایک لہر اٹھی، بوتل کو اندر لے گئی،

اور واپس آتے ہوئے صرف جھاگ چھوڑ گئی۔

"جانے اب یہ کس کی کہانی کہلائے۔" حماس نے دھیرے سے کہا اور وہ سب اس کی تقلید میں چل دیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

یہ عباس کا کمرہ تھا۔ اور سمجھا جائے تو۔۔۔ اب ان دونوں کا۔

مہوش ٹرے میں دو کپ رکھے اندر سے نکلی۔ قدم آہستہ تھے، جیسے صبح کو پوری طرح جگانا نہ چاہتی ہو۔ بالکونی میں رکھے چھوٹے سے ٹیبل پر اس نے ٹرے رکھی، دو کرسیاں پہلے ہی سورج کی سمت رخ کیے کھڑی تھیں۔

وہ ایک مگ اٹھا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ چسکی لیتے ہوئے اس کی نظر سامنے ابھرتے سورج پر ٹھہر گئی۔ نارنجی اور سنہری روشنی آسمان کو دھیرے دھیرے رنگ رہی تھی، جیسے دن نے مسکرا کر آنکھ کھولی ہو۔

اندر سے قدموں کی ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ عباس بالکونی میں آیا۔ اور بنا کچھ کہے ٹرے سے دوسرا کپ اٹھا لیا۔

وہی کپ، جو ہمیشہ عباس کے لیے رکھا جاتا تھا۔

مہوش نے پلٹ کر دیکھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ خود بخود آ گئی۔

"یہ ہمارا فیورٹ سپاٹ بنتا جا رہا ہے۔"

زین نے مگ ہاتھ میں گھماتے ہوئے سامنے پھیلتی روشنی کو دیکھا، پھر اس کی طرف رخ کیا۔

"ہماری صبحیں جو ساتھ طلوع ہوتی ہیں۔"

"اُبھرتا سورج۔۔۔ میرا پسندیدہ نظارہ ہے۔" مہوش بولی تو لہجے میں سرشاری نمایاں تھی۔

"نئے آغاز انسان کو ہلکا پھلکا کر دیتے ہیں۔"

بالکونی میں سنہری روشنی گھر کرتی گئی، دو کپوں سے اٹھتی بھاپ ہوا میں گھل رہی تھی۔

مہوش کو اکثر لگتا کہ ان کے بیچ ٹھہری خاموشی بھی با معنی ہے، اس کی اپنی ایک زبان ہے۔

ہر جذبہ جو لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا، خاموشی اس کی ترجمان ہوا کرتی ہے۔

یہی تو اس کی تمنا تھی: ایک مانوس سا، محفوظ سا تھ۔

☆☆☆☆☆☆☆

گاؤں کی مٹی کی سوندھی خوشبو ہوا میں رچی بسی تھی۔

دور تک پھیلی ہریالی کے بیچوں بیچ بنی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے مہوش کے قدموں میں آج ایک عجیب سی سرشاری تھی۔ سر پر ڈھلکا دوپٹہ اور چہرے پر اطمینان کی وہ لہر تھی جو برسوں کی مسافت کے بعد منزل چھو لینے والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

"پہلے میں یہاں اکیلی کلینک کھولنا چاہتی تھی۔" مہوش رکی اور مڑ کر عباس کو دیکھا جو تھوڑے فاصلے پر زمین کی نمی اور فضا کے سکوت کو محسوس کر رہا تھا۔

"پر اب میرے پاس تم بھی ہو اور وہ ڈگری بھی، جو مجھے لوگوں کا اعتبار دلائے گی۔ ورنہ یہاں تو لوگ کسرِ نفسی کو بھی سایہ یا جن، بھوت سمجھ لیتے ہیں۔"

عباس چند قدم چل کر اس کے برابر آیا۔ "ڈگری تمہیں قانونی تحفظ دے گی مہوش، لیکن یہاں کے لوگوں کے لیے تمہیں ایک باقاعدہ نظام بنانا ہوگا۔ میرا مشورہ ہے کہ ہم تمہارے بابا کے ڈیرے کے قریب ایک چھوٹی سی جگہ کو بطور 'کمیونٹی مینٹل ہیلتھ کلینک' رجسٹر کرواتے ہیں۔"

"پر میں روز یہاں کیسے آؤں گی؟ لاہور سے مرید کے کا سفر روزانہ ممکن نہیں ہوگا۔"

"ہمیں روز آنے کی ضرورت نہیں۔" عباس نے وضاحت کی۔ "ہم وہاں ایک تربیت یافتہ پیرامیڈیکل اسٹاف رکھیں گے۔ پنجاب ہیلتھ کیئر کمیشن کے ضوابط کے تحت ہم وہاں ٹیلی کونسلنگ کا سیٹ اپ کر سکتے ہیں۔ تم لاہور کے کلینک سے ویڈیو لنک کے ذریعے ان سے جڑی رہو گی، اور نرس وہاں مریضوں کا ریکارڈ اور ابتدائی معائنہ سنبھالے گی۔"

مہوش کے چہرے پر اطمینان کی لہر آئی۔ "بابا کے بندے کلینک کی دیکھ بھال اور انتظامی معاملات سنبھال لیں گے۔ اس طرح یہ ایک باقاعدہ قانونی ادارہ بن جائے گا۔"

عباس مسکرایا۔ "بالکل! اور ہم ہر ویک اینڈ پر خود یہاں آ کر فزیکل سیشنز کیا کریں گے۔ اس طرح تمہارے گاؤں کا حق بھی کسی حد تک ادا ہو جائے گا۔"

مہوش نے عباس کی طرف دیکھا، ایک محبت بھرا احساس اس کے گرد حصار باندھنے لگا۔

پگڈنڈی کے دونوں طرف کھڑی فصلیں جیسے ان کے اس نئے آغاز پر گواہ بن رہی تھیں۔

"تمہارے ساتھ ہونے سے یہ خواب کتنا مکمل لگ رہا ہے، عباس۔"

☆☆☆☆☆☆☆

عجب یہ عالمِ ادغام ہے کہ اب میں اور تم

جدا حدود نہیں، ایک ہی لہر میں ملے

وہ دونوں چاندنی رات میں چھت پر ساتھ کھڑے تھے۔

آج چاند پورا تھا۔

"جانتی ہو، ہم آٹھویں میں تھے جب میں نے پہلی بار کسی پر ہاتھ اٹھایا۔" حماس کے اس انکشاف پر مشعل اس کی جانب مڑی۔

"وہ جب تمہیں سزا دی گئی تھی؟"

پہلے تو حماس چونک اٹھا، پھر یاد آیا کہ وہ دونوں کلاس فیلو تھے، بھلا مشعل کو پتہ کیسے نہ چلتا؟

"میں نے تم سے پوچھا نہیں کیونکہ مجھے لگا۔۔" مشعل نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، وہ جانتا تھا وہ کیا کہتے ہوئے رک گئی۔

"نہیں، وہ میرے والدین سے جڑی بات نہیں تھی۔" وہ بھی اب پوری طرح اس کی طرف رخ کیے کھڑا تھا۔ "وہ تم تھی۔"

"میں؟"

"بریک میں دو لڑکے آپس میں باتیں کر رہے تھے، میری طرف پیٹھ تھی اس لیے میری موجودگی سے لاعلم رہے۔" اس نے لمحے بھر کو نظریں چرائیں۔ "ایک نے کہا، یہ مشعل کی جو سب ٹیچرز تعریفیں کرتے ہیں

،اسی کے لیے تو ساری محنت ہے۔دوسرے نے کہا، مجھے تو لگتا ہے اس کے باپ کی گڈ بکس میں آنے کے لیے سارا ڈرامہ رچایا ہوا ہے۔جواب میں دوسرا ہنسا اور بولا، میں تو اسے اپنے گھر کی ملازمہ بھی نہ رکھوں۔" یہ الفاظ دہراتے حماس کو ایک بار پھر وہی چبھن محسوس ہوئی جو اس لمحے ہوئی تھی۔وہ ان دونوں پر پل پڑا تھا۔"حسد میں ان کی زبانیں زہر اگل رہی تھیں۔مجھے لگا، انہوں نے مجھے گالی دی۔تمہارے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات کرے تو ایسی تکلیف ہوتی ہے جو میں معاف نہیں کر پاتا۔"

مشعل نے غور سے اسے دیکھا، اس کی آواز میں حیرت اور نرمی ایک ساتھ تھیں۔

"کیا ہر موڑ پر مجھے یونہی حیران کرتے رہو گے؟"

حماس نے ایک ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تاکہ چاندنی میں اس کے نقوش پوری طرح واضح ہو جائیں۔اسے یوں لگا جیسے مشعل اسے اپنے سحر میں باندھ رہی ہو۔اس نے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا مشعل کے نچلے لب پر پھیرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری موجودگی نے میری زندگی کے ہر دور کو بامعنی اور خوبصورت بنایا۔"

پھر اس نے دونوں بازو اس کی کمر کے گرد حائل کیے اور اسے اپنے اندر سمیٹ لیا۔حماس نے محسوس کیا کہ مشعل کے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہو گئی ہے۔یہ دھڑکن اسے اپنے سینے پر صاف سنائی دے رہی تھی، محسوس ہو رہی تھی۔اسی کے ساتھ اسے اپنی دھڑکن بھی محسوس ہوئی۔دونوں دھڑکنیں جیسے ایک دوسرے میں مدغم ہونے لگیں؛ کہاں مشعل کی دھڑکن شروع ہوتی تھی اور کہاں حماس کی ختم، یہ جاننا مشکل ہو گیا تھا۔

حماس نے اس کے کان کے قریب جھک کر سرگوشی کی۔

"تم اس دنیا میں میری فیورٹ انسان ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

تلاشِ ذات کی منزل، مری تمہی ٹھہریں

مِلا ہے روح کا گم گشتہ جزو بھی مجھ کو

ملا جو قربِ الٰہی، تو راستہ چمکا

کرم ہوا ہے تو بخشا گیا ہے تو بھی مجھ کو

عقبی باغ میں ہلکی ہوا، پتوں کی سرسراہٹ۔ سب اپنی جگہ مکمل تھا۔

مشعل اور حماس یہیں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ درمیان میں میز، اور ارد گرد وہ ہنسی جو صرف گھر کی ہوتی ہے۔

"اب تو تمہیں اولاد سے زیادہ پیار ہو گا۔" وہ کافی دیر سے اس کی گہری نظریں اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ کہیں بھی، کسی بھی کمرے میں داخل ہونے پر حماس کی نظریں پہلے اسے ڈھونڈا کرتیں، وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔ یا شاید کچھ زیادہ!

وہ ہلکا سا ہنس دیا، اس کی شرارتوں سے پرانی شناسائی تھی۔

"جتنی مجھے تم اچھی لگتی ہو، اتنا مجھے کوئی بھی اچھا نہیں لگتا۔"

ان کی نو سالہ بیٹی، آمنہ دوڑتی ہوئی ان کی طرف آئی۔ ہاتھوں میں کچھ تھامے ہوئے، عجلت بھرے قدم، چہرے پر گھبراہٹ۔

وہ پھولی ہوئی سانسوں کے بیچ بولی۔ "اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔"

ایک زخمی، سہمی ہوئی فاختہ اس کی ننھی ہتھیلیوں میں دکھائی دی۔

حماس نے چونک کر پرندے کو دیکھا، پھر مشعل کو۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیے۔ وہ ہنسی جس میں تھکن نہیں، بس شکر ہوتا ہے۔

حماس نے بیٹی کے بالوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ضرور لے کر جائیں گے۔"

اسی لمحے ان کا چار سالہ بیٹا، روحان، باغ کے دوسرے کونے میں کسی اڑتی ہوئی تتلی کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

اس کی ہنسی ہوا میں بکھر رہی تھی۔

مشعل کی نظر اس پر جمی ہوئی تھی۔ ماں کی نظر، جو فاصلے کے باوجود قریب رہتی ہے۔

کچھ فاصلے پر ملازمہ کھڑی تھی، خاموش مگر چوکنا۔

اگرچہ نانا نانی نظر نہیں آ رہے تھے، مگر گھر میں ان کی موجودگی کسی مضبوط سائے کی طرح بسی ہوئی تھی۔ ان کی محبت دونوں بچوں کے لیے ایک محفوظ سائبان سے کم نہ تھی۔

مشعل نے ایک بار پھر حماس کو دیکھا۔

اتوار اس کا پسندیدہ دن کیوں نہ ہو؟ یہ وہ دن تھا جب حماس کام سے چھٹی کر ہی لیتا تھا، اور بچے اپنے باپ کی موجودگی کو پورے دل سے جیتے تھے۔

حماس نے بیٹی سے فاختہ لیتے ہوئے کہا۔ "چلو، پہلے اس کا خیال رکھتے ہیں۔"

مشعل نے دونوں بچوں کو دیکھا، پھر ایک نظر حماس پر ڈالی۔

زندگی مکمل تھی۔

شور میں بھی پُر سکون۔

اور ہنسی میں بھی دعا۔

سپرد کر دے جو قلب و جاں، مری رضا کی طلب میں

وہی ملے گا تجھے، جو تری چاہت میں ٹھہرا ہے

☆☆☆☆☆☆☆